ایک تاریخ

ایک یادداشت،

ایک تعارف، ایک تجزیہ، ایک تبصرہ،
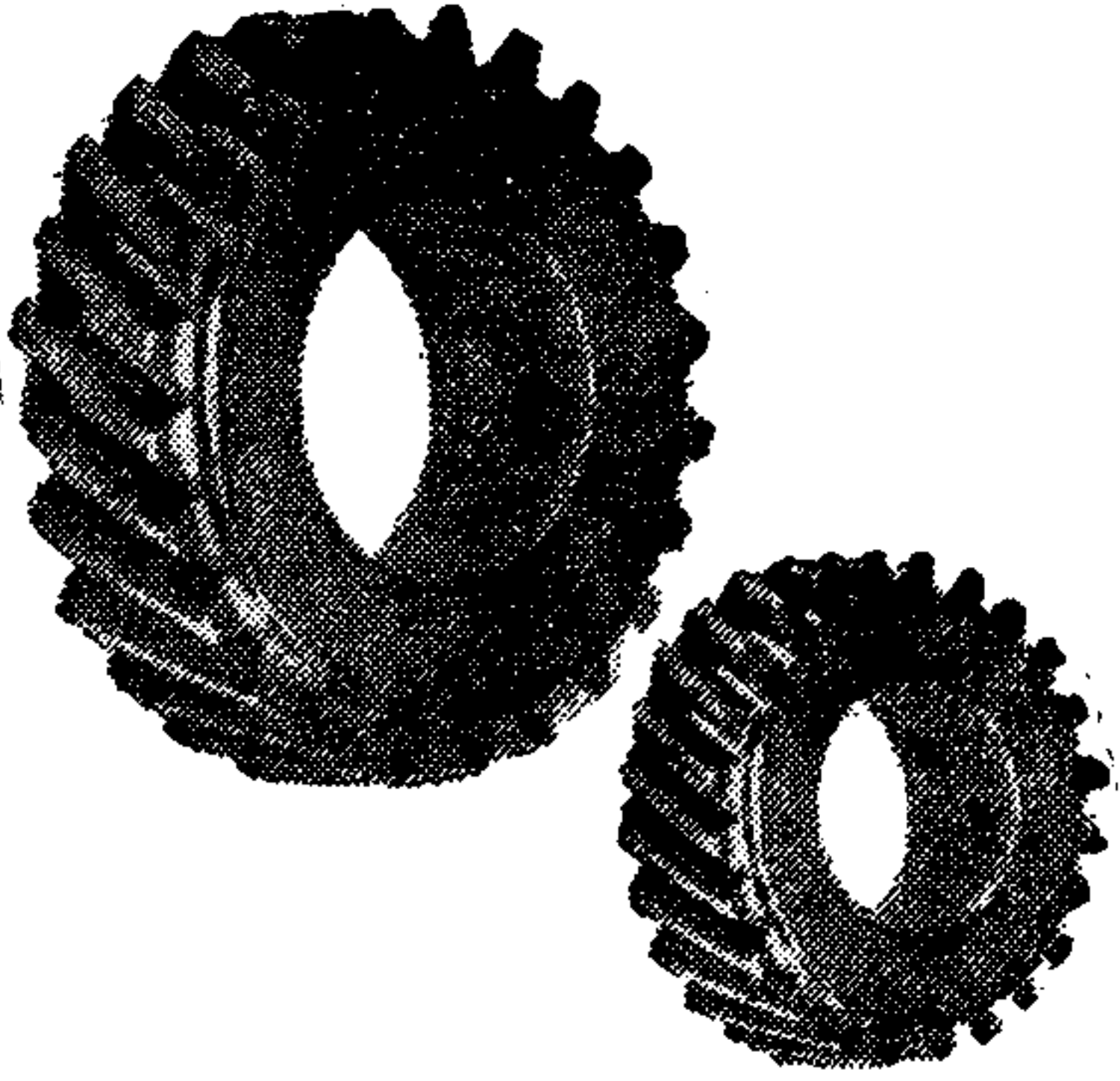
آئینۂ ملتان

از

منشی عبدالرحمن خان،

آئینہ ملتان

:o:

منظور شدہ

محکمہ تعلیم حکومت پنجاب بروئے

نوٹیفیکیشن

نمبر S.O. (C.D.) Edu - 2 - 68/72

مورخہ 17 اپریل 1973ء

برائے لائبریری ہائے

پرائمری - مڈل - ہائی سکولز و کالجز

صوبہ پنجاب

قیمت مبلغ بارہ روپے
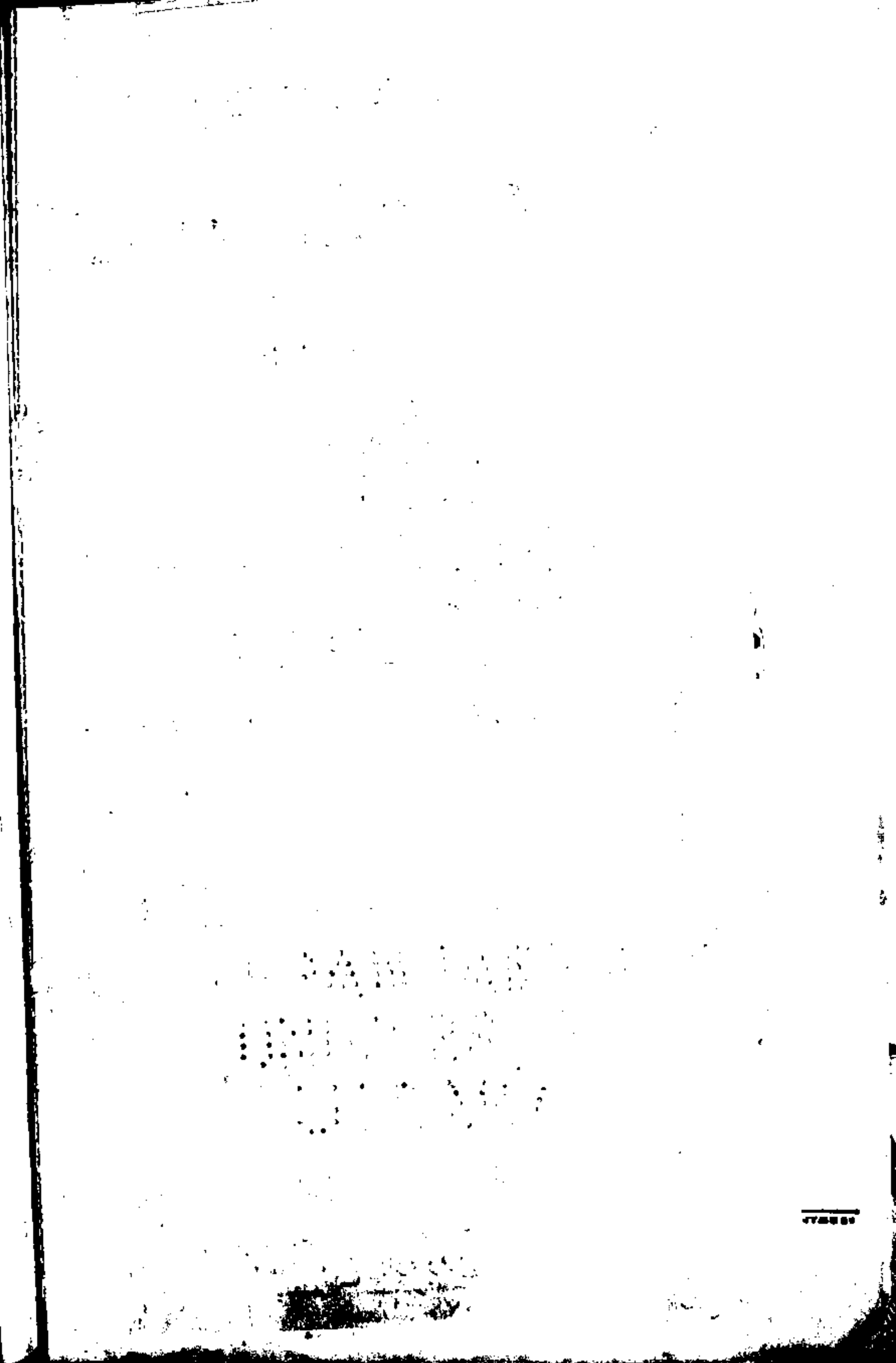
۷۸۶

عہدِ رفتہ کے فسانے دورِ نو کی داستاں

سب مظاہر دیکھئے آئینۂ ملتان میں

آئینۂ ملتان

از

منشی عبدالرحمٰن خاں

شائع کردہ مکتبہ اشرف المعارف چہلیک ملتان فون ۲۶۷۵
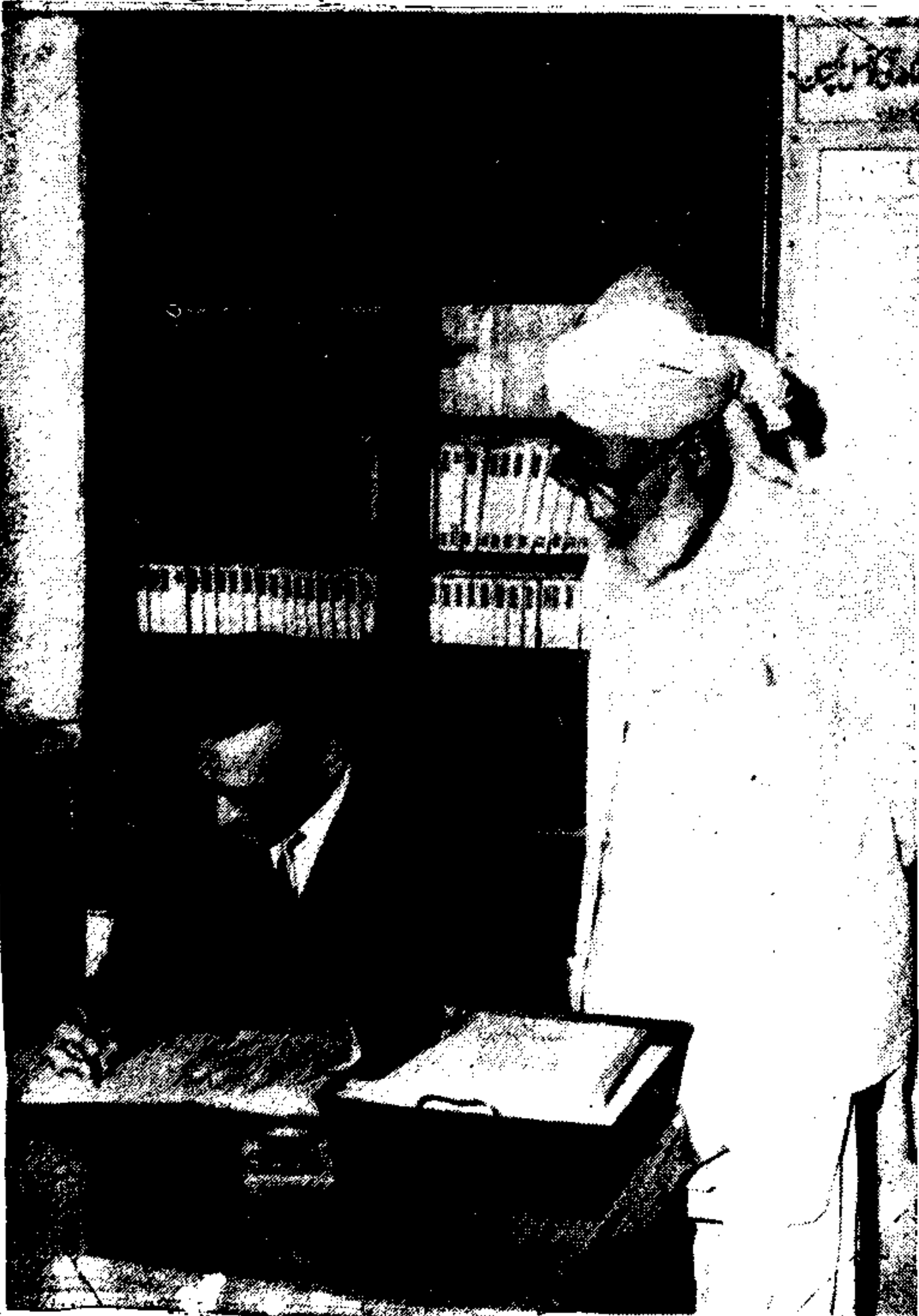
مصنف کی موجودگی میں مسٹر مختار مسعود تمغۂ قائد اعظم
اُن کے اما [illegible] رائے لکھ رہے ہیں
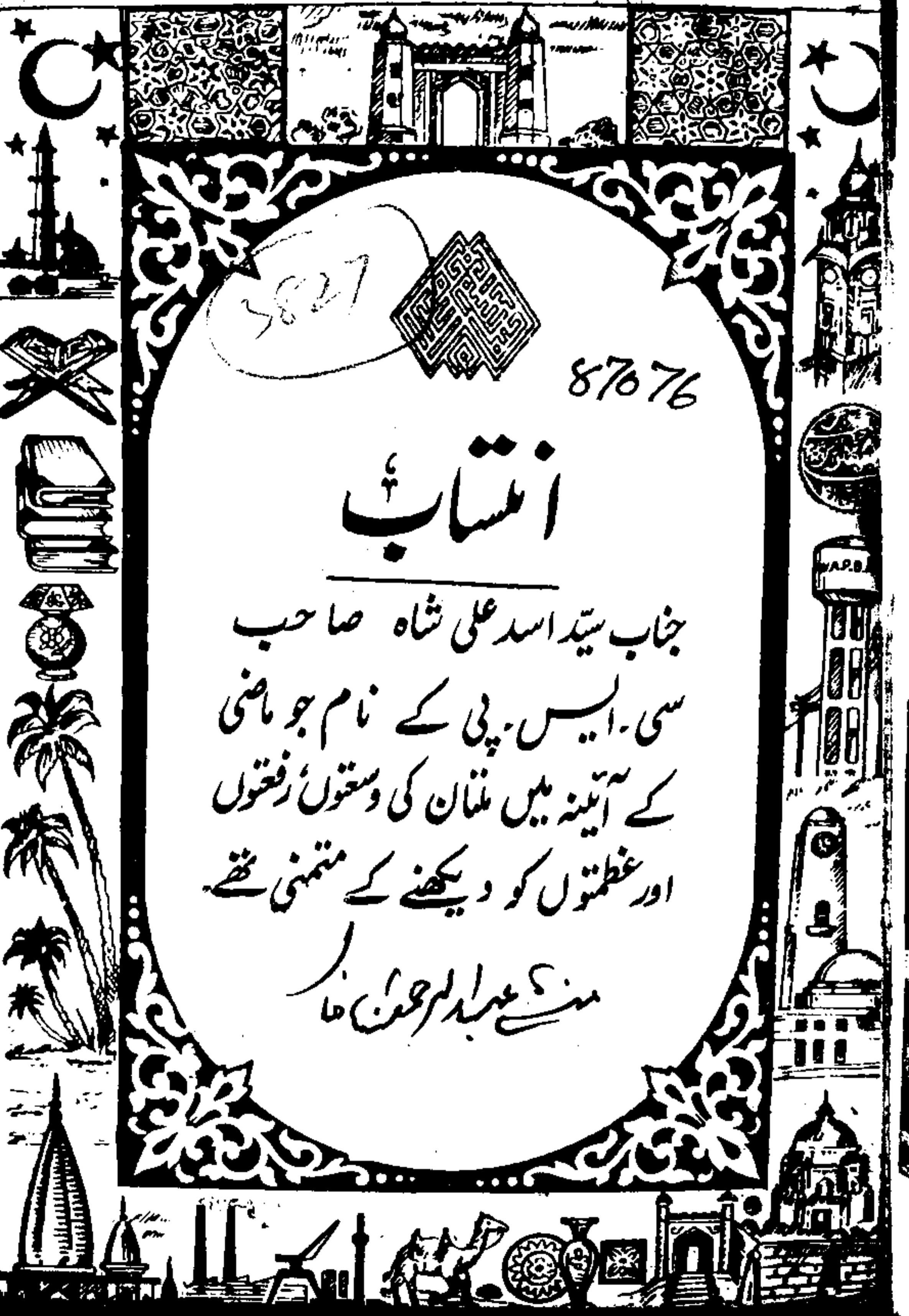
انتساب

جناب سید اسد علی شاہ صاحب
سی۔ ایس۔ پی کے نام جو ماضی
کے آئینہ میں ملتان کی وسعتوں، رفعتوں
اور عظمتوں کو دیکھنے کے متمنی تھے۔

منشی عبد الرحمٰن خان

موضوعات

قابلِ ذکر مدارس

قابلِ قدر کتب خانے

قابلِ دید مقابر

مضافاتی خانقاہیں

قابلِ داد مساجد

تاریخی باغات

تاریخی قصبے

تہذیب و ثقافت

علم و ادب

صنعت و حرفت

انگریزی دور

آثارِ حکومت

اکابرینِ شہر

مشاہیرِ ملتان

عزاداری

ہندو مسلم فسادات

صحافت

نشر و اشاعت

تاریخی کارنامے

پاکستانی دور

زراعت کاری

باغبانی

صنعت کاری

دینی ادارے

تعلیمی ادارے

ادبی ادارے

ثقافتی ادارے

تصاویر

نقشہ ملتان مرتبہ ۱۸۵۳ء

بار اوّل — جون ۱۹۷۲ء

طابع

عوامی پریس ۔ ۴ ۔ لارنس روڈ ۔ لاہور

حقیقت

(از حضرت اسدؔ ملتانی مرحوم)

خطۂ پاکیزۂ ملتان و سند — ہست تصویرِ عرب در ملکِ ہند

سوئے ریگستان و نخلستاں نگر — جلوۂ خاکِ حجاز آید نظر

مے کند اعلان ہر نخلِ بلند — ایں زمیں از فیضِ یثرب بہرہ مند

از خرامِ اشتراں آیم بہ وجد — یاد می آید مرا صحرائے نجد

بیں کہ در ملتانیانِ حق پرست — روحِ اوصافِ حجازی مضمر ست

اہلِ ملتاں از تکلف بے نیاز — سادہ دل شیریں زباں مہماں نواز

مایۂ ناز است بہر ایں زمیں — نقشِ پائے ابنِ قاسم بر جبیں

در ضلالت خانۂ ہندوستاں — اوّلیں گہوارۂ اسلامیاں

ماندہ است ایں سرزمینِ اولیا — قبلۂ مقصودِ اربابِ صفا

ایں مقدّس خاک را اے کردگار

از ہوائے مغربی محفوظ دار

۷۸۶

ضرورت

ہمارے ہاں جس قدر تاریخیں ملتی ہیں۔ اُن سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ کون کس زمانہ میں اور کن حالات میں برسرِ اقتدار آیا اور کتنا عرصہ کس طرح کاروبارِ حکومت چلاتا ہوا رخصت ہوا۔ مگر ان میں اس نوع کی کوئی تفصیل نہیں ملتی کہ اس کے دور میں ملک کی تہذیب و تمدن معاشرت و ثقافت صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت کی کیا حالت تھی۔ اس لحاظ سے اس وقت تک ملتان کی کوئی ایسی جامع تاریخ نہیں لکھی گئی جو اس کے پورے ماضی کو پیش کرے یا صحیح معنوں میں تاریخی تقاضوں کو پورا کرے۔

ابن عساکر نے صرف دمشق کی تاریخ ۸۰ جلدوں میں لکھی تھی خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد ۱۴ ضخیم جلدوں میں مکمل کی۔ ملتان اتنا قدیم شہر ہے اس کی قدامت اس امر کی متقاضی تھی کہ اس کی تاریخ روزِ اوّل سے لکھی جاتی اور اس کی زندگی کے ہر دور اور ہر گوشہ پر روشنی ڈالی جاتی۔ مگر کسی نے ماضی بعید کی تاریکیوں میں شمعِ تحقیق جلانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

سیاسی ضرورتوں اور معاشی تقاضوں کے تحت جو دو تین کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ اُن سے پتہ چلتا ہے کہ ملتان کی تاریخ سکندرِ اعظم

کے حملے سے شروع ہوتی ہے۔ حالانکہ اس سے قبل یہاں صدیوں آریوں، مصریوں، ایرانیوں اور یونانیوں کی حکومت رہی جنہیں ملتان کی دولت اور شہرت یہاں کھینچ لائی۔

اس لئے اِس امر کی اشد ضرورت ہے کہ کوئی صاحب نظر ملتان کی کوئی مستند تاریخ لکھے جو اس کے ماضی کی عظمتوں، رفعتوں اور وسعتوں کو ٹھوس حقائق کی بنا پر پیش کرے تاکہ آنے والی نسلیں اسکے شاندار ماضی سے آگاہ ہو سکیں۔ زیر نظر کتاب بھی ملتان کی تاریخ نہیں بلکہ اس کا ایک جامع تاریخی جائزہ ہے جو مستند تاریخوں سے مرتب کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ مختصر وقت میں نوواردان کو ملتان سے متعارف کرایا جا سکے اور یہ آنے والے مؤرخ کے لئے نشانِ راہ کا کام دے سکے۔

مجھے امید ہے کہ اس تاریخی آئینہ میں آپ کو اس کے خدوخال نمایاں اور روشن نظر آئیں گے۔ اگر آپ اس میں کوئی کمی محسوس کریں تو اسے آئینہ کی تنگ دامنی اور میری کوتاہ نظری پر محمول کریں۔ اور اگر حقائق کے اِس مجموعہ کی کوئی بات بارِ خاطر گزرے تو اس کیلئے مجھے معاف کر دیں۔

احقر العباد

منشی عبدالرحمٰن خان

پہلیک ملتان

۳۱ر دسمبر ۱۹۷۱ء

عنایت

• اس کتاب کی تالیف و ترتیب میں میرے کرم فرما نواب مشتاق احمد خاں گورمانی سابق گورنر پنجاب و وزیر داخلہ حکومت پاکستان اور میرے محسن سید ابنِ حسن برنی ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ یونائیٹڈ بنک لیمٹڈ پاکستان کے قیمتی اور مخلصانہ مشورے بھی شامل ہیں۔ جن کی بناء پر اس کتاب میں اہم اضافے ہوئے۔

• اس کتاب کے لئے غیر مطبوعہ مواد کی تلاش کے دوران خان بہادر ڈاکٹر پروفیسر مولوی محمد شفیع ستارۂ پاکستان صدر دائرۃ المعارف پنجاب یونیورسٹی لاہور کے خلف الرشید مسٹر احمد ربانی پی آر ایس نے اپنے تاریخی کتب خانہ سے استفادہ کرنے کی مخلصانہ پیش کش کی جس سے نایاب مواد ملا۔

• ملک مظفر حسین ایگریکلچرل پبلیکیشنز آفیسر لاہور کا تعاون بھی اس سلسلہ میں بڑا مفید رہا۔ جنہوں نے جان پہچان کے بغیر میری استدعا پر زراعت کے متعلق قیمتی لٹریچر فراہم کیا۔

• ملتان کے علمی گھرانے کے روشن چراغ سید عباس حسین گردیزی ریٹائرڈ ڈی۔سی۔ایس و ممبر قومی اسمبلی نے بھی اپنے کتب خانہ کے نوادرات مخطوطات اور شاہی سندات کے ملاحظہ کرنے اور ان سے مستفید ہونے

کی فراخ دلی سے دعوت دی۔ جن سے قیمتی معلومات حاصل ہوئیں اور ان کی تاریخی سندات کے عکس کتاب ہذا کی زینت بنے۔

• اس کتاب کو لکھنے کے دوران مجھے پہلی دفعہ ملتان کے ادیب محمد طاہر خاں غنی کی مؤرخانہ صلاحیتوں۔ مسٹر محمد ممتاز حسین ڈسٹرکٹ خزانچی ملتان کی علم دوستی اور ملک افتخار حسین کی بالغ نظری کا اندازہ ہوا۔ جنہوں نے از خود چند نایاب معلومات بہم پہنچانے اور نادر مواد فراہم کرنے میں میرا ہاتھ بٹایا۔

• ملتان کے تاریخی مقامات کی تصاویر، ملتان کے مشہور و معروف سٹوڈیو "ہالی وڈ" نے رضاکارانہ طور پر تیار کر دیں۔ جن سے کتاب کی افادیت میں گرانقدر اضافہ ہوا۔ اور جو اس کے حسنِ عکاسی کی غماز ہیں۔

مولا کریم کا یہ فضلِ عظیم ہے۔ جس نے ان سب کو میرا معاون بنا کر میری مشکلات آسان فرما دیں، جن کیلئے میں ان سب حضرات کی اس عنایت و اعانت کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی بدولت نایاب معلومات حاصل ہوئیں۔

میں اُن افسروں اور ادیبوں کا بھی ممنون ہوں۔ جنہوں نے بعض حقائق کو حذف کرنے کا مشورہ دیا۔ جس کی عدم قبولیت کی بنا پر اُنہوں نے اس کی اشاعت کی راہ میں روڑے اٹکانے کی ناکام کوشش کی۔

سپاس گذار :-

منشی عبدالرحمن خاں

وضاحت

یہ تاریخی حقائق اس ملتان کے ہیں۔ جس کی وضاحت مؤرخ اسلام سید سلیمان ندوی نے اپنی تصنیف لطیف "عرب و ہند کے تعلقات" میں ان الفاظ میں کی ہے۔

"ملتان سے مقصود صرف ایک شہر نہیں بلکہ پورا صوبہ ہے جو کبھی ایک ریاست بلکہ سلطنت تھا۔ مصر کے وزیر مہلبی نے چوتھی صدی ہجری میں لکھا کہ اس کی حدود وسیع ہیں پچھم کی طرف مکران اور دکھن میں منصورہ (سندھ) تک اس کی وسعت تھی۔ دریائے سندھ کے پاس جو قنوج تھا سنہ ۳۰۰ھ میں وہ ملتان میں تھا۔ اس زمانہ میں ایک لاکھ پچپن گاؤں اس اسلامی ریاست کی حدود میں تھے۔"

لفظ شیخ آج کل نو مسلموں کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن لفظ شیخ عربی میں بزرگ کے معنوں میں بطور اعزاز استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اس کتاب میں بزرگان دین کے اسماء گرامی کے ساتھ جو لفظ شیخ آیا ہے وہ ان کی قومیت کا نہیں بلکہ اُن کی عظمت کا عکاس ہے۔

مؤلف

صراحت

ایک عرصہ سے "برصغیر" کے لفظ کا بڑا غلط استعمال ہو رہا ہے اور آج تک کسی کو اِس غلطی کا احساس نہیں ہوا۔ اِس کی طرف سب سے پہلے حضرت اسد ملتانی نے اپنے مکتوب گرامی محررہ ۱۰ مئی ۱۹۵۵ء میں یُوں میری توجّہ مبذول کرائی:-

"میرے سامنے جب کسی کا مضمون آتا ہے تو سب سے پہلے یہی دیکھتا ہوں کہ کہیں "برصغیر" تو استعمال نہیں کیا۔ آج کل اخبارات و رسائل میں اس کی ترکیب کا استعمال بہت عام ہو گیا ہے جس سے سخت اذیت پہنچتی ہے کیونکہ یہ بالکل غلط اور بے معنی ترکیب ہے۔ یہ لوگ اسے SUB CONTINENT کا ترجمہ سمجھتے ہیں، حالانکہ "سب کانٹی نینٹ" بہت بڑی چیز ہے اور برصغیر سے مُراد ہے زمین کا چھوٹا سا ٹکڑہ۔ خواہ وہ ایک تحصیل کے برابر ہو یا چند ایکڑ ہی کا کیوں نہ ہو، علاوہ ازیں برصغیر ضد ہے کبیر کی۔ اِس لئے براعظم کے تقابل میں برصغیر لانا صحیح نہیں۔

CONTINENT براعظم ہوتا ہے اور SUB CONTINENT برعظیم! برصغیر اور برِ کوچک کے الفاظ کا ان معنوں میں استعمال بالکل غلط اور بے جا ہے۔ اِس لئے آپ برصغیر کی جگہ برعظیم کر دیجئے۔"

اِسی صراحت کی بنا پر اس کتاب میں برصغیر کی جگہ "برعظیم" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

سعادت

یہ کتاب جب پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی تو اس کی اطلاع پاکر ملتان کے سابق جوہر شناس ڈپٹی کمشنر اور نامور ادیب مسٹر مختار مسعود کا اسلام آباد سے خط ملا کہ "علمی، ادبی، تعلیمی، دینی اور سپورٹس کے ذکر میں اچھے اچھے لوگوں کے نام شامل ہونے چاہئیں" اس کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے ٹیلیفون پر فرمایا :-

"یہ صرف احسان ناشناسی کا دور ہی نہیں، انسان فراموشی کا دور بھی ہے وقت گزر جانے کے بعد لوگ پرائے تو کیا اپنوں کو بھی بھول جاتے ہیں۔ اس لئے اُن کا نام اس میں ضرور آنا چاہئیے جنہوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔"

ملتان میں یُوں تو بیسیوں ڈپٹی کمشنر آئے اور گئے مگر کسی نے اس طرح ملتان دوستی بلکہ انسان دوستی کا ثبوت نہیں دیا۔ آپ ملتان میں مشکل دو ڈھائی سال رہے مگر اس عرصہ میں ملتان کی کایا پلٹ گئے۔ نئی سبزی منڈی، شاہین مارکیٹ، عثمانیہ مارکیٹ، بوہڑ گیٹ مارکیٹ، الحمرا ہوٹل، اس کے نیچے کی مارکیٹ بنوا کر، عید گاہ و چوک گھنٹہ گھر کو وسعت دے کر اور بیسیوں ترقیاتی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر نہ صرف اہلِ ملتان پہ احسان کر گئے بلکہ ملتان کے حسن میں بھی اضافہ کر گئے۔ بارہ برس بعد ان کی یہ تاکید! سہ

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آثار

وجہ تسمیہ

ہندوستان کا شمار دنیا کے ان چند ممالک میں ہوتا ہے جہاں سب سے پہلے انسانی آبادی کے آثار ملتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے دنیا کا سب سے پہلا انسان حضرت آدمؑ کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کا ہبوط باتفاق مورخین جزیرہ سراندیپ (لنکا) پر ہوا جس کی توثیق امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب[1]، الامام محمد بن علی الباقر[2]، الامام جعفر الصادق[3] کی روایات سے ہوتی ہے۔ جن کو ابن الفقیہ الہمدانی متوفی بعد ۲۷۹ھ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

وفی الحدیث إن آدم اُھبط بالھند علیٰ جبل سراندیپ واھبطت حواء بجدۃ وابلیس اللعین بمیسان والحیۃ باصبھان	نیز حدیث میں ہے کہ آدم ہند میں سراندیپ پہاڑ پر اتارے گئے اور حوا جدہ میں اور ابلیس لعین "میسان" میں اور سانپ اصفہان میں۔

میسان

ملتان نے اپنی زندگی میں انقلاباتِ زمانہ کے تحت جسقدر نام پائے ان میں اس کا سب سے پہلا نام "میسان" تھا جسکی تواریخ تائید کرتی ہیں۔

کشیپ پورہ

ہندوؤں کی دیو مالا کی رُو سے ملتان کو چونکہ سورج دیوتاؤں کے باپ کشیپ نے آباد کیا تھا۔ اس لئے اسکی نسبت سے اسکا نام کشیپ پورہ پڑ گیا۔

---

[1] صدوق: عیون اخبار الرضا ص ۱۳۵، علل الشرائع ص ۱۹۸، [2] قصص الانبیاء، بحار (۱۱: ۱۸)
[3] صدوق علل الشرائع ص ۱۴۵، ۱۴۹۔ [4] کتاب البلدان ۳۲۴، ہندوستان عربوں کی نظر میں ص ۱۶۳

پرہلاد پورہ کشپ کا سب سے چھوٹا لڑکا پرہلاد خدا کے وجود کا قائل تھا جسکی وجہ سے وہ مقبول عام و خاص ہوا۔ اور اس کی نسبت سے ملتان پرہلاد پورہ بن گیا۔

سنب پورہ پرہلاد کے بعد سنبہ نے ملتان میں پھر سورج دیوتا کا بُت بنا کر اس کی پرستش شروع کرادی۔ تب اس کے نام پر ملتان سنب پورہ کہلایا۔

مول استھان آدیتہ دیوتا مندر۔ کے اجراء کے بعد اس کا نام مول استھان پڑ گیا۔ سنسکرت میں مولا کے معنی اصل کے اور استھان کے معنی جگہ کے ہیں یعنی آدیتہ دیوتا کے مندر کی اصل جگہ!

مالی استھان سکندر اعظم کے حملہ کے وقت ملتان میں ہندوؤں کی ایک شاخ مالی آباد تھی۔ اس نے اس کا نام بدل کر اپنے نام پر مالی استھان رکھدیا تھا۔

مولتان بعد ازاں مالی استھان کو کسی نے مولتان میں بدل دیا۔ اور

ملتان مولتان کو مزید آسان اور کم وزن بنانے کے لئے کسی دانشور نے حرف واؤ نکال کر سیدھا ملتان بنا دیا۔

محلِّ وقوعُ

ضلع ملتان بشکل مثلث طول بلد ۳۱ ۷ ۱۶ اور عرض بلد ۱۲ ۳۰ کے مقام اتصال پر واقع ہے۔ یہ ایک ایسے میدانی علاقہ کا نقطۂ پرکار ہے جو از منۂ قدیم میں مغرب میں کوہستانِ نمک و بحیرۂ عرب تک۔ شمال میں کوہ ہمالیہ تک۔ جنوب اور مشرق میں ریگزاروں تک پھیلا ہوا تھا۔

رگ وید جلد نمبر ۱۰ گیت نمبر ۱۳۶ کی رُو سے ملتان کے مشرق اور مغرب میں دونوں طرف سمندری پانی تھا۔ کیونکہ امپیریل گزٹیر آف انڈیا جلد ۴۲ صفحہ ۲ کی رُو سے پُرانے زمانہ میں موجودہ راجپوتانہ کا بہت سا علاقہ بصورت سمندر تھا۔ اور بحر راجپوتانہ کہلاتا تھا جس میں دریائے سرسوتی عرف گھارا آکر گرتا تھا۔ سروے آف انڈیا پیپر نمبر ۲ کی رُو سے یہ بحیرہ راجپوتانہ جنوب میں کوہ اراوتی تک پھیلا ہوا تھا۔ اور موجودہ مغرب میں خلیج کچھ کے ذریعہ بحیرۂ عرب سے مل گیا تھا۔ سلاطین دہلی کے تصرف میں آنے کے بعد صوبہ ملتان کا طول دیپالپور کی مشرقی حد سے بھکر کی غربی حد تک اور اس کا عرض خطی پور پر سندھ کی شمالی حدود سے جنوب کی طرف جیسلمیر تک پہنچ گیا تھا۔ جلال الدین اکبر کے عہد میں ٹھٹھہ بھی ملتان میں شامل کر دیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی حدود مشرق میں سرہند مغرب میں کیچ مکران شمال میں پرگنہ سور اور جنوب میں اجمیر تک وسیع ہو چکی تھیں۔

بھکر اور دیپالپور ملتان کے دو صوبے تھے۔ آئینِ اکبری کی رُو سے اس وقت ملتان کا رقبہ تیئیس لاکھ تہتر ہزار نو سو تیئیس بیگہ اور چار سو بسوے تھا۔ مغلیہ خاندان کے زمانے تک اس کی یہی حدود رہیں۔

نادر شاہ نے ۱۱۵۱ھ میں دہلی فتح کرنے کے بعد سندھ کو ہند و ایران کی سرحد قرار دیا۔ صوبہ کابل۔ پشاور اور اٹک کے اس پار کے تمام علاقہ کو ہندوستان سے الگ کر کے ایران میں شامل کر لیا۔ "نادر شاہ نامہ" کی رُو سے اس وقت سے ڈیرہ اسمٰعیل خاں فتح خاں۔ ڈیرہ غازی خاں اور دوائی وغیرہ جو سندھ کے اس پار کا ملتانی علاقہ تھا۔ صوبہ سے منقطع ہو کر ایران میں شامل ہو گیا۔

نواب مظفر خاں کے زمانہ میں ملتان سمٹ سمٹا کر راوی کے اُس پار تلمبہ سے ترموہنہ تک اور چناب کے اُس پار احمد پور سیالاں سے غضنفر نگر تک ادھر شجاع آباد تک اور دُوسری طرف بھکر تک کا علاقہ اُس کے تصرف میں رہا۔

اس وقت ضلع ملتان کی حدود مشرق میں ضلع ساہیوال تک، مغرب میں ضلع مظفر گڑھ تک، شمال میں ضلع جھنگ تک اور جنوب میں سابق ریاست بہاولپور تک محدود ہیں۔ اس کا کل رقبہ ۵۶۳۰ مربع میل ہے۔ بلحاظ رقبہ ملتان مغربی پاکستان میں سولہویں نمبر پر ہے۔

دریائی پنجہ

عہد قدیم میں رگ وید جلد چہارم اشلوک ۲۶ کی رو سے سات دریا
۱۔ سندھ ۔ ۲۔ جہلم ۔ ۳۔ چناب ۔ ۴۔ راوی ۔ ۵۔ بیاس ۔ ۶۔ ستلج اور ۷۔ سرسوتی عرف
گھارا۔ ملتان کو نقطۂ اتصال بنا کر ایک پنجہ کی شکل میں بہتے تھے۔

دریا گھارا یا سرسوتی انبالہ کے قریب بہتا ہوا بہاولپور کے ریگستان
میں جذب ہو جاتا تھا۔

بیاس اور ستلج فیروزپور کے قریب ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر
یک قالب ہو جاتے تھے اور ملتان کی سرحد سے گزرتے تھے۔

چناب اور جہلم کا ملاپ شورکوٹ کے قریب ہوتا تھا جس سے بعد
ازاں راوی بھی آکر مل جاتا تھا اور یہ تینوں یک جان ہو کر ملتان کی غربی
سرحد قائم کرتے ہوئے گزرتے تھے۔

اٹھارویں صدی عیسوی سے قبل بیاس بھی ملتان میں بہتا تھا جس
کے آثار "سک واہا" کے نام سے ابتک موجود ہیں۔

پنجند کے مقام پر ستلج بھی چناب کے ہم آغوش ہو جاتا ہے اور یہ سب
مل کر کوٹ مٹھن کے قریب دریائے سندھ میں جا ملتے ہیں۔

دریائے چناب ملتان کو مظفرگڑھ سے جدا کرتا ہے اور دریائے ستلج
ملتان کو بہاولپور سے الگ کرتا ہے۔ ستلج کا پانی اب ہندوستان روک لیا ہے۔

اِس لئے اس کا سارا طاس غیر آباد ہو رہا ہے۔

دریائے راوی پہلے ملتان کے قدموں میں بہتا تھا اور اس کا یہ قدرتی محافظ تھا۔ راوی کی لہریں بوہڑ دروازہ کے باہر بن لوہاراں تک اٹھکیلیاں کرتی رہتی تھیں۔ اسی کے کنارے شاہ گردیز کے مقام پر حضرت شاہ یوسف گردیز نے ۴۸۱ھ میں ڈیرے ڈالے تھے۔ یہ بوہڑ دروازہ سے ہوتا ہوا موجودہ چوک بازار کے وسط سے اسی مقام پر سے گزرتا تھا جہاں اس وقت مسجد علی محمد خاں موجود ہے اس نے وہاں سے آہستہ آہستہ کروٹیں بدلنی شروع کیں۔ اس کے رُخ بدلنے سے یہ علاقہ بیلہ کہلایا۔ جس پر ایک خونخوار شیر کی حکمرانی تھی۔

راوی کے یہاں سے کنارہ کش ہونے کے بعد شہر آباد ہوا اسوقت راوی شہر سے تیس میل دُور بجانب شمال کنارہ کر گیا ہے اور تحصیل کبیر والہ موضع فاضل شاہ کے قریب دریائے چناب سے بغلگیر ہو گیا ہے۔

تحفۂ ملتان

زمانۂ قدیم میں شہر فصیل کے اندر آباد تھا۔ باہر کا وہ تمام علاقہ جو اس وقت گنجان آباد نظر آتا ہے غیر آباد تھا۔ دُور دُور تک نہ کوئی قابلِ ذکر آبادی تھی نہ کوٹھیاں اور مکانات تھے، نہ نخلستان و گلستان تھے، بارش برائے نام ہوتی تھی، ندی، نالے نام کو نہ تھے، گرم خشک آب و ہوا کی وجہ سے زمین بھی بے نم اور ریتلی تھی۔ اطراف سے جب گھوڑے سوار شہر کو آتے۔ تو ان کی ٹاپوں سے گرد و غبار کی دیواریں کھڑی ہو جاتیں۔ اور جب کوہِ سلیمان کی ہوائیں ریگستانی علاقوں کو عبور کرتیں تو آندھیوں کی شکل اختیار کر لیتیں۔

امپیریل گزیٹر کی رُو سے ۱۸۸۳ء میں بماہ مئی کم سے کم درجۂ حرارت ۶۸ء۲ اور زیادہ سے زیادہ درجۂ حرارت ۹ء۱۱۱ اور ماہِ جولائی میں کم سے کم درجۂ حرارت ۸ء۷۰ اور زیادہ درجۂ حرارت ۹ء۱۰۵ رہتا تھا جبکہ آجکل ۰ء۱۲۶ بلکہ بعض دفعہ ۱۱۴ سے بھی تجاوز کر جاتا ہے۔ اِس لئے اس زمانہ میں گو آجکل کی نسبت گرمی کم ہوتی تھی مگر مغرب کے سرد علاقوں سے آنے والے اسے شدت سے محسوس کرتے تھے۔

فصیل کے باہر قریباً ہر دروازہ کے محاذ میں اس علاقہ کیلئے وسیع قبرستان ہوتا تھا چونکہ مُردوں کو دفناتے وقت غلہ وغیرہ خیرات کیا جاتا تھا۔

اِس لئے ان گورستانوں میں گداگر رہتے تھے جن کا زیادہ تر گزارہ خیرات و صدقات پر ہوتا تھا اس کے علاوہ جب بھی باہر سے شہر کی طرف کوئی مسافر یا سیاح آتے ۔ تو فصیل شہر سے باہر ہی گداگر ہی اُن کا خیر مقدم کرتے ۔ اُن کے سامنے بھی دستِ سوال دراز کر دیتے اور ان سے کچھ نہ کچھ لے کر ہی رہتے ۔ اِس لئے نو واردان کو شہر میں داخل ہونے سے قبل گداو گورستان سے ہی واسطہ پڑتا ۔ کیونکہ شہر کے باہر اُن کے سوا انہیں اور کوئی قابلِ ذکر چیز نظر نہ آتی ۔

ملتان کی گرد و گرما اور گداو گورستان باہر سے آنے والوں کے لئے بارِ خاطر بن جاتے ۔ اِس لئے کسی تنگ مزاج ایرانی شاعر نے ان اربعہ عناصر کو ہی تحفۂ ملتان قرار دے کر یہ شعر چُست کر دیا کہ ؎

چہار چیز است تحفۂ ملتان
گرد و گرما ، گداؤ گورستان

اور یہ شعر اتنا مشہور ہوا کہ ہر تاریخ کی پیشانی پر نظر آنے لگا لیکن اب ملتان پہلے کا سا ملتان نہیں رہا ۔ اس کا حلیہ بالکل بدل چُکا ہے اس لئے اب جو ایرانی ادھر آتے ہیں تو وہ واپس جا کر یہ مژدہ سناتے ہیں ؎

چہار چیز است تحفۂ ملتان
گلشن و سبزہ زر د گلستان

نقوش
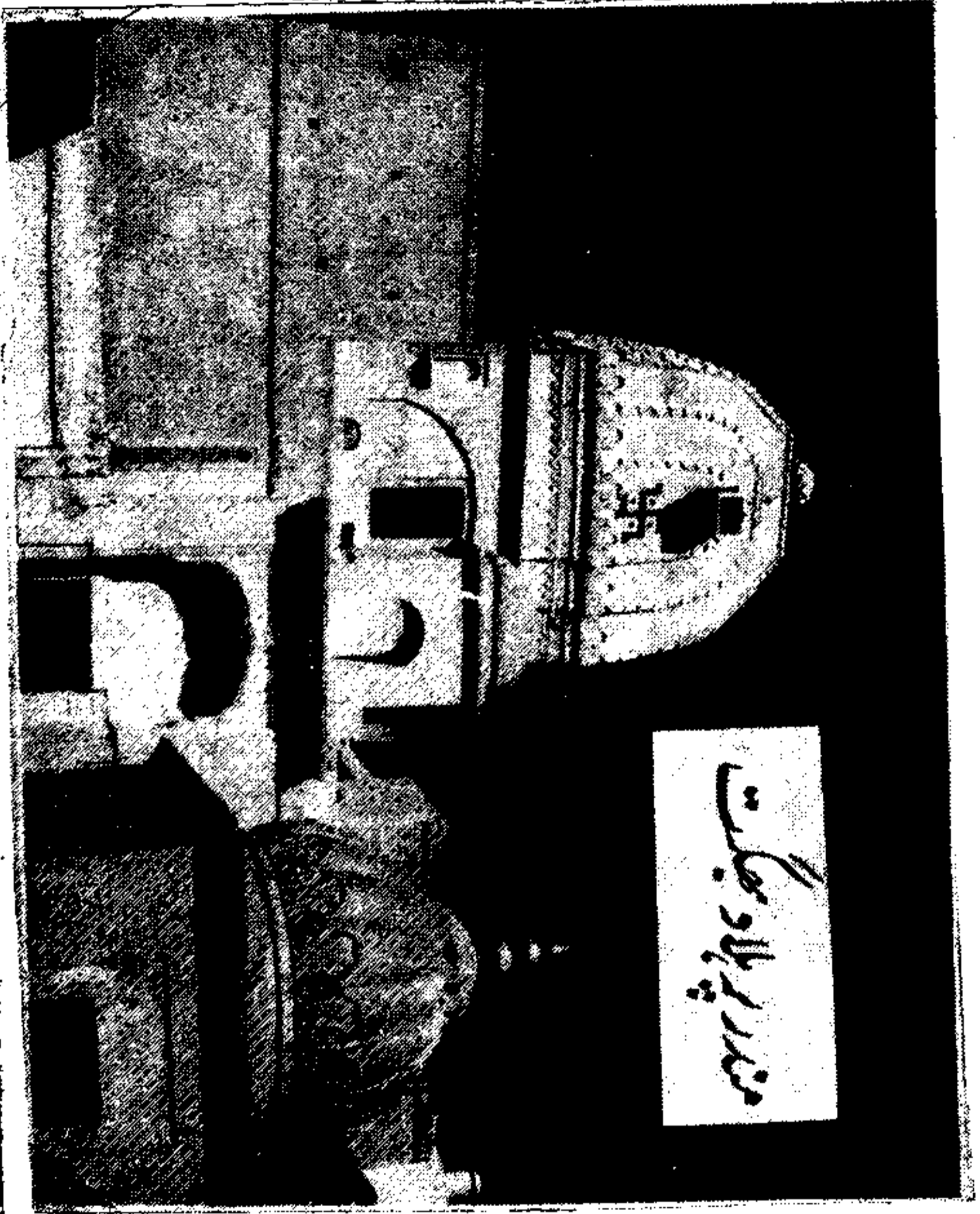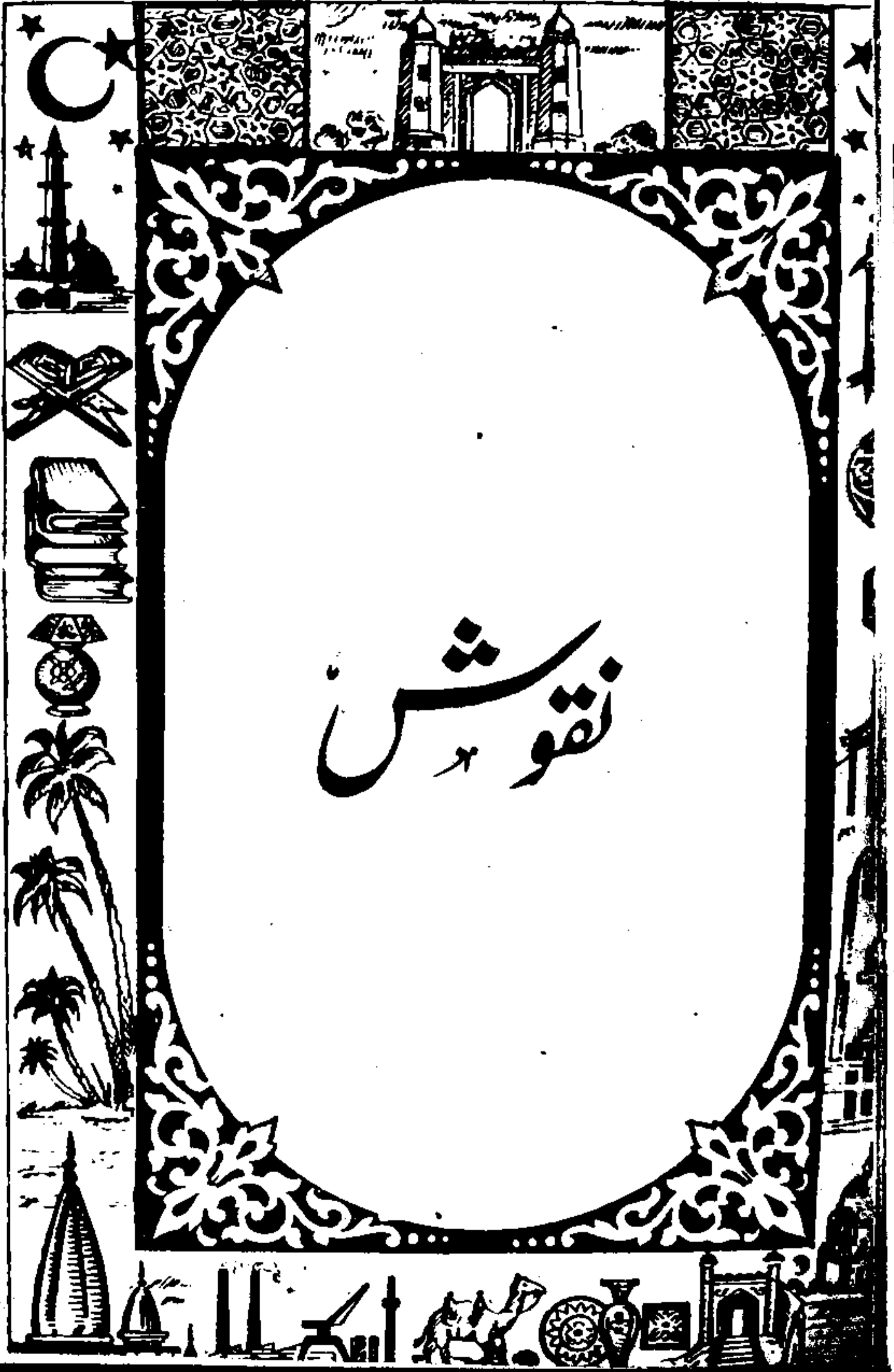
قدامت

ہبوطِ آدم کی روایت ملتان کی قدامت پر دال ہے۔ جو وجہ تسمیہ کے ضمن میں گزر چکی ہے جس میں "میسان" فرودگاہِ شیطان درج ہے۔ ازمنہ قدیم میں میسان ہی ملتان کا اوّلین نام تھا۔ جس کی تصدیق و توثیق خانجہاں لودھی یکے از امرائے جہانگیری اپنی تصنیف لطیف "مرأۃ الافاغنہ" کے صفحہ ۷ پر ان الفاظ میں کرتا ہے جسکا قلمی نسخہ پبلک لائبریری باغ لانگے خاں میں موجود ہے۔

"ابلیس را بر آدم گماشت، باعانتِ مار و طاؤس در بہشت آمدہ و بخوردنِ شجرِ ممنوع فریب دادہ و از تنعماتِ بہشت محروم ساخت و بحکم اھبطوا منھا جمیعا از جنّت بدارِ دنیا منتقل شد۔ آدم بسراندیپ، حوّا بہ جدہ و ابلیس در زمینِ ملتان و مار باصفہان و طاؤس در ہندوستان افتادند"

یعنی جنّت بدر ہونے کے بعد حضرت آدم جزیرہ سراندیپ (لنکا) میں، حضرت حوّا جدہ میں، شیطان ملتان میں۔ سانپ ایران میں اور مور ہندوستان میں اُترا اور ملتان کو سب سے پہلے اولادِ آدم نے ہی آباد کیا۔

تاج الدین مفتی کی غیر مطبوعہ تاریخِ پنجاب، میں جو ۱۸۶۰ء میں لکھی گئی۔

اور سٹر احمد ربانی کے قلمی کتب خانہ میں لاہور موجود ہے۔ یہ روایت درج ہے کہ نوح علیہ السلام کے طوفان کے وقت ملتان آباد تھا۔

نامور مؤرخ البیرونی اپنی کتاب "مالِلہند" کے صفحہ ۱۵۵ پر لکھتا ہے کہ:

"گیارھویں صدی عیسوی میں میرے قیام
ملتان کے دوران ملتان کے باشندے اسے دو لاکھ
سولہ ہزار چار سو تیس سال پرانا بتاتے ہیں"۔

اس کی تائید ان آثارِ قدیمہ سے ہوتی ہے جو ملتان اور اس کے توابعات میں پائے گئے۔ ان کی رُو سے ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے اس کی عمر دو لاکھ سال قیاس کی ہے۔

موجودہ تاریخیں اس کی قدامت اس حد تک تسلیم کرتی ہیں کہ دس ہزار سال قبل جب آرین وادئ سندھ میں پہنچے۔ تو انہوں نے ملتان کو آباد کیا۔

ہندوؤں کی متبرک کتاب "رگ وید" علم انسانی میں سب سے پرانی کتاب ہے جو ملتان کے علاقہ کے دریاؤں کے کنارے بیٹھ کر کئی صدیوں میں لکھی گئی۔ رگ وید کے اشلوک کا زمانہ مؤرخین نے چھ ہزار سال سے آٹھ ہزار سال قبل از مسیح تحقیق کیا ہے۔

ان شواہد سے ملتان کی قدامت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اِنفرادیت

شاہجہان کے زمانہ میں صُوبہ مُلتان بطور جاگیر شاہزادہ اورنگزیب کو تفویض ہُوا تھا جو کئی سال تک حسب دلخواہ ملتان پر حکُومت کرتا رہا۔ وہ اپنے قیامِ ملتان کے دوران باقاعدہ خانقاہوں پر زیارت و فاتحہ کے لئے جایا کرتا۔ اور خدّام و مُجاوران کو انعام و اکرام سے نوازا کرتا۔ بادشاہ بننے کے بعد جب سُلطان ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر مخدُوم سید محمد یوسف رابع کے عہد میں ملتان آیا۔ تو ان کو خلعت اور مادہ فیل مرحمت فرمایا۔ جس کا عالمگیر نامہ میں تذکرہ موجُود ہے۔

اورنگ زیب ملتان سے اتنا مانوس تھا کہ اسے اپنی بادشاہی کے زمانہ میں جب کبھی سستانے یا آرام کرنے کی ضرورت محسُوس ہوتی۔ تو وہ سیدھا مُلتان کا رُخ کرتا اور یہاں پہنچ کر آرام پاتا۔ اس لئے اس کی شہنشاہی کے زمانہ میں مُلتان ہی فی الحقیقت اسکی آرام گاہ رہا۔

اورنگ زیب رجعت پسند نہیں تھا جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ بلکہ وہ بڑا جدت پسند تھا۔ وہ نئے نئے نام اور نئی نئی تراکیب وضع کرنے کا بڑا عادی تھا اور ہر چیز کا نام اس کی کسی نہ کسی خصُوصیت کی بنا پر تجویز کیا کرتا۔ اس نے اپنے عہدِ حکومت میں سابقہ ٹکسالوں کے علاوہ چالیس کے قریب جدید ٹکسالیں مُلک کے مختلف حصّوں میں قائم کیں اور ہر ٹکسال کا نام

اس کے شہر کی خصوصیت کی بنا پر رکھا۔ مثلاً بلدہ فاخرہ برائے بُرہان پور، دار الجہاد برائے حیدر آباد۔ دار الخیر برائے اجمیر۔ دار الظفر برائے بیجاپور، دار الفتح برائے اجین، دار الملک برائے کابل، خجستہ بنیاد برائے اورنگ آباد، دار البرکت برائے پٹنہ، مستقر الخلافہ برائے اکبر آباد وغیرہ۔ اسی طرح اس دُور اندیش اور حقیقت شناس شہنشاہ نے مُلتان کی ٹکسال کا نام "دار الامان برائے ملتان" اپنے حکمنامہ میں درج کیا اس نے مُلتان کو دار الامان قرار دینے میں صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس کے دربار سے جب بھی مُلتان کے متعلق احکامات و سندات جاری ہوتیں۔ ان میں بھی "دار الامان ملتان" ہی لکھا جاتا۔ جس کی تائید میں اسکی ایک سند کا فوٹو شامل کتاب ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جو بھی مُلتان آیا۔ اُس نے یہاں اتنا آرام پایا کہ پھر اس کا یہاں سے جانے کو جی نہ چاہا اور وہ یہاں رہنے پر آمادہ ہو گیا۔ عرب، عراق، ایران کے دورِ آشوب میں جن علماء و فضلاء نے ہندوستان کا رُخ کیا۔ انہیں سب سے پہلے مُلتان نے ہی امان دی اور اکثر نے تو یہاں ہی سکونت اختیار کر لی۔ خود عالمگیر کا نیّرِ اقبال جب طلوع ہو رہا تھا۔ اور دارا شکوہ کا طالع قسمت ڈوب رہا تھا تو اس نے ملتان پہنچ کر ہی اپنی جان بچائی اور بہادر شاہ کی وفات پر شاہزادوں کی افراتفری کے دوران اُس کے بڑے لڑکے معز الدین نے بھی مُلتان میں امان پائی۔ اس لحاظ سے مُلتان منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

عظمت

عروس البلاد ملتان علمی اور ثقافتی اعتبار سے بڑا باعظمت شہر ہے۔ فرودگاہ شیطان ہونے کی وجہ سے اہل ملتان کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے حق تعالےٰ نے سرزمین ملتان کو علماء ربانی اور مشائخ روحانی کا مرکز و مستقر بنا دیا جو ہر دور میں یہاں شمع دین جلاتے رہے۔ شرک و کفر کی تاریکیاں مٹاتے رہے اور علم و عرفان کے خُم لنڈھاتے رہے ان کی وجہ سے ملتان "پیری پُرملتان" کہلایا۔ یہی وجہ ہے کہ ملتان کے ہر گوشہ اور کونہ میں علماء کرام اور اولیاء عظام مست خواب اجل ہیں اور قدم قدم پر خانہ خدا نظر آتا ہے۔ مؤرخ اسلام سید سلیمان ندوی کے قول کے مطابق جو شہر سیاسی مرکز ہوتے ہیں وہاں خیر و شر دونوں جمع ہوتے ہیں۔ جہاں سلاطین کے درباروں سے شر کی پرورش ہوتی ہے۔ وہاں خانقاہوں سے خیر کے چشمے اُبلتے ہیں۔ ملتان چونکہ ہر دور میں سیاسی مرکز رہا ہے۔ اسی لئے یہاں ہر زمانہ میں اہل اللہ کا اتنا ہجوم رہا کہ فرشتے بھی اسے سجدہ کرنے لگے جس سے متأثر ہو کر حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی نے فرمایا ؎

ملتانِ ما بہ جنّتِ اعلیٰ برابر است ❊ آہستہ پا بنہ کہ ملک سجدہ مے کنند

ملتان کو ہندوستان کا باب الاسلام ہونے کا شرف بھی حاصل ہے یہاں پہلی صدی ہجری میں ہی خیر القرون کے مجاہدین نے پیغام اسلام پہنچا دیا تھا۔

اور اس خطۂ ملتان کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے متبرک بنا دیا تھا۔ ان کی بدولت ملتان انوارِ الٰہی کا بھی مرکز رہا۔ جن کی وجہ سے ہندوستان انوارِ اسلام سے منور ہوا۔ فرودگاہ محمد بن قاسم پاکیزہ خطہ میں قدم رکھتے ہی آج بھی ان انوار کے اثرات کا شدید احساس ہوتا ہے۔

سلاطینِ اسلام کے زمانہ میں ملتان دین و دانش کا گہوارہ رہا۔ شاہانِ وقت علماء و ادباء کی دلنوازی میں جو دریا دلی دکھاتے تھے اس کی وجہ سے ہر طرف ارباب علم و فضل ملتان میں کھچے چلے آتے تھے پھر یہاں سلسلۂ سہروردیہ اور چشتیہ کے صوفیاء و مشائخ نے جو شمع شریعت و طریقت روشن کر رکھی تھی۔ اس کی کشش اہل علم و دانش کو آگے نہیں بڑھنے دیتی تھی بلکہ جو اہل علم و فضل تاتاریوں اور منگولوں کی قتل و غارت کے زمانہ میں ہندوستان کا رُخ کرتے تھے وہ بھی ملتان کی علمی فضا کو اپنے لئے سازگار پاکر یہاں رُک جاتے تھے۔

نامور تذکرہ نگار علامہ محمد عوفی کے بیان کے مطابق والیانِ ملتان کے ایوان علماء و فضلا سے پُر رہتے تھے۔ جن میں علمی مجلسیں گرم رہتیں۔ تنقیدی اجلاس ہوتے۔ پوری آزادی سے اظہارِ خیال ہوتا۔ پند و نصائح کے کلمات واشعار پر بسا اوقات سلاطین آبدیدہ ہوجاتے اور خواص کے لئے وہ چراغِ راہ بن جاتے۔ علامہ اوفی کے الفاظ میں "ملتان ایک ایسا آسمان ہے جس میں ارباب کمال چمکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا بوستان ہے جہاں فضل کی کلیاں اور ہنر کے شگوفے کھلے ہوئے ہیں"۔ یہ عظمت و فوقیت ملتان کے سوا اور کسی شہر کو یہاں نصیب نہ ہوئی۔

اولیّتٗ

سرزمین ملتان کو انفرادیت کے ساتھ ساتھ کئی لحاظ سے شرف اولیت بھی حاصل ہے۔ مثلاً

۱۔ علم النسانی کی سب سے پرانی اور ہندوؤں کی متبرک کتاب "رگ وید" ملتانی میں لکھی گئی۔

۲۔ فن تعمیر پر پہلی کتاب موسومہ بہ کتاب عمارات" ملتان کے ماہر تعمیرات براہمہر ملتانی نے لکھی۔

۳۔ مقابر پر ترچھی دیواروں اور کامل قوس کے گنبد کی تعمیر ملتانی صناعوں کی ایجاد ہے۔

۴۔ محراب کمانچہ یا ڈاٹ سب سے پہلے ملتانی معماروں نے اختراع کی،

۵۔ کاشی کی روغنی اینٹوں پر ابھرے ہوئے نقوش سب سے پہلے ملتانی کاشی گروں نے پیدا کئے۔

۶۔ سائنس کی بنیادی کتاب "سدھانت" علم ہیئت کے ماہر پنڈت برہم گوپت ملتانی نے لکھی۔

۷۔ محمد بن قاسم نے سب سے پہلی جامع مسجد، مکتب اور کتب خانہ ا قرآن ملتان میں قائم کیا۔

۸۔ اسلامی عہد میں ہندوستان کے اندر سب سے پہلے مدرسہ کی عمارت

ناصرالدین قباچہ نے ملتان میں تعمیر کرائی۔

۹۔ پہلا علمی کتب خانہ شاہ یوسف گردیزؒ نے ملتان میں قائم کیا۔

۱۰۔ پہلا دینی مدرسہ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے جاری کیا۔

۱۱۔ پہلی یونیورسٹی سلطان حسین لنگاہ نے ملتان میں قائم کی۔

۱۲۔ پہلا ملتانی زبان کا سکہ ناصر الدین قباچہ نے جاری کیا۔

۱۳۔ سید خضر خان پہلا ملتانی سردار تھا۔ جو تخت دہلی پر جلوہ افروز ہوا۔ اور خاندان سادات کی بنیاد ڈالی۔

۱۴۔ مراثیوں کو بھی پہلی بار ملتان میں گورنری کا شرف حاصل ہوا۔ جب ۱۷۱۲ء میں نعمت خان مراثی ملتان کا گورنر بنا۔

۱۵۔ جائزہ حسن قرأت کی تحریک کا آغاز راقم نے سب سے پہلے ملتان سے کیا۔ جو اب عالمگیر حیثیت اختیار کر گئی ہے۔

ملتان علمی اور روحانی طور پر بہت بڑی شہرت کا مالک ہے۔ عہد قدیم میں یہ بُتِ ملتان اور سونے کا گھر ہونے کی وجہ سے مشہور تھا۔ جن کی وجہ سے ملتان کفار کا کعبہ بنا رہا۔ جو دور دراز سے یہاں اپنے عقیدہ کے مطابق حج کے لیئے آتے تھے۔ اور اس بُت پر سونا، چاندی اور جواہرات کی بارش کرتے تھے ملتان کی اسی دولت نے اس کی شہرت کو ایسے چار چاند لگائے کہ وسطی ایشیاء اور مشرق وسطیٰ میں جو بھی ملتان کی دولت کی شہرت سنتا۔ رال ٹپکاتا ہوا ملتان کی طرف دوڑ پڑتا۔ اسی دولت کی بدولت ملتان تاتاریوں، منگولوں، ترکوں اور سکھوں کی جست گاہ بنا رہا۔ اور وہ جب بھی یہاں آتے جھولیاں بھر کر جاتے۔

ملتان کی شہرت کا دُوسرا سبب ملتان کے نامور دانشور ملک خدا بخش بُچہ کے الفاظ میں یہ تھا کہ "مغربی پاکستان کی تاریخ و جغرافیہ میں ملتان کو شروع ہی سے قابلِ رشک حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہ خطہ مرکز روحانیت اور منبع انوار ہونے کے علاوہ ایک خاص قسم کی مشرقی اور اسلامی ثقافت کا علمبردار ہے جو پاکستانی ثقافت کے رنگارنگ گلدستے میں ایک منفرد رنگ و بو کا مہکتا ہوا پھول ہے۔ قدامت کے باوجود اس علاقہ کی تہذیبی اور ثقافتی تر و تازگی ہمیشہ کی طرح آج بھی قائم ہے۔ جو ع

کرشمہ دل می کشد کہ جا اینجا است

کا مصداق ہے۔ آج بھی دیدۂ دل کے لئے وہی کشش رکھتی ہے جو صدیوں سے اس کا طرۂ امتیاز ہے"۔ اسی لئے یہاں سے جانے والا دوبارہ یہاں آنے کی آرزو رکھتا ہے اور پیر ملتان حضرت بہاؤ الحق زکریا کے "دم بہاؤ الحق" کے نعرے آج بھی دریاؤں اور سمندروں میں سُنے جاتے ہیں۔

ملتان کی شہرت کی تیسری وجہ بد سے بدنام والی بات ہے کہ یہ بہت گرم علاقہ ہے حالانکہ ملتان عام میدانی علاقوں سے کچھ زیادہ گرم نہیں اس کا درجۂ حرارت اکثر و بیشتر لاہور اور دہلی کے درجۂ حرارت کے قریب رہتا ہے رات کی خنکی دن کی گرمی کا مداوا کر دیتی ہے "ملتان ڈسٹرکٹ گزیٹر ۲۴-۱۹۲۳ء کی رو سے پنجاب کے دوسرے علاقوں کی طرح یہاں کا موسم سرما نہایت خوشگوار ہوتا ہے۔ موسم گرما درازی کے باوجود صوبہ کے دوسرے میدانی شہروں کی بہ نسبت زیادہ قابل برداشت ہے نسیم سحر ویسا حبس پیدا نہیں ہونے دیتی جو دوسرے شہروں میں محسوس ہوتا ہے کیونکہ ہوا وہاں ساکن ہوتی ہے"۔

مغربی پاکستان میں سب سے زیادہ گرم شہر سبی اور جیکب آباد ہیں جو دوزخ کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ جن کے مقابلہ میں ملتان کی گرمی عشر عشیر بھی نہیں۔ مگر شہرتِ دوام اسے حاصل ہے اور یہ گرمی ملتان کے لئے باعثِ رحمت بھی ہے کہ ۱۲۲۲ء میں جب منگول حملہ آوروں کی منجنیقوں نے قلعہ ملتان کی دیواریں شک کر دیں تو ملتان کی گرمی نے وسطِ ایشیا کے سرد شہروں کے ان مکینوں کو بھی ایسا دل شکستہ کیا۔ کہ یہ ملتان کو تباہ و برباد کئے بغیر واپس چلے گئے اور ملتان کی گرمی نے اُسے بلائے تاتار سے بچا لیا۔

مرکزیت

"سرزمین خلافت مشرق" کی رُو سے مکران سے مشرق کی طرف کے تمام علاقہ کو عرب لوگ سندھ کہتے تھے۔ سندھ، ہند و کرمان کا وہ دریبانی حصہ تھا جہاں حضرت نوح علیہ السلام کا پڑپوتا پیدا ہوا تھا۔ "آثار البلاد" کی رُو سے ملتان سندھ کا مرکزی نقطہ تھا۔

جغرافیائی حیثیت سے مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کے صدر مقام کراچی، کوئٹہ، پشاور اور لاہور ملتان سے یکساں فاصلہ پر واقع ہیں۔ جہاں کراچی "بابِ پاکستان"۔ لاہور "سنگِ اتصال"۔ پشاور اور کوئٹہ "بازوئے شمشیر زن" ہیں، وہاں ملتان، پاکستان کے عین وسط میں واقع ہونے کی وجہ سے "پاکستان کا دل" ہے۔ اور بلاشبہ ایک گرم دل!

تاریخی حیثیت سے ملتان سب سے پہلی اسلامی حکومت کا دارُالخلافہ رہا۔ خاندانِ خلجی، تغلق اور غلاماں کے ادوارِ حکومت میں ملتان اپنی تاریخی شہرت کی وجہ سے مغربی حملہ آوران کو روکنے کے لئے ایک زبردست چھاؤنی رہا۔ یہاں تک کہ لودھی خاندانوں کے عہدِ حکومت میں بھی اس کی مرکزیت میں کوئی نمایاں فرق واقع نہ ہوا۔ اسلاطینِ مغلیہ کے زمانہ میں یہ متواتر ۱۸۰ سال تک اپنے صُوبہ کا صدر مقام رہا۔

تجارتی حیثیت سے ملتان پاکستان کا بین الصوبائی اور بین الاقوامی

مرکز ہے یہاں سے چین، ایران، افغانستان اور ہندوستان سے درآمد برآمد کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پاکستان کے چاروں صوبوں کے لئے ملتان ایک مرکزی منڈی بن گیا ہے۔

ملتان میں ہوائی اڈہ بن جانے سے یہ چاروں صوبوں کے صدر مقامات کیلئے جنکشن کا کام دیتا ہے۔ ہوائی اڈہ کی بدولت بیرونی دنیا سے ملتان کے درآمدی برآمدی روابط میں بڑا اضافہ ہوا ہے اور ہوائی سفر کی آسانیوں کی وجہ سے ملتان سیاحت کا بھی مرکز بن گیا ہے۔

روحانی حیثیت سے ملتان کو جو عظمت و مرکزیت حاصل ہے وہ پاکستان کے کسی دوسرے شہر کو حاصل نہیں۔ یہ بہت عرصہ تک دعوت و ارشاد کا مرکز اور بزرگانِ دین کا مسکن رہا۔ ملتان میں جتنے اولیاء کرام کا ہجوم رہا اور جسقدر یہاں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ انہوں نے ملتان کو ایک اہم زیارت گاہ اور روحانی مرکز بنا دیا ہے اور یہ اللہ والوں کے لئے اپنے اندر خاص کشش رکھتا ہے جو دور دراز سے بغرض زیارتِ مقابر ملتان آتے رہتے ہیں۔

ملتان کی اسی مرکزیت کی وجہ سے قائدِ اعظمؒ نے ملتان کو پاکستان کا دارالخلافہ بنانے والی درخواست پر لکھا تھا کہ کراچی کے بعد جب دوسرا دارالخلافہ بنانا پڑا تو ملتان کو ترجیح دی جائے گی۔ مگر یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔

وسعت

ملتان کی وسعتوں کا اندازہ تو اس کے "محل وقوع" سے ہی بآسانی لگ چکا ہو گا جبکہ یہ صرف صوبہ ہی نہیں بہت بڑی مملکت تھا۔ جہاں تک شہر ملتان کا تعلق ہے۔ یہ اپنے ابتدائی دور میں صرف دریائے راوی کے دو جزیروں پر مشتمل تھا جو سطح آب سے ڈیڑھ سو فٹ اونچے تھے آبادی فصیل شہر میں محصور تھی اور بیرون شہر گورستان آباد تھے یا ویرانے نظر آتے تھے۔

دریائے راوی ملتان کا قدرتی محافظ تھا۔ دریائے چناب کے ذریعہ تجارتی مال کی آمد و رفت رہتی تھی۔ مگر بعض انسانوں کی طرح دریاؤں کی دوستی بھی ناپائیدار ہوتی ہے۔ یہ کبھی منہ موڑ لیتے ہیں۔ کبھی پہلو بدل لیتے ہیں اور کبھی شوخی و تندی میں آکر ڈبو دیتے ہیں۔ ان دونوں دریاؤں کا ملتان سے یہی سلوک رہا۔ راوی روٹھ کر شہر سے تیس میل دور نکل گیا اور دریائے چناب بھی اب پیٹھ دکھا رہا ہے جو کسی زمانہ میں دمدمہ سے لہریں مارتا ہوا نظر آتا تھا۔

قلعہ ملتان کے چار دروازے تھے۔

(۱) خضری دروازہ۔ یہ عید گاہ کی طرف کھلتا تھا یہ سید خضر خان ملتانی کے نام سے موسوم تھا جو تیمور کے حملہ کے وقت ملتان کا گورنر تھا۔

(۲) سکی دروازہ۔ یہ قلعہ سکہ کی جانب کھلتا تھا اور اسی کی نسبت سے مشہور تھا۔

(۳) ریڑھی دروازہ یہ حسین آگاہی کی جانب کھلتا تھا جو ڈھلوان میں واقع تھی۔

(۴) دیہہ دروازہ۔ یہ لوہاری دروازہ کی سمت کھلتا تھا۔ جو آدیتہ دیوتا کے مندر سے منسوب تھا۔ فصیل شہر کے تمام دسوں دروازے تھے جو اس وقت موجود ہیں مگر قلعہ کی تباہی و بربادی کے ساتھ اس کے دروازوں کا نام و نشان باقی نہ رہا۔

قلعہ کی غربی جانب جو دروازہ اس وقت موجود ہے وہ چند سال پیشتر بنا۔ فصیل شہر کے باہر جو لہلہاتے کھیت کسی زمانہ میں نظر آتے تھے وہ بڑی تیزی سے نئی نئی آبادیوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ ملتان جو چینی سیاح ہیون تسانگ کی سیاحت کے دوران پانچ میل کے قطر میں تھا اب پندرہ میل کے قطر میں پھیلا ہوا ہے۔

ملتان میں تادمِ تحریر دو سیٹلائٹ ٹاؤن ممتاز آباد اور گلگشت آباد ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ حسن پروانہ کالونی۔ شمس آباد کالونی۔ وحدت کالونی۔ جمال پورہ کالونی۔ دکلار کالونی۔ چوک گل دین کالونی۔ ولایت آباد کالونی۔ ابدالی کالونی۔ انجینئرز کالونی۔ سمن آباد کالونی آباد ہو چکی ہے۔ ان مشہور آبادیوں کے علاوہ شہر کی سب اطراف و مضافات میں نئی نئی آبادیاں قائم ہو گئی ہیں۔ جن کی وجہ سے ممتاز آباد ریلوے سٹیشن اور ممتاز آباد تھانہ حال ہی میں وجود میں آیا ہے۔ رہائشی رقبہ پہلے سے دو گنا ہو گیا ہے۔ آبادی کا دباؤ روز بروز بڑھ رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ملتان وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔

شہر کی سابقہ صورت حال ملتان کے قدیم نقشہ مطبوعہ سال ۱۸۷۲ء سے واضح ہے جو شاملِ کتاب ہے۔

مندر سورج کنڈ

غیر مُسلِم دور
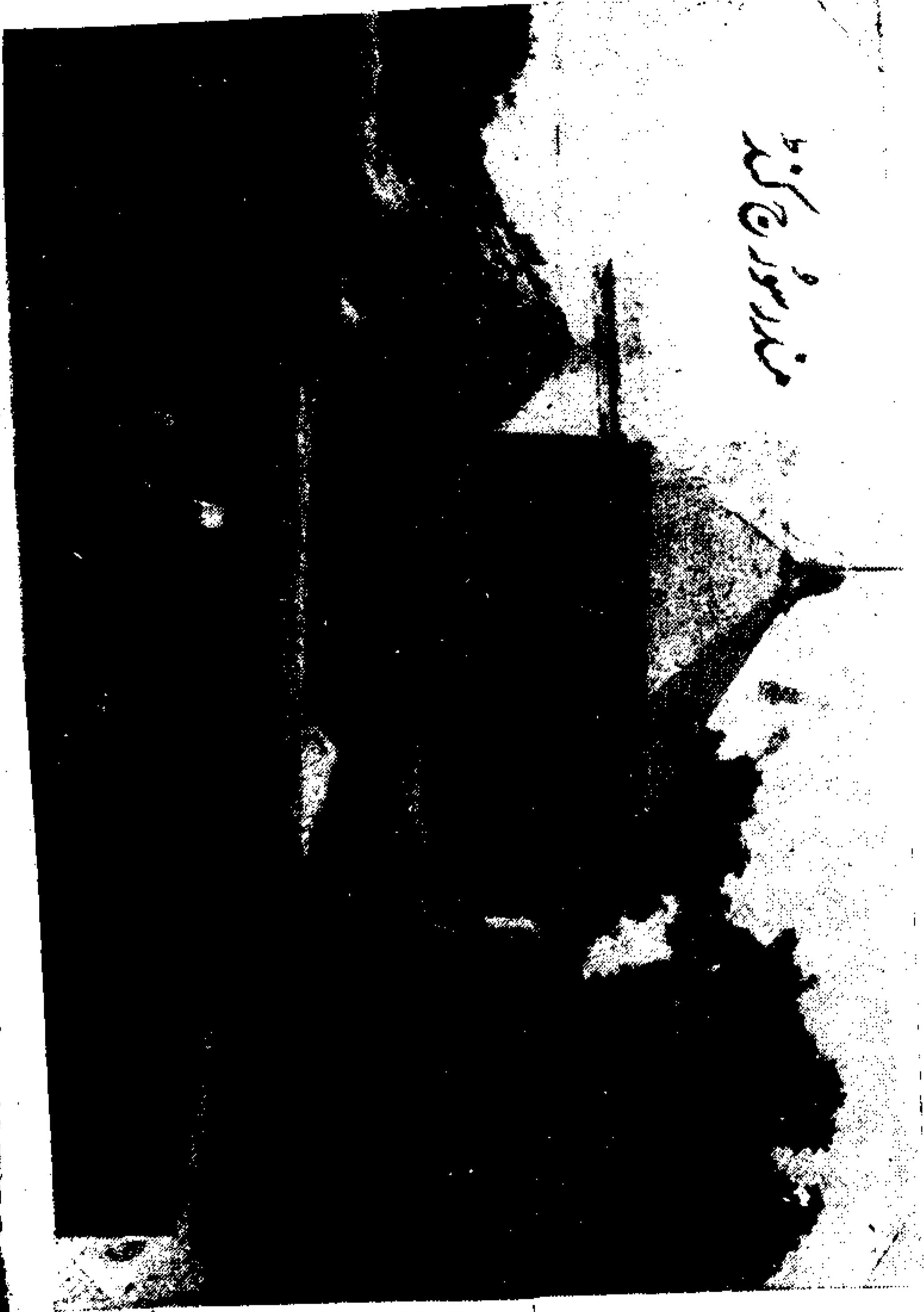
اوّلین فاتحین

ملتان جتنا قدیم ہے اس کا ماضی بعید اتنا مستور ہے لیکن اتنا مسلّم ہے کہ علمِ تاریخ نے اس شہر کی آغوش میں جب آنکھ کھولی۔ تو اس نے سب سے پہلے آریہ حملہ آوران کو موجود پایا۔ جو سطح مرتفع پامیر سے اُتر کر وادیٔ سندھ میں گھُس آئے تھے اور ملتان تک پہنچ گئے تھے۔ آج سے قریباً چار ہزار سال قبل آریوں کی آمد کے وقت بھی ملتان ایک آباد شہر تھا اور اس میں ڈراویڈین قوم بستی تھی۔

شاہانِ مصر مصر دنیا کی قدیم ترین سلطنت تھی جس کا اوّلین بادشاہ مینیس (MENES) نوعِ انسانی کا پہلا حاکم سمجھا جاتا ہے جس کا دورِ حکومت ۴۰۰۰ سال قبل مسیح تھا۔ شاہانِ مصر سے سب سے پہلا حملہ آور جو ملتان پر قابض ہوا۔ وہ ایسرس (OSIRIS) شاہِ مصر تھا۔ اس نے ہی اہلِ ہند کو تہذیب و تمدن سے رُوشناس کرایا۔ انہیں زراعت کاری کے طریقے سکھائے اور اپنے رفاہی کاموں کی وجہ سے دیوتا اور ایشور کہلایا۔

اٹھارویں صدی قبل مسیح میں مصر کے بادشاہ سائرس نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اور فتح کے گھوڑے دوڑاتا ہوا دریائے گنگا تک پہنچ گیا۔ دوسرے شہروں کی طرح اس نے ملتان میں بھی اپنی فتح کا مینار تعمیر کرایا۔ اور کلدانی علمِ نجوم رائج کیا۔

ملکہ بابل جب آرین ملتان میں آئے۔ اس زمانہ میں اسیریا پر بابل کی حکومت تھی مگر بابل بعدازاں مغلوب ہو کر اسیریا کا حصہ بن گیا۔ شہر نینوا کا بانی نینس (NINUS) اسیریا اعظمیٰ کا پہلا بادشاہ ہوا۔ اس کی وفات کے بعد نویں صدی قبل مسیح میں ملکہ سامی رامس (SEMI RAMIS) اس کی جانشین ہوئی۔ جو صرف ملکہ ہی نہ تھی، عالم فریب حسن کی مالک بھی تھی۔ مگر دولت کا حسن اُسے کشاں کشاں سرزمینِ ہند تک کھینچ لایا۔ دولت کی لالچ میں اُس نے ہندوستان پر حملہ کر کے سندھ پر قبضہ کر لیا اور ملتان دنیا کی اس حسین ملکہ کے زیرِ نگین آگیا۔

شہنشاہِ میڈیا اسیریا کے آثار پر میڈیا کی طاقتور سلطنت وجود میں آئی اس کے پہلے شہنشاہ نے بھی ملتان کو اپنی قلمرو میں شمولیت کا شوق پورا کیا۔ ہندوستان کے جو سات شہزادے اس کے دربار میں حاضری دینے جاتے تھے۔ ان میں ایک شہزادۂ ملتان بھی ہوتا تھا۔

سفید ہُن ساتویں صدی قبل مسیح کے وسط میں وحشی تاتاریوں نے جو سفید ہُن کہلاتے تھے، دولت کی تلاش میں سرزمینِ ہند کو لتاڑنا شروع کیا۔ ان کی ایک شاخ جو چینی سیاح کے مطابق گت یا جٹ کہلاتی تھی۔ سندھ پر قابض ہو گئی جس کا ملتان اس وقت دارالخلافہ تھا۔

شاہانِ ایران شاہانِ ایران میں سے ہوشنگ، ضحاک اور جمشید ملتان کی ہوا کھاتے رہے، مگر اس پر قابض فریدون ابنِ جمشید رہا۔ اس کے بعد ملتان نے قوروشِ اعظم، دارا، نوشیروان اور خسرو پرویز کا عہدِ حکومت بھی دیکھا۔

سکندرِ اعظم

ارسطو کا شاگرد، طویل القامت عظیم الجثہ فاتح اعظم سکندر بیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس نے عنفوانِ شباب میں ہی اخامنشی عہد کا چراغ گل کر دیا ایران کی بساط اُلٹ دی اور ہوسِ ملک گیری کے تحت ہندوستان کا رُخ کیا، ۳۲۷ء قبل مسیح میں یہ دریائے سندھ دریائے راوی اور پھر دریائے چناب کو عبور کر کے مُلتان تک پہنچ گیا۔ سکندر کی افواجِ قاہرہ کے جہاں جہاں بھی قدم پڑتے تھے، وہاں کے لوگوں کو یا تو مغلوب کر لیا جاتا تھا۔ یا وہ خود سرِ اطاعت خم کر دیتے تھے۔ مگر اہلِ ملتان نے سکندر کو دن کے تارے دکھا دیئے۔

سکندر نے جس زمانے میں مُلتان کا رُخ کیا۔ اس زمانے میں ملتان ہالی استھان کہلاتا تھا، یہاں جنگجو اور آزاد منش قوم آباد تھی۔ شہر سر سبز و شاداب تھا۔ باغات کی کثرت تھی۔ تجارت کی گرم بازاری تھی۔ آبادی فصیل کے اندر تھی باہر سے دریائے راوی نے حفاظتی گھیرا ڈال رکھا تھا۔ قلعہ کی حالت بہت مضبوط اور محفوظ تھی۔ ملتان پہنچ کر سکندر کی فوج نے حملہ کرنے یا آگے بڑھنے سے صاف انکار کر دیا۔ سکندر نے ہر چند اپنے فوجیوں کو اس مہم کی اہمیت جتلائی لیکن وہ سکندر کی والہانہ اُمنگوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہ ہوئے اور واپس جانے پر اڑ گئے۔ اس طرح وہ فاتح اعظم جسے ایشیا اور یورپ کا کوئی حکمران شکست نہ دے سکا۔ اپنے ہی آدمیوں سے ملتان میں مات کھا گیا۔ چند دن

سکندر نے الگ تھلگ رہ کر گزارے کہ شاید لشکر کو آگے بڑھنے اور حملہ کرنے کا خیال آجائے لیکن سکندر کا جب یہ حربہ بھی کامیاب نہ ہوا تو سکندر نے خود ہمت کی اور آگے بڑھا۔ شہر کے مضبوط دفاعی انتظامات نے سکندر اعظم کی کچھ پیش نہ چلنے دی۔ سکندر کی تگ و دو دیکھ کر فوج نے ارادہ بدل لیا۔ اور اس شکار پر جھپٹ پڑی۔ سکندر نے سیڑھیاں لگا کر شہر پناہ کو سر کرنے کا حکم دیا۔ مگر قلعہ کے اندر سے تیروں کی اتنی بارش ہو رہی تھی کہ کسی کو اوپر چڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ چار و ناچار سکندر اعظم خود ہی ہمت کر کے ایک سیڑھی لگا کر فصیل شہر پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر ایک برج سے چلا ہوا تیر سکندر اعظم کی ڈھال کو چیرتا ہوا اس کے سینہ میں پیوست ہو گیا۔ یہ تیر ایک گز لمبا اور تین انگل موٹا تھا۔ جو سینہ میں چار انگل گہرا اتر گیا۔ سکندر مضبوطی سے کھڑا مقابلہ کر رہا تھا۔ خون کثرت سے جاری تھا۔ آخر یہ اولوالعزم اور بہادر فاتح غش کھا کر گر پڑا۔ اس پر غضب کا رن پڑا کسی نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ جس پر یونان کی فوج قلعہ میں داخل ہو گئی۔ اور کشت و خون کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ سکندر کے طبیب کری ٹوڈوس نے اگرچہ اس کا یہ تیر نکال لیا۔ مگر وہ اس کے زہر کے اثر کو زائل نہ کر سکا۔ اِس لئے اس زخم کے صدمہ سے واپسی پر سکندر بابل میں فوت ہو گیا۔ اس طرح ملتان پر حملہ اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔ قلعہ کی لڑائی کی مزید تفصیل "خونی برج" کے تذکرہ میں آئے گی۔

سلوکس

سکندر اعظم بیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا تھا اور تیس برس کی عمر میں جبکہ وہ اپنی عظمت کے انتہائی عروج پر تھا کشور کشائی کی حسرتیں دل میں لئے دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا۔ اس نے ایسا کوئی وارث نہ چھوڑا جو اس کے تخت و تاج کو سنبھال سکتا۔ اس لئے امرائے سلطنت سے ہر ایک اپنے آپ کو سکندر کا جانشین بننے کا مستحق سمجھنے لگا۔ چنانچہ ابھی سکندر کا کفن بھی میلا نہ ہوا تھا کہ تخت کے دعویدار طالع آزمائی کرنے لگے۔

جب سکندر اعظم کی جانشینی کا مسئلہ جنگ کے سوا طے ہوتا نظر نہ آیا تو سکندر کے تمام سپہ سالاروں، مشیروں، دوستوں اور اعیان سلطنت کی مجلس مشاورت طلب کی گئی۔ جس نے یہ فیصلہ کیا کہ سکندر کی ملکہ رخسانہ کے بطن سے وارثِ تخت کے تولد کا انتظار کیا جائے اور سر دست حکومت کا کاروبار چلانے کے لئے مجلسِ مشاورت قائم کی جائے اور سکندر کے سوتیلے بھائی فلپ اریدہ کو سربراہ مقرر کیا جائے۔

اس متفقہ فیصلہ کی رو سے مصر کی حکومت بطلیموس کے سپرد ہوئی۔ سوریہ کی حکومت لامیدان کو ملی۔ میڈیا کی حکومت کا انتظام پی تون کے حوالے ہوا۔ آذر بائیجان کا حکمران آذر باد بنا۔ خراسان کو پوکستاس نے سنبھالا اور بابل کی حکمرانی سیلوکس کے حصہ میں آئی۔ اس طرح سکندر اعظم کی قائم کردہ عظیم سلطنت

کے حصے بخرے ہو گئے جس سے یونانی تسلط کی باگیں ڈھیلی پڑ گئیں اور اسکی ہوا اکھڑ گئی۔

سلوکس نے شاہِ مصر کی مدد سے ایران کا رُخ کیا اور میڈیا فتح کر کے مشرقی علاقوں کو اپنے تسلط میں لے لیا۔ نو سال کی جدوجہد کے بعد ۳۰۲ قبل مسیح میں اُس کی حکومت دریائے سیحون تک اور دُوسری طرف پنجاب کی سرحد تک پھیل گئی اور ملتان سلوکس کے قبضہ میں آ گیا۔

سکندرِ اعظم کے پنجاب پر حملہ کے زمانہ میں مشرقی ہند پر موریا خاندان کا نامور سپوت چندر گپت حکمران تھا اور اسے یونانیوں کے ہندوستان پر حملہ کا سخت قلق تھا۔ یونانیوں سے نبٹنے کیلئے وہ ایک دفعہ بھیس بدل کر سکندر اور اسکی فوج کا جائزہ لے چکا تھا اور اُسے یقین تھا کہ بیرونی حملہ آور زیادہ دیر تک یہاں اپنا تسلط قائم نہیں رکھ سکتے اس لئے جونہی سکندرِ اعظم فتح کے شادیانے بجاتا واپس ہوا چندر گپت نے موقعہ پا کر یونانیوں کو بھگا دیا اور مغربی ہند پر قابض ہو گیا۔

سلوکس نے زمامِ اقتدار سنبھالنے کے بعد سیدھا ملتان کا رُخ کیا اور چندر گپت کا ہتھیایا ہوا تمام علاقہ اس سے واپس لے لیا۔ یہاں اپنا تسلط جمانے کے بعد سلوکس دہلی کیطرف متوجہ ہوا۔ اس کی راجدھانی بابل میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اسلئے وہ واپس جانے پر مجبور ہو گیا مگر واپسی سے پہلے اس نے تمام ہندوستانی راجوں سے صلح کر لی۔ اور چندر گپت کی بہادری سے متاثر ہو کر اپنی لڑکی چندر گپت سے بیاہ دی اور افغانستان اپنی بیٹی کو جہیز میں دیدیا۔ یہ شادی ملتان میں سرانجام پائی اور یونانی سیاح میگھستینز کو چندر گپت کے دربار میں اپنا سفیر مقرر کر دیا جسنے قدیم ہندوستان کے حالات پر ایک مستند کتاب لکھی۔

چندرگُپت

موریہ خاندان کے بانی چندرگپت کی والدہ مورا شودر (نیچ ذات) تھی۔ مورا کی نسبت سے یہ خاندان موریہ مشہور رہوا۔ یہ نندا خاندان کا فرزند تھا۔ جسے آخری نندا راجہ نے نکال دیا تھا۔ یہ سکندر اعظم کے حملہ پنجاب کے دوران اس کے پاس پہنچا۔ اُس نے بھی اُسے منہ نہ لگایا۔ سکندر کے حملہ پنجاب کے وقت ملک میں بہت سی جمہوری حکومتیں قائم تھیں۔ ان تمام ریاستوں میں میونسپل کارپوریشنوں کی طرز کے جمہوری ادارے تھے۔ جن کے اراکین شہری نظم و نسق لئے چھوٹی چھوٹی بنیادی جمہوریتوں میں منقسم تھے۔ بنیادی جمہوریت کا یہ نظام مہابھارت کے زمانہ سے رائج تھا۔

سکندرِ اعظم کی وفات پر اس کے مقبوضہ ہندوستان کے علاقوں میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ چندرگپت نے اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے پنجابی اقوام کو ساتھ ملا کر مقدونی جرنیلوں پر حملہ کر دیا۔ اور وادی سندھ و پنجاب پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ خوش قسمتی سے اُسے چانکیہ نامی ایک سکول ٹیچر مل گیا۔ جو بڑا مدبر اور دور اندیش تھا۔ اُس نے اُس کے آبائی علاقہ مگدھ میں بغاوت کی آگ بھڑکا دی۔ چندرگپت نے فوراً مگدھ پر حملہ کر کے نندا راجہ کو تخت سے اُتار کر خود حکومت سنبھال لی اور ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو زیر کر کے شمالی ہند کا شہنشاہ بن گیا۔ سلوکس سے صلح اور اس کی دامادی اختیار کرنے کے بعد

چندر گپت کی سلطنت کی حدیں بہت وسیع ہوگئیں دریائے نربدا کے شمال میں سارا ہندوستان اور افغانستان اُس کے زیرنگیں تھا۔ اس سے قبل کسی فرمانروا کو اتنی بڑی سلطنت پر حکمرانی کی سعادت حاصل نہ ہوئی تھی۔

مشہور یونانی مؤرخ، سیاح اور سفیر میگیتھنز نے چندر گپت کے عہد کے حالات اپنی کتاب انڈیکا میں قلمبند کئے۔ یہ ۳۰۲ قبل مسیح سے ۲۹۸ ق۔م تک پاٹلی پتر میں رہا تھا۔ یہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ چندر گپت کی فوج ایک لاکھ ساٹھ ہزار پیادے، تیس ہزار سوار، نو ہزار جنگی ہاتھی، آٹھ ہزار رتھ۔ بار برداری کے دستوں چھوٹے چھوٹے جہازوں اور کشتیوں پر مشتمل تھی۔ رعایا خوش و خرم پُرامن زندگی بسر کرتی تھی۔ ملک میں تہذیب اور خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ لوگ راست گو اور نیکوکار تھے۔ مرد بہادر اور عورتیں باعصمت اور پاکدامن تھیں بیگار کا نام نہ تھا جرائم برائے نام تھے۔ لوگ اپنے مکانوں کو تالے نہیں لگاتے تھے۔ کیونکہ معمولی جرموں کی سخت ترین سزاؤں نے جرائم کا انسداد کر دیا تھا۔ رعایا سات طبقوں میں منقسم تھی۔ ۱۔ برہمن۔ ۲۔ کاشتکار۔ ۳۔ گوالے۔ ۴۔ شکاری۔ ۵۔ تاجر اور صنعتکار۔ ۶۔ فوجی۔ ۷۔ سرکاری افسر۔ جھوٹی گواہی دینے، سرکاری محصول یا ٹیکس بچانے یا چھپانے اور دستکاروں کو مارنے کی سزا یا تو موت تھی یا ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جاتے تھے۔ اس لئے خزانہ بھرپور تھا اور جرائم برائے نام تھے۔ وقائع نگار یعنی خفیہ پولیس کا بہترین انتظام تھا۔ چندر گپت نے چوبیس سال حکومت کی۔

اشوک چندر

نامور اشوک اعظم چندر گپت کا پوتا تھا۔ جو اپنے بھائیوں کو قتل کرنے کے بعد تخت نشین ہوا۔ وہ عام مہاراجوں کی طرح گوشت کھاتا تھا۔ شراب پیتا تھا شکار کھیلتا تھا اور رقص و سرود کی محفلوں میں کافی وقت گزارتا تھا اور رعایا پر سختی کرنے میں بھی اُسے باک نہ تھا۔ کالنگا (اوڑیسہ) کی فتح کے دوران دس ہزار آدمی مارے گئے۔ پندرہ ہزار گرفتار ہوئے، ہزاروں زخمی ہوئے، لاکھوں یتیم، بیوہ، اور بے خانماں ہوئے اس کے بعد اشوکا نے عہد کیا کہ وہ آئندہ کسی ملک کو فتح کرنے کیلئے فوج کشی نہ کریگا۔ کیونکہ اس کا نتیجہ خونریزی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اُس نے بدھ مت اختیار کر لیا۔ جس نے اُس کی زندگی کی کایا پلٹ دی، اُس نے ملک میں اس بات کی کامیاب مُہم چلائی۔ کہ (۱) اپنی خواہشات و جذبات کو قابو میں رکھیں۔ ۲۔ سادہ اور پاکیزہ زندگی بسر کریں ۳۔ دوسرے مذاہب کے بانیوں کی توہین اور اُن کے پیروؤں کی دلآزاری نہ کریں۔ ۴۔ کسی جاندار کو نہ ماریں نہ تکلیف پہنچائیں۔ ۵۔ اپنے والدین، اُستادوں، رشتہ داروں دوستوں اور سادھوؤں کی عزت کریں۔ ۶۔ حاجت مندوں کی ضرورتیں پوری کریں۔ ۷۔ سچ بولیں اور جھوٹ سے پرہیز کریں۔ ۸۔ اپنے اور بیگانوں سے محبت و ہمدردی سے پیش آئیں۔

اشوکا پہلا شہنشاہ تھا۔ جس نے ۱۔ سرکاری طور پر مذہب کی تبلیغ کی اور بیرونی ممالک میں اپنے مبلغ بھیجے۔ ۲۔ تحفظ حیوانات کا قانون بنایا۔ ۳۔ جس کی حکومت سارے

ہندوستان، کشمیر اور افغانستان پر تھی۔ ۴۔ جس نے برہمنی سنسکرت ترک کر کے عوامی پراکرت زبان کو نہ صرف اختیار کیا بلکہ اُسے رواج دیا۔ ۵۔ جسے شہنشاہ اکبر جیسی مقبولیت حاصل ہوئی۔

اشوکا کو رفاہِ عامہ کے کاموں میں بہت دلچسپی تھی۔ اُس نے سڑکیں بنوائیں اور اُن کے دو رویہ میوہ دار درخت لگوائے۔ ہر آٹھ کوس کے بعد کنویں کھدوائے تالاب بنوائے، نہانے کے لئے اُن میں سیڑھیاں بنوائیں۔ مردوں، عورتوں اور جانوروں کے لئے علیحدہ علیحدہ سبیلیں بنوائیں اور مسافروں کے کھانے کے لئے آموں کے درخت لگوائے، اور بدھ مت کی تعلیمات کی نشر و اشاعت کیلئے پہاڑوں کی چٹانوں، غاروں کی دیواروں، پتھر کے میناروں، لاٹھوں اور میناروں پر مذہبی تعلیمات کندہ کرائیں اور انھیں عام گزرگاہوں، سرحدوں اور میلوں کے مقامات پر نصب کرایا۔ ہر افسر کو پانچ سال بعد اپنے کارِ منصبی کے علاوہ ایک دورہ تبلیغ کے لئے کرنا پڑتا۔

اشوک کی مملکت چار وائسرائوں پر منقسم تھی۔ اس کے زمانہ میں کشمیر، پنجاب، ملتان، بلوچستان اور افغانستان کا ایک صوبہ تھا۔ جس کا صدر مقام ٹیکسلا تھا۔ اِس صوبہ کا انتظام خود اشوک کے پاس تھا جس نے ٹیکسلا کے مقام پر وفات پائی۔

ہندوستان کا قومی نشان اشوک چکر اسی شہنشاہ کی یادگار ہے۔
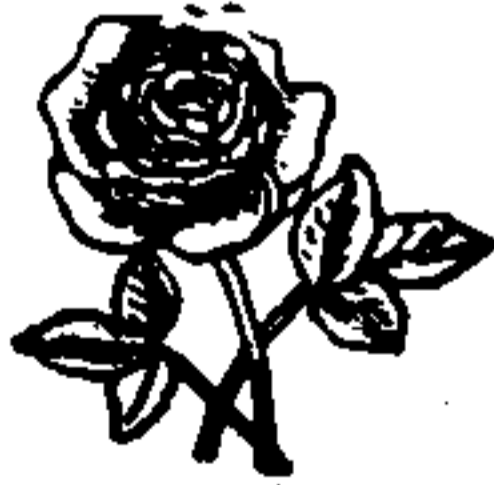
سہارس رائے

جن ایام میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اس وقت سندھ میں رائے سہاروس بن ساہبسی کی حکومت تھی جس کا دارالخلافہ اروڑ (روہڑی) تھا۔ رائے سہارس کی حدودِ حکومت مشرق میں کشمیر، مغرب میں مکران، جنوب میں دیبل (کراچی) اور شمال میں کرمان اور کیکانان تک پھیلی ہوئی تھی۔ کیکانان سلسلہ کوہ سلیمان کا وہ حصہ تھا جو دریائے گومل سے لے کر نوشکی تک پہنچتا تھا۔

رائے سہرس بڑا دولتمند تھا اس کا خزانہ مال و دولت سے معمور تھا۔ وہ اپنے اخلاق اور سیرت کے لحاظ سے بہت نیک نام تھا۔ اُس نے اپنی فطری فیاضی و سخاوت کی وجہ سے عوام کا دل موہ لیا تھا۔ اور اُس کے عدل و انصاف کیوجہ سے رعایا کا ہر فرد اُس کی اطاعت کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتا تھا۔

رائے سہارس نے اپنی مملکت کو ان چار صوبوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

۱۔ صُوبہ برہمن آباد

اس صوبہ میں نیرون۔ دیبل۔ لوہانہ۔ لاکھا اور سما شامل تھے۔

۲۔ صُوبہ سیستان۔

اِس صوبہ میں بودیتہ۔ جنکان۔ رونجھان اور کوہ پایہ سے لے کر سرحد مکران کا علاقہ شامل تھا۔

۳۔ صوبہ اسکلندہ

اس صوبہ میں بھاٹیہ۔ تلواڑہ ۔ پچ پور اور دیوہ پور کی کچھ زمین شامل تھی۔

۴۔ صوبہ ملتان

اس کے تحت سکہ۔ برہم پور، کرور۔ اشلہار اور تاکیہ سے لے کر کشمیر کی حد تک کے علاقے شامل تھے۔ ان شہروں کے موجودہ نام تحقیق طلب ہیں۔

ہر صوبہ پر ایک گورنر مقرر تھا جسے ہر وقت کیل کانٹے سے لیس رہنے کا حکم تھا تاکہ کوئی دشمن حملہ آور نہ ہو سکے' نیز اسے اس بات کی بھی تاکید تھی کہ وہ رعایا کے مفاد کو ہر وقت مدنظر رکھے' اپنے محکوم علاقوں کی حفاظت کرے اور بڑے بڑے زمینداروں کو مطمئن رکھے' اس کے حسن انتظام کی وجہ سے ملک میں ہر طرح کا امن وامان تھا۔ اور ایک طویل عرصہ تک کسی جانب سے کوئی بغاوت یا سرکشی نہ ہوئی۔

رائے سہارس کے عہد حکومت میں ملتان اپنے قدیم محل وقوع سے جنوب کی جانب ایک فرسخ ہٹ کر واقع تھا جہاں اب پل موج دریا ہے بعض روایات کی رو سے پل موج دریا پر رائے سہارس نے ہی ایک ذیلی شہر بسایا تھا۔ اس نے اپنے وقت میں ملتان کی حدود میں بہت سا اضافہ کیا اور پہلے کی نسبت اسے زیادہ پھیلا دیا۔ سہارس ایرانیوں کے حملہ کے دوران مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ساہنسی تخت نشین ہوا مگر اس کا عرصہ دیرپا ثابت نہ ہوا۔

راجا چچ

قرآن کریم میں عورت کے فریب کا ذکر ان الفاظ میں نقل ہوا۔ اِنَّ کَیْدَ کُنَّ عَظِیْمٌ۔ معلم القرآن نے اس کے فریب سے بچنے کے لئے یہ دُعا تعلیم فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ النِّسَاءِ! اسی فتنہ کا بچاؤ اسلام نے پردہ سے کیا۔ سہارس رائے گو ہندو تھا۔ مگر اُس کے خاندان میں پردہ رائج تھا۔ ایک روز سہارس رائے کا لڑکا ساہسی جو باپ کے مرنے کے بعد برسرِ اقتدار آچکا تھا۔ اپنی رانی کے تقاضا پر ایک مندر کے حسین و جمیل نوجوان پُجاری چچ کو گھر میں بلا بیٹھا۔ اُس کا حُسن و جمال۔ صلاحیت و قابلیت لمبا قد۔ متناسب اعضا اور چمکدار رُخسار دیکھ کر رانی اُس پر ایسی فریفتہ ہوئی، کہ اُس نے اپنے عظیم مکروفن سے نہ صرف چچ کو اپنا بنالیا بلکہ پُجاری سے راجا بنا دیا۔ رائے حکومت کے خاتمہ کے بعد اسی چچ پُجاری نے اپنی غدا کار رانی کی مدد سے ۶۳۱ئہ میں سندھ کے اندر برہمن حکومت کی بنیاد ڈالی۔ سہارس رائے کے بعد اُس کے صُوبے جو اب خود مختار بن چکے تھے۔ چچ نے یکے بعد دیگرے فتح کرنے شروع کئے۔ بھاٹیہ اور اسکلندہ کو فتح کرنے کے بعد چچ مہاراج سکہ اور ملتان کی طرف روانہ ہُوا۔

ملتان میں اُس وقت سہارس رائے کا قریبی راشتہ دار بجھڑہ نامی حکمران تھا یہ بڑے وسیع ملک اور کثیر سامان و اسبابِ جنگ کا مالک تھا۔ اور اُس کا

بھتیجہ سہول سکہ کے قلعہ کا گورنر تھا۔ جو ملتان کے مشرق میں واقع تھا۔ اس نے اپنے بھائی اجے سین سے مل کر دریائے بیاس کے کنارے بڑی بہادری سے چچ کا مقابلہ کیا لیکن جب شکست کے آثار نظر آنے لگے تو سہول بھاگ کر قلعہ ملتان میں پناہ گزین ہوا۔ راجہ چچ نے قلعہ سکہ پر قبضہ کر کے پانچ ہزار فوجیوں کو قتل کیا، تمام شہر کو لوٹ لیا اور گرفتار شدگان کو غلام بنایا اور اپنے ایک امیر عین الدین ریحان مدنی کو سکہ کا حاکم بنا کر خود ملتان پر حملہ آور ہوا۔ ملتان کے حاکم بجھرا نے ہاتھیوں اور ایک زبردست فوج کے ساتھ باہر نکل کر چچ کا مقابلہ کیا۔ خوب خونریز جنگ ہوئی۔ مگر بجھرا کو بالآخر قلعہ میں محصور ہونا پڑا اس نے کشمیر کے راجہ کو امداد کے لئے طلب کیا لیکن اُس کے قاصد کے پہنچنے سے قبل اُسے داعیٔ اجل نے بلا لیا۔ جس سے مایوس ہو کر بجھرا نے صلح کی درخواست کی اور اپنے اہل و عیال کو لے کر کشمیر چلا گیا۔ چچ قلعہ میں داخل ہو کر ملک پر قابض ہو گیا۔

ملتان سے فارغ ہو کر اُس نے سیوستان، برہمن آباد، کرمان، قندابیل کے علاقے فتح کئے قریباً چالیس سال تک حکومت کرنے کے بعد ۶۷۰ء میں وفات پائی۔ سندھ کی مشہور بنیادی اور مستند تاریخ چچ نامہ اسی فاتح برہمن کے نام پر عربی میں لکھی گئی جس کا فارسی میں ترجمہ علی کوفی نے کیا۔ اختر رضوی نے اُسے اُردو کا جامہ پہنایا اور اس کی شرح، تحقیق و تصحیح ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ صدر شعبہ تعلیم سندھ یونیورسٹی نے کی۔

چچ سندھ کی برہمن حکومت کا پہلا راجہ تھا جس نے زمام حکومت سنبھالتے ہی اپنی فطری فیاضی کے سبب لوگوں کو انعام سے نوازا اور تمام ناجائز ٹیکس معاف کر دیئے۔

راجہ داہر

چچ کی وفات کے بعد اُس کا لڑکا راجہ داہر سندھ کا حکمران بنا۔ اُس نے اُس نے اپنے بھتیجے گوڑ سنگھ کو ملتان کا گورنر مقرر کیا۔ اُس زمانے میں دیبل (کراچی) سندھ کی بندرگاہ اور راجہ داہر کے علاقے کا مشہور شہر تھا۔ سراندیپ (لنکا) کے راجہ کی طرف سے خلیفہ ولید بن عبدالملک کی طرف بطور تحفہ آٹھ جہازوں میں انواع اقسام کے جواہرات، غلام، کنیزیں و دیگر تحائف اور حج کرنے کیلئے کچھ مسلمان عورتیں جا رہی تھیں کہ راستہ میں طوفان نے اس بیڑے کو دیبل پہنچا دیا۔ جہاں راجہ داہر کے آدمیوں نے اُسے لوٹ لیا۔ آدمی قید کر لئے اور عورتوں پر ظلم توڑے گئے۔ جن کی دادرسی کے لئے راجہ داہر کی سرکوبی کے لئے محمد بن قاسم کا انتخاب ہوا۔ جو ان دنوں فارس کے دارالسلطنت شیراز کے گورنر تھے۔ صاحب عدل و انصاف تھے، تبلیغِ دین کا اتنا شوق تھا کہ اپنی تنخواہ کی بچت اور فرصت کے اوقات تبلیغِ دین پر صرف کر دیتے تھے۔

یہ سترہ برس کا خوبصورت نوجوان تھا جس کی بڑی بڑی آنکھیں، کشادہ پیشانی، گول بازو، چوڑی کلائیاں، بھرا ہوا بدن، گلابی رنگ اور ہیبتناک آواز تھی۔ جو شیر دل، بلند خیال، بہادر، خلیق، حلیم الطبع، شیریں زبان تھا۔ مسرت و بشاشت جس کے چہرے پر ہر وقت کھیلتی رہتی تھی۔ جس کی وجہ سے سب اُس کا احترام کرتے تھے۔
محمد بن قاسم نے اتمامِ حجت کے لئے راجہ داہر کو کئی خط لکھے اور اُسے صحیح

راستے پر لانے کی کوشش کی مگر لاتوں کے بھوت باتوں سے کب مانتے ہیں۔
راجہ داہر نے محمد بن قاسم کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ دونوں کا آمنا سامنا ہوا۔
داہر کے پاس دس ہزار سوار، تین ہزار پیدل فوج ایک سو ہاتھی اور بے شمار جنگی ساز و سامان تھا۔ راجہ داہر خود بھی بڑا بہادر سپہ سالار تھا۔ دوسری طرف سترہ سالہ نوخیز، نو آموز، نوجوان بارہ ہزار مجاہدین کے ساتھ اللہ کے بھروسہ پر صف آرا تھا۔ عین جنگ کے وقت اُس نوجوان نے اپنے ساتھیوں سے خطاب کیا اور کہا کہ "مسلمانو! اپنے گناہوں کیلئے خدا سے معافی کے خواستگار رہو اور استغفار زیادہ کرو۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو دو نعمتیں عطا کی ہیں ایک رسولِ اکرمؐ پر درود بھیجنا دوسرے استغفار کرنا۔ اگر تم قوی دل رہے تو خدا تعالےٰ تمہیں دشمن پر غالب کرے گا"۔ پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر محمد بن قاسم نے فوج کو حملے کا حکم دیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ دونوں طرف سے پوری بہادری کا مظاہرہ ہوا۔
راجہ داہر خود کمان کر رہا تھا کہ ایک عرب قاسم نامی نے تلوار کا ایک بھرپور وار کیا جو کاری ثابت ہوا۔ راجہ داہر عین میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ مجاہدین قلعہ راوڑ (روہڑی) میں فاتحانہ داخل ہوئے پُرامن شہریوں، تاجروں اور پیشہ وروں کو امان دی گئی۔
راجہ داہر کا سر، مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اور قیدی کعب بن مخارق الراسبی کی معرفت حجاج کو بھیجے گئے۔ جس نے خدا کا شکر ادا کیا اور مسجدِ کوفہ میں لوگوں کو جمع کر کے فتح سندھ کی خوشخبری سنائی اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی پھر اُس نے یہ سب چیزیں جن میں داہر کی بھانجی بھی تھی خلیفہ ولید بن عبدالملک کو دمشق بھجوا دیں۔
محمد بن قاسم کو یہ تاریخی کامیابی بروز جمعرات ۱۰ رمضان ۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء کو نصیب ہوئی۔

ملتانی سائنسدان

انسان وقت کا حساب رکھے بغیر منظم زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس لئے اجرام فلکی کا مشاہدہ تہذیب کی بنیادی ضرورتوں میں سے تھا۔ آریوں کی مذہبی رسمیں جتنی زیادہ تھیں اتنی اُنہیں وقتِ مقررہ پر ادا کرنے کی ضرورت تھی جن کا زیادہ تر تعلق موسموں، چاند کے گھٹنے بڑھنے، سورج کے مختلف منطقوں اور بُرجوں سے گزرنے سے تھا اسی لئے اُنہوں نے اوّلین توجہ علم ہئیت و نجوم پر دی۔ ملتان کے ہنود علم ہئیت۔ نجوم۔ طب۔ موسیقی، تعبیر خواب اور قیافہ شناسی کے ماہر تھے اور انکی تعلیم کا ملتان میں باقاعدہ انتظام تھا ان ماہرین میں مندرجہ ذیل سائنسدانوں کو بقائے دوام کا تحفہ ملا۔

پنڈت برہم گوپت

یہ علم ہئیت کا ماہر تھا۔ اس کے سلسلہ میں اُس نے کتاب "سدھانت" لکھی۔ یہ پچیس ابواب پر مشتمل ہے اس میں زمین و آسمان کی ہیئت، ستاروں کے دور، طول بلد، حُدودِ قوسین۔ تقویم کواکب، نظرات و اقرانِ سیارگان۔ سورج گرہن، چاند گرہن ایسے اہم مضامین پر روشنی ڈالی گئی۔ یہ ملتان کی پہلی کتاب ہے جس کا عربی میں "السند ہند" کے نام سے ترجمہ ہوا۔ ۷۷۱ء میں ریاضی اور ہیئت کا ایک ماہر پنڈت یہ کتاب لے کر بغداد پہنچا۔ خلیفہ منصور نے اُسے بڑی قدر سے دیکھا اور اپنے دربار کے ایک ریاضی دان ابراہیم فزاری سے اُس کا ترجمہ کرایا۔ عرب پہلے عدد لفظوں میں لکھا

کرتے تھے، اس ملتانی ریاضی دان سے عربوں نے ہندسے لکھنے سیکھے جنہیں وہ ارقام ہندیہ کہتے تھے۔

ایک عرصہ تک بغداد سے لے کر اسپین تک عرب ہیئت دان اس کتاب کے پیچھے لگے رہے اور اپنی اپنی طرز میں اس کا ترجمہ کرتے رہے اور اسکی شرحیں اور خلاصے لکھتے رہے، آٹھویں صدی عیسوی سے گیارھویں صدی عیسوی تک اس کتاب کو بنیادی حیثیت حاصل رہی اب تک اس کی بعض اصطلاحوں کا اثر لیا جا رہا ہے۔

درلب ملتانی یہ بھی علم ہیئت کا مشہور و معروف ماہر تھا۔ اس نے اس سلسلہ کی دوسری کتاب زیچ یعنی جنتری تیار کی تھی جسمیں آفتاب و ماہتاب کے اوقات طلوع و غروب بھی درج تھے، اس کتاب کی بیرونی نے بہت تعریف لکھی ہے۔

اوگربرت یہ راجہ جے پال کے بیٹے آنند پال کا اتالیق تھا۔ اور علم نجوم کا بہت ماہر تھا۔ اُس نے علم النجوم پر "شکھت برت" نامی کتاب لکھی۔ جس نے آنے والے ماہرین کے لئے نشان راہ کا کام دیا۔

براھمہ ملتان قدیم میں یہ فن تعمیر کا ماہر گزرا ہے اس نے فن تعمیر پر کتاب "عمارات" لکھی تالاب بنانا ہندوؤں کا مخصوص ہنر تھا وہ نہایت سڈول پتھروں سے نوکدار میخوں سے باہم جڑے ہوئے درجہ دار چبوترے بنانے کے بڑے ماہر تھے ان میں اس انداز سے بکثرت سیڑھیاں بنائی جاتیں کہ اگر ایک جماعت نیچے اُترتی اور دوسری اُوپر چڑھتی تو آپس میں مڈبھیڑ نہ ہوتی۔ ایسا تالاب ملتان کے مشہور سورج مندر میں موجود تھا۔
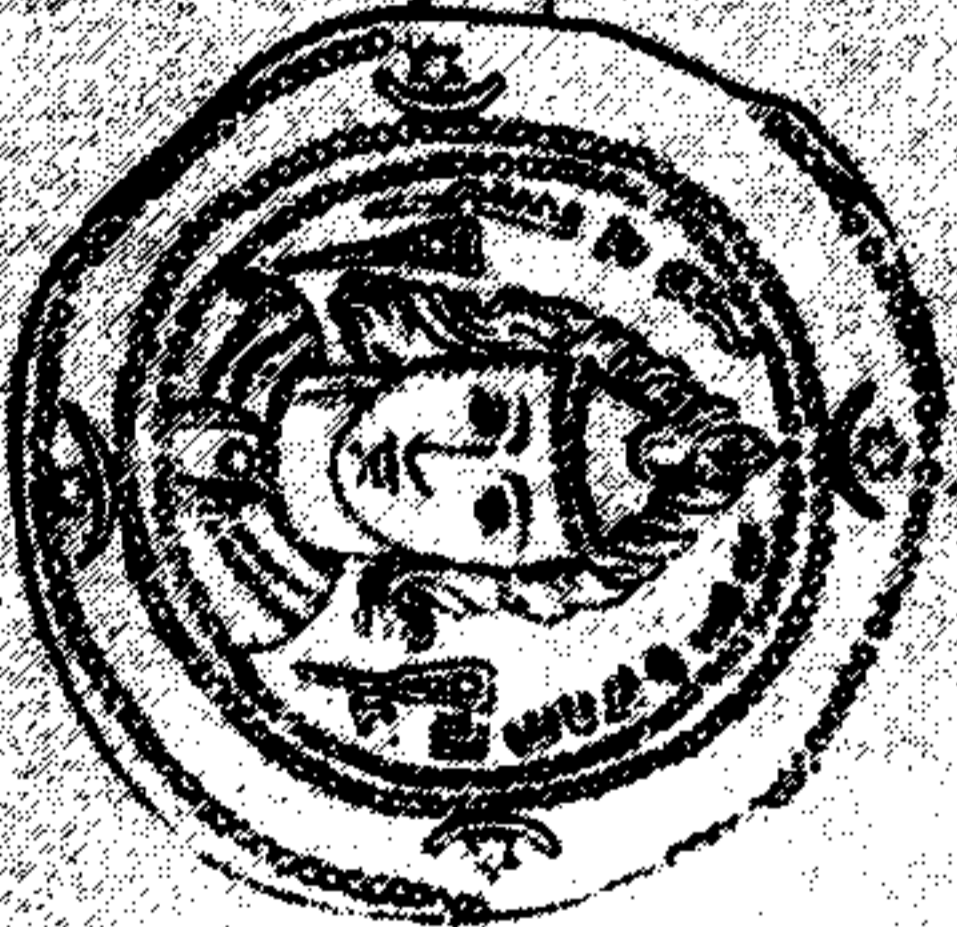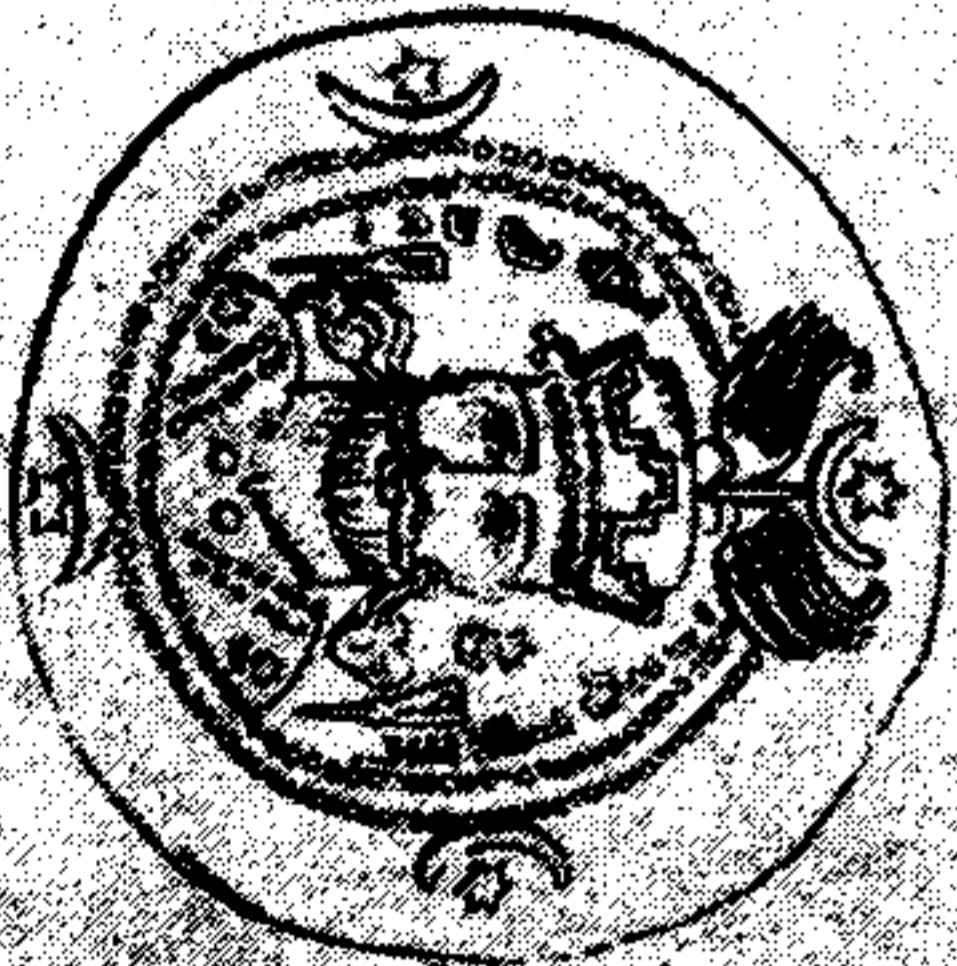
خسرو ثانی شاہِ ایران والیِ ملتان کے سکے

اِسلامی دور

محمد بن قاسمؒ

راجہ داہر کو کیفر کردار تک پہنچانے اور سندھ میں پرچم اسلام لہرانے کے بعد محمد بن قاسم نے ملتان کا رُخ کیا۔ یہاں تک پہنچنے کیلئے اُسے سب سے پہلے قلعہ سکہ سر کرنا پڑا۔ سکہ ملتان سے مِلا ہوا شہر تھا۔ ان دونوں شہروں کو دریائے راوی ایک دُوسرے سے جُدا کرتا تھا۔ سکہ اس کے جنوب مغربی کنارے پر تھا اور ملتان دُوسری طرف۔ ملتان کا یہ مشہور قلعہ مؤرّخ بلاذری کے زمانے میں ویران ہو گیا تھا۔ سکہ سے راوی کو عبُور کر کے محمدؒ بن قاسم ملتان خیمہ زن ہوا ملتانی فوج قلعہ سے باہر نکل کر شام تک لڑتی اور شام کو قلعہ بند ہو جاتی۔ اس طرح مسلسل دو مہینے قلعہ کے باہر جنگ ہوتی رہی۔ بالآخر وہ قلعہ میں محصور ہو گئی اور اسلامی فوج ملتان کے ناقابلِ تسخیر قلعہ کو نہ توڑ سکی۔

محاصرہ کے طول پکڑنے کے ساتھ رسد میں اس حد تک کمی ہو گئی کہ لوگ گدھے کھانے پر مجبور ہو گئے ایک روز اتفاقاً ایک شہری قلعہ سے باہر نکلا۔ اُسے فوراً پکڑ کر پناہ میں لے لیا گیا اُس نے دریافت پر قلعہ کی شمالی جانب دریا کے کنارے اُس جگہ کی نشاندہی کی جو کمزور تھی اور جسے بآسانی توڑا جا سکتا تھا چنانچہ محمد بن قاسم نے اپنی مشہور منجنیق "عروس" سے اُس پر گولہ باری شروع کر دی۔ راجہ داہر کا عم زاد گورسنگھ حاکم ملتان مدد لینے کے بہانے کشمیر بھاگ گیا دو تین دن کی گولہ باری کے بعد اسلامی فوج قلعہ کی دیوار میں شگاف کرنے میں کامیاب ہو گئی اور

فاتح کی حیثیت سے قلعہ میں داخل ہوئی۔ چھ ہزار فوجیوں کو موت کی نیند سُلایا۔
اور باقیوں کو قیدی بنالیا۔ تاجروں، صناعوں اور کاشتکاروں کو معافی دیدی۔
اور اُن پر جزیہ کے علاوہ محاصرہ کا معاوضہ بھی عاید کیا۔ جس پر امرا اور معززین
شہر نے ساٹھ ہزار درہم جمع کر کے پیش کیئے جو چار سو درہم فی گھوڑے سوار کے
حساب سے فوج میں تقسیم کر دیئے گئے۔ ملتان ۱۳ے عیسوی میں فتح ہوا۔ فتح ملتان کے بعد
محمد بن قاسم نے ملتان میں ایک شاندار جامع مسجد تعمیر کرائی جس کا ایک بڑا منارہ
تھا۔ ملتان سے نقد اور جنس کی صورت میں جو کچھ ملا وہ بیت المال میں جمع کرا دیا۔
"فتوح البلدان" کی رُو سے حجاج بن یوسف نے جب اس مہم کے مصارف کا
حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ چھ کروڑ درہم سندھ و ملتان کی مہم پر خرچ ہوئے اور بارہ
کروڑ حاصل ہوئے۔ اس پر حجّاج نے خوشی منائی کہ چھ کروڑ کی زر کثیر بھی ہاتھ آئی اور
داہر کا سر بھی۔ ڈاکٹر تارا چند اپنی مختصر تاریخ اہلِ ہند میں لکھتے ہیں:۔

"داہر کا باپ چچ متعصب حاکم تھا اُس نے جابرانہ قوانین نافذ کر رکھے تھے
رعایا کو ہتھیار رکھنے، ریشمی کپڑے پہننے، گھوڑوں پر زین ڈال کر سوار ہونے کی اجازت
نہ تھی، اُسے حکم تھا کہ وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں چلا کرے۔ اس کے برخلاف محمد بن قاسم
نے رعایا سے فیاضی کا سلوک کیا، پرانا نظام اور قدیم ملازم برقرار رکھے۔ ہندوؤں کو
مذہبی آزادی دی۔ اس پر خفیف سا جزیہ لگایا۔ مسلمانوں کو بیت المال میں ڈھائی
فیصد زکوٰۃ، دس فیصدی عشر داخل کرنا پڑتا تھا لیکن غیر مسلموں کو سال میں
صرف پانچ دینار دینے پڑتے تھے۔ جو اُن کی حفاظت کا معاوضہ تھا اور وہ جنگی
خدمات یعنی جہاد سے بھی مستثنےٰ تھے۔"

عہدِ والیان

محمد بن قاسم فتح ملتان کے بعد دیپالپور تک پیش قدمی کر چکا تھا کہ اُسے واپس بلا لیا گیا۔ اس کی واپسی کا ہندوؤں کو بہت صدمہ ہوا۔ وہ اسکی رحمدلی فیاضی اور رواداری کو یاد کر کے روتے تھے یہاں تک وہ فرطِ عقیدت سے اُس کا بُت بنا کر مدتوں اُسے پوجتے رہے۔ خود محمد بن قاسم کو بھی واپس بلائے جانے کا صدمہ تھا اُس نے سترہ برس کی عمر میں مردانِ کارزار کی سرداری کی۔ جبکہ اُس کے ہمعصر کھیل کود میں مشغول تھے۔

محمد بن قاسم کے بعد وادئی سندھ کی اسلامی حکومت خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پوتے داؤد بن نصر کے سپرد ہوئی جس نے عکرمہ بن ریحان شامی کو ملتان کا حاکم مقرر کیا۔ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے زمانہ میں حبیب بن مہلب کو سندھ و ملتان کا گورنر مقرر کیا۔ ۹۹ھ میں سلیمان بن عبدالملک کی وفات پر عمر بن عبدالعزیز خلیفہ منتخب ہوئے اُنھوں نے عمرو بن مسلم باہلی کو سندھ و ملتان کا گورنر مقرر کیا۔ اِس کے زمانہ میں داہر کا بیٹا جے سنگھ اور دیگر راجاؤں نے عمر بن عبدالعزیز کے تبلیغی خطوط سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور کچھ وجالندھر کا علاقہ اسلامی مملکت میں شامل ہوا۔

ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں جنید بن عبدالرحمٰن اِس علاقہ کا گورنر بنا۔ جس نے ماروداڑ کا علاقہ فتح کر کے اسلامی مملکت میں شامل کیا۔ اُس نے اپنے

وقت کی فتوحات میں ساڑھے چھ لاکھ قیدی بنائے۔ آٹھ کروڑ درہم روپیہ شاہی خزانہ میں جمع کرایا اسی قدر روپیہ اور قیدی فوجیوں میں تقسیم کئے اور ایک کروڑ درہم مصارفِ سلطنت کیلئے بچائے جُنید کے بعد تمیم بن زید ۱۱۱ھ میں سندھ کا گورنر بنا اسوقت سندھ کا خزانہ ایک کروڑ اسی لاکھ کی خطیر رقم سے معمور تھا جو اُسنے رعایا پر فیاضی سے خرچ کیا۔ اُس کا شمار اسخیائے عرب میں ہوتا تھا اس کی اچانک موت سے ایسی بدنظمی پھیلی کہ داہر کا لڑکا جے سنگھ اور دُوسرے راجے اور قبائل اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہو گئے اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا ملتان سندھ سے الگ ہو گیا۔ اور ایک خود مختار ریاست بن گیا جس پر بنو سامہ نے ساٹھ سال تک حکومت کی۔

تمیم کی وفات کے بعد حکم بن عوانہ کلبی سندھ کا گورنر بنا۔ یہ محمد بن قاسم کے صاحبزادہ عمرو کو ہمراہ لایا جو باپ کی طرح عقلمند، مدبر، دانشور اور بہادر ثابت ہوا۔ اُس نے بحیثیت سپہ سالار سرکشوں کی سرکوبی کی اور عرب اقتدار کو بحال کیا، مزید فتوحات کر کے باپ کی روایات کو زندہ کیا۔ اُس نے اسلامی سلطنت کے استحکام اور اپنی فتوحات کی یادگار کے طور پر دریائے سندھ کے غربی کنارے محفوظہ کے بالمقابل ایک نیا شہر منصورہ کے نام سے آباد کیا۔ جو اُس کے فاتح و منصور واپس جانے کی یادگار رہا۔ اور سندھ کا دارالسلطنت رہا۔ اِن انقلابات پر عراق کے گورنر جنرل خالد قسری نے حیرت سے کہا کہ سندھ کے لوگ بھی عجیب ہیں کہ یہ عرب کے دریا دل اور فیاض حاکم سے ناراض ہو گئے اور حکم جیسے بخیل ترین انسان کے حاکم مقرر ہونے پر خوش ہو گئے۔

شیعیّت کا آغاز

لفظی اعتبار سے شیعہ کے معنی شاخ، چشمہ یا فرقہ کے ہیں۔ عام سنی مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ رسالت اور نیابت کے تمام سلسلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہیں۔ مگر اسماعیلی فرقہ کے سربراہ سر آغا خاں کی خود نوشت سرگذشت کی رُو سے شیعہ فرقہ کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے:

"رسول کی وفات کے بعد خداوندی اختیار، ہدایت اور قیادت نے اپنا اظہار حضرت علی کے اندر کیا، جو معتقدین کے پہلے امام اور رُوحانی پیشوا تھے۔ حضرت علی جو حضرت محمدؐ کے ساتھی تھے۔ خدا کے نائب ہیں حکومت ہمہ گیر ہے۔ اس کا تعلق رُوحانی معاملات سے بھی ہے اور یہ حکومت رسُول کے خاندان کے وارثوں کو موروثی حق کے ذریعہ سے منتقل کی جاتی ہے۔ شیعوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ان میں سے بعض کا عقیدہ ہے کہ یہ رُوحانی سرداری اور امامت جو حضرت علی کے متعلق تھی۔ اُن کی چھٹی نسل میں اُن کے ذریعہ اسمٰعیل کو پہنچی جن کی اولاد میں ہونے اور جن سے امامت حاصل کرنے کا میں خود دعویٰ کرتا ہوں۔ دُوسرے شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امامت کا سلسلہ زید سے چلتا ہے جو امام حسین کے پوتے تھے۔ ان کے علاوہ دیگر شیعوں کا جن میں ایران کے لوگوں اور ہندوستان کے شیعوں کی بڑی اکثریت شامل ہے، یہ عقیدہ ہے کہ امامت کا تعلق اب ایک زندہ امام سے ہے جو علی سے دسویں نسل میں ہیں جن کی

وفات کبھی نہیں ہوئی جو زندہ ہیں اور گزشتہ تیرہ سو سال سے ہمارے درمیان زندگی بسر کر رہے ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے مگر وہ ہم کو دیکھتے ہیں جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے وہ اثنا عشری کہلاتے ہیں" (ص ۳۴ تا ص ۳۶)

اِس طرح شیعہ فرقہ دو شاخوں پر مشتمل ہے اسکی اکثریت اثنا عشری ہے اور اقلیت اسمٰعیلی!! ملتان میں شیعیت کی ابتدا ۱۴۳ھ میں ہوئی جبکہ یہاں عمر بن حفص گورنر تھا۔

عمر بن حفص اگرچہ عباسیوں کا گورنر تھا لیکن بباطن وہ سادات کا ہمدرد تھا۔ اُس کے عہد میں علوی حکومت کے قیام کے سلسلہ میں عبداللہ الاشتر نے چند اچھے گھوڑے خریدے اور گھوڑوں کے تاجر کے بھیس میں یہاں پہنچا۔ عمر بن حفص گورنر نے بحیثیت ایک تاجر کے اسکی بڑی آؤ بھگت کی۔ عبداللہ الاشتر کے ایک ساتھی نے موقعہ پاکر ایک دن عمر بن حفص کو اپنے آنے کا مقصد بتایا اور اس سے سادات کی حکومت قائم کرنے میں مدد چاہی جو اُس کیلئے فی الفور تیار ہو گیا۔ اُس نے شیعیت کے اُن اوّلین مبلغین کو ایک جگہ چھپا دیا۔ شہر کے معززین کو بلا کر اُن سے مشورہ کیا۔ آخر میں جمعرات کا دن اُن کی بیعت کیلئے مقرر ہوا۔ ایک سفید جھنڈا تیار کیا گیا اور اُس شیعہ مبلغ کے لئے سفید کپڑے بنوائے گئے جنہیں پہن کر وہ خطبہ دیتے تھے اور شیعیت کی تبلیغ کرتے تھے بعد ازاں عمر بن حفص نے خلیفہ منصور کے خوف سے عبداللہ الاشتری کو ایک ہندو راجہ کے ہاں ٹھہرایا۔ جو اہلِ بیت کی بڑی عزت کرتا تھا لیکن جس مذہب کی اُس نے یہاں داغ بیل ڈالی وہ پھلتا پھولتا رہا بشاری مقدسی جب ملتان آیا تو اُس نے اہلِ ملتان کو شیعہ پایا۔

اسماعیلی اقتدار

حضرت امام جعفر صادق کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل کو امام ماننے والے اسماعیلی کہلاتے ہیں۔ مصر میں رہنے والے اسماعیلی حضرت فاطمہ رض کی اولاد ہونے کے دعویدار ہیں اسی نسبت سے فاطمی کہلاتے ہیں۔ حمدان عرف قرمط کے پیروکار قرامطی کہلاتے ہیں۔ یہ سات آئمہ کے قائل ہیں۔ ان کا ظہور کوفہ کے ایک مقام نہرین سے ہوا۔ چوتھا فرقہ باطنی کہلاتا ہے جس کا سرگروہ حسن بن صباح تھا۔ جس نے حشیش کی جنت بنا کر فدائیوں کی ایک جماعت تیار کی تھی اور اُنکے ذریعہ دُنیائے اسلام کے بڑے بڑے علماء کو قتل کرادیا تھا۔

یہ چاروں شیعہ فرقہ کی شاخیں ہیں۔ ہر فرقہ کی تاریخ پیدائش جُدا جُدا اور عقائد الگ الگ ہیں۔ قرامطیوں نے اسماعیلیوں کے عقائد میں اس بات کا اضافہ کیا کہ نتیجہ اسباب مہیا کرتا ہے، جائز و ناجائز کا کوئی سوال نہیں حصولِ مقصد کے لئے جو چاہو کرو۔ فاطمیوں نے بھی ان عقائد کو اپنایا۔ قرامطیوں کے مبلغ داعی کہلاتے ہیں، یہ پہلے لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں پھر اپنے ڈھب کے جواب دے کر اُنہیں مطمئن کرتے ہیں۔

اسماعیلی فرقہ کا پہلا داعی ہیثم ۲۶۰ھ میں سندھ آیا۔ جس کا اسوقت دار الخلافہ ملتان تھا۔ اُس نے یہاں اپنے عقائد کی تبلیغ شروع کی۔ ان کے عقائد میں جو لچک تھی، اُس کی وجہ سے اُسے بڑی کامیابی ہوئی ۳۰۳ھ میں جبکہ ملتان حکمران ایران یعقوب

بن لیث صفاری کے زیر فرمان تھا۔ فاطمی داعی بھی ملتان آنے شروع ہو گئے۔ اُنہوں نے بھی لوگوں کو اپنا ہم عقیدہ بنانا شروع کر دیا اور ملتان میں برسر اقتدار آنے کے لئے زمین ہموار کرنی شروع کر دی جس کے نتیجہ کے طور پر ۳۷۳ھ میں مصر کی فاطمی حکومت کے خلیفہ اور اسماعیلی فرقہ کے امام العزیز باللہ نے جلم بن شیبان اسمٰعیلی کو ملتان کا حاکم بنا کر بھیجا۔ اُس نے ملتان میں اسماعیلی حکومت قائم کی۔ فاطمی خلیفہ کا خطبہ شروع کرایا اور فاطمی عقائد کو فروغ دیا۔

اسمٰعیلی دور کا سیاح بشاری مقدسی لکھتا ہے کہ "ملتان والے شیعہ ہیں، اذان میں حیّ علی الخیر العمل کہتے ہیں اور اقامت میں دو دفعہ تکبیر کہتے ہیں، ملتان میں خطبہ مصر کے فاطمی خلیفہ کا پڑھتے ہیں۔ اسی کے حکم سے یہاں کا بندوبست ہوتا ہے اور یہاں سے برابر تحائف مصر کو بھیجے جاتے ہیں"۔

جلم بن شیبان نے ملتان کے اس قدیم مندر کو توڑ دیا۔ جو فتح ملتان سے اس کے وقت تک صحیح و سالم چلا آتا تھا۔ مندر کی جگہ اُس نے ایک جامع مسجد بنوائی اور محمد بن قاسم کے زمانے کی جامع مسجد کو بنوامیہ کی یادگار سمجھ کر گروا دیا۔

اس کے بعد اُس کا بیٹا شیخ حمید اسماعیلی حاکم ملتان ہوا کیونکہ اسماعیلیوں میں داعی کی جگہ اُس کا بیٹا جانشین ہوتا تھا۔

سلطان محمود غزنوی

ملتان پر عربوں نے ۹۵ھ میں قبضہ کیا۔ ۱۳۲ھ تک ملتان کا تعلق خاندانِ بنی اُمیّہ سے رہا۔ اموی حکومت کی بساط اُٹھنے کے بعد اس کا تعلق بنو عباس سے ہوا۔ تیسری صدی ہجری یعنی خلیفہ معتصم کے زمانہ تک ملتان عباسی حکومت کے تحت رہا۔

محمد بن قاسم نے اگرچہ دو سال کی مدّت میں سندھ اور ملتان کا علاقہ فتح کر لیا تھا لیکن اس کے عرب جانشین اس کی قائم کردہ سلطنت کو وسعت نہ دے سکے جس کی وجہ سے قریباً اڑھائی سو سال تک شمالی ہند پر راجپوت براجمان رہے۔ باہر سے کوئی ایسا تلوار کا دھنی نہ آیا۔ جو اس کی سرحدوں کو وسیع کرتا۔

سنہ ۹۷۰ء میں سامانی بادشاہوں کے زمانہ میں افغانوں نے صُوبہ کابل اور صوبہ ملتان کے درمیان حدِ فاصل قائم کر دی۔ حکومتِ غزنی کے زمانہ میں الپتگین کا جرنیل سبکتگین بار بار ملتان پر حملہ آور ہوا۔ سنہ ۹۸۰ء میں امیر سبکتگین برسرِ اقتدار آیا، اس نے شمال مغربی سرحد کے بعض علاقے فتح کر کے پشاور اور کابل میں اسلامی حکومت قائم کی اور فتحِ ہندوستان کے لئے راستہ صاف کر دیا۔

ملتان کا حاکم شیخ حمید اسماعیلی اُسے خراج ادا کیا کرتا تھا لیکن اُس کا پوتا ابوالفتح داؤد قرامطی بن گیا اور اُس نے سبکتگین کو خراج دینا بند کر دیا جس پر سنہ ۱۰۰۵ء میں سبکتگین کے والد سلطان محمُود غزنوی نے ابوالفتح کو بدعہدی کا مزہ چکھانے کیلئے

ملتان پر حملہ کیا۔ سات روز تک ملتان کا محاصرہ کئے رکھا جس پر ابُوالفتح اپنے ملحدانہ عقائد سے تائب ہوا۔ اور سلطان محمُود کی اطاعت قبول کر لی۔

ابوالفتح فی الحقیقت تائب نہ ہُوا تھا بلکہ اُسنے تقیہ کیا تھا اِس لئے سُلطان محمُود غزنوی کے واپس چلے جانے کے بعد وہ اپنے قول و اقرار سے منحرف ہو گیا اور دوبارہ قرامطی مذہب اختیار کر کے بغاوت کر دی۔ اس پر سُلطان محمُود کو دوبارہ ۱۰۱۰ئہ میں مجبُوراً ملتان آنا پڑا۔ محمُود نے غوریوں پر فتح پانے کے بعد مُلتان پر ایسا سخت حملہ کیا کہ اہلِ ملتان کو بالکل تیاری کا موقع نہ مل سکا۔ اُس نے ملتان کو فتح کر کے تمام باغیوں کو سخت سزائیں دیں۔ اور بڑی تعداد کو قید کر دیا جن میں شیخ ابوالفتح داؤد بن نصر بھی شامل تھا۔ اُس کو محمود غزنوی قید کر کے غزنہ لے گیا اور قلعہ غورک میں نظر بند کر دیا اور وہیں اُس نے وفات پائی۔

سُلطان محمُود نے صُوبہ مُلتان پر قبضہ کر کے وہاں اپنا حاکم مقرر کر دیا۔ سُلطان محمُود نے محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی جامع مسجد کو ازسرِ نو آباد کیا۔ جس کو اسمٰعیلی حکمران جلم بن شیبان نے گرا دیا تھا اور جلم بن شیبان کی بنوائی ہوئی مسجد کو بند کرا دیا۔

سلطان محمود غزنوی نے اگرچہ گجرات۔ کچھ۔ قنوج۔ کالنجر اور کانگڑھ تک کے ہندو راجوں کو زیر کیا۔ راجپوتوں کا شیرازہ بکھیرا۔ مگر اُس نے شمالی ہند میں اسلامی حکومت کی داغ بیل نہ ڈالی جس کے لئے قریباً دو سو سال بعد افغانوں کو یہاں آنا پڑا۔

سُلطان محمد غوری

ہرات کے مشرقی کوہستان میں غور ایک وسیع خطّے کا نام ہے۔ سُلطان محمود غزنوی نے اُسے فتح کر کے سلطنتِ غزنوی کا ایک صُوبہ بنا دیا تھا۔ غور کے باشندوں نے دُوسری صدی ہجری کے شروع میں اسلام قبول کر لیا تھا اور یہاں سب افغانی قومیں آباد تھیں۔ محمُود غزنوی نے بھی انہی افغانوں میں سے ایک افغان کو اس علاقے کا گورنر بنایا تھا۔ یہ گورنری نسلاً بعد نسلٍ اسی خاندان میں چلی آئی ۔ ۱۱۷۳ء میں سُلطان غیاثُ الدّین نے غزنی کو فتح کر کے اپنے بھائی شہابُ الدّین غوری کو غزنی کے تخت پر بٹھایا۔ جو سُلطان محمد غوری کے نام سے مشہور ہوا۔

غزنویوں کے زوال کے بعد قرامطی پھر مُلتان میں برسرِ اقتدار آگئے۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے بانی سُلطان شہابُ الدّین محمد غوری نے قرامطی فتنہ کا ہمیشہ کیلئے استیصال کرنے کے لئے ۱۱۷۵ء میں مُلتان پر حملہ کیا اور اُن کا ایسا قلع قمع کیا کہ پھر مُلتان میں اُن کا کوئی نام لیوا نہ رہا۔

سُلطان محمُود غزنوی کے آخری حملہ اور سُلطان محمد غوری کی آمد تک دُو سو سال گزر چکے تھے۔ اِس عرصہ میں راجپوتوں کو ایک بار پھر اپنا نظام مستحکم کرنے کا موقع مل گیا۔ اُن کی ہمت اتنی بڑھی کہ اُنھوں نے لاہور پر حملہ کر کے غزنوی حکمرانوں کو نکالنے کی کوشش کی۔ ۱۱۹۳ء میں ایک سو پچاس راجپوت راجے اور مہاراجے صف آراء تھے۔ پرتھوی راج تین لاکھ سواروں، تین ہزار جنگی ہاتھیوں اور لاتعداد پیادہ سپاہ

کے جمِ غفیر کے ساتھ ترائن کے میدان میں خیمہ زن ہُوا۔ مگر وہ محمد غوری کی افواجِ قاہرہ کے سامنے زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا اُس نے شکست فاش کھائی اور مارا گیا۔ جس کے متعلق ڈاکٹر ایشوری پرشاد ہسٹری آف میڈیول انڈیا میں لکھتا ہے۔ کہ "اس جنگ نے راجپوتوں کی اجتماعی قوت، سطوت اور شوکت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ اور ہندوستان کے تمام طبقوں میں بد دلی اور شکست خوردہ ذہنیت کی فضا پھیل گئی۔ پرتھوی راج چوہان کی موت کے بعد راجپُوتوں کے اتحاد و یگانگت کا شیرازہ بکھر گیا اور راجپُوتوں سے ایسا کوئی رہنما دوبارہ نہ اُٹھ سکا جو مُسلمانوں کے مُقابلہ میں ہندوؤں کو منظم کر سکتا"۔ اِس لئے راجپوتوں نے مُسلمانوں کی سیادت قبول کر لی اور غوری نے دہلی، اجمیر اور سرسوتی تک قبضہ کر کے راجپُوتوں کی سطوتِ پارینہ کے کھنڈروں پر اسلامی سلطنت کی بُنیاد رکھی اور مُلتان جو پہلے عرب حکمرانوں کے زمانہ میں آزاد تھا۔ اب سلطنتِ دہلی کے زیرِ نگین آگیا۔ محمد بن قاسم کی فتحِ ملتان سے فتحِ دہلی تک پونے پانچ سو سال کا عرصہ لگ گیا۔

والیانِ ملتان
W.A.P.D.A
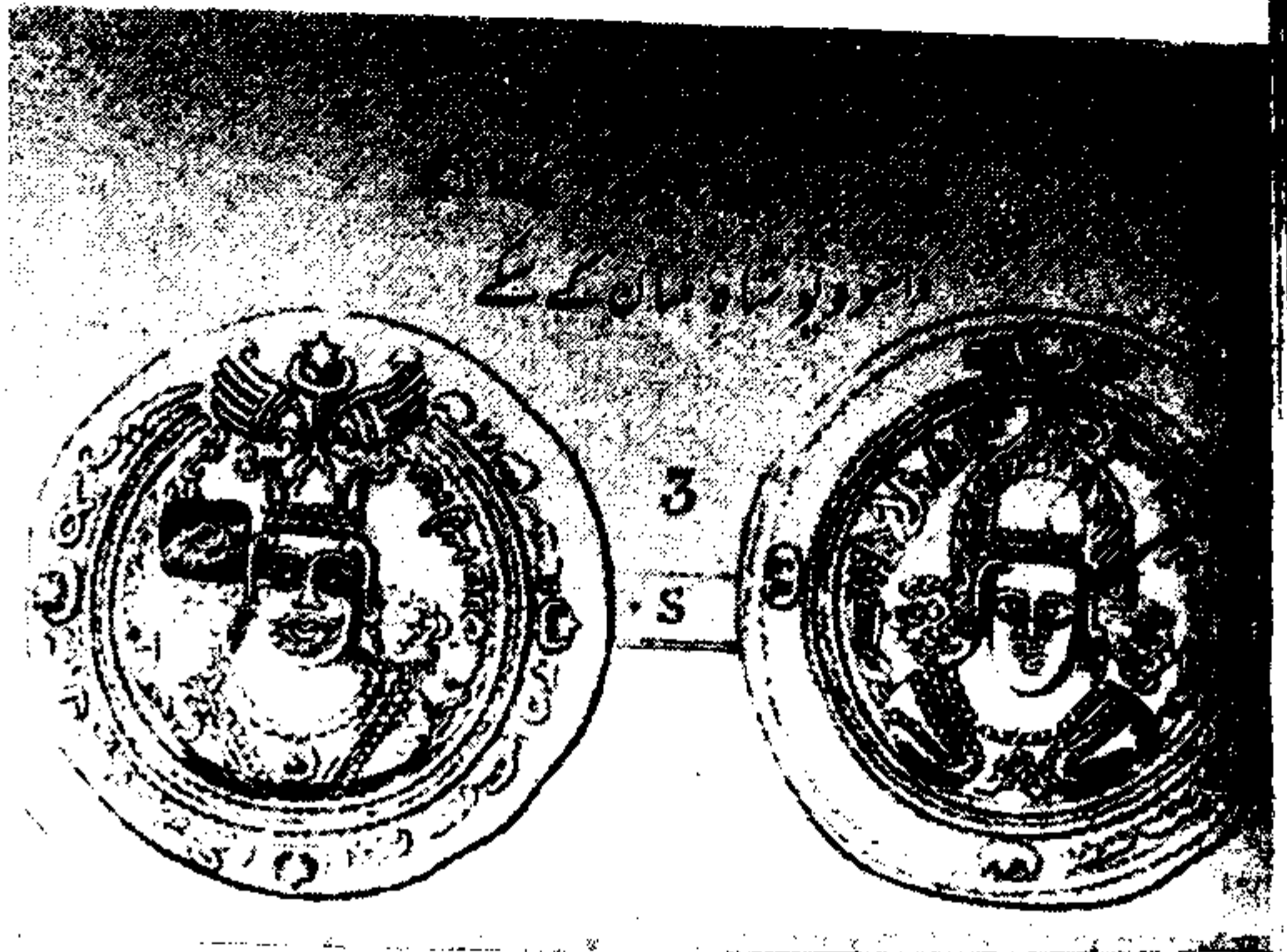
DEVAJARI
King of India and Persia
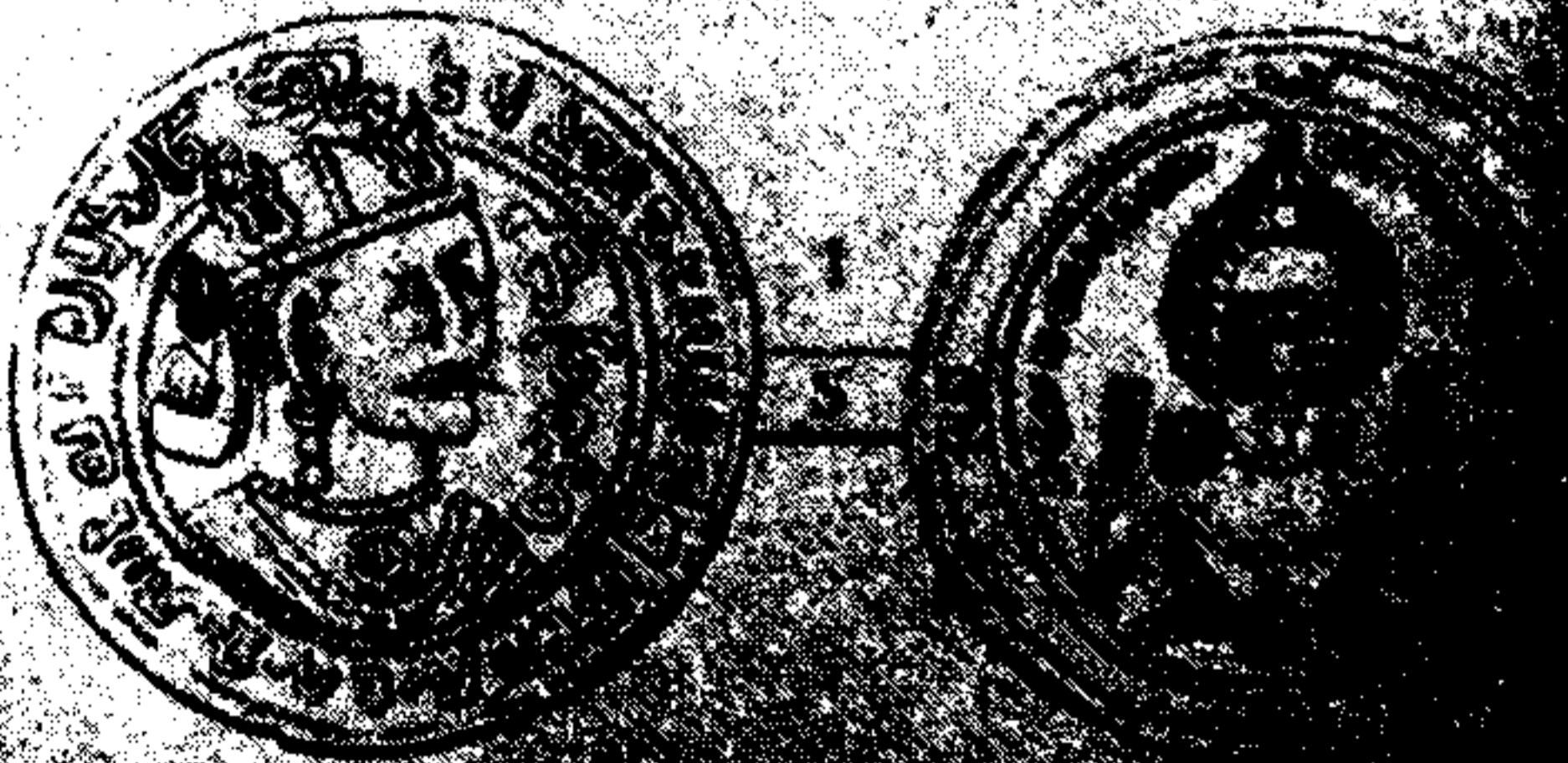
ناصرالدّین قباچہ

سلطان محمد غوری کا کوئی لڑکا نہ تھا۔ اُس نے اپنے غلاموں کو اپنی اولاد کی طرح پرورش کیا تھا۔ اس لئے اس کی شہادت کے بعد اُس کے غلام تاج الدین یلدوز کو غزنی کی، ناصرالدّین قباچہ کو سندھ اور مُلتان کی اور قطبُ الدّین ایبک کو لاہور اور دہلی کی حکومت ملی۔

خاندانِ غلامان کے نامور بادشاہ قطبُ الدّین ایبک کی لڑکی سُلطان محمد غوری کے اسی غلام ناصرالدّین قباچہ سے بیاہی ہوئی تھی جو نہایت ہی بہادر، ذہین اور فہیم تھا۔ اور ایک عرصہ تک سُلطان محمد غوری کی خدمت میں رہ کر امورِ سلطنت اور کشورکُشائی کا تجربہ حاصل کر چکا تھا۔ وہ قطبُ الدّین ایبک کے وقت اسی کی منشاء کے مُطابق حکومت چلاتا تھا۔ مگر ایبک کی وفات کے بعد ۱۲۱۱ء میں ناصرالدّین قباچہ نے مُلتان اور سندھ کے بقیہ حصّے اور قلعے فتح کر کے اپنی خُودمختاری کا اعلان کر دیا اور سُلطان کا لقب اختیار کیا۔ اس طرح اُس نے سندھ اور مُلتان کی حکومت کو شاہانِ دہلی سے علیحدہ کر کے ایک مستقل سلطنت قائم کی اور اپنے نام کا سکہ اور خُطبہ جاری کیا۔ یہ سکہ مُلتانی زبان میں تھا۔

۱۲۲۱-۲۲ء میں سُلطان جلال الدّین خوارزم چنگیز خان سے شکست کھا کر ناصرالدین قباچہ کے پاس امداد کے لئے پہنچا۔ اُس نے جب اس کی کوئی مدد نہ کی، تو سُلطان جلال الدّین خوارزم مایُوس واپس لوٹا اور راستہ میں قباچہ کا جو بھی مقبوضہ شہر آیا

اسے برباد کرتا ہوا کیچ مکران کے راستے عراق واپس ہوا۔ اسی زمانہ میں چنگیز خان کا بیٹا چغتائی خان مغلوں کے ایک لشکر کے ساتھ جلال الدین خوارزم کا تعاقب کرتے ہوئے ملتان پہنچ گیا اور ملتان کا محاصرہ کر لیا۔ ناصرؒ الدین نے خود کو اس کے مقابلہ میں کمزور پا کر قلعہ بند کر لیا۔ اس نے ایسے نازک وقت میں محاصرہ کے دوران رعایا کے آرام و آسائش پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا اور بڑی پامردی اور استقلال سے محاصرے کے مصائب و شدائد کا مقابلہ کیا۔ چالیس روز کے محاصرہ کے بعد سرد علاقے کے تاتاری ملتان کی گرمی کی تاب نہ لا کر خود بخود واپس چلے گئے۔

ناصر الدین قباچہ کے زمانہ میں اُچ اور ملتان کی علمی محفلیں پر رونق تھیں، کیونکہ گکھڑوں کے مظالم اور مغلوں کے حملے کی وجہ سے مغربی پنجاب کا راستہ بند تھا۔ ترکستان، افغانستان اور خراسان سے آنیوالوں کے لئے صرف ملتان کا راستہ کھلا تھا۔ جو بھی علماء فضلا اور صوفیا اس زمانے میں ہندوستان آتے انہیں اُوچ اور ملتان سے گزرنا پڑتا۔ وہ یہاں کی علمی فضا سے متاثر ہو کر اکثر یہیں رہ جاتے اور قباچہ کا دربار اُن سے معمور رہتا۔ ان میں سے قاضی منہاج الدین سراج مصنفؔ "طبقاتِ ناصری"۔ سید بدرالدین عوفی مصنفؔ "لب الالباب" (تذکرہ فارسی شعراء) نورالدین محمد عوفی مصنفؔ "جامع الحکایات"۔ مربئ شعر و ادب اور معارف نواز عین الملک اشعری خاص طور پر قابل ہیں۔ جنہوں نے قباچہ کے نام کو زندۂ جاوید بنا دیا۔

رضیہ سُلطانہ

۱۲۲۸ء میں ترکش ایمپائر کے عظیم فرمانروا۔ اعلیٰ انسان اور موزوں حکمران سُلطان شمس الدین التمش نے قباچہ کو اطاعت گزار بنانے اور مُلتان و سندھ کو سلطنتِ دہلی کے زیرنگیں لانے کے لئے اُچ پر حملہ کیا۔ قباچہ اُچ سے بھاگ کر بھکر کے ناقابلِ تسخیر قلعے میں پناہ گزین ہوا۔ التمش نے تین ماہ کے بعد اوچ پر قبضہ کر لیا اور قباچہ فراری کے دوران سندھ میں ڈوب کر مرگیا۔ اس طرح سندھ اور ملتان کا سلطنتِ دہلی سے الحاق ہوگیا۔

سُلطان التمش کی وفات کے بعد عنانِ حکومت اُس کی بیٹی رضیہ نے سنبھالی وہ نہایت ہوشیار، عقلمند اور مردانہ اوصاف کی مالک تھی اور رموزِ مملکت سے اچھی طرح واقف تھی۔ کیونکہ التمش کا لائق لڑکا ناصرالدین محمود فوت ہوچکا تھا اور اُس کے دُوسرے لڑکے نااہل و تن آسان تھے، اِس لئے سُلطان کی غیر حاضری میں جُملہ کاروبارِ سلطنت رضیہ سُلطانہ انجام دیا کرتی تھی۔ رضیہ سُلطانہ پہلی مُسلمان خاتون تھی جس نے نومبر ۱۲۳۶ء میں تاجِ شاہی پہنا۔

رضیہ سُلطانہ کے زمانہ میں ملک عزالدین ایاز حاکم ملتان نے سرکشی کی جس کی بنا پر رضیہ سُلطانہ کو مُلتان کا رُخ کرنا پڑا۔ اُس نے بغاوت کو فرو کر کے یہاں اپنا تسلّط قائم کیا۔ کچھ دن مُلتان میں مقیم رہی، عدل و انصاف سے رعایا کو گرویدہ بنایا اور جُود و کرم سے مساکین و فقراء کو مالا مال کیا۔ رضیہ سُلطانہ نے اپنے قیامِ مُلتان

کے دوران اندرونِ شہر حضرت شاہ یوسف گردیز کے مزار پر حاضری دی اور حسبِ شان نذر پیش کی، انعامات عطا کئے اور خانقاہ کی امداد کے لئے ایک آباد موضع وقف کیا۔ ملتان میں اپنا انتظام و انصرام مکمل کرنے کے بعد دہلی واپس گئی اور ۱۳ اکتوبر ۱۲۴۰ء کو ماری گئی۔

ترک اور مغل حکمران

اس کی وفات کے بعد سیف الدین حسن قرلوغ ترک نے غزنی سے نکل کر ملتان پر قبضہ کر لیا اور اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ ۱۲۴۵ء میں مغلوں نے نوئین منگوتہ کی زیر کمان ملتان اور اوچ پر حملہ کیا۔ سیف الدین حسن سندھ بھاگ گیا اور حملہ آور مغل شاہ دہلی کی آمد کی خبر سن کر واپس لوٹ گئے۔ غیاث الدین بلبن شاہ دہلی کی طرف سے اُس کا چچازاد بھائی ملک شیر خان ملتان اور سرحدی علاقہ کا حاکم مقرر ہوا۔ جس نے ۱۲۴۹ء میں ناصر الدین محمد قرلوغ ترک کے اور ۱۲۵۰ء میں ملک معز الدین حاکم اوچ و ناگور کے حملوں کو پسپا کیا۔ ۱۲۵۴ء میں ملک عز الدین بلبن حاکم ملتان بنا۔ اُس نے مغلوں سے سازباز کی جس کے نتیجہ کے طور پر ۱۲۵۷ء میں مغل پھر نوئین صالح کی زیر کمان ملتان پر حملہ کی غرض سے نمودار ہوئے وہ برج اور مورچے گرا کر شہر میں قتل و غارت کرنے کو تھے کہ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ایک لاکھ درہم نقد لے کر پہنچے اور مغلوں کو یہ رقم ادا کر کے شہر کو اُن کی تباہی سے بچایا۔

جلالُ الدّین خلجیؒ

خاندانِ غلامان کے شاہانِ بلبن، التمش اور ایبک کی اولاد میں کوئی ایسا لائق شخص پیدا نہ ہوا جو انتظامِ سلطنت سنبھالتا۔ اس لئے خلجی خاندان کے ایک امیر ملک جلال الدین فیروز شاہ کو جو زندگی کی ستر منزلیں طے کر چکا تھا تختِ دہلی پر بٹھا دیا گیا۔ جلالُ الدین چنگیز خان کے داماد تالج خان کا پوتا تھا۔

۱۲۹۰ء میں سلطان جلالُ الدین نے لاہور پہنچ کر اپنے منجھلے لڑکے ارکلی خان کو جو نہایت ہی خوش اخلاق، مدبّر اور بہادر انسان تھا، ملتان اور اُچ کا گورنر مقرر کیا اور سلطان غیاث الدین بلبن کے بھتیجے ملک چھجو عُرف کشلی خان کو کڑہ (الٰہ آباد) کا گورنر بنایا جہاں ترک امراء نے جو خلجیوں سے خود کو فروتر سمجھتے تھے، ملک چھجو کو جلالُ الدین کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا اور اُسنے سلطان مغیثُ الدین کا لقب اختیار کر کے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ سلطان نے اُس کی گوشمالی کے لئے لشکر کشی کی چھجو کو گرفتار کر کے سلطان کے رُوبرو پیش کیا گیا۔ تو بادشاہ نے اُسے معاف کر دیا اور معہ اہل و عیال اُسے مُلتان بھیج دیا کہ اُسے وہاں عیش و آرام سے رکھا جائے۔ امراء نے اس کی مخالفت کی۔ سلطان نے کہا کہ میں بلبن کا نوکر تھا اُس کے مجھ پر بڑے احسان اور حقوق ہیں۔ آج میں اُس کے تخت پر بیٹھا ہوں اگر میں اُس کے عزیزوں کو تہِ تیغ کر دوں تو یہ بڑی بے مروّتی اور بے انصافی ہوگی۔ جلال الدین کی یہ رحمدلی اُسے سخت مہنگی پڑی۔ کیونکہ چھجو خان کے جن ہمراہیان کو

سُلطان نے آزاد کیا تھا وہ سُلطان کے بھتیجے اور داماد علاء الدین خلجی گورنر کڑہ کے ہاں مُلازم ہو گئے اور اُسے اپنے چچا و خسر کے خلاف بھڑکایا۔ جو پہلے ہی ساس اور بیوی کے جھگڑوں سے تنگ آچکا تھا علاء الدین نے بڑے مکر و فن سے اپنے چچا سُلطان جلال الدین کو اپنے ہاں بُلوا کر قتل کرا دیا۔ سُلطان کی بیوہ ملکہ نے سلطان کے چھوٹے لڑکے قدر خان کو تخت پر بٹھادیا۔ سُلطان مرحُوم کا فرزند اکبر ارکلی خان جو شجاعت اور عسکری قابلیت میں مشہور تھا منگولوں کے استیصال کے لئے مُلتان میں مامور تھا۔ وہ باپ کے قتل کی خبر سُن کر دہلی کو روانہ ہوا۔ لیکن جب اسے چھوٹے بھائی کے سر پر آرائے تخت ہونے کی خبر ملی۔ تو وہ مایُوس ہو کر مُلتان واپس لوٹ آیا۔ ان حالات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے علاؤ الدین خلجی نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور سُلطان مرحُوم کی بیوہ ملکہ جہاں اپنے لڑکے قدر خان کو لے کر مُلتان آ گئی۔

علاؤ الدین خلجی نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے بھائی الغ خان کو مُلتان روانہ کیا جس کی آمد پر ارکلی خان اور قدر خان دونوں بھائیوں نے بغاوت کی بجائے اطاعت کی۔ الغ خان دونوں شہزادوں اور دیگر امراء کو لے کر دہلی روانہ ہوا۔ راستہ میں اُس نے ارکلی خان قدر خان اور سُلطان جلال الدین کے داماد الغ خان کو اندھا کر کے قلعہ ہانسی میں قید کر دیا۔ دہلی میں ملکہ جہاں اور ملکہ چپ کو بھی قید کر دیا گیا۔ ارکلی خان کے دونوں بیٹوں کو بھی قتل کر کے علاؤ الدین بے فکری سے حکومت کرنے لگا۔

سُلطان محمد تغلق

سُلطان غیاث الدین بلبن کے غلام ملک تغلق کا بیٹا اور خاندانِ تغلق کا بانی غازی ملک ۱۳۰۵ء میں مُلتان کا گورنر تھا وہ اپنی طاقت بڑھا کر پہلے لاہور اور پھر دہلی پر قبضہ کر کے سُلطان غیاث الدین تغلق کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ تعمیر کا شوقین تھا۔ اُس نے اپنے وقت میں محلہ کوٹلہ تغلق خان عرف کوٹلہ تولے خان آباد کیا اور دُنیا کا وہ بے نظیر مقبرہ تیار کرایا جس میں حضرت شاہ رکنِ عالم آرام فرما ہیں۔ یہ بڑا شجاع تھا۔ اُس نے ۲۹ بار تاتاریوں کے حملوں سے ملک کو بچایا اور غازی الملک کا لقب پایا۔

اس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا جونا خان سُلطان محمد تغلق کے لقب سے اوائل ۱۲۲۵ء میں تخت نشین ہوا۔ اُس کے عہد میں مُلتان چناب کی دریائی بندرگاہ تھا۔ کسٹم ڈیوٹی کا رواج اس کے عہد کی یادگار ہے، اس کے عہد میں منگولوں نے ۱۳۲۹ء میں حملہ کیا۔ مُلتان اور لاہور کو روندتے ہوئے دہلی پہنچے اور بے شمار زرو مال بطور تحفہ حاصل کر کے واپس ہوئے عین الملک مُلتانی گورنر اودھ نے اپنے تبادلۂ اودھ سے ناراض ہو کر بغاوت کی۔ مگر سُلطان نے اسے دل سے باغی نہ پا کر معاف کر دیا۔

سُلطان محمد تغلق تبلیغِ اسلام کا بڑا شیدائی تھا۔ اس کا نظریہ تھا کہ محض تلوار کے بل بوتے پر برِ عظیم ہند مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں رہ سکتا۔ اس لئے علماء

مشائخ دار السلطنت یا بڑے بڑے شہروں میں رہ کر سرکاری وظائف پر عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے کی بجائے دُور دراز علاقوں میں جا کر غیر مسلموں کو تبلیغ کریں وہ حضرت شیخ رکن عالم کا بڑا عقیدت مند تھا۔ اُس نے اپنے بھتیجہ کی کھال اُتروا کر بغرض تذلیل ملتان بھجوائی جسے کشلو خان حاکم ملتان نے سبز مسجد کے باہر تھلہ بنوا کر اعزاز کے ساتھ دفن کیا جو سلطان کو ناگوار گذرا۔ وہ ملتان کی اینٹ سے اینٹ بجانا چاہتا تھا کہ حضرت شاہ رکن عالم نے ننگے پاؤں اور ننگے سر حاضر ہو کر سفارش کی اور ملتان کو تباہی و بربادی سے بچایا۔ سلطان نے اپنے والد کی وفات کے بعد اُس کا تعمیر کردہ مقبرہ حضرت شاہ رکن عالم کے حوالے کر دیا جس میں اسوقت آپ دفن ہیں۔

سلطان محمد تغلق نہایت فاضل آدمی تھا۔ اہل علم و دانش کا بڑا قدردان تھا، علم ادبیات منطق، فلکیات اور ریاضیات کے علوم پر عبور رکھتا تھا۔ فلسفہ یونان کا بڑا ماہر تھا۔ قرآن اور فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ کا حافظ تھا۔ برنی کے بیان کے مطابق اپنی شاہزادگی کے زمانہ میں جب یہ گورنر ملتان تھا اس کی مجلس فضلاء و شعراء سے ہمیشہ بھری رہتی تھی، اسی میں برابر شاہنامہ فردوسی دیوان سنائی، دیوان خاقانی اور خمسہ نظامی پڑھے جاتے تھے پھر اُن پر بحث تمحیص ہوتی تھی۔ اگر پند و نصائح کا کوئی شعر سن لیتا تھا تو اُسی وقت رو دیتا تھا اسکی تہذیب و شائستگی کا یہ عالم تھا کہ کہ جب دربار میں بیٹھتا تو دن کا دن اور رات کی رات گزر جاتی لیکن اپنا زانو تک نہ بدلتا۔ اُس نے دو مرتبہ حضرت سعدیؒ کو ملتان آنے اور مدرسہ بنوا دینے کی پیشکش کی۔ مگر وہ اپنی پیری و ضعیفی کیوجہ سے خود تو نہ آسکے لیکن اپنی دو قلمی کتابیں گلستان و بوستان بھیجدیں۔

امیر تیمور

ہلاکو اور چنگیز خان کا جانشین، خدا داد صلاحیتوں کا مالک، دلیر اور نڈر چغتائی ترک امیر تیمور نے سلطنت دہلی کے سیاسی انتشار اور برعظیم کی بے انداز دولت کی شہرت کی بنا پر ہندوستان کا رخ کیا۔ تیمور کے ہوا خواہ اُس کی مذہبی عصبیت کو حملۂ ہند کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ مگر جگہ بہ جگہ بدنصیب مسلمان مقتولین کے کٹے ہوئے سروں سے بنائے گئے مینار اس نظریہ کی تردید کرتے ہیں۔

اس کی اپنی لکھی ہوئی تزکِ تیموری میں تحریر ہے کہ ہندوستان کو فتح کرنے کیلئے میں نے اپنے امیرانِ لشکر اور فرزندانِ دلبند سے مشورہ لیا۔ فرزندانِ والاقدر نے تو تسخیرِ ہند کو ضروری قرار دیا مگر امیرانِ لشکر نے تذبذب کا اظہار کیا۔ میں نے قرآن سے دریافت کیا تو یہ آیت کریمہ برآمد ہوئی۔ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ۔ یہ سن کر سب نے سر جھکا لیا اور چپ ہو گئے۔ جس پر امیر تیمور نے ہند پر حملہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور اُس کے تحت اپنے پوتے پیر محمد خان کو ہراول دستہ کے طور پر ہندوستان کی طرف روانہ کیا۔ جس نے دریائے سندھ عبور کر کے اوائل ۱۳۹۸ء میں ملتان اور اُچ پر قبضہ کر لیا۔

ستمبر ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور نے ایک بھاری لشکرِ جرار کے ساتھ دریائے سندھ، دریائے جہلم، دریائے چناب اور راوی کو عبور کر کے لاہور کے حاکم مبارک خان کو شکست دی جس نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی۔ اکتوبر ۱۳۹۸ء میں

اس نے ملتان کے تیسرے تاریخی قلعہ تلمبہ پر حملہ کیا اُسے فتح کرنے کے بعد اُس نے وہاں دربار لگایا۔ اہلِ سادات آلِ رسول اللہ اور علماء و فضلاً کو زرِ فدیہ معاف کیا اور تحائف مختلفہ و اسپ ہائے عربی عطا کر کے سرفراز کیا۔ تلمبہ سے فارغ ہو کر دیپالپور سے ہوتا ہوا پاکپتن پہنچا۔ حضرت بابا فرید شکر گنج کے مزارِ مُبارک پر فاتحہ خوانی کے بعد سرسہ، فتح آباد، کیتھل اور پانی پت کے علاقوں کو تاخت و تاراج کرتا ہوا ۸ ار دسمبر ۱۳۹۸ء کو فاتحانہ حیثیت سے دہلی میں داخل ہوا۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے اس نے ایک لاکھ ہندو قیدی بنائے مگر انہیں دہلی پر قبضہ کرنے سے قبل ٹھکانے لگا دیا ہردوار کے مندروں کو مسمار کرنے کے بعد امیر تیمور ۱۹ مارچ ۱۳۹۹ء کو سمرقند روانہ ہوا اور لاہور ملتان اور دیپالپور کا خضر خان ملتانی کو گورنر مقرر کر گیا تیمور کی واپسی کے بعد ملتان خودمختار ہو گیا

تیمور نے دہلی پر قبضہ کرتے وقت راستہ میں آنے والے جن جن شہروں کو تباہ و برباد کیا اُن کو اپنا تسلط جمانے کے بعد دوبارہ تعمیر کرا دیا۔ اپنے حملوں کے دوران اُس نے مساجد اور دینی مدارس کو نقصان نہیں پہنچایا۔ وہ اہلِ علم کا بھی پاس کرتا تھا۔ اُس کے دربار میں اہلِ علم بے تکلفی سے بحث مُباحثہ کرتے تھے۔ جو چنگیز خان یا ہلاکو کسی صُورت میں گوارا نہ کرتے تھے، وہ ہلاکو خان اور چنگیز خان سے کہیں بہتر تھا اور مُسلمان اولیاء کی سفارشات پر رحم کا مظاہرہ بھی کرتا تھا، دہلی کے جن شہریوں کو اُس نے ماوراالنہر لے جانے کا حکم دیا تھا۔ اُنہیں شیخ احمد کھٹو کی سفارش پر رہا کر دیا تھا۔

خضر خاں مُلتانی

خاندانِ تغلق کے آخری بادشاہ ناصر الدین محمود نے اِنتظامی سہولت کیلئے اپنی مملکت کو چار حصّوں میں تقسیم کر کے نظامتِ مُلتان سیّد خضر خان کے سپُرد کی۔ یہ شریف النسب، حلیم الطبع اور نیک و پارسا ملتان میں ہی ملک سُلیمان والئ ملتان کے گھر پیدا ہوا تھا اسے بعد ازاں ملک مروان والئ ملتان نے اپنا متبنٰے بنا لیا تھا۔ اُس کی وفات کے بعد یہ مُلتان کا گورنر بنا دیا گیا۔ ۱۳۹۸ء میں سارنگ خان نے مُلتان پر حملہ کیا مگر شکست کھائی۔ امیر تیمور نے دہلی سے واپسی پر خضر خان کو پنجاب میں اپنا نائب السلطنت مقرر کیا۔ ۱۴۱۴ء میں سُلطان محمود تغلق کی وفات پر اُس نے لاہور سے آگے بڑھ کر دہلی پر قبضہ کر کے خاندانِ سادات کی بُنیاد رکھی۔ تیمور کی واپسی کے ۳۶ سال بعد تک فی الحقیقت ہندوستان میں کوئی حکومت نہ تھی۔ تختِ دہلی پر جلوہ افروز ہونے کے بعد خضر خان نے وفا اور شرافت کا پُورا پُورا ثبوت دیا۔ اُس نے بر سرِ اقتدار آنے کے بعد اپنے لئے کوئی شاہانہ لقب اختیار نہ کیا۔ وہ تازیست خود کو امیر تیمور کا نائب ہی سمجھتا رہا۔ اِسی کے نام کا خطبہ پڑھتا رہا۔ اُسی کے نام کا سکہ جاری رکھا اور امیر کو تحائف بھیجتا رہا۔ امیر تیمور کی وفات کے بعد بھی اس نے اُس کے جانشین شاہ رُخ کے ساتھ سلسلۂ وفا جاری رکھا اور خطبہ و سکہ اُس کے نام منسوب کر دیا۔ تیمور کے حملے میں جو لوگ بے خانماں اور تہی دامن

ہو گئے تھے، اُس نے اپنے دورِ حکومت میں انہیں آباد اور خوش حال کر دیا۔
یہ سید خاندان کا قابل ترین حکمران تھا مگر یہ ایسے وقت برسرِ اقتدار آیا جب کہ تختِ دہلی کی چولیں ڈھیلی ہو چکی تھیں۔ ہندو اور راجپوت راجے تخریبی کاروائیوں میں مصروف تھے جس سے خضر خان کو بار بار نپٹنا پڑا اور دہلی کے چاروں طرف فوج کشی کرنی پڑی۔ میوات اور گوالیار کی چڑھائی کے دوران بیمار ہو کر دہلی واپس آیا اور ۲۰ مئی ۱۴۲۱ء کو وفات پائی۔ اسی کی بدولت ملتانی زبان نے دہلی میں فروغ پایا جس کی کوکھ سے اردو نے جنم لیا۔ اس کا خاندان قریباً چالیس سال تک ہندوستان کا حکمران رہا۔ خضر خان ملتانی مثالی کردار کا مالک تھا۔ وہ وعدے کا سچا، فرض شناس اور مقبولِ عام فرمانروا تھا۔ عہدِ اکبری کا مشہور مؤرخ نظام الدین اُس کے بارے میں لکھتا ہے کہ:۔

> "خضر خان کی ذات سے متعدد نیک کام پایۂ تکمیل کو پہنچے وہ لوگ جو تیمور کے حملے میں بے خانماں اور تہی دامن ہو گئے تھے اسکے دورِ حکومت میں آباد اور خوشحال ہو گئے وہ اپنی رعایا میں اتنا مقبول تھا کہ اس کی وفات پر عوام نے تین روز تک متواتر سوگ منایا۔" (طبقاتِ اکبری صفحہ ۲۷۰)

خضر خان نے دہلی چلے جانے کے بعد اپنے لڑکے مبارک شاہ کو ملتان کا گورنر بنایا۔ وہ اپنے باپ کی طرح فہم و فراست اور ہمت و جرأت کا مالک تھا اُس نے اپنے وقت میں قلعۂ ملتان کی وسیع پیمانہ پر مرمت کرائی جو آئے دن کے حملوں سے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔

سُلطان حُسین لنگاہ

خاندانِ سادات کی اگرچہ ملتان پر ۳۸ سال حکومت رہی۔ مگر اس کا نظم و نسق تسلّی بخش ثابت نہ ہوا۔ اِس لئے اہلِ ملتان نے ذائقہ حکومت بدلنے کا فیصلہ کیا اور سب کی نظرِ انتخاب شیخ یوسف قریشی پر پڑی۔ جو حضرت بہاؤالدین زکریا کی اولاد میں سے تھے ملتان میں یہ پہلا انتخاب تھا۔ شیخ یوسف قریشی نے اپنے حُسن انتظام سے خود کو اس کا اہل بھی ثابت کیا اس زمانہ میں رائے سہرہ لنگاہ سندھی کا ملتان میں بڑا اثر و رسوخ تھا اُس نے اپنی لڑکی شیخ یوسف قریشی کے عقد میں دے کر قلعہ میں آمد و رفت شروع کر دی اور ایک دن موقعہ پاکر بڑی عیّاری سے پہرہ داروں کو قتل کراکر قلعہ پر قبضہ کر لیا اور شیخ یوسف کو بھاگ جانا پڑا۔ رائے سہرہ نے قطب الدین لنگاہ کے لقب سے ملتان میں لنگاہ عملداری کی بنیاد رکھی اور چنیوٹ، شورکوٹ، کو فتح کر کے ولایتِ ملتان کو وسعت دی اور ۱۴۶۹ء تک کامیاب حکومت کی۔

۱۴۷۰ء میں اُس کے لڑکے سُلطان حسین لنگاہ نے مملکتِ ملتان کی عنانِ اقتدار سنبھالی۔ شاہانِ ملتان میں سلطان حسین لنگاہ بڑا ذی علم بادشاہ تھا وہ صرف علم دوست ہی نہ تھا۔ مدبر اور علم پرور بھی تھا۔ اس نے ترویجِ علم کے لئے ملتان میں جگہ جگہ مدرسے کھلوائے، نامور علماء کو بڑے بڑے وظائف پرس و تدریس کے لئے مقرر کیا۔ اُس کے وقت میں ملتان میں پہلی یونیورسٹی قائم ہوئی

جو تاریخ فرشتہ کی رُو سے قلعہ کہنہ پر اس جگہ موجود تھی جہاں انگریزوں نے اپنی فتح کا مینار بنایا۔ ملتان کے علمی دَور کی تاریخ میں سلطان حسین سرِ فہرست ہے اُس نے ملتان پر تیس سال حکومت کی۔ ویسے اُس کے خاندان کی ملتان پر ستر سال حکومت رہی۔ سندھ کے علاقہ میں بلوچ قبائل کو اُس نے آباد کیا تھا۔

مولانا ابوالحسنات ندوی لکھتے ہیں کہ :۔

"سلاطینِ ملتان میں سے حسین خان لنگاہ علوم و فنون کا بہت بڑا مربی تھا۔ مصنفین اور اربابِ فضل و کمال کا سرپرست اور مددگار تھا۔ ہمیشہ مالی امداد اور مناسب وظائف سے اُن کی ہمت افزائی و قدر کیا کرتا تھا۔ جس کے باعث اس کی حدودِ سلطنت میں فضلاء اور اربابِ علم و فن کی بڑی کثرت و جمعیت ہو گئی تھی اور ملتان علمی حیثیت سے اپنے گرد و پیش کی حکومتوں میں ممتاز ہو گیا تھا۔ شاہ حسین نے متعدد مدرسے قائم کئے جن میں ممتاز و مشہور اساتذۂ وقت درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔"

ایک دفعہ سلطان نے کسی کو گجرات بھیجا کہ وہاں کی عظیم الشان عمارات کی نسبت رپورٹ کرے۔ اُس نے آکر بتایا کہ آپ اپنی دولت و ثروت کے باوجود گجرات جیسی عمارتیں نہیں بنا سکتے تو سلطان غمگین ہوا۔ اس پر وزیر نے کہا کہ گجرات عمارتوں کی وجہ سے بڑا ہو گا لیکن ملتان علم و فضل میں اُس پر برتری رکھتا ہے۔ یہ سُن کر سلطان کا غم غلط ہو گیا۔

مرزا حسین ارغون

سلطان محمد تغلق کے عہد کے اختتام پر سندھ، سلطنت دہلی کی سیادت سے آزاد ہو کر خود مختار ہو گیا تھا۔ اس زمانہ میں سندھ پر سومروں کی حکومت تھی۔ سندھ میں سومروں کی سلطنت ۱۰۵۲ء میں قائم ہو کر ۱۳۵۱ء تک یعنی تین سو آٹھ سال تک رہی۔ ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق سومرو قوم کے حکمران سلاطین دہلی کے ماتحت حکمرانی کرتے تھے اور سلاطین دہلی کی طرف سے ایک امیر یا ریذیڈنٹ سندھ میں رہتا تھا۔ سومروں کا آخری حاکم ہمیر بن ددہ تھا۔ جیسا کہ عین الملک ماہرو گورنر ملتان کے خطوط سے ظاہر ہے۔

سومروں کے بعد سمہ خاندان سندھ میں برسر اقتدار آیا۔ تاریخ فرشتہ میں ہے کہ سلطان محمد تغلق کے آخر عہد میں مسلمانوں کی کوشش اور مدد سے حکومت سومروں کے ہاتھوں سے نکل کر ۱۳۵۱ء میں سمہ خاندان کے ہاتھ آئی اور ۱۵۱۹ء تک اُن کے پاس رہی۔ اس کے بعد شاہ بیگ کا بیٹا مرزا حسین ارغون برسر اقتدار آیا۔

مرزا حسین نے ملتان کو دوبارہ سندھ میں شامل کرنے کے لئے ۱۵۲۴ء میں ملتان پر حملہ کیا۔ اُس نے ڈیڑھ سال تک قلعہ کا محاصرہ کئے رکھا۔ اس عرصہ میں نہ کوئی آدمی قلعہ سے باہر آ سکتا تھا اور نہ کوئی چیز قلعہ کے اندر جا سکتی تھی۔ سامان خورد و نوش کی کمی کی وجہ سے لوگ کتے اور بلی کھانے پر مجبور ہو گئے تھے

اسپر مستزاد یہ کہ شجاع الملک وزیر نے خود اپنی رعایا کو ظلم و تشدد کا ہدف بنانا شروع کر دیا۔ اُسے جہاں بھی شبہ ہوتا وہ اس گھر کی تلاشی لے کر غلہ وغیرہ پر قبضہ کر لیتا۔

بعد از خرابیٔ بسیار مرزا ارغون کی کچھ فوج قلعہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ کچھ فوج لوہاری دروازہ توڑ کر شہر میں گھس گئی اور قتلِ عام شروع کر دیا۔ لُوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوگیا۔ بچّے، بُوڑھے، عورتیں اور جوان سب اسکے ظلمِ عظیم کا شکار بنے۔ جس کے پاس بھی دولت کا گمان ہوتا وہ بڑی ذلت اور اذیت کے ساتھ اُس سے چھین لی جاتی۔

مولانا سعد اللہ ملتانی اور اُن کے نابینا والد مولانا ابراہیم جارح کو بھی دولت مند ہونے کے شبہ میں گرفتار کر لیا گیا کیونکہ اُن کے گھر کی عمارت بڑی خوبصورت اور صاف ستھری تھی جس سے اُن کے صاحبِ ثروت ہونے کا شبہ ہوتا تھا۔

اِس ترک حملہ آور نے مُلتان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ قلعہ کے کئی مزارات جلا دیئے جو نہ جل سکے وہ گرا دیئے گئے۔ شہر میں ایک متنفس بھی زندہ نہ چھوڑا۔ ملتان کو کھنڈرات میں تبدیل کرنے کے بعد مرزا حسین ارغون نے ملتان کو سندھ میں شامل کر کے ہی دم لیا۔ سندھ اور مُلتان میں ارغون خاندان کا اقتدار انتہائی عُروج پر تھا کہ بابر نے حملہ کر کے اس کا خاتمہ کر دیا۔

شیر شاہ سُوریؒ

اِس کا اصل نام فرید خان تھا۔ سلطان محمد حاکم بہار کی ملازمت کے دوران اُس نے تلوار سے ایک شیر کو ہلاک کیا جس پر سلطان محمد نے اُسے شیر خان کا خطاب دیا۔ لیکن جب یہ مغل شہنشاہ ہمایوں کو شکست دے کر برِّ عظیم پاک و ہند کا شہنشاہ بنا تو شیر شاہ کے لقب سے تختِ دہلی و آگرہ پر جلوہ افروز ہوا۔ یہ بڑی منفرد اور دلچسپ شخصیت کا مالک تھا جو ایک سپاہی سے شہنشاہ بنا۔ اور پانچ سال تک ہندوستان پر حکومت کی یہ کوتسنی تھا۔ مگر اس نے ہر فرقہ کے ساتھ رواداری برتی۔ یہ اپنی سخاوت دریادلی اور محتاج نوازی میں مشہور تھا۔ اس نے اپنے وقت میں عوام کی فلاح و بہبود کے لئے بڑا کام کیا۔ اُس نے زندگی ہر شعبہ پر نگاہ رکھی اور جہاں بھی خلا محسوس کیا اسے فوراً پر کیا۔

۱۵۴۲ء میں شیر شاہ نے پنجاب کے گورنر ہیبت خان نیازی کو نواحی علاقوں کی فتح اور باغی سرداروں کی سرکوبی پر مامور کیا اُس نے ملتان کے حاکم بخشو لنگاہ اور اُس کے بیٹے کی جان بخشی کرتے ہوئے اُن کی جاگیر بحال رکھی ہیبت خان کو انعامات سے نوازا اور فتح جنگ خان کو ملتان کا گورنر مقرر کیا اور اُسے حکم دیا کہ وہ ملتان کو آباد کرنے کی کوشش کرے۔ شیر شاہ سُوری نے ملتان سے لاہور تک کی سڑک بنوائی حضرت بہاؤالدین

زکریا، شاہ رکن عالم اور شاہ یوسف گردیز کے مزارات پر روغنی اینٹوں کی بڑی خوبصورت مسجدیں تعمیر کرائیں اور اس کے بیٹے اسلام شاہ نے شاہ یوسف گردیز کے مزار کا دروازہ از سر نو بنوایا۔ قدیم رواج کے مطابق شیر شاہ نے ملتان کے علاقہ سے کل پیداوار کا ⅓ حصہ بطور مالیہ وصول کیا۔

شیر شاہ کا معمول تھا کہ وہ ہر روز پچھلی رات کو بیدار ہوتا تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر امورِ سلطنت میں مصروف ہو جاتا حتیٰ کہ صبح کی نماز کا وقت ہو جاتا فجر کی نماز بالعموم وہ اپنے امرائے دربار کی معیت میں باجماعت ادا کرتا۔ پھر مختلف شعبوں کے افسران سے دن بھر کے تمام واقعات سے آگاہی حاصل کرتا، چار گھنٹے تک وہ مختلف علاقوں سے آمدہ رپورٹیں سنتا پھر اپنے احکامات جاری کرتا۔ خود جا کر فوج کا معائنہ کرتا۔ بھرتی کی نگرانی کرتا۔ کھانا کھانے کے بعد دربار منعقد کر کے امورِ سلطنت سرانجام دیتا۔ ظہر کی نماز ادا کر کے تھوڑی دیر آرام کرتا۔ امورِ سلطنت کے سلسلہ میں اہم مصروفیت نہ ہونے کی وجہ سے شام تک تلاوتِ قرآن میں مصروف رہتا۔

عوام کی مادی اور اخلاقی بہبود پر پوری توجہ دیتا۔ اس نے نادار اور بے سہارا لوگوں کے لئے خیراتی اور امدادی ادارے قائم کر رکھے تھے، پانچسو اشرفی روزانہ کے خرچہ سے شاہی لنگر چلتا جس سے ہزارہا مستحقین، لاچار، معذور اور مسافروں کو کھانا میسر آتا تھا۔ علماء، طلباء اور آئمہ مساجد کیلئے وظائف مقرر تھے، انصاف اس کا سب سے بڑا فریضہ تھا۔ افغانوں کا محسن اعظم تھا، موقع شناسی، دوراندیشی، معاملہ فہمی اور ذہانت میں علاءالدین خلجی، بابر اور نپولین ثانی تھا۔

شاہزادہ مُرادبخش

شاہ جہان نے ابتداً قلیج خان کو صُوبہ دارِ ملتان مقرر کیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اسے تبدیل کر کے قندھار بھیج دیا اور مُلتان کو اپنے سب سے چھوٹے لڑکے شاہزادہ مُرادبخش کی جاگیر قرار دیا۔ اُس نے اپنے عہدِ امارت میں بڑے اچھے کام کیے، قلعہ کہنہ کو از سرِ نو پختہ کرایا۔ اُس کے اندر ایک جامع مسجد تعمیر کرائی۔ شہر پناہ کی مرمت کرائی اور بستی میں جہاں اب محلّہ حمام ہے، ایک مسجد حمام اور کنواں احداث کرایا۔ لوہاری دروازہ کا پختہ پُل بھی اُسی نے تعمیر کرایا۔ جو استحکام کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ یہ تمام کام پانچ چھ سالوں میں مکمّل ہوا۔ شہزادہ نے موضع علیم پور اور لنگانہ جو قدیم سے خانقاہ حضرت بہاؤالدّین زکریا کی چراغ بتی کے لئے اور موضع گٹھ برابر دسا بھل خانقاہ شاہ یُوسف گردیز کے لنگر و روشنی کے لئے وقف تھے۔ اور سابق ناظموں نے ضبط کر لئے تھے۔ واگزار کر دیئے۔ شہزادہ کی سند اب تک سیّد عبّاس حُسین گردیزی کے پاس موجُود ہے۔ فوٹو شامل ہے۔

شاہزادہ کی حُسنِ کارکردگی شاہجہان کی نظر میں خار کی طرح کھٹکنے لگی، اسلئے اسے مُلتان سے بدل کر دکن بھیج دیا گیا اور نجابت خان کو مُلتان کا گورنر مقرر کیا۔ جو بڑا نیک نام اور خدا ترس والی تھا۔ اِس کے بعد پہلی مرتبہ صُوبہ مُلتان شہزادہ محمد اورنگ زیب کی جاگیر قرار پایا اور وہ کچھ عرصہ مُلتان رہا۔

سند شہزادہ مراد بخش

نعمت خان میراثی

مغلیہ خاندان کے اواخر میں شاہزادہ محمد معظم ملتان کا جاگیردار مقرر ہوا جو بڑا نیک خصال اور رعایا پرور تھا۔

محمد معظم کے تبادلہ کے بعد شاہزادہ محمد اکبر نے یہ جاگیر سنبھالی۔ اسکے بعد اللہ یار خان، مکرم خان۔ زمان خان ملتان کے ناظم رہے۔ ان کے بعد اورنگ زیب کے پوتے معزالدین نے جہاندار شاہ کے لقب سے تختِ دہلی کو رونق بخشی، اور صوبہ ملتان اسکی زیر حکمرانی رہا۔

جہاندار شاہ، فرخ سیر اور محمد شاہ رنگیلا کے عہد حکومت میں نعمت خان، علی مراد، خان زمان، شیر افگن خان، عقیدت خان، سید حسین خان، باقر خان، اور عبدالصمد خان یکے بعد دیگرے ملتان کے ناظم مقرر ہوتے رہے۔ باقر خان اور عبدالصمد خان کے سوا کسی کا عہد نظامت کسی خصوصی اہمیت کا حامل نہ تھا۔

جہاندار شاہ، فرخ سیر اور محمد شاہ رنگیلا کا دور خوشامد پسندی اور عیش پرستی کا دور تھا جس سے نچلے طبقہ نے بڑا مفاد اٹھایا۔ بھانڈوں، بھڑووں اور مغنیوں کا ستارہ اس زمانہ میں عروج پر رہا۔ ان کی چشم و ابرو کو نظام حکومت میں بڑا دخل تھا اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ۱۷۱۲ء میں جہاندار شاہ نے نعمت خان مراثی کو جو ملتان کا مشہور رقاص و موسیقار اور موجودہ اصطلاح میں فنکار تھا ملتان کا گورنر بنا دیا۔ اُس نے بھی بچہ سقہ کی طرح ایک قلیل عرصہ ملتان کی گورنری کی۔ مگر جلد علیحدہ کر دیا گیا۔

سند شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر

احمد شاہ ابدالی

وسط ایشیاء کی طوائف الملوکی کا شکار ہو کر ملتان میں پناہ گزین ہونیوالوں میں ابدالیوں کا ایک قبیلہ سدوزئی بھی تھا۔ سدو خان امیر خراسان کا پوتہ شاہ حسین اپنے چچہ زاد بھائی خداداد خان (مورث خدکہ خاندان) سے شکست کھاکر ۱۶۵۲ء میں دارالامان ملتان پہنچا۔ یہاں اُس نے اپنی رہائش کیلئے شیش محل تیار کرایا جو آج کل کمشنر ہاؤس ہے اس کے پہلو میں مسجد بنوائی جو ابدالی مسجد کے نام سے مشہور ہے اور شیش محل کے سامنے کڑی خورد آبادکی، اُسے شکست دینے والے خداداد خان کے لڑکے سلطان حیات خان نے بھی شاہ ایران سے شکست کھاکر ملتان میں پناہ لی اور بنگلہ ڈپٹی کمشنر کے عقب میں کڑی خدکہ آبادکی۔ شاہ حسین خان اور سلطان حیات خان دونوں ملتان میں فوت ہوئے۔ شاہ حسین کا مزار ابدالی مسجد کے متصل بجانب جنوب موجود ہے اور سلطان حیات خان گورستان سدوزئی نزد بنگلہ سپرنٹنڈنٹ پولیس میں دفن ہے۔

شاہ حسین خان لاولد تھا اُس نے احمد شاہ ابدالی کے ماموں جلال خان کو اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ احمد شاہ ابدالی زمان خان گورنر ہرات کا بیٹا تھا۔ زمان خان کے قتل کے بعد اُس کی چھوٹی بیوی جو حاملہ تھی اپنے سوتیلے بیٹوں کے پاس رہنے کی بجائے اپنے بھائی جلال خان کے پاس ملتان آگئی۔ یہاں اُس کے بطن سے ۱۷۲۲ء میں احمد شاہ ابدالی پیدا ہوا جو سات سال تک ملتان رہا اور

اور ابدالی مسجد میں ابتدائی تعلیم پائی۔ اس کے بعد وہ نادر خان کی فوج میں بھرتی ہو کر سپہ سالار بن گیا اور اُس کے قتل کے بعد اپنی خُداداد صلاحیتوں کی بنا پر افغانستان کا بادشاہ منتخب ہوا۔

احمد شاہ ابدالی پہلی دفعہ شاہنواز خان حاکم پنجاب کے بُلانے پر دُوسری مرتبہ میر منوّ ناظمِ لاہور کی بدعہدی کا مزہ چکھانے کے لئے تیسری بار مغلانی بیگم ناظمِ لاہور کی استدعا پر اور چوتھی مرتبہ نواب نجیب الدولہ کی درخواست پر ان کی دستگیری کے لئے پنجاب آنا پڑا اُس نے سکھوں کی سرکوبی کر کے پنجاب کے مرہٹوں کو کچل کر ہندوستان کے مُسلمانوں کو اُن کی چیرہ دستیوں سے نجات دلا کر احسانِ عظیم کیا اور جب اُن لاثانی خدمات کے عوض اُسے دہلی کا تخت و تاج پیش کیا گیا۔ تو وہ مردِ مُجاہد یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ مدد کو آنا اور تخت پر قبضہ جمانا شرافت سے بعید ہے۔ اِس کے بعد شہنشاہِ دہلی احمد شاہ تیموری نے از خود ایک فرمان کے ذریعہ مُلتان اور لاہور کے صُوبجات احمد شاہ ابدالی کے حوالے کر دیئے۔ جس پر ۱۱۶۵ء میں اُس نے مُلتان میں اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔

اِس کے عہد میں شجاع خان پسر زاہد خان سدوزئی میر منو کے زمانہ میں مُلتان کا گورنر تھا سُلطان حیات خان کا لڑکا عبدالعزیز خان اور شجاع خان کے بعد اس کا لڑکا مظفر خان مُلتان کا حاکم رہا۔ مُلتان پر سدوزئی خاندان کے سات افراد حکمران رہے۔ شجاع خان نے شجاع آباد اور خان گڑھ (ضلع مظفر گڑھ) کے قصبات آباد کئے۔

نواب عبدالصّمد خان بادوزئی

بادوزئی قبیلہ پٹھانوں کے اہم قبائل میں شمار ہوتا ہے۔ اِس قبیلہ کی ممتاز ترین شخصیت جو سب سے پہلے تاریخِ ملتان پر ایک درخشندہ ستارے کی طرح نمایاں ہوئی اور چمکی وہ نواب عبدالصّمد خان بادوزئی کی ذات تھی جو ۱۷۱۳ء سے ۱۷۲۶ء تک لاہور کا اور ۱۷۲۶ء سے ۱۷۳۷ء تک صُوبہ مُلتان کا گورنر رہا۔
اِس دَور میں صوبجات کے گورنروں کو اپنے اپنے علاقوں کی اندرُونی حکومت کے سلسلہ میں مکمل اختیار تھا۔ نظامتیں اور صوبیداریاں موروثی بن گئی تھیں۔ اس کے باوجود یہ شہنشاہِ دہلی کے وفادار تھے۔ سکہ اور خطبہ اُن ہی کے نام کا جاری رکھتے تھے۔ مگر حکومت اپنی مرضی اور قابلیت سے چلاتے تھے۔

عبدالصّمد خان کی وفات کے بعد اُس کا چہیتا فرزند نواب زکریا خان صُوبہ مُلتان کا گورنر بنا۔ عبدالصّمد خان اور زکریا خان بیدار مغز حکمران تھے۔ انہوں نے صوبجات لاہور اور مُلتان کا انتظام اس قابلیت سے کیا کہ اس کی مثال اِس صدی کی تاریخ پاک و ہند میں ملنی مشکل ہے۔ عبدالصّمد خان ۲۲ فروری ۱۷۱۳ء کو صُوبہ لاہور کا گورنر بن کر پنجاب آیا تو اُس وقت بندہ بیراگی مضبوط اور خونخوار ہو چکا تھا۔ ساڈھورے کے قریب ایک مضبوط قلعہ بنا کر مقیم تھا۔ اور میدانی علاقہ کو تاخت و تاراج کر کے مُسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہا تھا۔ عبدالصّمد خان نے اُسے بالآخر آٹھ ماہ کی جنگ کے بعد گرفتار کر کے اور ایک آہنی پنجرہ میں

بند کر کے بمعہ ۴۰، اسیروں کے اپنے پسر زکریا خان کے ذریعہ دہلی بھجوا دیا۔ جس طرح بندہ بیراگی نے ہزاروں بے گناہ مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کا خون بہایا تھا۔ اُسے اسی طرح اپنے ہمراہیوں سمیت کیفرِ کردار کو پہنچایا گیا۔ بندہ بیراگی کا خاتمہ عبدالصمد خان کا بہت بڑا تاریخی کارنامہ ہے۔

عبدالصمد خان زاہد، متقی اور عابدِ شب زندہ دار تھا۔ دن اُس کا گھوڑے کی پُشت پر دشمنانِ اسلام سے شمشیر زنی میں بسر ہوتا اور رات مصلّے عبادت پر، خُدا نے اُس کی دُعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا اور اسلامی آبادیوں کو نذرِ آتش کر دینے والے بندہ سنگھ بہادر کا خاتمہ اس درویش شمشیر زن کے ہاتھوں کرایا جس کی بدولت پنجاب میں امن وامان، خوشحالی و فارغ البالی کا دور شروع ہُوا۔

عبدالصمد خان کی کاشی کار مسجد لاہور اور عید گاہ مُلتان اور محلّہ بیگم پورہ اُس کی بیوی بیگم جان کی دائمی یادگاریں ہیں۔ نواب زکریا خان کی معدلت گستری اور رعایا پروری کے سامنے بقول غُلام علی نقوی صاحب "عماد السعادت" نوشیروان کا عدل و انصاف فسانۂ بے اصل معلوم ہوتا ہے' دہلی کی تباہی کے بعد نادر شاہ وطن واپس جاتے ہوئے نواب زکریا خان کو ملا۔ اور اِس دلبستگی کی بنا پر جو نادر شاہ کو نواب زکریا سے تھی۔ کہا کہ اسوقت جو فرمائش کرو پوری کروں۔ نواب زکریا نے ازراہِ خُدا ترسی و نیک دلی کہا کہ وہ ہزارہا ہندوستانی اسیر اور فنکار جو آپ ایران لئے جا رہے ہیں رہا کر دیں۔ نادر شاہ نے اُن کی سفارش پر قیدیوں کو رہا کر دیا جس سے نواب زکریا خان کی مقبولیت میں بڑا اضافہ ہُوا۔

نوابِ مظفر خان سدوزئیؒ

۱۷۵۰ء میں نواب علی محمد خان خوگانی مُلتان کا گورنر تھا۔ اُس کے بعد شجاع خان سدوزئی حاکمِ مُلتان مقرر ہوا۔ اُس نے شجاع آباد اور علاقہ مظفر گڑھ میں خان گڑھ آباد کیا۔

۱۷۷۹ء سے ۱۸۱۸ء تک نواب مظفر خان سدوزئی ملتان میں حکمران رہا۔ جسے زیادہ تر سکھوں نے پریشان کیا۔ سکھوں کا پہلا حملہ ۱۸۰۲ء میں دُوسرا حملہ ۱۸۰۴ء میں تیسرا حملہ ۱۸۰۷ء میں خود مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سرکردگی میں کیا۔ چوتھا حملہ ۱۸۱۰ء میں پانچواں حملہ ۱۸۱۲ء میں چھٹا حملہ ۱۸۱۶ء میں اور ساتواں حملہ ۱۸۱۷ء میں کیا۔ مگر ہر حملے میں نواب مظفر خان بمصداق لقمہ بدہن سگ اندوختہ بہ، انہیں ہزاروں روپے تھما دیتا اور وہ واپس چلے جاتے۔

۱۸۱۸ء میں سکھوں نے مُلتان پر آخری اور فیصلہ کن حملہ کیا۔ اس میں لاہور کی مال روڈ والی مشہور توپ زمزمہ استعمال کی گئی جو چار ماہ تک قلعہ پر ایک من کے گولے برساتی رہی۔ رسد کی کمی نے اہلِ قلعہ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ جس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ۲ جُون ۱۸۱۸ء کی صبح کو سکھوں کا ایک جتھہ قلعہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ نواب مظفر خان جو اِس وقت عمر کی اَسّی بہاریں دیکھ چُکا تھا۔ اپنے آٹھوں بیٹوں سمیت مردانہ وار سر بکف ہو کر مقابلہ کے لئے نکلا اور پانچ بیٹوں سمیت شہید ہوا۔ چھٹا بیٹا زخمی ہوا۔ باقی دو بیٹوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

سکھوں نے شہر اور قلعہ میں ناقابلِ بیان مظالم توڑے۔ قلعہ میں قریباً پانچسو مکانات ہموار کر دیئے جن میں مخدوم مرید حسین قریشی کے آباؤاجداد کے بھی مکانات تھے جو بے خانماں ہو کر شہر میں آگئے۔ مخدوم شاہ محمود قریشی نے ہمت کر کے نواب مظفر خان اور اُس کے دو بیٹوں کی لاشیں تلاش کر کے حضرت بہاء الحق کی خانقاہ میں دفن کیں جن کی سکھ فاتح تذلیل کرنا چاہتے تھے۔ سکھوں نے فتح کے نشہ میں نواب کے جواہرات، زیورات، بیش قیمت شالیں اور تحائف پر قبضہ کر لیا۔ اسلحہ لوٹ لیا گیا۔ شہر میں مکانات کو آگ لگا دی۔ شہریوں کے پاس کوئی قابلِ ذکر چیز نہ چھوڑی۔ اکثر لوگوں کے کپڑے تک اُتار لئے۔ عورتوں کی عصمت دری کی۔ بہت سی عورتوں نے کنوؤں میں چھلانگ لگا کر یا خودکشی کر کے اپنی عصمت بچائی۔ شہر کا کوئی متنفس ایسا نہ تھا۔ جسے تکلیف یا نقصان نہ پہنچا ہو۔ اس کے بعد اُنہوں نے شجاع آباد کے قلعہ پر قبضہ کر کے مُلتان میں پٹھانوں کی حکومت کا خاتمہ کیا۔

نواب مظفر خان بڑا پاکباز انسان تھا۔ یہ جب قلعہ مظفر گڑھ کا سنگِ بنیاد رکھنے لگا تو اُس نے کہا کہ اس کا سنگِ بنیاد وہ شخص رکھے جس نے نماز پنجگانہ اور تہجد قضا نہ کی ہو اور زِنا نہ کیا ہو۔ جب ایسا کوئی مردِ میدان نہ نکلا تو نواب نے خود بنیادی پتھر رکھا کیونکہ موصوف ان خصوصیات کا حامل تھا۔
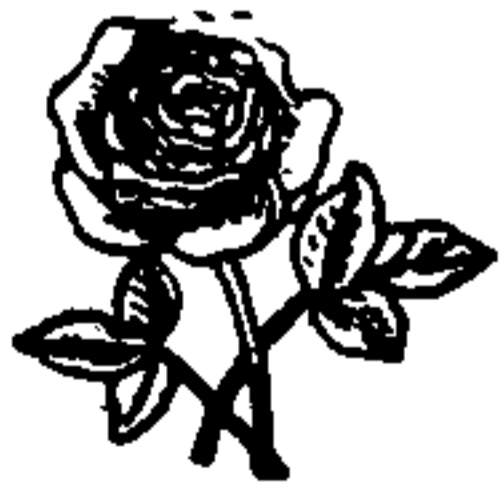
دیوان ساون مل

فتح ملتان کے بعد ۱۸۱۹ء میں رنجیت سنگھ تین ماہ ملتان میں مقیم رہا بیساکھی کا تہوار منایا۔ دیوان ساون مل ساکن کلور کوٹ کو جو اُس کے دفتر میں سب سے زیادہ ہوشمند ملازم تھا ۱۸۲۱ء میں دیوانِ ملتان مقرر کیا۔ دیوان کا خطاب اسے حسن کارکردگی کی بنا پر دیا گیا تھا۔ اسکی انصاف پروری نے نوشیروانِ عادل کی یاد تازہ کردی۔ جابر اور بدد ماغ زمینداروں کی گوشمالی کرکے غریب اور بے وسیلہ لوگوں کو اطمینان کا سانس لینے کا موقعہ دیا۔ مال مویشی کی چوری اور رسہ گیری بند ہوگئی۔ انصاف کا یہ عالم تھا کہ ایک حسین چور کی سفارش کرنے پر دیوان نے اپنے مشیر اور ندیم خاص کو اُس کے دروازہ کے سامنے پھانسی پر لٹکوا کر سفارش کا دروازہ بند کردیا۔

باغ عام خاص، تالاب سورج کنڈ، پل شوالہ پرنالہ ولی محمد، تالاب بدھلہ سنت اور دیوان والا باغ دیوان ساون مل نے تعمیر و مرمت کرائے، دریائے راوی پر رام چوترہ کے مقام پر ہندوؤں کے اشنان کے لئے سیڑھیاں بنوائیں۔ حکومت میں توسیع کرکے رائے ونڈ سے لے کر جھان تک تین سو میل لمبا اور سنگھڑ کی پہاڑیوں سے لے کر ستلج تک سوسوا سو میل چوڑا علاقہ اپنے زیرنگین کرلیا۔ جس کی سالانہ مالگذاری ۳۶ لاکھ روپے تھی۔

رنجیت سنگھ نے ۱۸۳۹ء میں وفات پائی۔ کنور نونہال سنگھ اس کا جانشین ہوا

اُس نے دیوان ساون مل کو اسکی خدمات اور رفاہی اقدامات کی وجہ سے حاکم ملتان رہنے دیا جس نے ملتان پر براہِ راست سترہ سال حکومت کی۔

ستمبر ۱۸۴۴ء میں دیوان ساون مل اپنے پسندیدہ سپاہی خُداداد نامی کے ہاتھوں گولی کا شکار ہوا جسے تنخواہ کے معاملہ میں سخت سُست کہا گیا تھا اس کے بعد اس کا بیٹا مولراج حاکم ملتان ہوا۔

مفتی تاج الدین کی غیر مطبوعہ "تاریخ پنجاب" میں درج ہے کہ:۔

"دیوان ساون مل نے ملتان میں بہت نیکیاں حاصل کیں جبتک وہ رہا رعایا آسودہ اور مرفعہ رہی۔ ہر چیز کا بیوپاری اس شہر میں آکر ٹھہرتا۔ اور بہت سا مال اس راستہ سے مغربی ممالک کو جاتا اور وہاں سے آتا رہتا۔ ریشمی لُنگی، کھیس، دریائی، قالین، سُوتی کپڑا اور کام کارچوبی بہت اچھا بنتا۔ کھجور، سجی اور تل سیاہ کی بہت تجارت ہوتی"۔

اُس کے زمانہ میں زناکاری بند تھی: عام اجازت تھی کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو کسی آشنا کے ساتھ دیکھے تو دونو کو قتل کردے۔ بدکاری کو روکنے کے لیئے اُس نے تمام جوان لڑکیوں کی شادی کرادی اور حکم دیا کہ آئندہ لڑکیوں کی شادی جوان ہونے سے قبل کردی جائے اس کے وقت اگر کوئی زانی پکڑا جاتا تو عورت اور مرد دونوں کی ٹانگوں میں رسہ ڈال کر بیل پنجالی سے باندھ دیتا اور لوگ انہیں گھسیٹتے ہوئے شہر میں پھرا پھرا کر ہلاک کردیتے

دیوان مولراج

دیوان مولراج، دیوان ساون مل کے پانچ لڑکوں میں سب سے بڑا لڑکا
ہونے کی وجہ سے اُس کا جانشین اور گورنر ملتان بنا۔ اسوقت نظامت ملتان
میں جھنگ، ڈیرہ اسمٰعیل خان، ڈیرہ غازیخان اور ضلع میانوالی کے کچھ حصے شامل
تھے۔ دیوان مولراج نے انگریز ریذیڈنٹ سر لارنس اور تاجران ملتان کے ساتھ
تنازعہ کی بنا پر استعفیٰ دے دیا۔ انگریزوں نے اسکی جگہ کاہن سنگھ کو حاکم ملتان
مقرر کیا اور اُس کو قبضہ دلانے کے لئے مسٹر وانز ایگنیو اور لیفٹیننٹ اینڈرسن
۱۶ اپریل ۱۸۴۸ء کو ملتان پہنچے۔ دیوان مولراج نے اُن کا استقبال کر کے انہیں
عیدگاہ میں ٹھہرایا۔ ۱۹ اپریل کو دیواج مُولراج قلعہ کی چابیاں کاہن سنگھ کے
حوالے کرنے کے لئے ہر دو مذکورہ بالا انگریز افسران کے ہمراہ روانہ ہوا۔ خندق
کا پُل عبور کرتے وقت امیر بیگ نامی سپاہی نے جو لوہاری دروازہ متعین تھا
مسٹر ایگنیو پر برچھے سے وار کر کے اُسے نیچے گرا دیا۔ اور خود غائب ہو گیا۔ دیوان
مُولراج نے اپنے محل کا رُخ کیا جہاں اُس کی والدہ نے اُس پر طعن و تشنیع کے تیر
برسائے۔ بھائیوں نے بھی اُسے آنکھیں دکھائیں۔ فوج نے بغاوت کا جھنڈا بلند
کر دیا۔ انگریزوں کے ساتھ کاہن سنگھ کی سرکردگی میں پانچ سو گورکھوں کا جو دستہ
آیا تھا وہ مولراج سے مل گیا۔ مسٹر ایگنیو اور اینڈرسن کے سر کاٹ کر مولراج
کی ڈیوڑھی پر پہنچا دیئے گئے۔ مولراج نے انگریزوں کے خلاف باقاعدہ جنگ کا آغاز

گیا یکم جولائی ۱۸۴۸ء کو سدوحسام کے مقام پر دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کا رَن پڑا۔ سکھ دیوانہ وار لڑتے رہے۔ انگریزوں کی کمک پہنچنے پر دُوسرا خونیں معرکہ خونی بُرج پر ہُوا۔ ملتانیوں نے فتح وشکست سے بے نیاز ہوکر بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ یُونانیوں کی خونریز جنگ کی یاد تازہ ہوگئی۔ انگریز دہلی دروازہ اور خونی بُرج کے مورچوں پر شگاف کرنے اور شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ اور شہر میں قتل وغارت کا بازار گرم کیا۔

قلعہ کے میگزین میں سولہ ہزار پونڈ بارُود پڑا تھا۔ اس پر ایک گولہ آن پڑا۔ وہ ایسے قیامت خیز دھماکے سے پھٹا کہ سارے شہر میں زلزلہ سا آگیا اس سے پیدا ہونے والے دھوئیں سے سارا شہر دن کے وقت تاریکی میں ڈوب گیا۔ توپوں کی گھن گرج اور اس دھماکہ کی آواز بہاولپور تک سُنی گئی۔ جامع مسجد، محلات نواب مظفر خان و سرفراز خان و مکانات اہلِ قریش، علامہ کاشانی اور خواجہ حُسین خان کے قبے اور قلعہ کی دیگر عمارات زمین بوس ہوگئیں اور ملتان کا ناقابلِ تسخیر قلعہ کھنڈرات میں تبدیل ہوگیا۔ شہر کے بڑے بڑے مکانات اور معابد تباہ یا منہدم ہوگئے۔ مولراج نے ہتھیار ڈال دیئے، اپنے دونوں بھائیوں رام سنگھ اور شام سنگھ اور اپنے بڑے بڑے سرداروں اور تین ہزار جوانوں سمیت نہایت مکلف اور شاہانہ لباس زیب تن کئے ایک خوبصورت عربی گھوڑے پر سوار ہوکر بمقام دولت دروازہ خُود کو انگریزوں کے حوالے کردیا۔ چونکہ وہ ماں کا حکم بجا لاکر اپنا فرضِ منصبی ادا کرچکا تھا۔ اِس لئے بوقتِ گرفتاری اُس کے چہرے پر رنج وملال گھبراہٹ اور پریشانی کے کوئی آثار دکھائی نہ دیئے۔

دیوان مولراج کی گرفتاری

مولد و مدفن
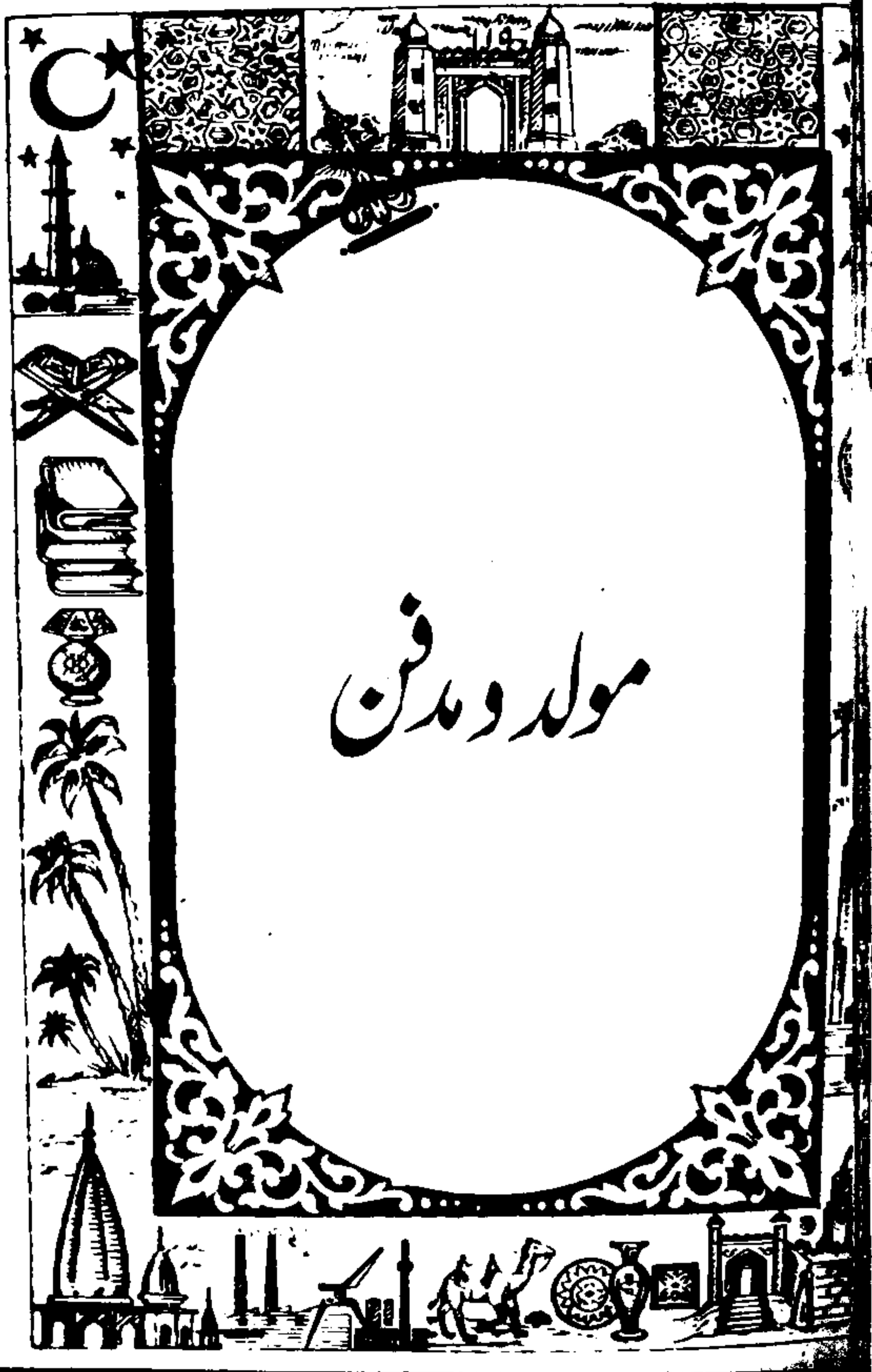
مولد

سرزمینِ ملتان کو برِ عظیم پاک و ہند کے اِن نامور حکمرانوں کی جائے پیدائش ہونے کا شرف حاصل ہے۔

سُلطان محمد تغلق تغلق خاندان کا یہ عظیم حکمران جس نے تغلق ایمپائر کو بامِ عروج پر پہنچایا۔ لوہاری دروازہ کے محلّہ کوٹلہ تغلق خان معروف کوٹلہ تولے خان میں پیدا ہوا۔ یہ محلہ اُس کی جائے پیدائش کی یادگار کے طور پر اُس کے والد نے آباد کیا تھا۔

سیّد خضر خانؒ یہ خاندانِ سادات کا بانی اور اُس کا قابل ترین شہنشاہ تھا یہ مُلتان میں پیدا ہوا یہیں پلا اور پڑھا۔ پہلے مُلتان کا گورنر بنا پھر ایک جست لگا کر تختِ دہلی پر جلوہ فگن ہوا۔

سُلطان بہلول لودھیؒ یہ پہلا افغان حکمران تھا جو ترکوں اور سیّدوں کے بعد تختِ دہلی پر جلوہ افروز ہوا۔ اُس کی پیدائش اپنے دادا کے گھر فاضیانوالے مکان محلّہ حسین آگاہی میں ہوئی تھی۔

احمد شاہ ابدالی دُرّانی خاندان کا بانی احمد شاہ ابدالی موجودہ کمشنر ہاؤس کے سامنے کڑی خوردیں میں پیدا ہوا جہاں اُس کا یادگاری پتھر برلب ابدالی روڈ نصب ہے۔

آباءِ قائدِ اعظم نواب جمشید علیخان آف باغپت ضلع میرٹھ قائدِ اعظم کے یار

غار تھے۔ قائدِ اعظم معہ فاطمہ جناح تعطیلات اسی کے ہاں گزارا کرتے تھے۔
تحریکِ پاکستان کے زمانہ میں قائدِ اعظم کی مومنانہ گھن گرج نے سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا تھا۔ ایک روز نواب صاحب نے قائدِ اعظم سے پوچھا کہ آپ میں یہ کڑک کہاں سے آئی؟ قائدِ اعظم نے بڑے فخر سے جواب دیا کہ آپکو علم نہیں کہ میں علاقہ ملتان کے ایک راجپوت خاندان سے ہوں۔
نامور سوانح نگار مسٹر بولیتھو نے بھی قائدِ اعظم کی سوانح حیات "جناح" میں اِس امر کا ذکر اس کے صفحہ ۴ پر ان الفاظ میں کیا ہے۔
"قائدِ اعظم کے COUSIN مسٹر محمد علی گانجی نے بتلایا کہ ہمارا خاندان صحرائے سندھ کے شمالی علاقہ ملتان سے کاٹھیاواڑ میں آیا تھا۔"
اسی تاریخی تعلق کی بنا پر قائدِ اعظم کی یاد میں بنائی جانے والی شالی اسلامی یونیورسٹی کے لئے سرزمینِ ملتان کا انتخاب ہوا۔ اس کیلئے ایک وسیع ٹکڑا اراضی حاصل کیا گیا۔ عمارت کے نقشے تیار ہو گئے۔ نصابِ تعلیم تجویز ہو کر منظور ہو گیا۔ تعمیر کے اخراجات کے لئے رقم جمع تھی مگر اس یادگار کا قیام محمد ایوب خان آمرِ پاکستان کو ناگوار گزرا اور یہ ساری محنت اور منصوبہ اسکی خود غرضانہ مصلحتوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔
ایوب خان کے بعد بھی اربابِ اقتدار نے اِس منصوبہ کو کوئی اہمیت نہ دی اور یہ منصوبہ تادمِ تحریر معرضِ التوا میں پڑا ہے بلکہ اسے دفن کر دیا گیا ہے

مدفن

سرزمینِ ملتان پر جہاں عظیم المرتبت شہنشاہ پیدا ہوئے وہاں اُسکے دامن میں نامور حکمران، شہدا اور صوفیا بھی اپنی آخری نیند سو رہے ہیں۔

نواب علی محمد خان خوگانی ملتان کے گورنر تھے، اُنھوں نے اپنے شہنشاہ احمد شاہ ابدالی کو ایسا ناراض کیا کہ اُس نے سرِ دربار ان کا پیٹ چاک کرا کر شہر میں پھرایا۔ اور اُنہیں درسِ عبرت بنایا۔ آپ قبرستان حسن پروانہ میں حسن پروانہ روڈ کے شمالی کنارے پر ایک مقبرہ میں دفن ہیں۔

نواب مظفر خان سدوزئی یہ بھی احمد شاہ ابدالی کے صاحبزادے تیمور شاہ کے وقت ملتان کے گورنر تھے، اسّی برس کی عمر میں سکھوں سے لڑتے ہوئے اپنے پانچوں لڑکوں سمیت شہید ہوئے۔ اور خانقاہ حضرت بہاء الدین زکریا میں اپنے بچوں کے ہمراہ دفن ہوئے۔

نواب شاکر خان سدوزئی، زاہد خان سدوزئی کا صاحبزادہ میر منو کے زمانہ میں گورنر ملتان تھا۔ بعد وفات موجودہ کمشنر ہاؤس (سابق شیش محل) کے غرب میں اور ابدالی مسجد کے متصل جنوب میں ایک مقبرہ کے اندر آسودۂ خاک ہوا۔

شہدا و صوفیا ان نامور بزرگوں کے مزارات مندرجہ ذیل مقامات پر موجود ہیں۔

۱۔ پیر در بر شاہ :۔ ان کا مزار تقبرہ شاہ رکن عالم اور مزار حضرت بہاؤالدین زکریا کے عین درمیان پختہ سڑک کے کنارے جنوبی جانب واقع ہے۔

۲۔ پیر سوہن شہید :۔ ان کا مزار لوہاری دروازہ سے قلعہ کو جانیوالی سڑک پر بجانب جنوب چوکی پولیس لوہاری دروازہ کے متصل واقع ہے۔

۳۔ پیر دولت شاہ :۔ ان کا مزار چوکی پولیس دولت دروازہ کے متصل واقع ہے۔ ان ہی کے نام سے دولت دروازہ موسوم ہے۔

۴۔ پیر جندے شاہ :۔ ان کا مزار حافظ جمال روڈ پر واقع ہے اور ان ہی کے نام پر محلہ جندے شاہ آباد ہے۔

۵۔ پیر قاضی مٹھو :۔ ان کا مزار خانقاہ حافظ جمال کے قریب ایک احاطہ میں درختوں کے جھنڈ میں واقع ہے۔

۶۔ شاہ علی مردان :۔ کا مزار بیرون حرم دروازہ اکبر روڈ کے کنارے شمالی جانب واقع ہے۔

۷۔ شاہ دانا شہید کا مزار دہلی دروازہ کے اندر محلہ "شاہ دانہ شہید" میں واقع ہے۔

۸۔ شاہ حسین آگاہی کا مزار حسین آگاہی سے چوک بازار کے اندر داخل ہوتے ہی تھوڑے فاصلہ پر غربی جانب واقع ہے۔

۹۔ پیر قاضی جلال کا مزار اُن کے نام سے موسوم محلہ قاضی جلال میں اندرون پاک دروازہ واقع ہے۔ ۱۰۔ بانگا بلیل کا مزار اندرون دہلی دروازہ میں واقع ہے۔

۱۱۔ منشی غلام حسن کا مزار خونی برج میں ۱۲۔ پیر عنایت ولایت کا حرم دروازہ میں۔

۱۳۔ پیر کالا کا مزار کالے منڈی میں۔ ۱۴۔ خواجہ محمد موسیٰ کا مزار محلہ کمنگران میں ہے۔

شاہی مہر

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر، جس پر ان کا پورا شجرہ نسب درج ہے۔ جو ان کی سند بر صفحہ ۱۰۷ پر ثبت ہے،

مشہور مشائخ

شاہ محمد یوسف گردیزؒ

سید محمد یوسف گردیزیؒ حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے تھے، ۴۵۰ھ میں آپ مضافاتِ غزنی میں بمقام گردیز پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ عارفہ اور والد ماجد باکمال شیخ تھے، جن سے استفادہ کر کے اور روحانی مدارج طے کر کے قطب زمان ہوئے، آپ بڑے صاحب کشف و کرامات تھے، جن کے اظہار سے آپ کو جدِ بزرگوار منع فرماتے تھے۔ اہلِ ملتان کو آپ کی کرامات کا اندازہ اُس وقت ہوا جب آپ ایک شیر پر سوار سانپ کا تازیانہ سنبھالے ملتان پہنچے اسکی شہادت آپ کے مزار کی پشت پر لکھا ہوا یہ شعر آج تک دے رہا ہے ؎

وانی سوارِ شیر کہ در دست مار کرد
مخدوم شاہ یوسف ایں جا قرار کرد

جس زمانہ میں آپ ملتان تشریف لائے، اسی زمانہ میں یہاں قطب الاولیا حضرت شاہ موج دریاؒ ملتان میں مصروفِ تبلیغ تھے، آپ نے بھی انہی کے ہاں قیام فرمایا۔ حضرت موج دریا آپ کے دستِ راست بن گئے اور سلسلۂ تبلیغ جاری رکھا بعد وفات حضرت موج دریا، دریائے راوی کے کنارے دفن ہوئے، آپ کی قبر اور مسجد اسوقت بھی پل موج دریا پر "ایوانِ ملتان" کے شمال میں موجود ہے۔

شاہ یوسف گردیز کی آمد سے قبل ملتان میں فرقہ اسماعیلیہ برسرِ اقتدار تھا

اس کے مشہور پیرو عبداللہ قرامطی کے ملحدانہ عقائد کا زور تھا۔ آلِ سبکتگین نے پے در پے حملہ کر کے جہاں اس فرقہ کو تہس و نہس کر دیا۔ وہاں ملتان کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور پورا شہر بالکل ویران ہو کر مسکن مار د موراں بن چکا تھا۔

آپ ۱۰۸۶ء میں بہرام شاہِ غزنوی کے زمانہ میں ملتان آئے۔ اس وقت ملتان شہر اس جگہ واقع تھا۔ جہاں اب مائی پاکدامن کا مزار اور قبرستان ہے، شہر اور قلعہ کے درمیان دریائے راوی بہتا تھا۔ آپ نے راوی کے کنارے اس مقام پر جہاں آپ کا مزار ہے، ڈیرہ لگایا۔ دریا کے کنارہ کر جانے کے بعد آپ نے اہلِ شہر کو حکم دیا کہ میرے حجرہ کو اندر لے کر شہر پناہ کی تعمیر شروع کی جائے۔ فصیل شہر مکمل ہونے پر لوگوں نے شہر کے اندر بسنا شروع کیا۔ اِس طرح جدید ملتان کی آپ نے بنا ڈالی۔ اور اُسے از سرِ نو آباد کیا۔

آپ صبح کی نماز سے پہر دن تک ذکر و اذکار میں مصروف رہتے پھر رشد و ہدایت میں مشغول ہو جاتے اور گروہ در گروہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے عقائدِ کفریہ سے تائب ہوتے۔ اِس طرح آپ نے پچاس سال رُشد و ہدایت کا یہ چشمہ فیض جاری رکھا۔ ۱۱۵۲ء میں اس مبلغِ اعظم نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ آپ کو اس حجرہ میں دفن کیا گیا۔ جس میں آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ طاعت و عبادتِ الٰہی میں گزارا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد قرامطیوں نے پھر زور پکڑا آپ کے پوتے شیخ عبدُالصمد کی درخواست پر شہاب الدین غوری نے ملتان پہنچ کر اُن کا خاتمہ کیا۔

شیخ بہاؤالدین زکریاؒ

ہندوستان میں سلسلہ سہروردیہ کے مؤسس اعلیٰ رئیس الاولیاء شیخ بہاؤالدین زکریاؒ بروز جمعہ ۲۷ رمضان المبارک ۵۶۶ھ بوقت صبح بمقام کوٹ کروڑ مضافاتِ ملتان پیدا ہوئے، والد کی وفات کے بعد آپ خراسان چلے گئے سات برس میں وہاں علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل کر کے حج پر تشریف لے گئے وہاں پانچ برس تک مدینہ منورہ میں روضۂ مبارک کی مجاوری کی۔ اِس کے بعد بغداد میں شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سترہ دن کے اندر خرقۂ خلافت حاصل کر کے ملتان آکر مقیم ہو گئے

آپ بڑے صاحبِ کرامت و برکت تھے۔ عوام و خواص میں بے حد مقبول تھے، زیادہ تر وقت عبادت و ریاضت میں گزارتے تھے اور عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے۔ آپ نے بہت جلد یہاں اعتبار و اقتدار حاصل کر لیا۔ ملتان کے علاوہ سندھ اور بلوچستان بھی آپ کی روحانی سلطنت میں شامل تھے۔ یہاں بہت سے ہندو اربابِ اقتدار آپ کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ سلسلۃ الذہب کے مصنف کے قول کے مطابق آپ کا لوگوں کو کفر سے ایمان کی طرف، گناہ سے عبادت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لانے میں بہت بڑا مرتبہ ہے۔ روحانیت کے ساتھ ساتھ آپ زراعت اور تجارت کی طرف بھی متوجہ رہے۔ جنگلوں کو آباد کرایا۔

چاہات اور نہریں احداث کرائیں۔ آپ اپنی آمدنی کا کثیر حصہ غربا، مساکین کی خبر گیری اور رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کر دیتے تھے، اور صاحبِ ثروت ہونے کے باوجود نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ۱۲۶۲ء میں آپ نے وفات پائی۔ آپ کے زمانے میں ناصر الدین قباچہ والئ ملتان تھا۔ وہ حضرت زکریاؒ کی روز افزوں مقبولیت سے خائف تھا۔ اس لئے اس نے ان کا اثر و رسوخ کم کرنے کے لئے مولانا قطب الدین کاشانی کو بلوایا اور ان کی خاطر ایک مدرسہ تعمیر کرایا مولانا کاشانی اسی مدرسہ میں نماز پڑھا کرتے تھے اور درس دیا کرتے تھے، یہ مدرسہ حضرت زکریاؒ کی قیام گاہ سے کافی فاصلہ پر تھا۔ اس کے باوجود آپ صبح کی نماز مولانا کاشانی کے پیچھے جا کر پڑھتے تھے۔ ایک روز آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ اتنی دور سے یہاں کیوں آ کر نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت زکریا نے فرمایا، کہ میں اس حدیث شریف پر عمل کرتا ہوں کہ "جو متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ وہ نماز ایسی ہے، جیسے نبی کے پیچھے پڑھی جائے"۔

اس سے حضرت زکریاؒ کی عالی ظرفی اور وسیع القلبی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ بدن کی سلامتی کم کھانے میں، روح کی سلامتی ترکِ گناہ میں اور دین کی سلامتی حضرت خیر الانام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے میں ہے۔

شیخ صدرالدین عارفؒ

آپ کا اسمِ گرامی محمد اور لقب صدرالدین تھا۔ آپ شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کے فرزند دلبند و خلیفہ اعظم تھے۔ آپ کی پیدائش دارالامان ملتان ہی میں ۱۲۲۴ء میں ہوئی۔ آپ نے ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی۔ قرآن مجید حفظ کر کے دینیات میں دستگاہ کامل حاصل کر کے علم و فضل میں یگانہ روزگار ہوئے اور علوم ظاہری و باطنی میں عارفانِ زمانہ سے گوئے سبقت لے گئے۔ آپ عارف اس لئے مشہور ہوئے کہ قرآن کریم پڑھتے وقت جب آپ اُس کے مطالب پر غور و فکر فرماتے تو انواع انواع کے انوار معانی سے آپ کا دل و دماغ منور ہو جاتا۔

آپ ۱۸ سال تک مسندِ رشد و ہدایت پر بیٹھ کر طالبانِ راہِ حقیقت کی رہنمائی فرماتے رہے اور مسندِ درس کو بھی زینت بخشتے رہے "تعریف جد دلی" آپ کی تصنیفِ لطیف ہے۔ آپ کے وقت سے موروثی سجادہ نشینی کا آغاز ہوا۔

حضرت زکریاؒ کے سات صاحبزادے تھے، خزینۃ الاصفیاء کی رُو سے ہر صاحبزادے کو ستر لاکھ اشرفی ماسوائے دیگر سامانِ خانگی ملا۔ آپ نے پہلے ہی دن وہ تمام زرِ نقد۔ اہلِ حاجت، فقرآ و مساکین میں تقسیم کر دیا اور اپنے لئے ایک درہم یا دینار بھی نہ رکھا۔ کسی نے عرض کی کہ آپ کے والدِ بزرگوار کا خزانہ تو نقد و جنس سے معمور رہتا تھا۔ اُس کو بکفایت خرچ کرتے تھے۔ آپ کو بھی

ان کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیئے تھا۔ فرمایا وہ دُنیا پر غالب تھے۔ اُن کے پاس دولت جمع ہو جاتی تو انہیں علائق دُنیا کا کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا۔ اس لئے وہ تھوڑا تھوڑا خرچ کرتے تھے۔ اگرچہ میں بھی بالعُموم دُنیا پر غالب رہتا ہوں، اور کبھی برابر رہتا ہوں۔ نہ غالب نہ مغلوب مگر میں نہیں چاہتا کہ یہ مجھ پر غالب آجائے۔ اس لئے میں نے اسے دُور پھینک دیا۔ اس طرح اُنھوں نے زر پرستوں کو عملاً یہ سبق دیا کہ مال و زر کو عزیز رکھنا خود کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ آپ کی تعلیم بھی یہی تھی کہ "اگر تمام عالم آپ کا دوست یا دشمن بن جائے تو بھی وہ خدا کے حکم کے بغیر آپکو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس لئے خُدا کے سوا کسی سے نفع کی امید اور ضرر کا خوف نہیں رکھنا چاہیئے۔ فرمایا یہ تو ظاہر ہے اور باطن یہ ہے کہ موت سے قبل جو کچھ بھی اس دُنیا میں پیش آنے والا ہے وہ فانی ہے۔ اسے ثبات حاصل نہیں ہے۔ اس لئے اس کی طرف التفات نہ کرے در حقیقت یہ ہے کہ دل میں بہشت کی آرزو نہ ہو، اور دوزخ کا خوف نہ ہو اور اللہ کے سوا دل میں کسی چیز کو قرار نہ ہو"۔

آپ نے ۱۳۰۹ء میں وفات پائی اور اپنے والد کے پہلو میں جگہ پائی۔

شیخ رکن الدین ابوالفتح

آپ شیخ صدر الدین عارف کے صاحبزادے ہیں اور شاہ رکن عالم کے نام سے مشہور ہیں، ۹ رمضان المبارک ۶۴۹ھ کو، مادر زاد ولی پیدا ہوئے حضرت زکریا ملتانی نے خود آپ کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ جس سے آپ قطب الاقطاب بنے۔ سات برس کی عمر میں نماز باجماعت کے عادی ہوئے دس سال کی عمر میں کشف القبور، کشف القلوب، طے الارض اور طے اللسان میں فائق ہوئے اور پچیس سال کی عمر میں کمالات ظاہری و باطنی سے مالا مال ہوئے۔

مجمع الاخبار میں آپ کے جو وصایا اور ملفوظات درج ہیں۔ ان کی رُو سے آپ نے لکھا کہ آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے صورت اور صفت۔ حکم صرف صفت پر ہے صورت پر نہیں۔ کیونکہ خدائے عزوجل تمہاری صورتوں یا اعمال کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے۔ جب تک کوئی شخص اوصاف ذمیمہ سے پاک نہیں ہوتا۔ اس کا شمار جانوروں اور درندوں میں ہوتا ہے۔ اسی لئے ظلم و تعدی کرنے والا بھیڑیئے کی شکل میں، فخر و غرور کرنے والا چیتے کی شکل میں اور بخیل و حریص خنزیر کی شکل میں قیامت کے دن اٹھایا جائیگا اس لئے ظلم کی بجائے عفو، غضب کی بجائے حلم، کبر کی بجائے تواضع، بخل کی بجائے سخاوت اور حرص کی بجائے ایثار کی خوبیاں پیدا کرنی چاہئیں۔

سلطان علاؤ الدین خلجی، سلطان غیاث الدین تغلق اور سلطان محمد تغلق

آپ کے خصوصی عقیدت مندوں میں سے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی نماز جنازہ آپ نے پڑھائی تھی اور آپ کی نماز جنازہ ۱۳۳۵ء میں پڑھی گئی۔

آپ کی بھی یہ حالت تھی کہ جب سلطان علاؤ الدین خلجی کے زمانہ میں دہلی تشریف لے جاتے، تو وہ اپنے غرور وحشمت کے باوجود استقبال کیلئے سوار ہوتا۔ اور باعزاز تمام آپ کو شہر میں لاتا۔ بروز آمد دو لاکھ اشرفی اور بروز وداع پانچ لاکھ اشرفی بطور شکرانہ پیش خدمت کرتا۔ جو آپ اسی وقت خلق خدا میں تقسیم کر دیتے اور اپنے لئے کوئی درم یا دینار باقی نہ رکھتے۔ آپ علاؤ الدین خلجی کے عہد میں دو بار اور سلطان قطب الدین کے عہد میں تین بار دہلی تشریف لے گئے۔ اکثر اوقات حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی صحبت میں گزارتے۔

آپ کی عادت تھی کہ جب شاہی دربار کی طرف تشریف لے جاتے، تو راستہ میں اہل غرض کی درخواستیں، عرضیاں لے لیتے اور زبانی گزارشیں سنتے۔ بادشاہ تیسرے دروازہ پر آکر باادب سلام کرتا اور باعزاز و اکرام دربار میں لے جاکر بٹھاتا اور خود مودبانہ دوزانو ہو کر سامنے بیٹھتا۔ آپ کا خادم وہ عرضیاں وغیرہ بادشاہ کے حضور میں پیش کرتا۔ بادشاہ خود ہر ایک عرضی کو پڑھ کر اس پر مناسب حکم لکھتا۔ اس طرح بھی آپ خلق خدا کی دستگیری فرماتے۔

سید موسیٰ پاک شہیدؒ

قطب الاقطاب سید ابوالحسن موسیٰ پاک شہید حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے ہیں آپ ۹۵۲ھ میں بمقام اوچ پیدا ہوئے، آپ نے اپنے والدِ ماجد سے ابتدائی تعلیم و تربیت حاصل کر کے مدارج سلوک طے کئے۔ عبادت و ریاضت میں کمال پیدا کر کے ولیٔ کامل اور صاحب کرامت بن گئے۔ آپ کی جرأتِ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ اگر وقتِ نماز آجاتا تو عین شاہ کی موجودگی میں دیوانِ خاص و عام میں اذان دے کر نماز باجماعت پڑھ لیتے تھے، اور کسی کو روکنے یا ٹوکنے کی ہمت و جرأت نہ ہوتی تھی۔

آپ کے والد نے ازراہِ محبت آپ کو اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین بنا دیا تھا۔ آپ کے فیضانِ معرفت سے بڑے بڑے علماء و فضلاء مستفیض ہوئے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کے قیامِ دہلی کے دوران میں آپکے ہاتھ پر بیعت ہو کر حلقۂ مریدین میں شامل ہو گئے۔ حضرت محدث دہلوی پھر ملتان تشریف لے آئے اور اپنے ساتھ پہلی دفعہ یہاں علم حدیث لائے اور کافی عرصہ ملتان میں رہے، آپ کے آنے کے کچھ دنوں بعد حضرت موسیٰ پاک شہید بھی دہلی سے ملتان آگئے اور سلسلۂ رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔

۲۴ شعبان ۱۰۱۰ھ کو آپ موضع منگے ہٹی سے گزر رہے تھے کہ قزاقوں نے حملہ کر دیا اور آپ سلطان لنگاہ قزاق کے تیر سے شہید ہوئے۔ آپ کو آپ کی

خاندانی خانقاہ میں بمقام اُچ دفن کیا گیا۔ مگر بوجہ خانگی تنازعہ آپ کے جسدِ مبارک کو وہاں سے لا کر ملتان کے قریب موضع منگے ہٹی میں دفن کیا گیا۔ پندرہ برس بعد آپ کے صاحبزادہ سیّد حامد بخش کو خیال پیدا ہوا کہ نعش مبارک کو ملتان منتقل کیا جائے۔ جب نعش کو ملتان لانے کے لئے قبر سے نکالا گیا تو وہ صحیح و سالم تھی اور اسے کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچا تھا۔ چونکہ اس وقت صندوق دستیاب نہ ہو سکا اس لئے آپ کی نعش مبارک گھوڑے پر سوار کر کے ملتان لائی گئی، جسے لوگ دیکھ کر بے حد متعجب و معتقد ہوئے۔

آپ کے چار بیٹے تھے اوّل سیّد حامد گنج بخش سجادہ نشین جو حضرت موسیٰ پاک شہید کے روضہ کے متصل مدفون ہیں۔ دوم سیّد یحییٰ نواب ملتان جن کا مزار حرم دروازہ اور پاک دروازہ کے درمیان واقع ہے۔ سوم سیّد علیؒ جو پیر عنایت ولایت کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا مزار حرم دروازہ کے النگ پر واقع ہے۔ چہارم سیّد جان محمد جن کا مزار دہلی میں ہے۔

آپ کا اپنا روضہ اقدس پاک دروازہ کے اندر واقع ہے۔ ملتان کا پاک دروازہ آپ ہی کے نام سے موسوم و مشہور ہے۔

آپ کے مریدین بلخ، بخارا، ایران، توران اور افغانستان تک پھیلے ہوئے ہیں۔

شاہ شمس سبزواریؒ

اس نام کے تین بزرگ گزرے ہیں، ایک شاہ شمس تبریزی جو مولانا جلال الدین رُومی کے مُرشد تھے، دُوسرے شاہ شمس عراقی جو کشمیر میں فوت ہوئے اور تیسرے شاہ شمس سبزواری جو مُلتان میں آخری نیند سو رہے ہیں۔ آپ کا لقب "تبریز" تھا جس سے لوگوں کو آپ کے تبریزی ہونے کا اشتباہ ہُوا۔

آپ ۱۵ شعبان ۵۶۰ھ کو سبزوار میں پیدا ہوئے، آپکے والد ماجد سیّد صلاح الدین محمد نوربخش، عبدالمومن شاہ کے پوتے فقہ آحوطہ کے مصنّف اور اسمٰعیلیوں کے مقتدا تھے، قدرت کاملہ نے آپ کو فہم و ذکا کا مادہ نہایت فیاضی سے عطا کیا تھا۔ آپ نے اپنے والد سے جو اپنے زمانہ کے پیر طریقت تھے فیض معرفت حاصل کیا۔ ۵۷۹ھ میں علوم ظاہری و باطنی میں ید طولیٰ حاصل کیا۔ معرفت میں بلند درجہ رکھتے تھے، اکثر اوقات جذب کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ تن پوشی کے لئے ایک کملی کے سوا کوئی کپڑا استعمال نہ کرتے تھے۔ اور نہ کبھی سر پہ دستار باندھتے تھے، نواب مظفر خان کے عہد تک آپ کی اولاد میں سے کسی نے بھی دستار بندی اور سجادہ نشینی کو رواج نہ دیا تھا۔

آپ کے والد اور دادا حضرت امام جعفر صادق کے فرزند سیّد اسماعیل کی اولاد میں سے تھے اور اسماعیلی عقائد کے مبلّغ تھے، آپ بھی فرقہ اسماعیلیہ کے داعی تھے، عراق عرب اور مصر میں اسی کی تبلیغ میں پھرتے رہے ۶۶۴ھ میں

آپ کے والد کو ان عقائد کی بنا پر شہید کر دیا گیا۔ ان کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر آپ بغداد پہنچے اور وہاں ایک سرائے میں مقیم ہوئے، علماء بغداد نے آپکے خلاف کفر کا فتوےٰ صادر کیا جس کی بنا پر آپ براستہ دیبل (کراچی) ۶۶۵ھ مطابق ۱۲۶۹ء ملتان پہنچے۔

ملتان اگرچہ کئی سو سال اسمٰعیلیوں کے زیر اقتدار رہ چکا تھا لیکن جس وقت آپ ملتان آئے۔ اسوقت اسمٰعیلیوں کا دور دورہ ختم ہو چکا تھا مگر اعتقادی کشمش باقی تھی جس کی بنا پر آپ نے ملتان کا رخ کیا تھا۔ آپ کا یہاں بھی خیر مقدم نہ کیا گیا۔ اہل ملتان جو آپ کی شہرت سن چکے تھے، بڑی بے رخی سے پیش آئے۔ اس لئے آپ نے شہر سے باہر اسی جگہ ڈیرے ڈال دیئے جہاں اب ملتان شہر کا ریلوے اسٹیشن ہے۔

اس کے بعد آپ وہاں منتقل ہو گئے جہاں اب آپ کا مزار ہے۔ یہاں دس برس گزار کر راہئ ملک عدم ہوئے۔ آپ بڑے صاحب جلال داعی تھے۔
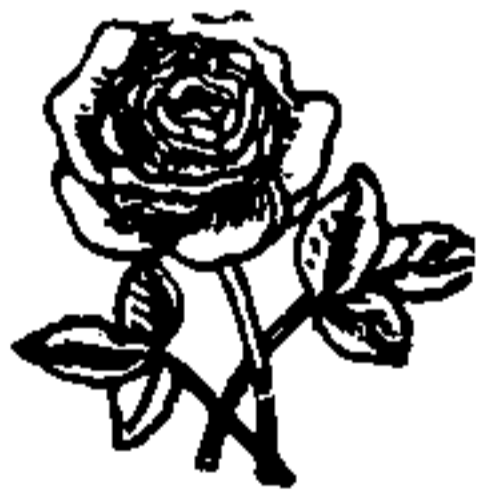
حافظ محمد جمال ملتانیؒ

حافظ صاحب کے والد کا نام محمد یوسف اور دادا کا نام حافظ عبدالرشید تھا جو علاقہ جہلم سے ہجرت کرکے ملتان آئے تھے۔ آپ کے والد ابوالقاسم اور ابوالہاشم کے معتمد وزیر تھے جو بادشاہ دہلی کی طرف سے حاکم ملتان تھے، یہ دونوں اہل علم اور علماء و فضلا کے بڑے قدردان تھے۔

حافظ محمد جمال بڑے صاحب علم و فضل تھے اور بالفاظ "مناقب فخریہ" حافظ جمال ملتانی بکمال باطن و تہذیب، اخلاق و کمالات سے آراستہ تھے احکام شریعت کی پابندی کا آپ کے ہاں خاص اہتمام و احترام تھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ معرفت حق کا بہترین طریقہ ہے جو مشائخ کا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معتبر ذرائع سے پہنچا ہے اور وہ ظاہر کو شریعت سے آراستہ رکھنے کا ہے۔ اور اس پر قائم رہنے کا اور باطن کو اوصاف ذمیمہ سے پاک رکھنے کا ہے۔ آپ خواجہ نور محمد مہاروی کے خلفائے رشیدین سے تھے۔

آپ اتنے متقی پرہیزگار تھے کہ یتیم کے کنویں سے اپنے گھوڑے تک کو پانی نہ پلاتے تھے اور مقروض کا نذرانہ قبول نہ کرتے تھے۔ اپنی عادات نفس میں سے کسی عادت کو خاموشی یا ریاضت سے چھڑانا آپ کے نزدیک بڑی کرامت تھی۔ آپ نے ملتان میں اپنا مدرسہ قلعہ ملتان کے مشرق میں قائم کیا جو علم و فضل کا ایک اعلےٰ مرکز تھا۔ آپ نے ہی ملتان میں چشتیہ سلسلہ کو رواج دیا۔ آپ کی مہر پہ یہ الفاظ

کنندہ تھے۔ إن اللہ جمیل و یحب الجمال

ملتان میں اولیاء اللہ کی ہر دور میں حکمرانی رہی ہے جب بھی ملتان کی مسند روحانی خالی ہوتی ہے۔ نظام قدرت کے تحت فوراً کسی دوسرے بزرگ کو یہاں بھیج دیا جاتا۔ اس لئے مسندِ ملتان کبھی خالی نہیں رہی۔ تحفۃ الابرار کی روایت کے مطابق حضرت مولانا شاہ فخر دہلوی نے میاں نور محمد مہاروی کو فرمایا کہ اب تک ملتان میں حضرت بہاؤ الدین زکریا کی ولائت تھی لیکن اب ملتان ہمارے حوالے ہو گیا ہے لہٰذا آپ کسی مرید کو ملتان بھیجیں۔ جو وہاں اپنا تصرف قائم کرے چنانچہ حضرت مہاروی کے حکم سے حافظ محمد جمال کو ملتان بھیجا گیا۔ جنہوں نے سب سے پہلے حضرت زکریا کے خلیفہ خدا بخش ملتانی کو مرید بنایا جو آپ کے خلفائے نامدار میں ممتاز تھے۔

آپ جب ملتان تشریف لائے تو اس وقت پنجاب پر سکھوں کا تسلط تھا جنہوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ آپ بڑے ماہر تیر انداز تھے اور تیر اندازی کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ آپ کے وقت میں سکھوں نے ملتان پر چھ حملے کئے۔ آپ ہر بار ان کا بڑی مردانگی اور بہادری سے مقابلہ کرتے رہے اور خود قلعہ کے برج میں بیٹھ کر تیر برساتے رہے۔ سکھوں کے چوتھے حملے کے وقت جب مسلمان حوصلہ چھوڑنے لگے تو فرمایا جب بقا کا سوال درپیش ہو تو پھر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ آپ نے ۱۲۲۶ھ میں ۵ جمادی الاول کو ملک عدم کا راستہ لیا۔

سیّد موسےٰ پاک دینؒ

آپ کا اصل نام ابوالغیاث سیّد فتح علیؒ اور لقب شیخ الاسلام نواب موسیٰ پاک دین ہے۔ آپ حضرت موسیٰ پاک شہیدؒ کے پوتے اور مخدوم سیّد حامد گنج بخش کے فرزندِ ارجمند اور صاحب سجادہ تھے۔ شکل و شباہت میں اپنے جدِ امجد حضرت غوث صمدانی کے ہم شکل تھے۔ اسی طرح کمالات میں بھی پورا اتباع تھا۔ علم و فضل میں یکتائے روزگار ہونے کے علاوہ روحانی تصرف میں بھی آپ اپنے بزرگانِ سلف کے ہم پلّہ تھے۔ حُسنِ قابلیت، خُداداد صلاحیت اور بے پناہ اثر و نفوذ کی وجہ سے شاہجہان بادشاہ نے ملتان کی گورنری آپ کے سپرد کر رکھی تھی، آپ کے فرمانِ تقرری پر سنہ ۱۰۶۸ھ کی تاریخ درج ہے۔

آپ مجسمۂ خلقِ عظیم تھے، اس قدر صاحبِ جاہ و جلال تھے کہ بڑے بڑے دل گردہ رکھنے والے لوگ آپ سے آنکھ نہ ملا سکتے تھے، دارا شکوہ آپ کا بے حد معتقد تھا۔ دارا شکوہ کو جب شاہ عالمگیر کے مقابلہ میں شکست ہوئی تو وہ دہلی سے لاہور کے راستے سیدھا ملتان پہنچا اور آپ سے امان چاہی۔ آپ نے فرمایا اگر آپ میرے پاس رہیں تو پھر کسی کی طاقت نہیں کہ آپ کو لے جا سکے، خواہ میری یہ داڑھی بھی خون سے رنگین ہو جائے، مگر آپ کا بال بیکا نہ ہو گا۔ چنانچہ دارا شکوہ چند دن دارالامان ملتان میں رہا اور جب اس نے اورنگ زیب عالمگیر کی آمد ملتان کی خبر سنی تو وہ پریشانی کے عالم میں بخوفِ جان ملتان سے بھاگ گیا۔ اورنگ زیب نے

ملتان پہنچ کر نواب موسےٰ پاک دین سے کرخت لہجہ میں پوچھا "دارا بے شکوہ کجا رفت"۔ آپ نے بڑی بے پروائی سے جواب دیا "دارا شکوہ دریں بارگاہ باریاب شدہ بود ولیکن بے دستوری رفت"۔ اورنگ زیب اپنی مخصوص سخت گیری کے باوجود اپنے دل پر آپ کی عظمت و جلال کا ایک غیر فانی نقش لئے خاموش ہو گیا اور چلا گیا۔

آپ کے تین صاحبزادے مخدوم شیخ عبدالقادر، سید حامد اور سید حسین تھے۔ آپ نے ۲۳ جمادی الثانی ۱۰۷۳ھ کو انتقال فرمایا اور اپنے جد امجد کے روضہ میں دربار پیر صاحب میں دفن ہوئے، آپ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے مخدوم شیخ عبدالقادر سجادہ نشین ہوئے۔ آپ عالم باکمال اور عارف باللہ تھے، شاہ دہلی نے بیش قرار جاگیر اور وظیفہ مقرر فرمایا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے پوتے سید الحسن سجادہ نشین ہوئے جو شیخ کامل تھے سلطان محمد شاہ اور سلطان شاہ عالم، شاہان دہلی نے پچیس ہزار درہم کے نقد عطیہ کے علاوہ آپ کو بیش قیمت جاگیریں اور انعام عطا کئے۔ آپ کے فرزند مخدوم سید حامد گنج بخش ثالث کا جو عالم باعمل تھے، نواب شجاع خان حاکم ملتان بڑا عقیدت مند تھا۔ اور اس نے اپنی لڑکی بھی اس خاندان کے ایک فرد کے عقد میں دی تھی۔

مخدوم شیخ عبدالقادر ثالث کے بھتیجہ سید عبدالرزاق کو عہدۂ نوابی پیش ہوا تھا۔ جو انہوں نے قبول نہ فرمایا اور اپنی فقیری کو نوابی پر ترجیح دی۔

حافظ عبید اللہ ملتانیؒ

خواجہ عبید اللہ ملتانی مولوی خدا بخش خیر پوری کے خلیفہ اعظم تھے۔
اوائل عمر میں آپ نے اپنے والد مولوی قدرت اللہ سے علم ظاہری حاصل کیا۔ اور
اپنے وقت کے فاضل شمار ہوئے، والد کی وفات کے بعد آپ نے اپنے بھائیوں
سمیت ملتان میں مولوی خدا بخش کی مسجد درس والی میں حاضر ہو کر تلمذ حاصل کیا۔
سکھوں کی فتح ملتان کے بعد آپ طلب علم کے سلسلہ میں احمد پور شرقیہ
چلے گئے وہاں مولوی گل محمد سے جو قاضی کوٹ مٹھن کے خلیفہ تھے تحصیل علم کی
تکمیل کی اتفاقاً مولوی خدا بخش جو احمد پور گئے تو وہاں اُن سے مشرف بہ بیعت
ہوئے، پھر خیر پور تشریف لے گئے، وہاں آپ نے علم ہیئت، علم حساب، علم
تصوف اور علم میراث میں کمال حاصل کیا۔ اور ان علوم پر بیسیوں کتابیں عربی
فارسی اور ملتانی میں لکھ ڈالیں، جو ان کے ورثاء کی عدم توجہی کا شکار ہو گئیں،
اس کے بعد آپ نے ملتان فیض رسانی کا سلسلہ شروع کیا۔ مگر آج
کے پیروں سے وہ بالکل جدا مسلک رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے عقیدت مندوں
کو سخت ممانعت کر رکھی تھی کہ وہ کسی کو اُن کا مُرید بننے کی ترغیب نہ دیں۔ آپ
بیکاری کو بہت بُرا سمجھتے تھے اور اپنے مُریدوں کو اس بات کی سخت تاکید
کرتے رہتے تھے کہ انہیں بیکار رہنے کی بجائے کوئی نہ کوئی شغل یا کاروبار اختیار
کرنا چاہیئے۔ آپ خود بھی بڑے زاہد و متقی تھے اور رزق حلال کو ترجیح دیتے تھے،

آپ کا حسین مقبرہ عیدیہ روڈ محلہ قدیر آباد میں واقع ہے۔ یہ مقبرہ نیچے سے تو چوکور ہے مگر اُوپر دو ازدہ پہلو ہو گیا ہے۔ اِس کے اُوپر پُوری قوس کا گنبد ہے جو بالکل مقبرہ شاہ رُکن عالم کی نقل پیش کرتا ہے۔ نیلی اور سبز مُلتانی ٹائیلوں نے اسے قابلِ دید بنا دیا ہے۔ آپ نے ۸۱ برس کی عمر پائی تھی اور ۲۰ جنوری ۱۸۸۸ء کو انتقال فرمایا تھا۔

آپ کے تصنیفی کارناموں کو جو آپ کے ورثار کی عدم توجہی سے ضائع ہو رہے ہیں محفوظ اور شائع کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ جس غرض سے لکھے گئے ہیں وہ غرض پُوری ہو۔ اور خلقِ خُدا اِس سے نفع پائے۔

ملتان کا تاریخی قلعہ کہنہ ۱۸۴۸ء میں
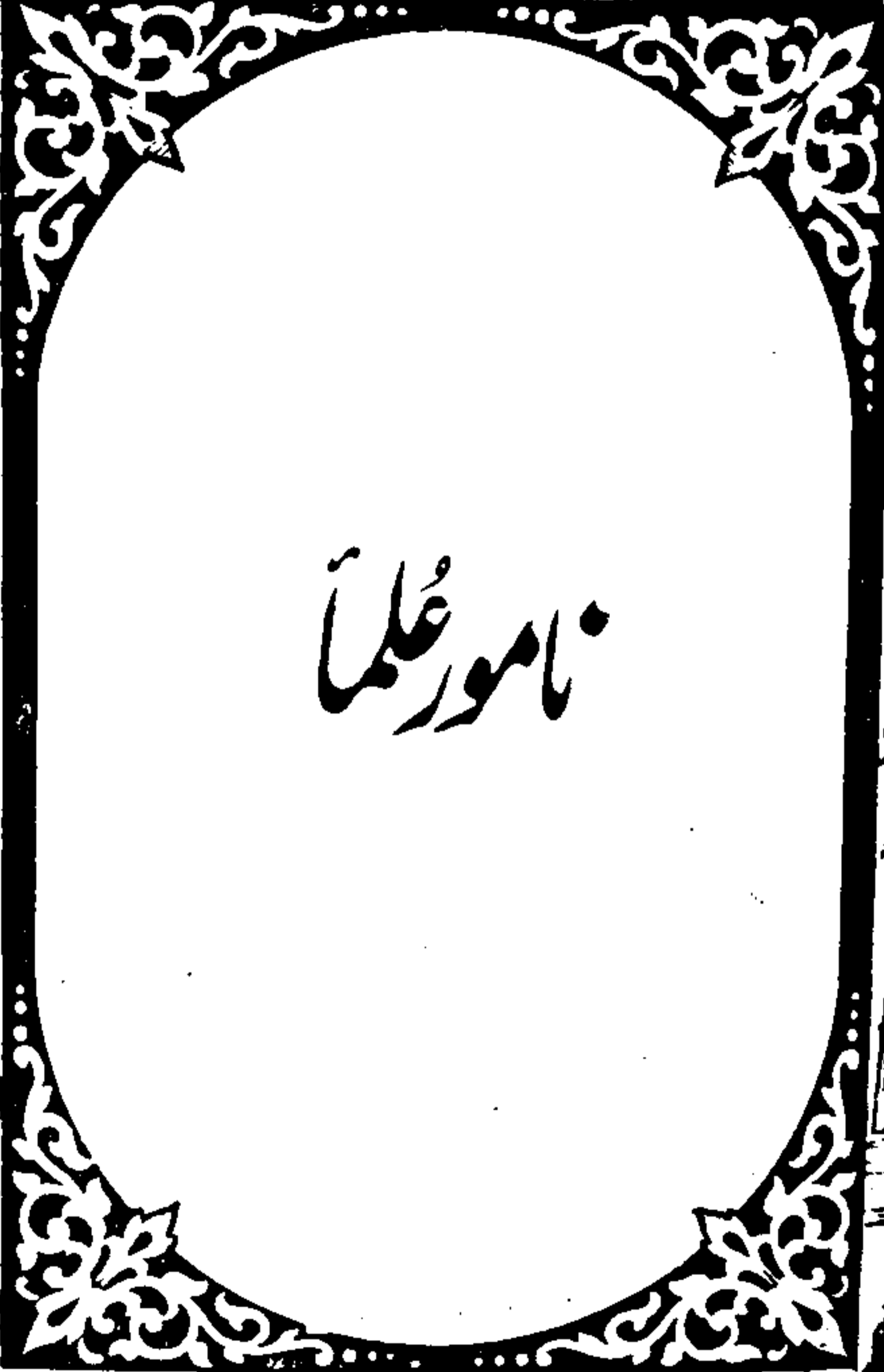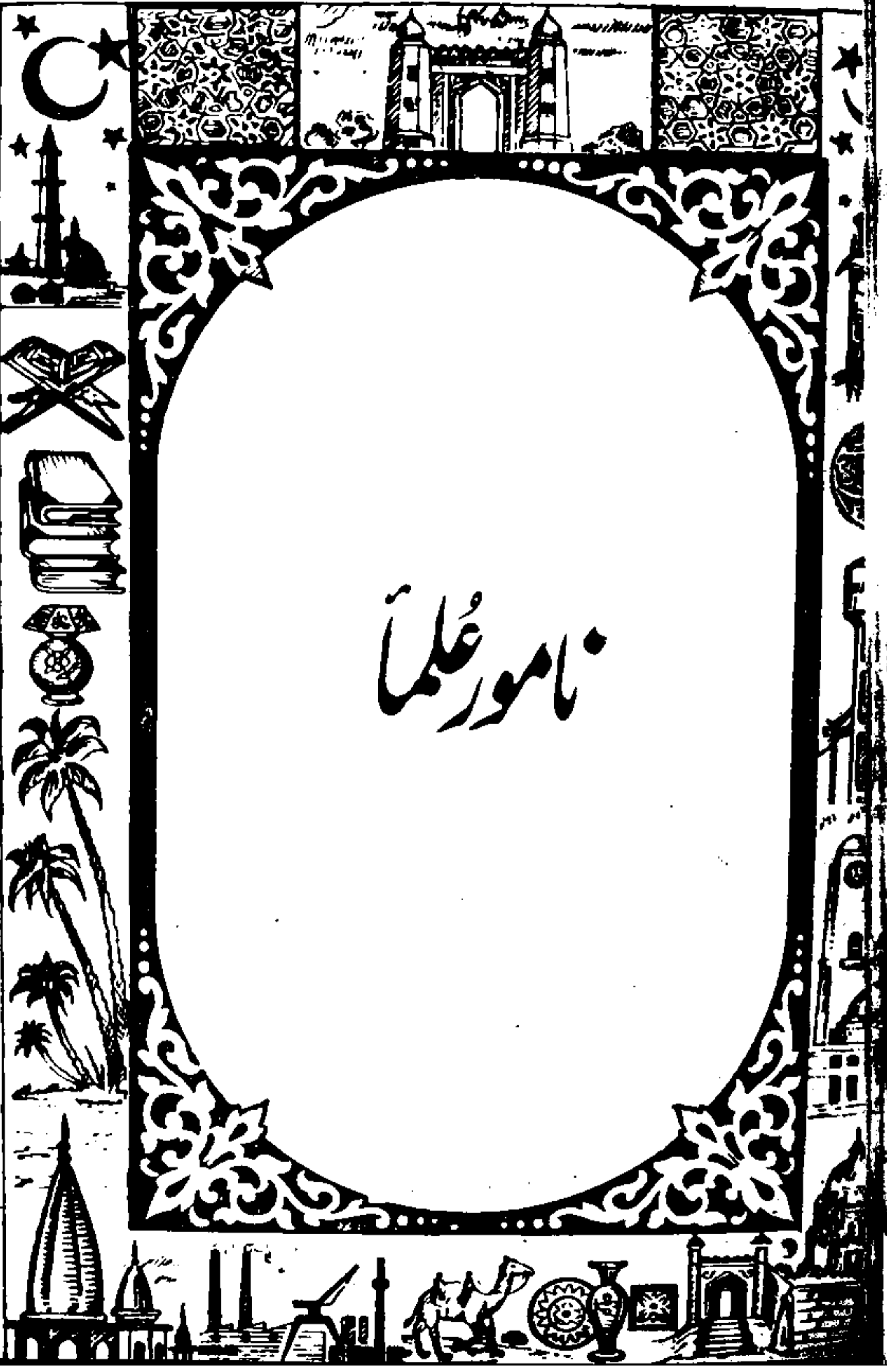
نامور علماؔ

مولانا عثمان بن داؤد ملتانیؒ

علم انوارِالٰہی میں سے ہے معصیت کے پردے پڑنے سے یہ انوار رک جاتے ہیں اور انسان کند ذہن بن جاتا ہے معصیت کاروں کے مقابلہ میں پاکبازوں کا حافظہ تیز ہوتا ہے وہ جو کچھ پڑھتے یا سنتے ہیں اسے فوراً ذہن نشین کر لیتے ہیں، اسی لئے اسلام کے ابتدائی دور میں حفاظِ قرآن کے علاوہ حفاظِ حدیث بھی موجود تھے بعض کو پوری کتابیں حفظ تھیں مثلاً ابنِ قتیبہ کی جملہ اکیس تصنیفات ان کے صاحبزادہ کو حفظ تھیں، ابوبکر بن انباری نحوی کو تین لاکھ ایسے شعر یاد تھے، جو قرآن مجید کی شہادت میں پیش کئے جا سکتے تھے۔ ماضی قریب میں دربارِ اکبری میں بھی فیضی اور ابوالفضل ایسے حافظہ کے مالک تھے ایک بھائی ایک دفعہ سننے سے اور دوسرا دو دفعہ سننے سے ہزاروں شعر دہرا دیتا تھا۔

ہندوستان کے اہلِ علم میں بھی کتابیں حفظ کر لینے کا رواج تھا اور یہ شرف اہلِ ملتان کو بھی حاصل تھا چنانچہ مولانا شیخ عثمان ابن داؤد ملتانی متوفی ۷۳۶ھ کے متعلق سیرالاولیاء کے حوالہ سے نزہۃ الخواطر میں ہے کہ

"انہیں فقہ میں ہدایا۔ اصول میں بزدوی اور قوت القلوب مکی اور تصوف و سلوک میں احیاء العلوم غزالی برزبان یاد تھیں"۔

مولانا سماء الدین ملتانیؒ

آپ نے ۸۰۰ھ کے قریب ملتان کو شرفِ ولادت بخشا۔ آپ اولیاء اللہ میں شمار ہوتے تھے اخلاقِ نبوی کے پیکر اور جود و سخا کے مجسمہ تھے، جو کچھ ملتا فقراء اور مستحقین میں تقسیم کر دیتے۔ قحطِ ملتان کے دوران اپنا سارا سامان محتاجوں میں تقسیم کر دیا، فتوح وغیرہ کے سلسلہ میں جو کچھ آتا۔ اس سے کچھ بھی اپنے تصرف میں نہ لاتے سب کچھ تقسیم کرنے کے بعد بھی اگر محتاج باقی رہ جاتے تو پھر قرض لینے سے بھی دریغ نہ کرتے، اسی لئے دولت آپ کے پاس نہ ٹھہرتی تھی مصلحت بینی کو عیب سمجھتے تھے، امیر غریب اپنے پرائے میں فرق نہ کرتے تھے۔ فاسق و فاجر تک کو اپنی مجلس میں جگہ دیتے تھے اور روکنے والوں کو فرمایا کرتے کہ ؎

ہر کس طالب یار اندچہ ہشیار چہ مست ٭ ہما جا خانہ عشق است چہ مسجد چہ کنشت،

علوم باطن میں دسترس حاصل کرنے کے بعد مدتوں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، ساٹھ سال کی عمر میں دہلی چلے گئے جہاں سلطان بہلول لودھی اور سلطان سکندر لودھی آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ مگر ان سے آپ نے کبھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا، سکندر لودھی آپ سے دعا کرانے کے بعد تخت پر بیٹھا۔

مولانا عبد اللہ و مولانا عزیز اللہ تلنبوی ماہرینِ علوم عقلیہ اور علامہ شریف جرجانی ماہر منطق و فلسفہ آپ کے شاگرد تھے آپ نے ۹۰۲ھ میں وفات پائی۔ شیخ عراقی کی لمعات کے حاشیے اور مصباح الاسرار آپ نے لکھی۔

مولانا یوسف ملتانی رح

مولانا یوسف ملتانی بن سید جمال حسینی، علوم معقول و منقول کے فاضل اور مولانا جلال الدین رومی کے شاگرد رشید تھے۔

ان کے اجداد میں سے ایک صاحب مشہد سے ملتان آئے اور یہیں قیام پذیر ہوئے۔ مولانا یوسف ملتانی سلطان فیروز کے زمانہ میں سپاہیانہ لباس میں ملتان سے دہلی چلے گئے۔ سلطان نے آپ کی استعداد و قابلیت کا شہرہ سنا، تو انہیں اپنے اس مدرسہ میں درس و تدریس پر متعین کر دیا۔ جو حوض قاضی کے متصل تعمیر کرایا تھا۔

قاضی ناصر الدین بیضاوی کی تصنیف لطیف "لب الالباب فی علم الاعراب" کی آپ نے شرح یوسفی کے نام سے مفصل شرح لکھی جو علم نحو کے متعلق تھی۔ علاوہ ازیں علم اصول میں توجیہہ الکلام شرح منار بھی آپ کی تصنیف ہے ۱۳۸۰ء میں دہلی میں وفات پائی اور حوض مذکور پر دفن ہوئے۔

مولانا فتح اللہ ملتانی رحؒ

مولانا فتح اللہ ملتان میں پیدا ہوئے اور یہیں اِس دور کے مسلّم اہل علم سے درسی علوم کی تحصیل کا آغاز کیا۔ پھر مولانا ثناء الدین ملتانی کے درس میں داخل ہو گئے جو ہندوستان کے نامور علماء میں سے تھے، ان سے فیضیاب ہونیکے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے وہاں آپنے علّامہ سعدالدین تفتازانی کے شاگرد رشید مولانا موسےٰ الجبری سے علوم کی تکمیل کی سند لینے کے بعد آپ ملتان واپس آ گئے یہاں آپنے ایک مدت تک اپنے مدرسہ میں معقولات و منقولات کا درس جاری رکھا آپ اپنے علم و فضل کی وجہ سے دانشمند کہلاتے تھے اور مؤرخین کے الفاظ میں "مولانا فتح باللہ ملتانی اپنے عہد کے ایک ممتاز و مشہور عالم اور عہد ساز و تاریخ گر اُستاد تھے"۔ ملک العلما مولانا عبداللہ تلنبوی ملتانی آپ کے شاگردانِ رشید میں سے تھے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا ابراہیم جامع نے بھی آپسے ہی علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی اور ۶۵ سال تک درس و تدریس دیتے رہے۔ مولانا ابراہیم کے فرزند مولانا سعداللہ ملتانی تھے جنھوں نے عہدِ اکبری میں لاہور میں شمعِ علم روشن رکھی۔

مولانا سعد اللہ ملتانیؒ

آپ مولانا ابراہیم جامع کے فرزند اور مولانا فتح اللہ ملتانی کے ذہین اور صوفی منش پوتے تھے، آپ صاحب کرامات اور خوارق عادت اولیاء اللہ میں شمار ہوتے تھے۔ روحانی دنیا میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے اور ممتاز عالم دین تھے ویرانی ملتان کے بعد کچھ عرصہ دیپالپور رہے پھر لاہور پہنچ کر سکندر لودھی کے دور کے ممتاز عالم دین مولانا عبدالرحمٰن ملتانی ابن مولانا عزیز اللہ ملتانی کے حلقۂ درس شامل ہو گئے۔

قیام لاہور کے دوران شہنشاہ اکبر کی خواہش پر بوجہ معذوری آپ کو پالکی میں ان کے دربار میں لے جایا گیا۔ اکبر نے ان کے لئے قالین بچھوایا۔ اور اس پر ان کے پاس بیٹھ کر ان کی صحبت سے متمتع ہوا اکبر نے پوچھا خدا کی ذات تک رسائی کیسے ممکن ہے؟ فرمایا جیسے اس فقیر کو آپکے حضور تک رسائی ہوئی۔ آپ کے کارندوں کی قدغن کی وجہ سے میں اپنی خواہش اور کوشش کے باوجود آپ تک رسائی حاصل نہ کر سکا اور آپ کی طلبی پر بغیر کسی وسیلہ کے یہاں پہنچ گیا۔ اسی طرح جب اللہ کی طرف سے سامان ہدایت میسر ہو جاتا ہے اور وہ اپنے بندوں کو خود طلب کرتا ہے تو اسے اپنے گوہر مقصود تک رسائی آسان ہو جاتی ہے۔ اکبر اس جواب سے بہت متاثر ہوا اور ان کے چلے جانے کے بعد امراء سے کہا۔

ازیں مردے بوئے سلف می آید

مولانا عبداللہ ملتانیؒ

مولانا عبداللہ اور اُن کے بھائی مولانا عزیزاللہ ملتان کے نواحی قصبہ تلنبہ کے رہنے والے تھے، دونوں بھائیوں کو فنِ تدریس میں کمال حاصل تھا اُن پر طلباً ایسے سوال کرتے جن کا جواب اُن کے نزدیک ممکن نہ ہوتا مگر یہ حضرات درس کے دوران ہی اُن کے سوال حل کر دیتے، علامہ تفتازانی کی کتاب شرح شمسیہ اور شرح عقائد میں انہی حضرات نے اضافے کئے۔ طوائف الملوکی کے زمانہ میں دونوں بھائی تلنبہ سے ہندوستان چلے گئے۔

مولانا عبداللہ کو سلطان سکندر لودھی نے دلّی میں رکھ لیا وہ ان کے طریقۂ درس و تدریس کا عاشق تھا وہ نہایت خاموشی سے آپکے درس میں آتا اور چپکے سے ایک کونہ میں بیٹھ جاتا۔ مولانا جب درس سے فارغ ہوتے تب السلام علیکم کہتا اور اُن کی صحبت سے فیضیاب ہوتا۔ ایک مطلق العنان بادشاہ کا اس طرح درسِ دین سننا اور عالمِ دین کا احترام کرنا اقتدار پرستوں کیلئے درسِ عبرت کی حیثیت رکھتا ہے مولانا عبداللہ کے درس سے زائد از چالیس علما فیضیاب ہو کر نامور ہوئے، جن میں شارح ہدایہ مولانا اللہ داد جونپوری، جمال خان دہلوی، میاں شیخ گوالیاری اور میراں سید جلال بدایونی سرِفہرست رہے۔

مولانا عزیز اللہ ملتانی

علم کی دولت بھی چلتی پھرتی رہتی ہے انقلاباتِ زمانہ اُسے ایک جگہ نہیں رہنے دیتے، تیموری حملوں کے اثر سے دہلی کی رونقیں سمٹ کر جونپور پہنچ گئیں اور دہلی کے بازار سُونے ہو گئے، ملتان میں سیاسی بحران کی بدولت جو طوائف الملوکی پھیلی اس سے ملتان کا دبستانِ علم و عرفان بھی اُجڑ گیا اور یہاں کے علماء و مشائخ نے ملتان کو چھوڑ کر ہندوستان کا رُخ کیا۔ ان میں مولانا عزیز اللہ بھی تھے۔ جو اپنے بھائی مولانا عبداللہ کے ساتھ دہلی چلے گئے تھے۔

سُلطان سکندر لودھی نے مولانا عبداللہ کو اپنے پاس رکھ لیا اور مولانا عزیز اللہ کو سنبھل (مراد آباد) بھیجدیا جو اس علاقہ کا مرکزی شہر تھا اس زمانہ میں وہاں علمِ دین کا بڑا چرچا تھا۔ مولانا عزیز اللہ نے وہاں پہنچتے ہی اپنا درس جاری کر دیا۔ اُن کے تبحرِ علمی کا یہ عالم تھا کہ وہ بلا مطالعہ درس دیا کرتے تھے۔ مشکل ترین کتابیں اور اسباق اتنے آسان طریقہ سے پڑھاتے تھے کہ وہ دل نشین ہو جاتے تھے۔ مولانا کمال کا حافظہ اور معلوماتِ حاضرہ رکھتے تھے۔ مشہور عالمِ دین حاتم سنبھلی آپ کے شاگردانِ رشید میں سے تھے۔ مؤرخین نے ان دونوں بھائیوں کو عہدِ سکندری کے انقلاب کا بانی قرار دیا ہے۔

قاضی شرف الدین اصفہانی

سلطان التمش کی طرف سے ناصر الدین قباچہ ملتان کا گورنر تھا۔ اس زمانہ میں یہاں حضرت بہاؤ الدین زکریا کی روحانی حکومت تھی۔ اس وقت قاضی شرف الدین ملتان کے قاضی اور متدین عالم تھے۔ قباچہ التمش کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا جسے ہر دو مذکورہ بالا بزرگانِ دین نے اسلامی سلطنت کے لئے مضر سمجھ کر بذریعہ خط اپنے اپنے طور پر سلطان التمش کو بروقت اطلاع بھیجی۔ وہ دونوں خط کسی طرح قباچہ کے ہاتھ لگ گئے۔ جنہیں پڑھ کر وہ بڑا سیخ پا ہوا اور ہر دو حضرات کو طلب کیا۔ قباچہ نے حضرت زکریا کو دائیں طرف اور قاضی صاحب کو بائیں طرف اپنے سامنے بٹھا دیا اور ہر ایک کے ہاتھ میں اس کا خط دے کر وجہ پوچھی۔ قاضی شرف الدین خاموش رہے اور سرنگوں ہو گئے۔ جس پر قباچہ کے حکم سے اسی وقت قاضی ملتان کا سر قلم کر دیا گیا۔ اب حضرت زکریا کی باری آئی انہوں نے نہایت دیدہ دلیری سے فرمایا "کہ بیشک یہ خط میرا ہے۔ مگر میں نے حق تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے"۔ یہ سن کر قباچہ پر لرزہ طاری ہو گیا اور اس نے معذرت کر کے حضرت زکریا کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

فیوضِ علما و مشائخ

ملتان شروع سے مشائخ و علماء کی اصلاح اور تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز چلا آیا ہے۔ محمد بن قاسم کی تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز ملتان سے ہوا۔ علویوں اور اسماعیلیوں کا تبلیغی مرکز بھی ملتان رہا۔ ان کے بعد حضرت شاہ یوسف گردیز نے شمع ہدایت جلائی۔ سلسلہ سہروردیہ کے فیوض کا آغاز بھی ملتان سے ہوا۔ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کی دانش گاہ سے ستر ہزار طالبانِ علم ظاہری و باطنی فیض حاصل کر کے اطرافِ عالم میں پھیلے۔ اور یہ سلسلہ آپکے جانشینوں نے بھی جاری رکھا۔ بلبن کے عہد میں حضرت زکریا ملتانی اور شیخ حسام الدین ملتانی کے انوار سے پوری سلطنت منور تھی۔ شیخ حسام الدین ملتانی، شیخ صدر الدین عارف ملتانی کے خلیفہ تھے۔ جنہوں نے ملتان سے چل کر بدایوں میں اشاعتِ اسلام کا فریضہ ادا کیا۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے ملتان میں حضرت شاہ رکنِ عالم کے مدرسہ میں تعلیم پائی اور ایک سال میں ہدایہ و بزدوری ختم کی۔

علاؤالدین خلجی کے دربار میں مولانا فضل اللہ ملتانی، مولانا محب اللہ ملتانی، اور مولانا شہاب الدین ملتانی کا طوطی بولتا تھا۔ ان ملتانی علماء کے علاوہ اسکے دور میں عنانِ عدل و انصاف بھی الپ خان امیر ملتان، ملک عین الملک ملتانی۔ خواجہ حمید الدین ملتانی ملک التجار کے ہاتھ میں تھی اور مسندِ قضاۃ پر قاضی حمید ملتانی فائز تھے۔ یہ علماء حق کی تعلیمات کے موثر ہونے کا نتیجہ تھا کہ اہلِ ملتان کے

امراں میں اتنی برکت پیدا ہو گئی تھی کہ بڑے بڑے امراء و رؤسا کو قرض دیا کرتے تھے۔
سلطان حسین اور سلطان بہلول لودھی مولانا سماء الدین ملتانی کی نظر توجہ کے
طالب رہتے تھے، بہلول لودھی جیسے بادشاہ ان کی مجلس میں پہنچ کر زانوئے ادب
تہہ کرتا تھا۔ یہ انہی کا فیض تھا جس نے سکندر لودھی کو نمازی بنا دیا تھا وہ پانچوں
نمازیں باجماعت پڑھتا تھا۔ تہجد ناغہ نہ کرتا تھا۔ روزانہ قرآن مجید کے تین پارے
ہاتھ باندھ کر اور کھڑے ہو کر پڑھتا تھا۔ فیروز شاہ کے دور میں مولانا عبداللہ تلنبوی
کا فیض عام جاری تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے مولانا میر مرتضےٰ واعظ ملتانی کی
حق گوئی سے متاثر ہو کر انہیں اپنے شاہزادہ کام بخش کی تعلیم و تربیت پر مامور کر
رکھا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان عالی کے مشہور بزرگ شیخ
عبدالعزیز شکربار کے دادا شیخ طاہر ملتان میں پڑھتے تھے اور مزید تعلیم کے لئے
ملتان سے بہار چلے گئے جو اس زمانہ میں دیوبند کا قائم مقام تھا۔ اسی لئے شاہجہان
نے اپنے بیٹے عالمگیر کی تعلیم و تربیت کے لئے بہار سے ایک عالم دین ملا موہن کو
بلوایا تھا۔

اعترافِ حقیقت

مغربی منکّرین نے اسلام کے خلاف اِس امر کا پروپیگنڈہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، حالانکہ اسلام تیغ سے نہیں، تبلیغ سے پھیلا ہے۔ جس کا اعتراف ممتاز اہلِ علم، نامور مصنّف گزیٹیر ملتان کے مؤلف اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے نائب صدر سر ایڈورڈ میکلیگن نے بڑی کشادہ دلی سے کیا ہے۔ مغربی پنجاب کی مذہبی تاریخ پر انہوں نے جو مفصل رپورٹ مرتّب کی تھی، اس میں وہ اسلامی ممالک پر تاتاریوں کی تباہ کاریوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ایک لحاظ سے خراسان اور مغربی ایران کی تباہی سے ہندوستان کے اس حصّہ (مغربی پنجاب) کو فائدہ پہنچا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے علمأ و صلحأ کی ایک کثیر تعداد یہاں آگئی، جن میں سے بعض تو دارالسلطنت دہلی کی طرف چلے گئے لیکن بہت سے ملتان کے علاقہ میں ہی بس گئے، غوری افغانوں کی ابتدائی ہلچل کے زمانے میں ہی "گردیزی سیّدوں کا ایک خاندان اِس ضلع میں آباد ہوا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد کرم میں خوارزم سے آکر قریشیوں کا ایک خاندان آباد ہوا۔ جس میں شیخ بہاؤالدّین زکریا پیدا ہوئے جنہوں نے تمام دُنیا کی سیر و سیاحت کے بعد ملتان کو اپنا مستقر بنایا اسی زمانہ میں سبزوار سے پیر شاہ شمس اور کاشان سے قاضی قطب الدّین ملتان تشریف لائے۔ پاکپتن میں بابا فرید گنج شکر اور دہلی میں ملتان کے راستے خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی رونق افروز ہوئے، اُچ میں سیّد جلال الدّین جو ملتان، مظفرگڑھ اور بہاولپور

کے کئی خانوادوں کے مورثِ اعلیٰ ہیں اسی زمانہ میں تشریف لائے اور انہی ایام کے لگ بھگ سلطان سخی سرور نے فروغ پایا۔ جن کے والد بخارا سے آکر ضلع ملتان کے قصبہ سرکوٹ (سرورکوٹ) میں آباد ہوئے تھے۔

ان مقدس ہستیوں اور ان کے بیشمار رفقائے کار نے اس علاقہ کے ہندوؤں میں اسلام پھیلانے کا بیڑا اٹھایا اور یہ ان بزرگوں کی تلقین اور ان کے اثر کا نتیجہ تھا نہ کہ کسی بادشاہ کی تیغ آزمائی کا نتیجہ کہ اب مغربی پنجاب کے باشندے مسلمان ہیں۔ ابتدا میں مسلمانوں نے اشاعتِ اسلام سے جو سرد مہری برتی تھی وہ منگولوں اور مسلمانوں کی کشمکش میں پیدا ہوئی جواب جاتی رہی۔ اب ایک بادشاہ کے مقبرے میں ایک مذہبی بزرگ (حضرت رکن عالم) کو جگہ ملی اور اس زمانہ سے ملتان کی ان مقدس ہستیوں اور مقدس مقامات کا آغاز ہوا جن کی بدولت ملتان کو تمام اسلامی دنیا میں غیر معمولی شہرت حاصل ہے۔"

اِس رپورٹ کے مطابق ملتان منٹگمری (حال ساہیوال) اور جھنگ (سیالاں) کے راجپوت بکثرت حضرت بابا فرید شکر گنج کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، نون مخدوم جہانیاں کے ہاتھ پر ایمان لائے، جو یہ راجپوتوں کو حضرت رکن عالمؒ نے مسلمان بنایا۔

خونی برج کا مورچہ

ممتاز شخصیات
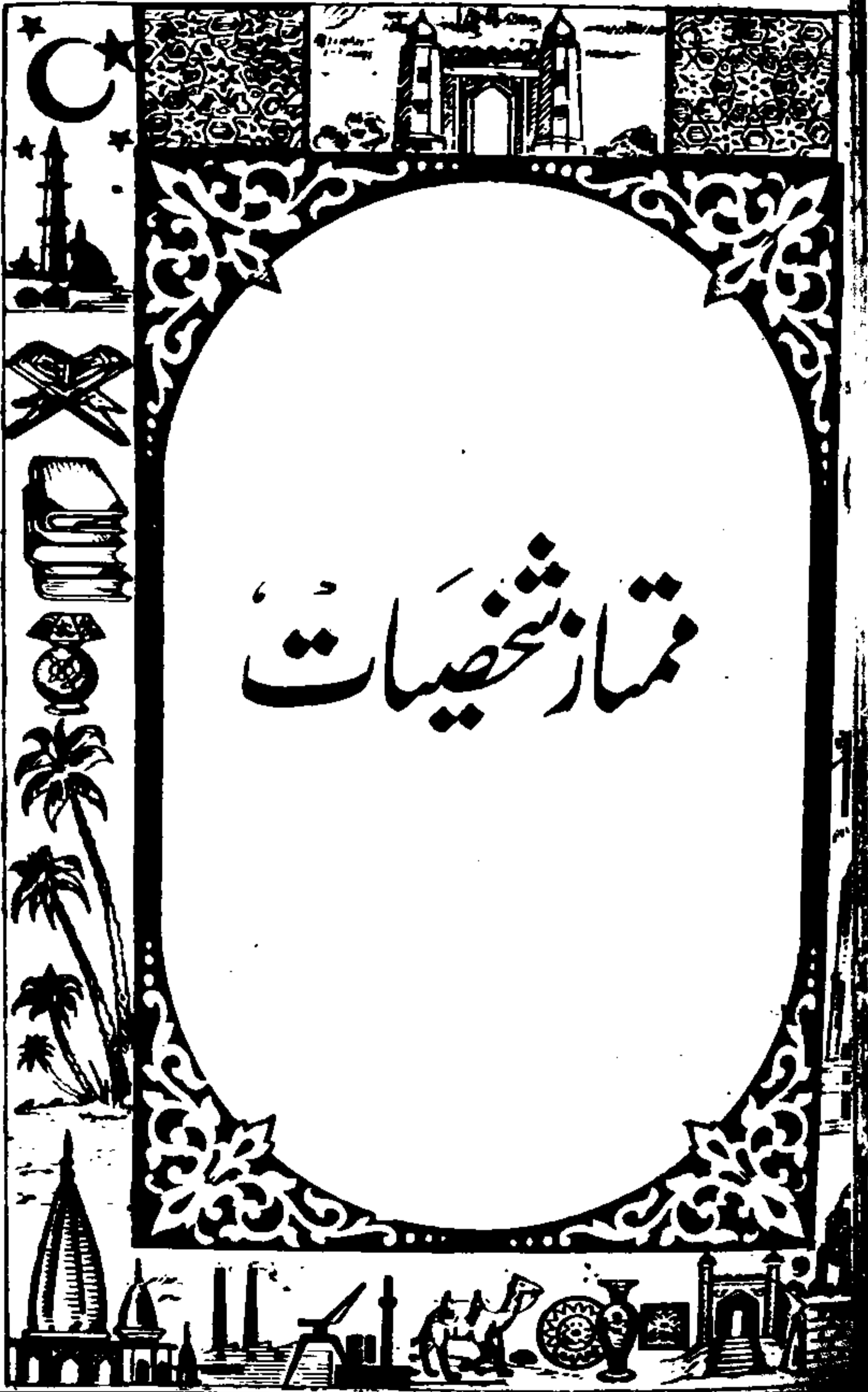
عبداللہ ہارُون مُلتانی

ساتویں صدی ہجری تک کے "رجال السند والہند" میں ملتان کے پانچ مشاہیر کا ذکر آیا ہے (۱) محمد بن زکریا شیخ الاسلام قریشی اسدی ملتانی (۲) شیخ حسام الدین ملتانی متوفی ۶۸۱ھ (۳) حکیم شرف الدین ملتانی (۴) امیر ملتان منبہ بن اسد (۵) ہارون بن موسےٰ شاعر۔

عبداللہ ہارُون دوسری صدی ہجری میں ہندوستان کا سب سے بلند پایہ عربی شاعر گزرا ہے یہ بنی ازد کا غلام تھا عرب کے مشہور شاعر کمیت سے اُسکے دوستانہ تعلقات تھے جو اُس کے بلند مرتبہ شاعر ہونے پر شاہد ہیں۔ حافظ نے بھی اپنی کتاب "الحیوان" میں اس کو ملتان کا سب سے بڑا شاعر قرار دیا ہے"۔

یہ ماہرانہ انداز میں عربی اشعار کہتا تھا۔ اُس کا کلام شعروادب میں بقائے دوام کا درجہ رکھتا تھا۔ عربی زبان کا یہ پہلا اور آخری ملتانی قادرالکلام شاعر تھا، اپنی قوم میں اس کی امارت، قیادت، اور سیادت مسلّم تھی، خود اس کا اپنا علاقہ اور قلعہ تھا اور اس کا اپنا ایک بہت بڑا حلقہ تھا۔

یہ صرف شاعر ہی نہ تھا، بڑا بہادر اور مرد میدان بھی تھا، ایک مرتبہ ایک ہندی راجہ نے مُلتان پر حملہ کر دیا۔ اس کی فوج کے ساتھ ایک ہاتھی تھا جس کی سونڈ سے تلوار بندھی ہوئی تھی وہ تلوار گھما گھما کر لوگوں پر حملے کر رہا تھا۔ جس کی وجہ سے کسی کو اُس کا مُقابلہ کرنے کی ہمت و جرأت نہ ہو رہی تھی۔ ہارُون نے فیلبان کی نظر بچا کر

بڑی پھرتی سے ایک ایسی جست لگائی کہ ہاتھی کے وار کرنے سے پہلے وہ اس کے سینہ سے پٹ گیا پھر دونوں پاؤں نیچے لٹکا دیئے اور بڑی بہادری سے موقعہ ملتے ہی ہاتھی کے دانت کو مضبوطی سے پکڑ کر اتنے زور سے کھینچا کہ وہ اکھڑ گیا۔ دانت ہارون کے ہاتھ میں رہ گیا اور ہاتھی بھاگ نکلا جس سے اُس کے لشکر میں ابتری پھیل گئی اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

ہارون نے اس واقعہ پر بڑی شان اور فخر سے ایک طویل نظم لکھی جس کا مطلع یہ تھا ؎

مشیت الیہ رادعًا متمہلاً
وقد وصلوا خرطومہ بحسامہ

یعنی میں اطمینان سے دھیرے دھیرے ہاتھی کی طرف چلا۔ حالانکہ اُنہوں نے اُس کی سونڈ میں تلوار بھی تھما رکھی تھی۔

یہ پورا قصیدہ مروج الذہب میں مسعودی نے نقل کیا ہے۔

عینُ الملک مُلتانی

فخرِ ملتان عبداللہ ماہرو عہدِ تغلقیہ کا ایک درخشندہ ستارہ تھا۔ عین الملک اسکا خطاب تھا۔ تواریخ کے صفحات میں اس کا ذکر ان ملکی خدمات کی بنا پر آتا ہے جن کا ذکر برنی، شمس سراج عفیف اور ابنِ بطوطہ نے کیا ہے۔ یہ ملتان میں پیدا ہوا یہیں تعلیم و تربیت پانے کے بعد اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر شاہی دربار تک رسائی حاصل کرلی۔ یہ سُلطان علاؤالدین خلجی کا نوجوان مشیر اور ملتان کا جاگیردار تھا۔ اور بہت بڑا ادیب اور مصنف بھی!

"تاریخ نے اسے مرنے نہیں دیا۔ لیکن بقائے دوام کا تمغہ اسے اپنی ان تصانیف کی بدولت ملا۔ جن میں سے اکثر ضائع ہو گئیں اُس نے محمد تغلق اور فیروز تغلق کے عہد میں کئی کتابیں لکھیں، سلطنت کے سب سے بڑے امیر الغ بیگ کے سیکرٹری کی حیثیت سے اُس نے جو فرامین اور مراسلات لکھے، ان کا مجموعہ "ترسیلاتِ عین الملکی" کے نام سے مشہور ہوا۔ اور علی گڑھ کے پروفیسر شیخ عبدالرشید نے اسے "انشائے ماہرو" کے نام سے شائع کیا جو معاصرانہ معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے۔

"آبِ کوثر" میں آپ کا ذکرِ خیر ان الفاظ میں آیا ہے:۔

"سب سے پہلے نوجوان عین الملک مُلتانی سے ہم اتھنبور کے قلعے کے باہر اس خاص شاہی مجلسِ مشاورت میں دو چار ہوتے ہیں جو علاؤالدین خلجی نے ملکی بغاوتوں کی روک تھام کے لئے تجاویز مرتب کرنے کے لئے منعقد کی۔ اور جس

میں فقط وہی خاص خاص مشیر طلب کئے گئے جن میں سے بقول برنی ہر کوئی بزر جمہر وقت اور ارسطوئے زمانہ تھا۔ سلطان نے ان سب کو اپنے سامنے بٹھایا اور ملکی بدانتظامی کے متعلق اُن کی رائے طلب کی۔ کئی روز کے صلاح و مشورہ کے بعد تجاویز مرتب ہوئیں جنہیں بادشاہ نے عملی جامہ پہنایا اور ملکی بدانتظامی کا سدِ باب کیا

نوجوان عین الملک کی خاص مجلس مشاورت میں بڑے بوڑھوں کیساتھ شمولیت ہی اِس بات کی دلیل ہے کہ اس نے جلد اپنی علمی اور عقلی قابلیت کی بنا پر نام پیدا کرلیا تھا۔ عفیف اس کے فرامین و مراسلات کے متعلق جو وہ امیر الغ خان کے دبیر کی حیثیت سے لکھتا رہا۔ کہتا ہے کہ وہ کثرت سے پڑھے جاتے تھے اور بڑے احترام سے دیکھے جاتے تھے۔"

سلطان علاؤالدین نے ۱۲۰۵ء میں خود عین الملک کو وسطی ہند کی طرف بھیجا۔ جہاں اُس نے اجین، چاندیری، مانڈو کے قلعوں کو فتح کرکے مالوہ اور وسطی ہندوستان کی خود مختار ریاستوں کو دہلی کا محکوم بنایا۔ سلطان قطب الدین مبارک کے وقت یہ دولت آباد کا گورنر اور گجرات کا فاتح بنا۔ اور سلطنت کے باعزت امرا میں اس کا شمار ہُوا۔ تغلق شاہی دور میں وہ ہمیشہ سربلند رہا نیز فیروز تغلق کے زمانہ میں وہ مشرف الممالک رہا۔ اور اسے ملتان، بھکر اور سیوستان کی جاگیر ملی اور مشرف الممالک کی حیثیت سے ۱۳۶۲ء کے بعد فوت ہُوا۔

احمد خان کھرل

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں تین طبقے انگریزوں کے معین و معاون بنے۔
(۱) نمک خوار یعنی وہ لوگ جو انگریزی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے اور اُن کے زیردست
بیرے، خانسامے، سقّے، دھوبی، نائی، فیل بان وغیرہ۔
(۲) اقتدار پرست طبقہ جسے مُلک کے سُود و زیاں سے زیادہ اپنی عزّ و جاہ، اختیار
و اقتدار اور ذاتی اغراض و مقاصد عزیز تھے، جیسے ریاست ہائے جیند، نابھہ، پٹیالہ
اور راجپوتانہ کی ریاستوں کے راجے مہاراجے۔
(۳) موقعہ پرست لوگ جو نسلاً بعد نسلاً چڑھتے سُورج کو سلام کرنے اور اس کا
ساتھ دینے میں اپنی اور اپنے خاندان کی بہتری سمجھتے تھے۔

جنگِ آزادی کے دنوں میں ملتان ڈویژن میں جہاں گیلانی، گردیزی، قریشی،
خاکوانی اور بادوزئی امرا و رؤسا انگریزوں کی مددؔ کر رہے تھے، وہاں بعض اقوام
خودمختاری کے خواب بھی دیکھ رہی تھیں، ان کے علاوہ ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو
اتنک علانیہ شہنشاہِ دہلی کی وفاداری اور حمایت کا نہ صرف دم بھر رہا تھا۔ بلکہ
انگریزوں کے مقابلہ کیلئے میدان میں نکل آیا تھا۔ اس گروہ کا سربراہ احمد خان کھرل
تھا۔ اس بہادر نے سب سے پہلے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ۲۶ رجولائی کو گوگیرہ
جیل توڑ کر اُن حریت پسندوں کو آزاد کرایا۔ جن کو انگریزوں نے قید کر رکھا تھا۔

لہ اس کی تفصیل "انگریزی دور" میں امرا کے رویہ کے زیر عنوان ملاحظہ فرمائیں۔

۷ار ستمبر کو لاہور اور ملتان کے درمیان ڈاک روک کر سلسلۂ مخابرات منقطع کر دیا۔ اس نے دوسرے قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر انگریزوں کو اتنا پریشان کیا کہ وہ توپیں لئے ان کی سرکوبی کے لئے جنگلوں کی جانب خاک چھانتے رہے۔ آخر تنگ آ کر ۱۲ جنوری کو اُس کے مقابلہ کے لئے خاصی بڑی فوج اعلیٰ ساز و سامان کے ساتھ بھیجی گئی۔ احمد خان اور اُس کے ساتھیوں نے اس پر خوب آتشباری کی جس سے انگریز کی فوج کا رسالدار مارا گیا اور اُس کے ساتھی گھوڑوں سے گر کر ہلاک ہو گئے۔ اس سے انگریزی فوج میں سخت افراتفری پھیل گئی۔

انگریزوں سے احمد خان کھرل کا آخری معرکہ نالے پر ہوا۔ احمد خان اور اُس کی جمعیت نے مردانہ وار فرنگیوں کا مقابلہ کیا اِس معرکہ میں اُس نے جان دے دی مگر آن نہ دی۔ اِس جنگِ آزادی میں نہ صرف احمد خان نے جامِ شہادت نوش کیا۔ بلکہ اس کے بھتیجہ مُراد اور کھرل قبیلہ کے ایک اور سردار سارنگ نے بھی اپنی جان مُلک کی آن پر قربان کر دی۔

اِس طرح آزادی کے اِن پروانوں نے ملتان ڈویژن کی لاج رکھ لی۔

سعید خان قریشی ملتانی

سعید خان قریشی ۱۰۲۲ھ مطابق ۱۶۱۳ء میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے دور کے نامور شعراء میں سے تھے۔ آپ صرف شاعر ہی نہ تھے، انتظامی قابلیت و صلاحیت کے بھی مالک تھے۔ جس کی بدولت آپ کو شاہانِ مغلیہ کے درباروں تک رسائی نصیب ہوئی۔

آپ کی دیانت، امانت اور خدمت سے متاثر ہو کر شاہجہان نے آپ کو شاہزادہ مراد بخش کی رہنمائی کے لئے گجرات بھیجدیا۔ وہاں کے عمائدینِ دربار کو آپ کی آمد ناگوار گزری اور انہوں نے ایسے نامساعد حالات پیدا کر دیئے کہ آپ زیادہ دیر وہاں نہ ٹھہر سکے اور دارالسلطنت میں واپس آ گئے۔ آپ کی حسن کارکردگی اور نیک نیتی اظہر من الشمس تھی اور اس سے اورنگ زیب عالمگیر بھی بے خبر نہ تھا۔ اس لئے شہنشاہ عالمگیر نے تخت نشین ہوتے ہی سعید خان قریشی کو ملتان کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس طرح آپ واپس ملتان پہنچ گئے۔

آپ بڑے کہنہ مشق شاعر تھے، آپ کے ہاں آورد سے زیادہ آمد تھی آپ کا اکثر کلام انقلاباتِ زمانہ کی نذر ہو گیا، ایک کلیات کسی طرح بچ گئی، جو پہلی مرتبہ آپ کے قیام گجرات کے دوران ۱۰۶۳ھ بمطابق ۱۶۵۳ء میں شائع ہوئی تھی، اس کے بعد اس کی اشاعت کی نوبت نہ آئی، حالانکہ آپ کی اخیر عمر تک اس کتاب کی دوبارہ اشاعت کا تقاضا ہوتا رہا۔

آپ کی کلیات کے مذکورہ بالا مطبوعہ نسخہ کا ذکر ڈاکٹر پروفیسر مولوی محمد شفیع سابق صدر دائرۃ المعارف پنجاب یونیورسٹی لاہور کی فہرست مخطوطات فارسی میں موجود ہے اور یہ نسخہ بھی اُن کے کتب خانہ میں موجود تھا جس پر اس کی تحریر سال ۱۱۲۸ھ مطابق ۱۷۱۶ء درج ہے اور اس کا حجم ۲۴۶ صفحات ہے۔

یہ کلیات سعید خان قریشی کے قصائد، غزلیات، قطعات، ترکیب بند، ترجیع بند، رباعیات، ساقی نامہ، قطعاتِ تاریخ اور مکاتیب پر مشتمل ہے، اس کلیات کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے۔

آغاز اے باہمہ صفات بروں از حسابہا
ذاتت منزہ از اثر انقلاب ہا
جز وحدتِ وجود تو حرفی نیافتم
خواندیم از جمیع مذاہب کتاب ہا

اور اس کا اختتام اِن اشعار پر ہوا۔

شکر صد شکر سعید اکہ بنعمت،
یافتی مرتبہ حسّانی،
پیرو شیخ عراقی شدہ ای،
زاں باقلیم سخن خاقانی۔

آپ نے ماہِ رمضان ۱۰۸۷ھ مطابق ۱۶۷۶ء ملتان میں وفات پائی۔

صالح محمد کنبوہ ملتانی

آپ گیارھویں صدی ہجری مطابق سترھویں صدی عیسوی کے مشہور صاحب قلم تھے۔ آپ کی تصانیف سے "بہارِ سخن" مولانا محمد شفیع صدر دائرۃ المعارف پنجاب یونیورسٹی کے قلمی کتب خانہ میں موجود ہے اور اسکی مندرجہ ذیل تفصیل اُن کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں درج ہے۔ اس کا سالِ تصنیف ۱۰۶۵ھ مطابق ۱۶۵۵ء درج ہے۔

یہ کتاب چار حصص پر مشتمل ہے۔ "بہارِ سخن" کی نسبت سے ہر حصہ کا نام چمن رکھا گیا ہے۔ اس کی حصہ وار تفصیل درج ذیل ہے۔

چمن اوّل میں حمد و نعت و منقبت، شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر کی طرف سے شاہانِ ایران و توران کے نام مراسلت و شاہزادگان کے نام خطوط درج ہیں۔

چمن دوم میں وہ رقعات و مکتوبات موجود ہیں جو خود مصنف نے اپنے عزیز دل اور بزرگوں کو لکھے یا امیر خسرو کے نام تحریر کئے۔

چمن سوم میں شاہجہان آباد، نہر کوثر و حوض ہائے لاہور، اکبر آباد اور کشمیر وغیرہ کی تعریف و توصیف درج ہے اور شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی تخت نشینی کے احوال تحریر ہیں کیونکہ اس زمانہ میں آپ شاہجہان کے دربار میں میرمنشی کے عہدہ پر فائز تھے۔

چمن چہارم میں دیوان ابوالفیض فیضی، تذکرہ مینہ، دیوان سعید خان قریشی ملتانی کے وہ دیباچے جو محمد صالح نے لکھے۔ ان کے علاوہ اس میں عنایت نامے اور بادشاہ نامہ کا موصوف کا لکھا ہوا دیباچہ بھی شامل ہے۔

علمی اور ادبی لحاظ سے یہ بہت بلند پایہ مجموعہ ہے۔ جس نے فاضل مصنّف کو علمی دُنیا میں زندہ رکھا۔

ان کے مضامین کی فہرست سے عیاں ہے کہ یہ بھی اپنے وقت میں شاہانِ مغلیہ کے درباروں سے منسلک رہے ہیں۔

مصنف کی حیثیت سے آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔ آپ کی ایک دُوسری عظیم تصنیف "عمل صالح" ہے اس میں شاہجہان کی پیدائش سے لے کر قیدو وفات تک کے اہم ترین حالات درج ہیں، جنہوں نے اس کتاب کو شاہجہانی دور کی تاریخ کا ایک ایسا ماخذ بنا دیا ہے، جسے کوئی مورخ نظر انداز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اکثر واقعات مصنف کے چشم دید ہیں، فارسی نثر میں یہ کتاب شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے، یہ کتاب ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے شائع کی تھی اس کا قلمی نسخہ پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے، جس کے اختتام پر یہ عبارت تحریر ہے "ختم شد نسخہ عمل صالح من تصنیف جامع الکمالات صوری و معنوی میاں محمد صالح سلم اللہ تعالیٰ روز یک شنبہ تاریخ لبست و ہفتم، صفر سنہ جلوس والا مطابق ۱۱۲۰ھ"۔

محمد سعید اعجاز ملتانی

آپ مرزا عبدالقادر بیدل اور ناصر علی سرہندی کے ہم عصر تھے۔ آپ نے شعر و سخن کی اصلاح شیخ عبدالعزیز اکبر الٰہ آبادی سے لی۔ آپ کا کلام جودتِ طبع، متین کلامی اور دقتِ نظر کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ کی یادگار ایک دیوان اور مثنوی ہے۔

تاریخ ادبیاتِ فارسی میں آپ کا تذکرہ محفوظ ہے۔ آپ نے ۱۷۰۵ء میں وفات پائی۔
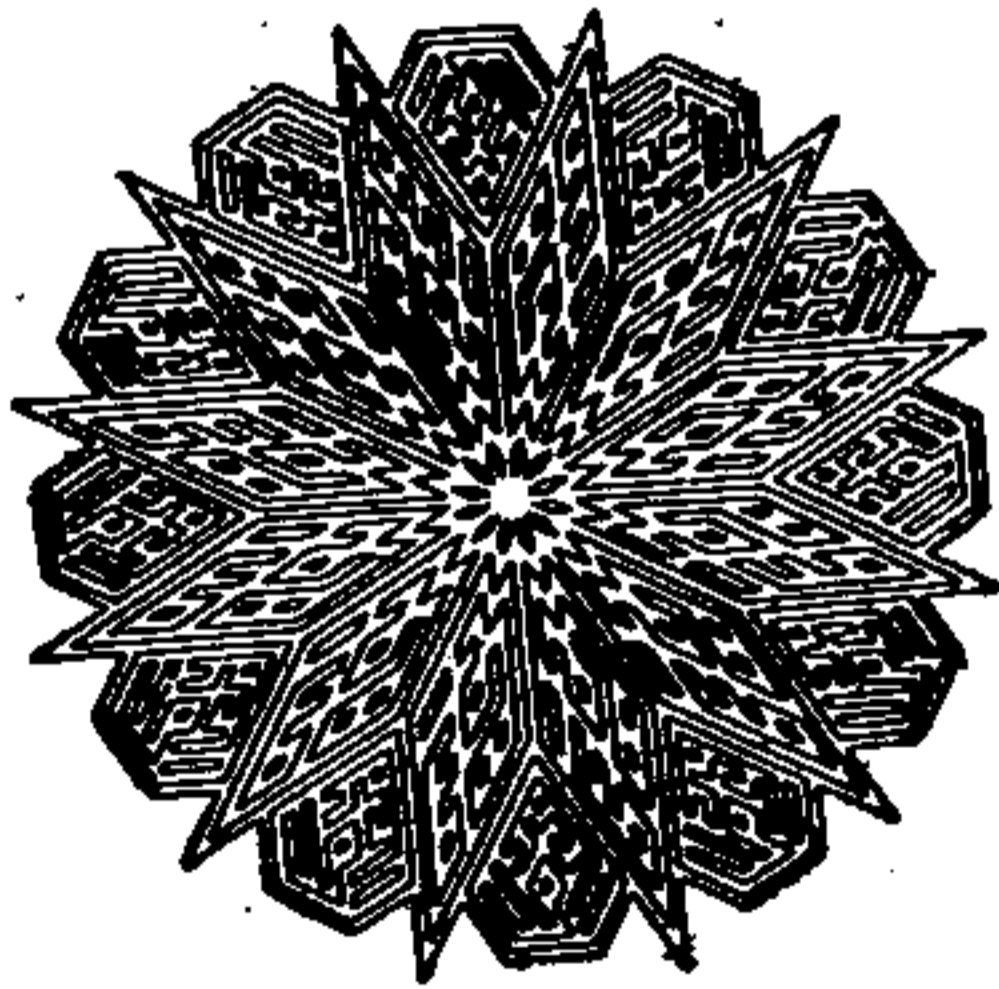
آمد و رفتِ مشاہیر

حکمران

قدیم ہندوستانی اہلِ علم کو تاریخ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے عہدِ قدیم کی تاریخ پر بہت کم کتابیں ملتی ہیں۔ ذات پات کی تمیز کے دور کے آغاز میں علم و حکمت کے سرچشمہ پر برہمن براجمان ہو گئے۔ وہ چاہتے تو بآسانی اپنے اور پہلے دور کے تاریخی واقعات کی چھان بین کر کے انہیں قلمبند کر سکتے تھے لیکن انہیں مذہبی روایات و رسومات نے اتنا اُلجھائے رکھا کہ وہ اس طرف کوئی توجہ نہ دے سکے۔

ملک کے واقعات کا اگرچہ تاریخ وار سلسلہ ۶۵۰ ق م سے شروع ہو جاتا ہے لیکن ۳۲۶ ق م تک کے اس سوا تین سو سال کے عرصہ کی کڑیاں بعض مقامات پر ٹوٹ جاتی ہیں اور اُن میں وہ تسلسل قائم نہیں رہتا جس کی تاریخی نقطہ نظر سے ضرورت تھی۔ البتہ سکندرِ اعظم کے حملہ سے تاریخی حقائق میں کا تسلسل قائم ہو جاتا ہے۔ اس سے قبل کے حکمرانوں کا عہدِ حکومت معلوم کرنا ہنوز تحقیق طلب ہے۔

البتہ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ برِعظیم ہند و پاک کی دولت کی کشش کے تحت باہر سے آنے والے آریوں، ایرانیوں، یونانیوں، عربوں، ترکوں اور تاتاریوں سے قبل یہاں کول، بھیل اور گونڈ آباد تھے جو دراوڑوں کی مختلف شاخیں تھیں۔ آریوں کی آمد سے قبل یہی لوگ تمام ہندوستان میں آباد تھے، یہی ہند و پاک کے اصلی اور قدیم باشندے تھے، اب بھی برِعظیم ہند و پاک کی آبادی کا پانچواں حصہ انہی لوگوں پر مشتمل ہے، آریوں کی آمد سے لے کر انگریزوں کے جانے

تک مُلتان پر مندرجہ ذیل اقوام کا تسلط رہا۔

آریہ اقتدار	۲۰۰۰ سال	اسلامی عہد	۱۰۰۰ سال
انگریزی راج	۱۰۰ سال	سکھا شاہی	۳۰ سال

اسلامی دور میں مُلتان ان خاندانوں کے زیر اقتدار رہا۔

بنو منبتہ	۲۰۰ سال	مغل	۲۰۰ سال
بنو سامہ	۱۰۰ سال	خاندانِ غلامان	۸۴ سال
لودھی	۷۵ سال	لنگاہ	۷۰ سال
تغلق	۶۷ سال	غوری	۶۲ سال
سدوزئی پٹھان	۶۰ سال	سادات	۳۸ سال
خلجی	۳۰ سال	سوری	۵ سال

ان ادوار میں مُلتان کو کم و بیش ایک سو مرتبہ مختلف حکمرانوں نے تاخت و تاراج کیا۔

سیّاحان

ملتان کی عظمت اور شہرت کی بدولت ہر دور میں یہاں نامور مؤرخین اور سیاحوں کی آمد و رفت جاری رہی۔ ملتان میں سب سے پہلا سیاح میگس تھینیز یونان سے ۴۰۰ سال قبل مسیح چندر گپت کے زمانہ میں ملتان آیا۔ چندر گپت موریہ سے یونانی فرمانروا سلوکس کی لڑکی کی شادی کے بعد یہ اس کے دربار میں مدتوں سفیر رہا اور ہندوستان پر مشہور و معروف کتاب "انڈیکا" لکھی۔

زمانہ قدیم کے ہند و چین کے تعلقات کے دوران چینی مؤرخین اور سیاحوں کی آمد و رفت کا طویل سلسلہ جاری رہا۔ جو ڈاکٹر وی۔ اے سمتھ کے قول کے مطابق "تاریخ کے تعین میں زیادہ صحت سے کام لیتے تھے۔ اس لئے قابلِ قدر سمجھے جاتے تھے"۔ چینی زائرین کی پہلی جماعت فاہیان کی زیر قیادت ۳۹۹ء میں ہندوستان پہنچی۔ فاہیان نے یہاں پندرہ سال سیر و سیاحت کی۔ اس عرصہ میں وہ ملتان بھی آیا۔ اُس نے سیاحت ہند کے نہایت دلچسپ اور قابلِ قدر حالات لکھے۔

فاہیان سے قریباً دو سو سال بعد زائرین کا شہزادہ ہیون تسانگ یہاں وارد ہوا۔ وہ ۶۴۱ء میں ملتان آیا۔ اُسے بُدھ مت کے عالم ہونے کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل ہوئی اور "مغربی دُنیا کے حالات" کے نام سے اپنا سفرنامہ لکھا جو اُس وقت کے متحدہ ہندوستان کے صحیح حالات کا بہترین ذخیرہ ہے اس عہد کے سیاسی مذہبی اور معاشرتی آئین و قوانین کے علاوہ اِس کتاب میں قدیم روایات کو بھی درج

کرکے محفوظ کر دیا گیا۔ ورنہ وہ ضرور ضائع ہو جاتیں۔

اس کے بعد ساتویں صدی عیسوی میں چینی سیاح آئی سنگ ۶۷۳ء سے ۶۹۵ء تک یہاں مصروفِ سیاحت رہا۔ ان چینی سیاحوں کے سفرنامے قدیم تاریخ کے بہترین ماخذ ہیں۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل سیاح ملتان آتے رہے۔

۱۔ بلاذری	۸۸۳	عیسوی	۲۔ ابوزید سیرافی	۸۸۶	عیسوی
۳۔ ابن رستہ	۹۰۲	"	۴۔ ابوالقاسم خرداذبہ	۹۱۲	"
۵۔ مسعودی	۹۱۵		۶۔ ابن مہلل	۹۴۱	"
۷۔ اصطخری	۹۵۱	"	۸۔ البیرونی	۹۷۰	"
۹۔ ابنِ حوقل	۹۷۶	"	۱۰۔ ابنِ ندیم	۹۸۰	"
۱۱۔ بشاری مقدسی	۹۸۵	"	۱۲۔ الادریسی	۱۱۰۲	"
۱۳۔ قزوینی	۱۲۱۵	"	۱۴۔ ابن بطوطہ	۱۳۳۴	"
۱۵۔ سٹل اینڈ گرو تھر	۱۶۱۴	"	۱۶۔ ٹے ورنر	۱۶۷۶	"
۱۷۔ تھیوونٹ (فرانیسی)	۱۶۸۷	"	۱۸۔ انفنسٹن	۱۸۰۸	"
۱۹۔ میسن	۱۸۲۷	"	۲۰۔ کننگھم	۱۸۵۳	"

اِن کی تاریخیں اور سفرنامے ہی ہندو پاک کی قدیم تاریخ کی اساس ہیں۔

بزرگانؒ

سرزمینِ ملتان کو مختلف وقتوں میں مندرجہ ذیل بزرگانِ دین نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا اور اپنے قیام سے مشرف فرمایا۔

خواجہ معین الدین چشتی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری جب رشد و ہدایت کے لئے عازم ہندوستان ہوئے تو سب سے پہلے لاہور آئے، جہاں حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر دو ماہ کی چلہ کشی کی بعد میں ملتان تشریف لائے، یہاں آپ نے پانچ سال قیام فرمایا اور اس دوران میں آپ نے یہاں ہندوستانی زبان میں مہارت تامہ حاصل کی۔ اور پھر دہلی اور دہلی سے اجمیر تشریف لے گئے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی آپ نے بغداد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے بیعت کر کے خرقہ خلافت حاصل کیا جب خواجہ اجمیری ہندوستان چلے آئے تو آپ نے بھی ہندوستان کا رُخ کیا اور ملتان میں شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ بہاؤ الدین زکریا کے مہمان رہے۔

بابا فرید شکر گنجؒ آپ اہل اللہ میں سے تھے آپ اُن ایام میں ملتان تشریف لائے جبکہ سلطان محمد تغلق ملتان میں مقیم تھا۔ سلطان نے آپ کی بڑی خاطر و مدارات کی، ملتان کے قیام و مدرسہ کی پیش کش کی۔ جو آپ نے منظور نہ کی اور کچھ عرصہ بعد واپس تشریف لے گئے۔

شیخ فخر الدین عراقی آپ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے بھانجے تھے بسلسلہ سیر دسیاحت ملتان آئے حضرت بہاؤالدین زکریاؒ آپکے کلام سے بہت متاثر ہوئے، شیخ کے تعلق کی وجہ سے آپ کی بڑی خاطر ومدارات کی اور اپنی دُختر نیک اختر انہیں بیاہ دی۔ عراقی پچیس سال ملتان میں گزارنے کے بعد بلادِ رُوم کو واپس چلے گئے۔

شیخ رُکن الدین فردوسیؒ آپ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے پیر کے پیر تھے، دہلی سے شیخ صدر الدین عارفؒ کو ملنے کے لئے ملتان تشریف لائے اور کچھ روز یہاں قیام کیا۔ آپ کی شیخ موصوف نے شاہانہ طریق پر دعوت کی۔

شیخ علی تقی بُرہانپوری آپ دسویں صدی ہجری کے باکمال محدث تھے۔ راہِ طریقت کی چند مشکلات کا حل تلاش کرنے کے لئے ملتان تشریف لائے۔ اور دو سال تک شیخ حسام الدین ملتانی کی صحبت میں رہ کر فیضیاب ہوئے۔

شیخ عثمان ترمذی آپ اہل اللہ میں سے تھے، آپ ان ایام میں ملتان تشریف لائے، جبکہ سُلطان محمد تغلق ملتان میں مقیم تھا۔ سُلطان نے آپ کی بڑی خاطر داری کی، ملتان کے قیام و مدرسہ کی پیشکش کی۔ جو آپ نے منظور نہ کی اور کچھ عرصہ بعد واپس تشریف لے گئے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ حضرت مُوسیٰ پاک شہیدؒ کے مُریدانِ خاص میں سے تھے، آپ نے ملتان میں رہ کر علم حدیث پھیلایا۔

امیر خسرو

غیاث الدین بلبن نے عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد سنہ ۱۲۷۰ء میں اپنے بیٹے شہزادہ محمد سلطان کو ملتان کا گورنر مقرر کیا۔ اس زمانہ میں بھی ملتان بہت بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ مغلوں کے حملوں کی روک تھام کے لئے فوج کا ایک بہت بڑا دستہ سرحدی حفاظت کے لئے ملتان رہا کرتا تھا ایران اور ترکستان سے جو تجارتی مال آتا جاتا تھا اسکی بھی حفاظت کی جاتی تھی۔ اور تاجر حفاظتِ مال کیلئے حاکم ملتان سے فوجی مدد حاصل کرتے تھے اس آمد و رفت کی وجہ سے شہزادہ محمد سلطان کی علم دوستی اور قدر دانی کا شہرہ سن کر دور دراز سے ادیب اور شاعر دربارِ ملتان میں جمع ہو گئے تھے، نامور مؤرخ برنی بھی اِن دنوں ملتان میں آ گیا تھا۔

شاہزادہ محمد سلطان دہلی سے آتے وقت امیر خسرو اور اس کے دوست اور اس وقت کے سب سے زیادہ مشہور غزل گو امیر حسن سنجری دہلوی اور سعدی شیرازی کے بھائی قاضی حمید الدین و دیگر علماء و شعرا کا دبستان بھی اپنے ہمراہ ملتان لایا تھا۔ اس لئے اس کے دور میں امیر خسرو کے ہم عصر ہم مشرب اور ہم مسلک لوگ دربار میں موجود تھے اس کے علاوہ شہزادہ نے امیر خسرو کی دلجوئی اور خوشنودی کے لئے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی جس کی بدولت امیر خسرو نے ملتان میں اپنی زندگی کے پانچ سال گزار دیئے اور آخری وقت تک شہزادہ کے ساتھ رہے۔

شہزادہ محمد سلطان کے زمانہ میں بھی ہلاکو خان کا پوتا ارغون خان ایران کے حکمران تمر خان کے ہمراہ بیس ہزار سواروں سے ملتان پر حملہ آور ہوا۔ وہ دیپالپور کو فتح کرنے کے بعد لاہور کو غارت کرتا ہوا جب ملتان پہنچا تو شہزادہ محمد سلطان نے اس کا مقابلہ کیا اور اُسے شکستِ فاش دی۔ اتنے میں ظہر کی نماز کا وقت آگیا۔ دربارِ الٰہی میں حاضری کے لئے شہزادہ پانچسو آدمیوں کے ہمراہ ایک تالاب کے کنارے نماز پڑھنے میں مشغول ہوگیا۔ جبکہ شہزادہ کی فوج تاتاریوں کا تعاقب کرنے میں مصروف تھی۔ اس موقعہ کو غنیمت جان کر تاتاریوں نے دو ہزار کی جمعیت سے اچانک عقب سے شہزادہ پر حالتِ نماز میں حملہ کر دیا۔ جس پر شہزادہ نے اپنی فوج جمع کئے بغیر نمازیوں کے ہمراہ تاتاریوں کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا کہ قضا کا ایک تیر سلطان کو ایسا آن لگا کہ وہ وہیں شہید ہو گئے۔

امیر خسرو اور حسن سنجری دونوں اس معرکہ میں شہزادہ کے ساتھ تھے۔ تاتاریوں نے ان دونوں کو گرفتار کیا اور اپنے ہمراہ بلخ لے جا کر ان کو دو سال کے لئے قید کر دیا۔ امیر خسرو نے یہ واقعہ بڑی تفصیل سے اپنی مثنوی میں لکھا ہے۔ جس کے دو شعر نمونتہً درج ذیل ہیں۔ ؎

واقعہ است این یا بلا از آسماں آمد پدید
آفت است این یا قیامت در جہاں آمد پدید
بسکہ آب چشم خلقے شد رواں در چار سو
پنج آبے دیگر اندر مولتاں آمد پدید

دہلی دروازہ کا مورچہ

تاریخی یادگاریں

بُتِ مُلتان

ملتان کی شہرت میں قدیم عہد کے آدیتہ دیوتا کے اس طلائی بت کا بہت بڑا حصہ ہے جس کی بدولت ملتان "بیت الذہب" یعنی سونے کا گھر کہلاتا تھا۔ کیونکہ ابوالقاسم خردادبہ کے بیان کے مطابق محمد بن قاسم کو یہاں صرف ایک گھر سے چالیس بھار سونا ملا تھا۔ ایک بھار سونا ۳۳۳ من کا ہوتا تھا۔ اس لئے محمد بن قاسم کے حاصل کردہ سونے کا وزن ۲۳،۹۷،۶۰۰ لاکھ مثقال کے برابر تھا۔

اصطخری لکھتا ہے کہ اس بُت کا نام "ملتان" تھا، یہ ملتان کے ایک شاندار محل میں موجود تھا جو ملتان کے ایک بہت بارونق مقام پر ٹھٹھروں اور ہاتھی دانت والے دکانداروں کے درمیان بڑے بازار میں واقع ہے۔ یہ مقام پرہلاد مندر کے قریب تھا ابوزید سرافی لکھتا ہے کہ اس بت کی زیارت کیلئے لوگ کئی کئی ماہ کا سفر طے کر کے آتے ہیں اور اپنے ساتھ مشہور عود ہندی (صندل) قامرونی لاتے ہیں اور مہنتوں کے حوالے کر دیتے ہیں بعض اقسام کی ایک من عود کی قیمت اس وقت (۲۶۳ھ میں) دو سو دینار ہوتی ہے۔ ان مہنتوں سے تاجر عود خرید لیتے ہیں۔

ابن رستہ (۹۰۲ء) کا بیان ہے کہ ملتان میں ایک بت ہے جو دو ہزار سال پہلے کا ہے یہاں سامہ بن لوی کی شاخ ابن منبہ کے خاندان سے ایک قوم اس پر حکمران ہے۔ ہندوستان کے راجے جب اس سے لڑنے آتے ہیں تو بھی ملتان سے اپنی فوج لے کر لڑنے کیلئے تیار ہو کر باہر نکلتے ہیں اور اپنی قوت و دولت کے

سبب اُن پر غالب آجاتے ہیں۔

مسعودی (۹۱۵ء) لکھتا ہے کہ "ملتان کی سرحدی اسلامی ریاست کے امیر کے پاس فوج اور دولت ہے ملتان کے تابع اس کے چاروں طرف ایک لاکھ بیس ہزار گاؤں شمار میں آتے ہیں۔ یہیں مشہور بُت خانہ ہے۔ امیرِ ملتان کی زیادہ آمدنی ان خوشبودار (صندل کی) لکڑیوں سے ہے جو دُور دراز سے اس بُت کیلئے بھیجی جاتی ہیں جب کبھی ہندو راجے ملتان پر حملہ آور ہوتے ہیں اور مُسلمان ان کے مقابلہ سے عاجز آجاتے ہیں تو دھمکی دیتے ہیں کہ ہم اس بُت کو توڑ دیں گے۔ اس پہ ہندو فوجیں واپس چلی جاتی ہیں قنوج اس وقت اسلامی سلطنت کے ماتحت ہے اور ملتان میں شامل ہے اور ابوالّلباب منبہ ابنِ اسد قریشی ملتان کا حاکم ہے۔"

ہندوستان کے لوگ اس بُت کو ایوب نبی کی تمثیل سمجھتے تھے اور بزعم خود یہاں حج کے لئے آتے تھے اور یہاں سر و داڑھی منڈواتے تھے۔ یہ بت بشکلِ انسان بنا ہوا تھا۔ اسی لئے محمد بن قاسم نے اسے انسان سمجھ کر اس کا سر اُڑانے کے لئے تلوار نکال لی تھی۔ یہ بُت سراپا سونے کا بنا ہوا تھا۔ نایاب جواہرات سے مرصّع اور قیمتی لباس میں ملبُوس تھا۔ اس مندر کے چاروں طرف سایہ دار درخت پھیلے ہوئے تھے۔ جن کے نیچے پُجاری آرام کرتے تھے۔

مندر پرہلاد

یہ مندر قلعہ کہنہ کی سطح مرتفع پر بنا ہوا ہے اسے خود پرہلاد بھگت نے بنوایا تھا
یہ ملتان میں ہندو عہد کی سب سے پرانی یادگار ہے جو خانقاہ حضرت بہاوالحق زکریاؒ
کے بالکل سامنے ہے۔ مندر کے نیچے زیر زمین کشادہ روشیں ہیں۔ مندر کے اندر
ایک مخروطی شکل کا ستون ہے۔ جس کے پہلو میں نرسنگھ اوتار کی مورتی رکھی جاتی تھی،
ماہ جیٹھ میں یہاں نرسنگھ چودس کا بہت بڑا میلہ لگتا تھا۔ جو ہندوؤں کا ایک تہوار تھا۔
پرہلاد بھگت کشپ کا بیٹا تھا جو خود کو خدا اور غیر فانی سمجھتا تھا۔ مگر بمصداق
ہر فرعونے را موسیٰ کشپ کے بیٹے پرہلاد نے اپنے باپ کا یہ دعویٰ تسلیم کرنے سے
انکار کر دیا۔ اُس نے توحید کی جوت جلانی شروع کر دی اور لوگوں کو خدائے واحد
کا قائل بنانے لگا۔ لڑکے کا یہ فعل باپ کو ناگوار گزرا۔ اُس نے پرہلاد کو سزا دینے کیلئے
اس مندر کے اندر سونے کا مخروطی ستون بنوایا اور اُس کو اندر سے خوب گرم کر کے
پرہلاد کو خدا پرستی کی سزا دینے کے لئے اس ستون کے اندر باندھ دیا۔ ہندو عقیدہ کے
مطابق نرسنگھ اوتار ظاہر ہوا۔ جس نے پرہلاد کو اس اذیت سے نجات دلانے کیلئے
اس ستون کو مٹی کے ستون میں بدل کر ٹھنڈا کر دیا اور کشپ کو قتل کر کے تخت و تاج
پر پرہلاد کو بٹھا دیا۔ اس زمانہ میں کشپ کی نسبت سے ملتان کشپ پورہ کہلاتا تھا۔
لیکن پرہلاد بھگت کے برسر اقتدار آنے کے بعد یہ پرہلاد پورہ کہلانے لگا۔
سر الیگزینڈر برنز جس زمانہ میں بطور سیاح ملتان آیا۔ اس زمانے میں مندر پر

کوئی چھت وغیرہ نہ تھی بنا ۱۸۱۰ئہ میں مندر کا کلس ہندوؤں نے چندہ کر کے اسطرح تعمیر کرایا کہ مندر کا کلس حضرت زکریاؒ کے مزار کے گنبد سے بھی اونچا کر دیا۔ جسے اردگرد کی خانقاہوں کے جانشینوں نے بُرا منایا ہندو مسلم تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ اور نوبت ہندو، مسلم بلوہ تک پہنچی۔ یہ مُلتان کا پہلا فرقہ وارانہ فساد تھا۔ بالآخر ہندوؤں کو بعد از خرابی بسیار مسلمانوں کے مطالبہ کے سامنے جھکنا پڑا۔ اور کلس خانقاہ کے قبہ سے نیچے کر دیا گیا۔

۱۸۵۳ئہ میں یہ مندر زیر استعمال نہیں تھا۔ بعد میں چندہ وغیرہ اکٹھا کر کے اس کی مُرمت کرائی گئی۔ ۱۸۴۸ئہ میں انگریزوں کی قلعہ پر بم باری اور قلعہ کے میگزین کے اُڑ جانے کی وجہ سے مندر کی عمارت کو جو صدمہ پہنچا۔ اُس نے عمارت کی حالت خستہ کر دی۔

ملتان کی ٹکسال کا سکہ

ہندو آثار

سُورج کنڈ یہ ہندوؤں کے اشنان (نہانے) کا متبرک تالاب شہر سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کا قطر ۲۳۲ فٹ اور گہرائی دس فٹ ہے، اس کی چار دیواری سکھوں کے عہد میں دیوان ساون مل نے بنوائی تھی۔ ہندو عقیدہ کے مطابق بھگت پرہلاد کو نجات دلانے کیلئے جب نرسنگھ اوتار اُترا تو اُس نے اس تالاب سے پانی پیا تھا یہاں آدیتہ دیوتا کی پرستش ہوتی تھی یہ ہندوؤں کا دُوسرا قدیمی آثار تھا۔

مندر تو تلاں مائی ہندوؤں کا تیسرا قدیمی آثار حرم دروازہ کے اندر مندر تو تلاں مائی ہے جو توتل دیوی کے نام سے منسوب ہے اورنگ زیب نے اس کی مُورتی کنوئیں میں پھنکوادی تھی۔ اس مندر کا پُجاری ماہر حکیم بھی تھا۔ اُس نے اورنگ زیب کے لڑکے کی بیماری کے دوران اُس کا علاج کیا جو صحتیاب ہوگیا اور انعام میں یہی مُورتی واپس مانگی جو واپس ملنے کے بعد دوبارہ مندر میں رکھ دی گئی۔ اس مندر کی مرمت ساون مل نے کرائی۔

مندر جوگ مایا ہندوؤں کا یہ چوتھا آثار ہے یہ ملتان کے ریلوے اسٹیشن کے قریب ابتدا چبوترہ کی شکل میں تھا۔ ساون مل نے اس پر مندر کی تعمیر شروع کرائی اور مولراج نے اس کی تکمیل کی، ہندو عقیدہ کے مُطابق نرسنگھ اوتار کے ہمراہ جو دیوتا اور دیویاں مُلتان پہنچی تھیں ان میں سے جوت مایا نے

یہاں قیام کیا تھا۔ یہاں ماہ چیت و اسوج میں نوراترہ کے میلے لگتے تھے۔

رام تیرتھ یہ ہندو دیوتا شری رام چندر کا استھان (تالاب) ہے جو بیرون دہلی دروازہ میلسی اور دنیا پور کی سڑکوں کے مقام اتصال پر واقع ہے۔ اس خام یادگار پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں تالاب اور مندر بنا بھادوں کے مہینہ میں یہاں پورنماشی کا میلہ لگتا تھا۔

مندر نرسنگھ پوری یہ مندر قلعہ کے اندر واقع تھا۔ اس لئے پوجاریوں کو حاکم وقت کی اجازت کے بغیر اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ان کی یہ تکلیف رفع کرنے کے لئے مندر پرہلاد پوری کے پجاری نے سبزی منڈی کے قریب ایک نیا مندر بنوا کر نرسنگھ اوتار کی مورتی اس میں رکھ دی جسے ایک خزانچی نے دس ہزار کی لاگت سے ایک پختہ اور شاندار مندر میں بدل دیا۔

دیگر آثار متذکرہ بالا ہندو آثار کے علاوہ بیرون دولت دروازہ سمادھ ساون مل، بیرون دہلی دروازہ گیان تھلہ (جس میں اب مدرسہ عربیہ خیر المدارس ہے) بازار چوڑی سرائے میں جین مندر اور چوک بازار میں مندر ہنومان جی تھا۔

یہ مندر ہندو مسلم فسادات کے زمانہ میں ہندوؤں کے دفاعی قلعوں میں بدل دیئے جاتے تھے جب ضرورت ان میں ناجائز اسلحہ جمع رہتا تھا جس سے مسلمانوں کے خون سے بوقت ضرورت ہولی کھیلی جاتی تھی۔ ان میں سرفہرست گیان تھلہ تھا۔

فرودگاہِ محمدؒ بن قاسم

جس زمین کے ٹکڑہ سے مجاہدینِ اسلام گزر جائیں وہ بلحاظِ اثر و تاثیر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوسری زمین سے ممتاز ہوجاتا ہے اِس پر قدم رکھتے ہی پاک طینت لوگ اس کے انوار اور ناقابلِ فراموش سکینت و طمانیت محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اور طبیعت کا قبض، بسط میں بدل جاتا ہے۔

سرزمینِ ملتان میں بھی شہر کے مغرب میں قاسم بیلہ کی تاریخی بستی سے کچھ فاصلہ پر وہ مبارک اور خوش نصیب ٹکڑہ زمین موجود ہے جس کو ۹۵ھ مطابق ۷۱۳ء میں اسلام کے سالارِ اعظم حضرت غازی محمد بن قاسم رحمۃ اللہ اور اُنکے رفقاء مجاہدین کی قدمبوسی کا شرف حاصل ہوا تھا اور جس پر قدم رکھنے کے بعد وہاں سے ہلنے کو دل نہیں چاہتا۔ حضرت اسدؔ ملتانی نے اس کے متعلق خوب کہا ہے

مایۂ ناز است بہرِ ایں زمین   نقشِ پائے ابنِ قاسم بر جبین

یہ ایک زرخیز خطۂ زمین تھا جہاں ایک دائرہ کی شکل میں مجاہدین نے خیمے لگائے، کھجوریں اُن کی خوراک کا جزوِ اعظم تھیں۔ اُنہوں نے اپنے خیموں میں جہاں جہاں گٹھلیاں پھینکیں، وہاں کھجوروں کے درخت اُگ آئے اور ایک ایسا نخلستان تیار ہوگیا جس پر شبہ کسی عرب خطہ کے نخلستان کا ہوتا تھا۔

۱۹۴۳ء میں راقم کے مصلح و قائدِ اعظم کے رُوحانی مربی جو درجہ میں ابدال تھے، ملتان پہنچنے کے بعد سیدھے فرودگاہِ محمد بن قاسمؒ پر تشریف لے گئے، اِس پاکیزہ

خطہ پر پہنچتے ہی اس کے انوار سے بہت متاثر ہوئے اور جوتے اُتار کر کھجوروں کے ایک کنول نما جھنڈ میں آیات جہاد سنتے سنتے چند لمحات کیلئے آبدیدہ حالت میں دُنیا ومافیہا سے بے خبر ہو گئے۔

۱۹۴۸ء میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور سرفراز رفیقی شہید کے والد بشیر احمد رفیقی راقم کے ہمراہ وہاں تشریف لے گئے، اس سرزمین کی اثر و تاثیر سے حضرت علامہ اتنے متاثر ہوئے کہ واپس جانے سے انکار کر دیا اور وہیں قیام کرنے اور بعد از مرگ یہیں دفن ہونے پر اصرار کیا۔ اُس روز اُن کا دوپہر کا کھانا نواب مخدوم مرید حسین قریشی کے ہاں تھا۔ جہاں علامہ علاؤالدین صدیقی (وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی) بھی مدعو تھے۔ یہ سب حضرات مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ کے سلسلہ میں تشریف لائے ہوئے تھے اور وہیں آپ کا شدید انتظار ہو رہا تھا۔ راقم بمشکل آپ کو وہاں سے واپس لایا۔ اس کے بعد جب علامہ سید سلیمان ندوی ملتان تشریف لائے تو وہ بھی وہاں راقم کے ہمراہ تشریف لے گئے اور کافی دیر اس زمین پر بیٹھے رہے اور اس سرزمین کے اثرات کو بشدت محسوس فرماتے رہے۔

یہ نخلستان سن ستر تک موجود تھا۔ سن اکہتر کی پاک و ہند جنگ سے قبل اس جگہ کے قریب جیٹ طیاروں کے اُترنے کے لئے رن وے تیار ہونے لگا۔ کھجوروں کے کچھ اونچے درخت دفاعی ضرورت کیلئے کاٹ دیے گئے کیونکہ طیاروں کے اُترتے وقت ان درختوں سے رکاوٹ پیدا ہوتی تھی۔ اگرچہ یہ نخلستان اب ویسا نہیں رہا۔ لیکن اس زمین کے اثرات آج بھی ویسے موجود ہیں۔ اور کھجوروں کے چند درخت بھی۔

نوگزی قبریں

مدینتہ الاولیا ملتان میں یوں تو قدم قدم پر بزرگانِ دین کے مزار و مقابر ملتے ہیں لیکن بعض مقامات پر خلافِ معمول بڑی لمبی لمبی قبریں نظر آتی ہیں جو نوگزی قبریں کہلاتی ہیں۔

مؤرخین نے ان قبروں کی لمبائی کے ضمن میں کئی وجوہات دی ہیں مثلاً

۱۔ یہ قبریں محمد بن قاسم کے وقت ۹۵ھ مطابق ۷۱۳ء کے زمانہ کی ہیں۔ اس زمانہ میں مجاہدوں اور اللہ والوں کی قبریں عقیدتاً و احتراماً دوسری عوامی قبروں سے ممیز و ممتاز کرنے کے لئے بطور نشانی لمبی لمبی بنائی جاتی تھیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں مقبروں یا خانقاہوں کا رواج نہیں تھا۔ اس لئے ان کی قبروں کی غیر معمولی لمبائی ہی ان کی شانِ امتیازی کی نشاندہی کرتی تھی۔

۲۔ عربی دستور کے مطابق ایک ایک قبر میں کئی کئی شہید اور مجاہد اکٹھے دفن کئے جاتے تھے، اس لئے اس دور کے دستور کے مطابق بعض مقامات پر کئی کئی شہیدوں کو اکٹھا دفن کر دیا جاتا تھا۔ اور اُن کی قبریں لمبی بنا دی جاتی تھیں۔

لیکن بعض لمبی قبروں والوں کے نام بھی موجود ہیں اس لئے قرینِ قیاس دلیل اوّل ہے کہ ایسی قبریں صاحبِ منزلت بزرگوں کی ہیں۔ ملتان کے اسلامی تاریخی آثار میں اوّلیت ان نوگزی قبروں کو حاصل ہے۔ جنرل کننگھم نے ملتان میں ۱۸۵۳ء میں اپنی تحقیق و تفتیش کے دوران ایسی قریباً پندرہ قبروں کا سُراغ لگایا تھا۔ جو

نو گز سے اٹھارہ گز تک لمبی تھیں۔ ان میں چند قبریں تادمِ تحریر بھی موجود ہیں۔ مثلاً

۱۔ دہلی دروازہ کے باہر پیر غور پیر گوہر سلطان کی بارہ گز لمبی قبر۔

۲۔ پاک دروازہ کے اندر محلہ جال ڈیڑھا میں شیخ موسیٰ کی نو گز لمبی قبر

۳۔ بوہڑ دروازہ کے اندر محلہ درکھاناں میں پیر ادھم کی گیارہ گز لمبی قبر۔

۴۔ بوہڑ دروازہ کے باہر بجانب غرب عین بازار میں مگر دود کانوں کے پیچھے بابا برہان الدین کی ۱۸ گز لمبی قبر۔

۵۔ حسین آگاہی کے ایک محلہ پیر رمضان غازی کی سات گز لمبی قبر۔

۶۔ محلہ حمام میں شیخ موسےٰ دادا پیر کی نو گزی قبر۔

۷۔ مائی پاک دامن کے گورستان کے عین وسط میں ایک تیرہ گز لمبی قبر ہے لیکن افسوس اِس شہرِ خموشاں میں صاحبِ قبر کا نام کوئی نہ بتا سکا۔

ملتان کی ٹکسال کا سکہ
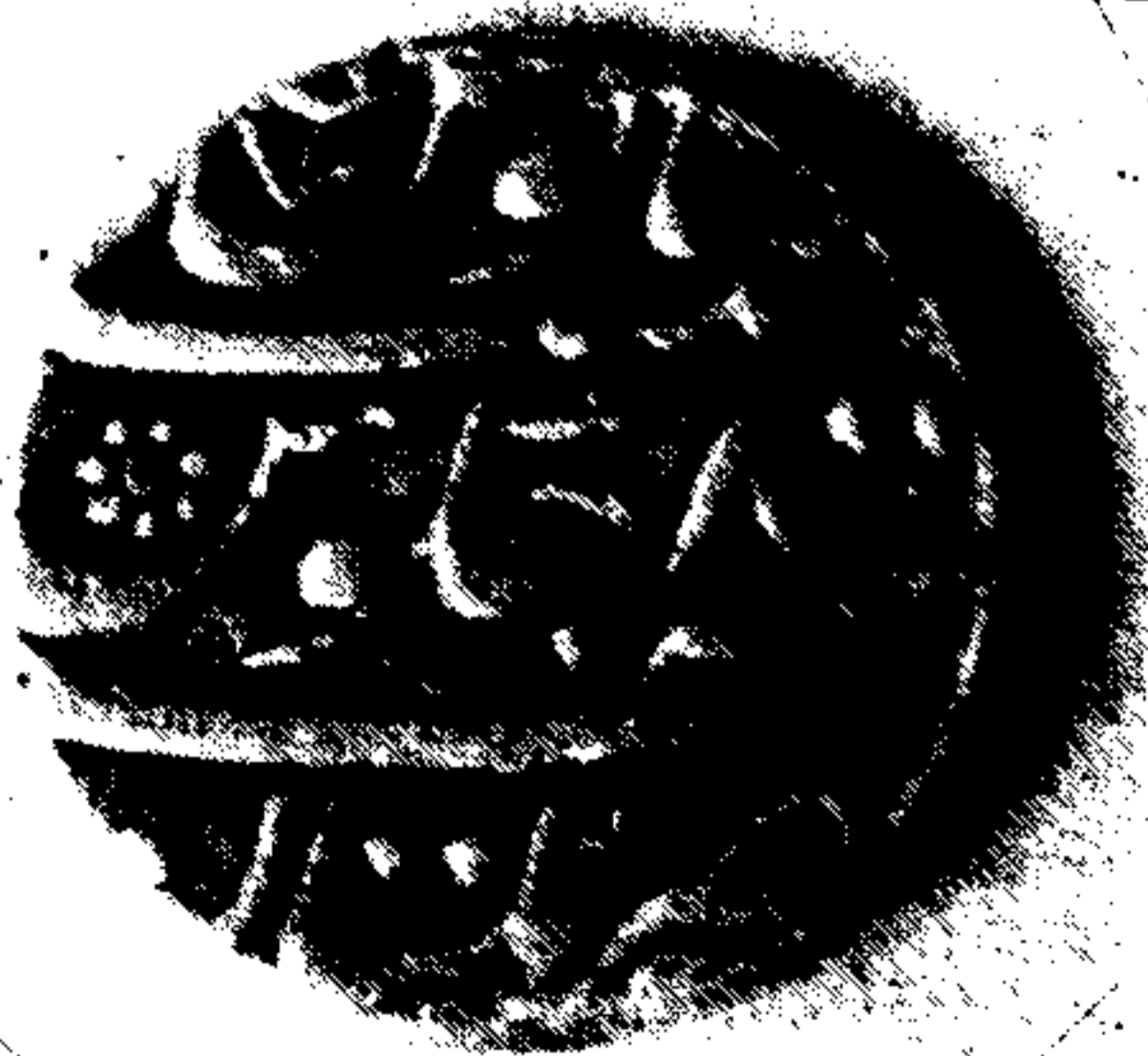
خُونی برُج

یہ پاک دروازہ اور دہلی دروازہ کے درمیان عین موڑ پر واقع تھا۔ اب بُرج موجود نہیں۔ یہ علاقہ اسی کی نسبت سے موسُوم ہے۔ گذشتہ دو ہزار سالہ تاریخ میں جب بھی غیر ملکی افواج ملتان پر حملہ آور ہوئیں تو سب سے پہلے یہی خونی بُرج ان کی راہ میں سدِ سکندری ثابت ہُوا اور اسی نے فاتحین کا خیر مقدم بھی کیا۔ سکندرِ اعظم کے حملہ کا نقطۂ ماسکہ یہی خونی بُرج تھا۔ اسی پر وہ اکیلا سیڑھی لگا کر چڑھا اور شمشیر زنی کے کمالات دکھاتا ہوا نیچے کُود گیا۔

خونی بُرج پر سے چونکہ تیروں کی موسلادھار بارش ہو رہی تھی اس لئے سکندری سپاہ کو فصیل پر چڑھنے کی جرأت نہ ہوئی لیکن جب اُنہوں نے سکندرِ اعظم کو نتائج کی پرواہ کئے بغیر ہمت کر کے فصیل پر چڑھتے اور نیچے کُودتے دیکھا تو سکندرِ اعظم کے اس جرأت مندانہ اقدام نے اس کے بددل فوجیوں میں ایک نئی رُوح پھونک دی۔ اُن کے حوصلے بڑھ گئے، جس کی وجہ سے چند فوجی فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔

فصیل پر چڑھنے والے فوجیوں نے جب سکندرِ اعظم کو اکیلے لڑتے اور ایک زہر آلود تیر سے زخمی ہوتے دیکھا جو ابھی اُس کے سینہ میں پیوست تھا تو یہ نظارہ دیکھ کر اُن کے سینہ میں بھی آتش انتقام فروزاں ہو گئی۔ اُن کا خون کھولنے لگا بلکہ جنون کی حد تک پہنچ گیا۔ اُنہوں نے غضبناک حالت میں فصیل کو محافظوں سے پاک کر کے اپنے فوجیوں کے اُوپر چڑھنے کے راستہ صاف کیا اور پروانہ وار نیچے کود گئے اور دیکھتے ہی

دیکھتے کشتوں کے پشتے لگا دیئے خون کی ندیاں رواں دواں ہوگئیں۔ یہاں تاریخ کا پہلا عظیم، مہیب اور ہولناک ایسا خون خرابہ ہوا کہ خود خونی برج کے در و دیوار الامان والحفیظ پکارنے لگے۔

اس تاریخی خونی واقعہ کی وجہ سے شہر کے اس برج کا نام خونی برج پڑ گیا۔

اس کے بعد دوسرا بڑا خونی معرکہ بروز نوروز یکم جنوری ۱۸۴۹ء کو شروع ہوا، اس وقت تک انگریزی افواج دہلی دروازہ اور خونی برج کے موقعے پر دو بڑے شگاف رکھ چکی تھیں اور حملہ کرنے کے لئے راستہ صاف ہو چکا تھا چنانچہ اس حملہ کے لئے بنگال کی پلٹنوں نمبر ۳۲ یورپین رجمنٹ و نمبر ۴۹، ۷۲ ہندوستانی پلٹنوں سے چیدہ چیدہ جوان منتخب کر کے خونی برج پر حملہ کے لئے خصوصی دستہ تیار کیا گیا اور تین بجے بعد دوپہر حملہ کا حکم دے دیا گیا۔ جونہی منڈی آوا کی بلندیوں اور نشیب سے حملہ آور فوج نکلی تو فصیل سے شدید آتشباری شروع ہو گئی جس کا جواب پلٹن نمبر ۶۰ کی بندوقوں سے بڑی قادر اندازی سے دیا گیا۔ اسی اثناء میں بڑے مقابلہ کے بعد افواج بمبئی خونی برج کے سامنے فصیل کے قریب آ پہنچیں توپوں کی گولہ باری سے اس برج کی مدافعتی فوج کا انتظام درہم برہم ہو گیا۔ فصیل کے اندر ایک ہزار سکھ جوان موجود تھا۔ انگریزی فوج فصیل پر ٹوٹ پڑی۔ بڑے خونریز معرکہ کے بعد انگریزوں نے اس پر قبضہ کر کے خونی برج پر یونین جیک لہرا دیا گیا۔ شہر کھنڈروں میں بدل گیا اور لاشوں سے بھر گیا۔

بدر و شیر خان

۱۲۴۶ء سے ۱۲۶۶ء تک سلطان التمش کا چھوٹا صاحبزادہ سلطان ناصرالدین محمود تخت دہلی پر جلوہ افروز رہا۔ یہ فیاض، نیک طینت اور خدا پرست بادشاہ تھا۔ علم ادب کا مربی، غریبوں اور ناداروں کا سرپرست، درویشانہ زندگی کا خوگر اور عیش نشاط کی شاہانہ زندگی سے متنفر تھا۔ خود اپنے ہاتھ سے قرآن مجید لکھ لکھ کر اپنی روزگار کماتا تھا۔ بقول فرشتہ وہ شاہی خزانہ سے پھوٹی کوڑی کا بھی روادار نہ تھا وہ اپنے آپ کو بیت المال کا امین سمجھتا تھا۔ اس کی بیوی کو خادمہ تک میسر نہ تھی۔ اس کی بیگم خود اپنے ہاتھ سے روٹی پکاتی تھی۔ کھانا پکاتے ایک دفعہ اس کے ہاتھ جل گئے۔ لیکن اسے خادمہ کی سہولت میسر نہ ہو سکی۔

اس وقت کے دگرگوں حالات کی وجہ سے رحمدل بادشاہ کی ضرورت نہ تھی بلکہ ایسے جابر بادشاہ کی ضرورت تھی جو مخالف قوتوں کو کچل کر ملک میں امن و امان قائم رکھ سکے، اس لحاظ سے ناصرالدین محمود کا بطور بادشاہ انتخاب موزوں نہ تھا لیکن اسکی اس خامی کو دور کرنے کیلئے اسے الغ خاں غیاث الدین بلبن ایسا قابل اور منتظم وزیر مل گیا۔ جسنے بہت جلد ملک میں امن و امان قائم کر کے سکون کی فضا پیدا کر دی۔

سلطان نے بلبن کے چچازاد ملک شیر خان کو خان معظم بنا کر پنجاب اور ملتان کا گورنر مقرر کر دیا۔ مغلوں کے حملوں کی روک تھام کے لئے اس وقت یہ جدید صوبہ بنایا گیا

گیا تھا اور شیر خان کو حملہ آور منگولوں کی سرگرمیوں کے انسداد کا فریضہ سونپا گیا تھا۔ ملک شیر خان بھی بلبن کی طرح بڑا منتظم طبع انسان تھا، اس نے ملتان کا گورنر بننے کے بعد شہر کی صفائی کی طرف بڑی توجہ دی۔ شہر کی فصیل کی مرمت کرائی اور شہر کے گندے پانی کی نکاسی کے لئے دہلی دروازہ کے قریب ایک بہت بڑی بدرو تعمیر کرائی۔ وہ ملک شیر خان کے نام سے موسوم ہو کر "بدرو شیر خان" کہلائی جو سوا سات سو سال گزر جانے کے باوجود آج تک برابر کام دے رہی ہے اور راعی و رعایا کی نیک نیتی کی شہادت بہم پہنچا رہی ہے کیونکہ جس ملک کا راعی نیک نیت ہوتا ہے اس کی رعایا کے اموال میں برکت پیدا ہو جاتی ہے اس کے کارناموں کو دوام حاصل ہو جاتا ہے۔ بدنیت راعی کی رعایا بھی بدنیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے رعایا کے اموال سے برکت اٹھ جاتی ہے اور اس کے کارنامے دوام کا تمغہ حاصل نہیں کر سکتے۔

ٹبی شیر خان ملک شیر خان نے پرانی روایت کے خلاف اپنے محلات قلعہ کے باہر تعمیر کرائے اور ان کے ساتھ باغات کا ایک جدید سلسلہ قائم کر کے اس نئی آبادی کو باغ و بہار بنا دیا جو اس کے نام سے موسوم ہو کر ٹبی شیر خان کہلائی۔ اگرچہ انقلاباتِ زمانہ نے ان محلات و باغات کا نام و نشان مٹا دیا ہے مگر اس کے بانی کا نام آج تک محلہ ٹبی شیر خان کی بدولت زندہ ہے۔ علامہ اقبالؒ نے سچ کہا تھا ؎

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

قلعہ کہنہ

تاریخ یہ بتانے سے قاصر ہے کہ ملتان کا یہ قدیمی اور مشہور قلعہ کب بنا اور کس نے بنایا۔ البتہ اس کا پیٹ چاک کر کے اندر جھانکنے والے سر الیگزینڈر کننگھم نے اس کی تہ میں ۵۰۰ سال قبل مسیح تک کے انقلابات کے آثار پائے ہیں جنکی تفصیل "انگریزی دور" میں آگے آرہی ہے۔

ابتداً یہ قلعہ ڈیڑھ میل کے گھیرے میں ہشت پہلو بنا ہوا تھا جسے دریائے راوی کی ایک شاخ شہر سے جدا کرتی تھی۔ اس قلعہ کے چار دروازے اور ۴۶ برج تھے اور ہر دروازے پر الگ الگ ایک ایک برج بنا ہوا تھا۔ دیہہ دروازہ بجانب غرب خضری دروازہ بجانب شمال مشرق۔ سکھی دروازہ بجانب جنوب مشرق اور ریڑھی دروازہ بجانب حسین آگاہی کھلتا تھا۔ غربی دروازہ اور اس کا پھاٹک، فوجیوں کی بارکیں ۱۹۲۵ء تک قلعہ پر موجود تھیں۔ قلعہ پر سے ایک سرنگ چوک شاہ مجید سے ہوتے ہوئے دربار پیر صاحب تک جاتی تھی۔ سکھوں کے حملہ کے وقت اسی سرنگ کے راستہ بعض خواتین لے روپ بدل کر اپنی جانیں اور عصمتیں بچائیں۔

انگریزوں کے حملہ کے دوران ابتدائی معرکوں میں اگرچہ دہلی دروازہ اور خونی برج کے مضبوط مورچے سر کر کے انگریز شہر پر قبضہ کر چکے تھے اور ہر طرف کشت و خون کا ہولناک سماں بندھا تھا۔ لیکن قلعہ ابھی تک سر نہیں ہوا تھا اور سکھوں کی باقی ماندہ فوج شہر سے نکل کر قلعہ میں داخل ہو گئی تھی۔ گولہ باری سے قلعہ کی کوئی عمارت باقی نہ بچی، خود

دیوان مُولراج کو ایک بڑے دروازے کی محراب کے نیچے اپنا کیمپ بدلنا پڑا۔ اور اپنی عورتوں اور بچوں کو قلعہ کے ایک زمین دوز گڑھے میں منتقل کرنا پڑا تاکہ وہ حتی الامکان ہر قسم کے خطرے سے محفوظ رہیں۔

انگریزوں کے مقابلہ کے دوران دیوان مُولراج نے اپنے محل کے اندر جانا بند کر دیا کہ کہیں اہلِ خانہ کی تکلیف اور مصیبت کو دیکھ کر اُس کے ارادے میں کمزوری نہ آ جائے۔ قلعہ کے میگزین کی تباہی اور قلعہ کے پرخچے اُڑ جانے کے بعد اس کی ہمت جواب دے گئی۔ جنرل وش نے جو قلعہ پر حملہ کرنے والی فوجوں کی کمان کر رہا تھا۔ ۲۲ جنوری ۱۸۴۹ء کی صبح کو قلعہ پر عام حملہ کرنے کا حکم دیدیا اور اسکی تیاری شروع ہوگئی۔ اِس وقت دمدمہ کی اونچائی موجودہ اونچائی سے دگنی تھی۔ مولراج کے سپاہیوں نے جب قلعہ پر آخری حملے کے آثار دیکھے تو اس کے بعد مُولراج نے اس شرط پر ہتھیار ڈالنے کی پیش کش کی کہ اُسے جان کی امان دی جائے اور عورتوں کی عزت و عصمت کی حفاظت کی جائے۔ اِس کے جواب میں وش نے مُولراج کو کہلا بھیجا کہ دیوان خود کو غیر مشروط طور پر سرکار کے حوالے کر دے۔ عورتوں اور بچوں کی نسبت اُسے فکر کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان پر کسی قسم کی زیادتی انگریزی رواداری کے سراسر خلاف ہے۔ اِس پر مُولراج نے قلعہ کے باہر ایک شاہی جلوس کی صورت میں خود کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ قلعہ کی آخری نشانی دمدمہ اور اُس کے ملحقہ بارُود خانہ بچ گیا۔ پاکستان بننے کے بعد قلعہ کے ہیبت ناک کھنڈروں کو ابنِ قاسم باغ کے سبزہ زاروں میں، دمدمہ کو سیر گاہ میں اور بارُود خانہ کو نمائش گاہ میں بدل دیا گیا۔

مینارۂ یادگار

قلعہ کے عین وسط میں انگریزوں نے اپنی فتح اور عیدگاہ میں قتل ہونے والے مسٹر ایگنیو اور مسٹر اینڈرسن کی یاد میں یہ مینار تعمیر کرایا۔ یہ مینار گاؤدم سرخ پتھر سے بنا ہوا ہے اور پچاس فٹ اونچا ہے۔ چبوترہ کے غربی جانب سنگِ مرمر کے ایک بہت بڑے پتھر پر ایک کتبہ کندہ ہے۔ جس پر یہ عبارت لکھی ہے۔

"پیٹرک الیگزینڈر وانز ایگنیو بنگال سول سروس اور ولیم اینڈرسن لیفٹیننٹ نمبر ا بمبئی فسیلیر رجمنٹ جو ریذیڈنٹ لاہور کے نائب تھے، گورنمنٹ کی طرف سے بدیں غرض ملتان بھیجے گئے کہ دیوان مولراج کی خواہش کے مطابق اس کو حکومت ملتان کے فرائض سے سبکدوش کیا جائے، قلعہ کی فوج نے ۱۹ اپریل ۱۸۴۸ء کو دونوں افسروں پر حملہ کر کے اُن کو زخمی کر دیا۔ دوسرے دن ان کی سکھ فوج نے غداری کر کے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا اور قومی اعتماد اور مہمان نوازی کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے ان دونوں افسروں کو شہر ملتان کی دیواروں کے نیچے عیدگاہ میں نہایت بیرحمی سے قتل کر دیا۔ اس طرح یہ بہادر نوجوان سردار ۲۵ اور ۲۸ سال کی نوجوانی میں جو قابلِ فخر امیدوں سے پُر اور آئندہ کے لئے یقینی طور پر مفید ثابت ہوتی۔ اپنے آخری وقت تک اپنے ملک کی عزت و آبرو بچاتے ہوئے زخمی بے یار و مددگار، ہاتھ میں ہاتھ لئے حملہ آوروں کے ہاتھوں قتل ہوئے، اُنہوں نے انتہائی وقار سے اطاعت کرنے سے انکار کر دیا اور اس طرح قبل از وقت یہ ثابت کر دیا کہ ہزارہا انگریز اُن کی موت کا انتقام لینے کے لئے عنقریب

آجائیں گے اور مولراج کو اس کے قلعہ اور لشکر سمیت نیست و نابود کر دیں گے۔

تاریخ شاہد ہے کہ یہ پیشین گوئی کیسی سچی ثابت ہوئی۔ ان کے فاتح بھائیوں نے اُن کی لاش کو اپنے کندھوں پر اُٹھا کر اس جگہ مفتوحہ قلعہ کی چوٹی پر ۲۶ / جنوری ۱۸۴۹ء کو پورے فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کیا گیا۔ جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ صوبہ پنجاب ممالکِ محروسہ سلطنتِ برطانیہ میں شامل کر لیا گیا۔ جس کی ابتداء ان افسروں کے قتل سے ہوئی۔"

مینارۂ یادگار کے مشرقی جانب تین اور انگریزی یادگاریں بھی ہیں جن پر ذیل کے کتبے درج ہیں۔

۱۔ "میجر جارج شیف مونٹیز ہبرٹ کی مقدس یادگار میں جو ہز مجسٹی کی دسویں پلٹن کی کمان کرتے ہوئے ۱۲ / دسمبر ۱۸۴۰ء کو ۴۴ برس کی عمر میں قتل ہوئے اور کپتان لنگز ورتھ جو ۳۰ برس کی عمر میں ۹ / ستمبر ۱۸۴۸ء کو زخمی ہو کر فوت ہوئے۔"

۲۔ سیکنڈ لفٹیننٹ جے تھامسن اور سی۔ ٹی گریہم افسران توپ خانہ بنگال کی یاد میں جو محاصرۂ ملتان ۱۸۴۸-۴۹ء میں مارے گئے تھے۔ اُن کے بھائی افسروں نے تعمیر کرایا۔"

۳۔ بنگال پیادہ توپ خانہ کے ایک سارجنٹ اور ۱۲ توپچیوں کی یاد میں جو محاصرۂ ملتان ۱۸۴۸-۴۹ء میں ہلاک ہوئے اُن کے ساتھیوں نے یہ یادگار تعمیر کرائی۔"

خاکستری آثار

سر الیگزینڈر کننگھم نے آثارِ قدیمہ کی تلاش و تحقیق کے سلسلہ میں مندر پرہلاد پوری کے بالمقابل قلعہ کہنہ پر ایک کنواں کھدوایا تھا۔ اس کھدائی کے دوران اس کنویں کی مختلف سطحوں سے مختلف قسم کی اشیا برآمد ہوئی تھیں کننگھم نے ان برآمدہ اشیا سے استنباط کر کے اُن کے زمانے کا اندازہ لگایا ہے کہ وہ کس دور کے آثار تھے۔ اس کنویں سے برآمد ہونے والی خاکستر نے اوسطاً ڈیڑھ فٹ میں تقریباً ایک صدی کی نشاندہی کی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے :۔

۱۰-۱۱ فٹ کی گہرائی پر

معزالدین کیقباد کے زمانہ (۸۹-۱۲۸۶ء) کے روغنی چراغ اور کاشی کے ٹکڑے دستیاب ہوئے۔

۱۲ فٹ کی گہرائی پر

نسری سنتا دیوا کے زمانہ (۹۵۰...۹۰۰ء) کے سکے اور روغنی اینٹیں ملیں،

۱۳-۱۴ فٹ کی گہرائی پر

"۱۱ × "۶ ½ × "۲ حجم کی اینٹیں برآمد ہوئیں۔ مگر روغنی اینٹیں وغیرہ نکلنی بند ہو گئیں،

۱۵-۲۰ فٹ کی گہرائی پر

محمد بن قاسمؒ کے حملہ (۷۰۰...۵) کے وقت کی سُرخ راکھ ملی جو دو فٹ تہہ کی تھی، اور خشت ہائے بہ حجم "۱۴ × "۱۱ × "۲ ½ ملیں۔

۳۰ سے ۳۲ فٹ کی گہرائی پر

۳۰۰ سال قبل مسیح کے وقت کے سکندرِ اعظم کے شہر سوز حملہ کی دو فٹ گہری راکھ اور جلی ہوئی مٹی۔ ریشم کاتنے والے کا گولہ، موچی کی پتھری اور تانبے کے دو سو سکے ملے۔

۴۰ فٹ سے نیچے

۸۰۰ سال قبل مسیح یعنی تین ہزار سال پہلے کے زمانہ کی قدرتی مٹی ملی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آریہ استیلا کے زمانہ سے پہلے ملتان کا محل وقوع قلعہ کہنہ سے ذرا ہٹ کر تھا۔
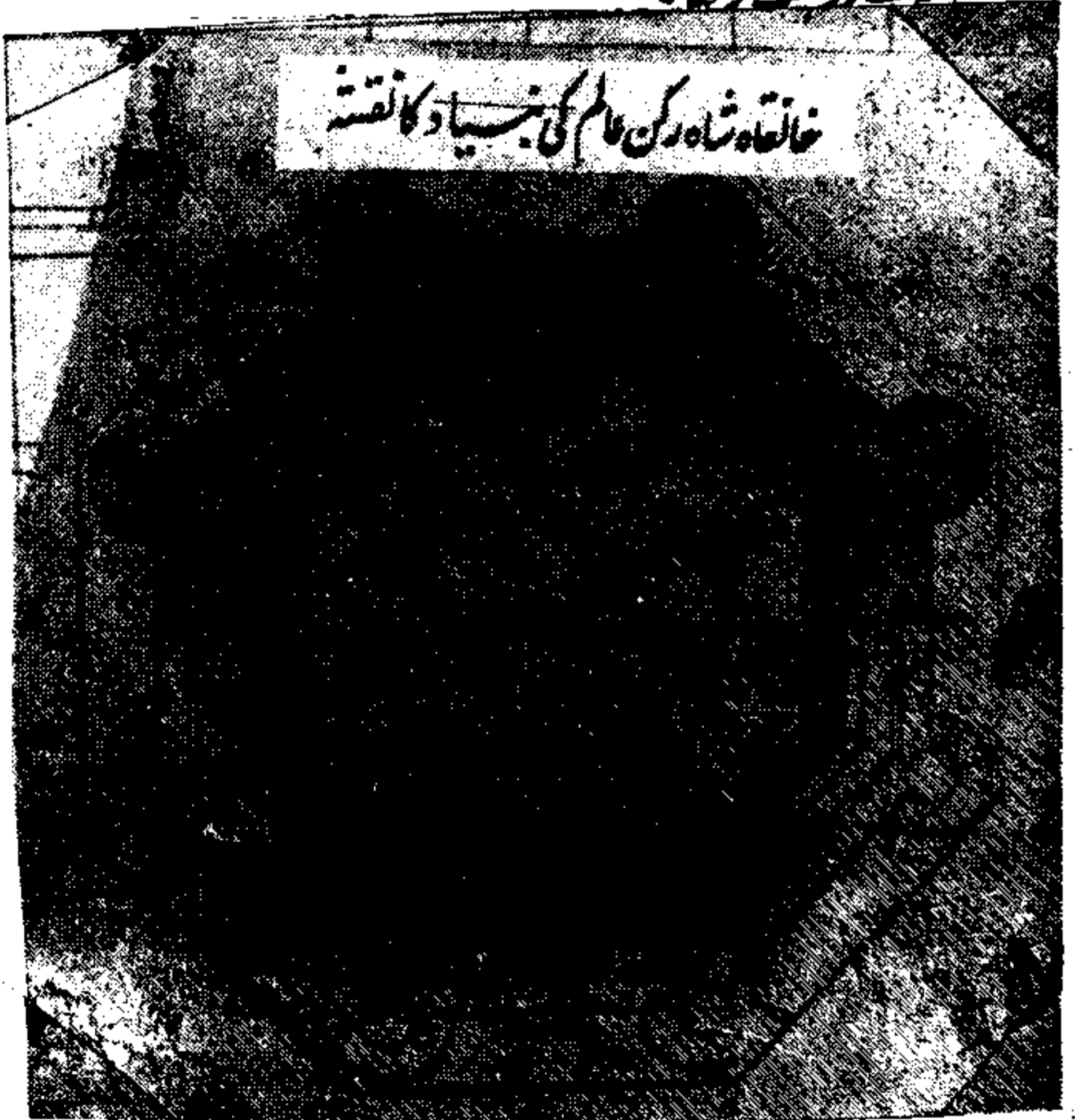
چوک شہیداں

ملتان کا یہ مشہور و معروف چوک سڑک روندہ از پرانی سبز منڈی تا ریلوے مال گدام ملتان شہر کے درمیان اکبر روڈ پر واقع ہے۔

اس چوک کے قریب بجانب شمال مغرب ایک خوبصورت سی مسجد ہے جو مسجد چوک شہیداں کے نام سے مشہور ہے اس مسجد کے شمال مشرقی کونہ میں دو قبروں کے نشان موجود ہیں جن پر باقاعدہ چوبی چھت بنی ہوئی ہے اور اُن کے سرہانے دیا بتی جلائی جاتی ہے۔

اس چوک کے متعلق تاریخ مخطوطہ ملتان میں یہ روایت ہے کہ لنگاہوں کے آخری دور میں دو سیّد خواہر زادے بدورانِ لڑائی شہید ہوئے۔ انہیں سبز منڈی کے قریب دفن کیا گیا لیکن جب سبز منڈی روڈ بننے لگی تو اُس وقت ان شہیدوں کی نعشیں حضرت مُوسیٰ پاک شہید کی خانقاہ پر لے جا کر وہاں دفن کر دی گئیں اور تب سے اِس چوک کا نام چوک شہیداں پڑ گیا۔

دُوسری روایت یہ ہے کہ مذکورہ بالا مسجد کے بانی اور متولی حاجی الٰہی بخش کھوکھر گورنمنٹ ٹھیکیدار کی سکنی جائیداد اس چوک کے جنوب اور مشرق میں واقع تھی، یہ اپنے وقت کی ایک با اثر اور صاحبِ ثروت شخصیت تھی۔ اس نے ۱۹۰۱ء میں جب یہ مسجد تعمیر کرائی تو تعمیر مسجد کے وقت یہ قبریں موجود تھیں اور انہوں نے ہی ان قبروں پر باقاعدہ چھت وغیرہ بنوا کر انہیں محفوظ کر دیا۔ کیونکہ یہ دونوں قبریں محمد بن قاسمؒ

کے وقت کے دو شہیدوں کی تھیں، جو سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے، یہ چھ بھائی تھے باقیوں کی قبریں اس کے گرد و نواح میں موجود ہیں۔

حاجی الٰہی بخش کھوکھر چونکہ بہت بڑا ٹھیکیدار تھا جس کے پاس چھاؤنی کے بڑے گرجا گھر، ایڈورڈ بیرکس اور پرانی تحصیل ملتان واقعہ جمال پورہ کالونی کی تعمیر کے سرکاری ٹھیکے تھے اور اچھی شہرت کے مالک تھے، اس لئے اس چوک کو ان کے نام سے موسوم کر دیا گیا چنانچہ ۱۹۰۱ء کے سروے ملتان کے دوران میونسپل کمیٹی نے ملتان کا جو نقشہ تیار کیا تھا۔ اس میں بھی اس چوک کا نام چوک الٰہی بخش درج ہے۔ اور اسی پتہ پر لوگ خط و کتابت کرتے تھے۔

مگر الٰہی بخش مرحوم آج کل کی طرح شہرت کے دلدادہ نہ تھے۔ انہیں ناموری سے سخت نفرت تھی، اس لئے انہوں نے ازراہِ انکسار اس نسبت کو ناپسند کیا۔ اور کہنے لگے کہ چونکہ یہاں دو شہیدوں کی قبریں موجود ہیں، اس چوک کو ان کے نام سے موسوم ہونا چاہیے، چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی میں اسے چوک شہیداں مشہور کیا۔ اپنی تعمیر کردہ مسجد کا نام بھی مسجد چوک شہیداں رکھا تب سے یہ چوک شہیداں کہلاتا ہے۔ جن قبروں کا ذکر مخلوطہ ملتان میں آیا ہے وہ مین سڑک کے درمیان تھیں جو وہاں سے ہٹائی گئیں۔ یہ سڑک سے قدرے دور مغربی جانب موجود ہیں اور شروع سے موجود چلی آتی ہیں۔

چوک شاہ مجید

محمد بن قاسم نے پہلی دفعہ ہندوؤں کو اسلامی مروت، رواداری اور حسن سلوک سے آشنا کیا اور ذات پات کے شکار ہندو اسلامی روایات سے اتنے متاثر ہوئے کہ وہ فاتح ملتان محمد بن قاسم کو دیوتا سمجھنے لگے، اور اُس کے چلے جانے کے بعد از راہِ محبت و عقیدت اس کا بُت بنا کر مدتوں اُسے پوجتے رہے۔

ہندو مسلم مجاذیب و فقرا کے بھی بڑے عقیدت مند تھے، اور اُن کی خدمت کو عبادت تصور کرتے تھے، ابتدائی دَور میں یہ خانقاہوں اور تعزیوں پر چڑھاوے چڑھانے کے بھی عادی تھے۔

حسین آگاہی سے مسجد علی محمد خان تک کے چوک بازار کے مین وسط میں ایک چوک آتا ہے، اس کے مغرب میں کپ بازار کو اور مشرق میں چوڑی سرائے کے بازار کو سڑک جاتی ہے، اس چوک کے شمالی مشرقی کونے پر جہاں سے بازار چوڑی سرائے شروع ہوتا ہے، ایک بزرگ شاہ مجید تھڑے پر چٹائی بچھا کر بیٹھا کرتے تھے، ہندو اس کا بڑا احترام اور اس کی بڑی سیوا یعنی خدمت کرتے تھے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو انہیں اس چوک کے مذکورہ بالا چبوترہ پر ہی دفن کر دیا گیا۔ اور اس پر ان کی قبر بنا دی گئی نیز اس چوک کو اُن کے نام سے موسوم کر کے اسی چوک کا نام اُن کی یادگار کے طور پر "چوک شاہ مجید" رکھ دیا گیا۔ یہ چوک مدتوں چوک شاہ مجید کے نام سے معروف و مشہور رہا، پرانے میونسپل ریکارڈ اور کنگراں والے تعزیہ کے لائسنس میں بھی چوک شاہ مجید کا اندراج

موجود ہے۔

چوک بازار میں پہلے مسلمانوں کی جائیدادیں تھیں۔ جن سے ہندو آہستہ آہستہ خریدتے چلے گئے۔ جب چوک بازار میں ہندوؤں کا غلبہ ہوگیا۔ تو اُنہوں نے اِس چبوترہ کے گرد چار دیواری بنا کر اس قبر کو محصور محفوظ کر دیا۔ لیکن اُنہوں نے اسکی پُوجا پاٹ جاری رکھی، اور رفتہ رفتہ اسے اندر ہی اندر مندر میں تبدیل کر لیا۔ جس کا کسی نے نوٹس نہ لیا۔ کیونکہ یہ چوک اِس وقت بھی چوک شاہ مجید ہی کہلاتا تھا۔

۱۸۸۱ء میں جب ملتان میں دُوسرا ہندو مسلم فساد ہوا۔ تو اس زمانہ میں شاہ مجید کی قبر مسمار کر کے اس کی چار دیواری کے اُوپر باقاعدہ مندر کا کلس بنا دیا گیا جب کسی مسلمان نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا، تو پاکستان بننے سے کچھ عرصہ قبل اس جگہ باقاعدہ ایک خوبصورت مندر کی عمارت تعمیر کی گئی۔ جو اس وقت تک موجود ہے۔ مگر چوک شاہ مجید کا نام ذہنوں میں محفوظ نہیں رہا۔ بلکہ زینتِ طاقِ نسیان بن چکا ہے۔

منڈی آوا پر انگریزوں کا حملہ

قابلِ ذکر مدارس
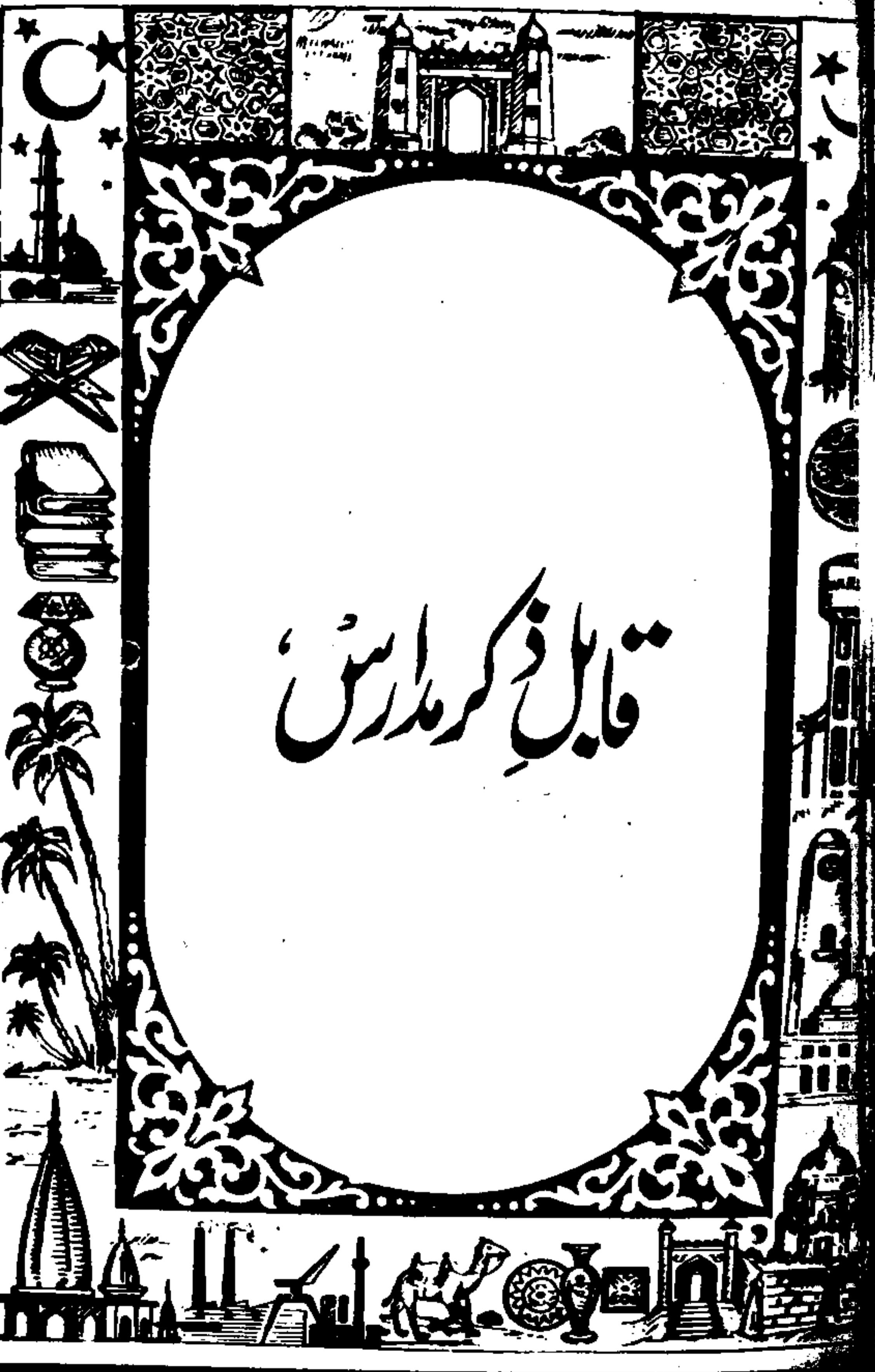
مدرسہ قاسمیہ

عروس البلاد ملتان تاریخ کے ہر دور میں مذہبی علمی تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے سربلند اور ممتاز رہا ہے۔ خاکپائے ملتان میں صدیوں کی فضیلت اور علم و حکمت کی داستانیں مدفون ہیں۔ اس کی قدیم تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ بدھ مت کے زمانہ میں بھی ملتان مینار نور تھا یہیں سے بدھ مت کے چراغ روشن ہو کر اکناف عالم کو منور کرتے تھے۔ ہندو مذہب کے عروج کے زمانہ میں ملتان ہی علم و ادب کا سب سے بڑا مرکز تھا غرض کہ مسلمانوں کی آمد سے قبل بھی ملتان علمی ادبی اور تہذیبی حیثیت سے ایک دنیا کی رہنمائی کرتا تھا۔

ساتویں صدی عیسوی میں مجاہد اسلام محمد بن قاسم کے ورود مسعود سے ملتان کی علمی ادبی اور ثقافتی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ محمد بن قاسم نے فتح ملتان کے بعد سب سے پہلے ملتان میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی اور اس میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ اُن کے ہمراہ جو حفاظ اور علماء کرام تشریف لائے تھے اُنہوں نے وہاں تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا اور دین اسلام کو پھیلایا۔ اس طرح ملتان سے درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور مسلمان علماء و صلحا نے اپنی علمی بصیرت اور روحانی فضیلت سے برعظیم پاک و ہند کے گوشہ گوشہ میں انسانی شرف و مجد کی روشنیاں بکھیرنی شروع کیں اور اسلامی علوم کے فروغ کے لئے زمین ہموار کی۔

مدرسہ بہائیہ زکریا

یہ سلسلہ سہروردیہ کا ملتان میں سب سے پہلا مدرسہ عالیہ تھا۔ جو حضرت بہاؤالدین زکریاؒ نے تعلیم دین و دنیا کے لئے قائم کیا تھا۔ یہ موجودہ خانقاہ کے ساتھ واقعہ تھا۔ آپ بہ نفس نفیس اس میں درس دیا کرتے تھے، آپکے علاوہ آپکے خاندان کے دیگر افراد مولانا نورالدین، مولانا علاؤالدین، علامہ عبدالقادر، مولانا محمد ادریس، مولانا امام بخش اور مشہور فلسفی مولانا علم الدین بھی یہاں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے تھے

اس مدرسہ میں املا کا رواج تھا ہر ہفتہ میں تین دن املا کے لئے وقف ہوتے تھے، طلبا اسباق کی تحریری مشق کرتے تھے، انہیں نقل کرتے اور وہ اچھے خطاط بن جاتے تھے اور پھر یہی پیشہ اختیار کر لیتے تھے۔ حضرت زکریا خود بھی اچھے خطاط تھے، اس مدرسہ کے کتب خانہ کا شہرہ ہندوستان میں دور دراز تک پہنچ چکا تھا۔ وہاں سے ہر شعبہ حیات کے لوگ اپنی علمی تشنگی بجھانے کیلئے ملتان کھنچے چلے آتے تھے۔

اسی دور میں علوم اسلامیہ کی تدریس میں نمایاں تبدیلیاں ہوئیں، فقہ اور اصول فقہ کے ساتھ منطق اور معقول کی کتابیں بھی داخل نصاب کر دی گئیں۔

یہ مدرسہ اور کتب خانہ لنگاہ خاندان کے زمانہ میں مرزا حسین ارغوانی کے حملہ ملتان میں تباہ ہو گیا۔ اس کے رہے سہے آثار سکھوں نے مٹا دیئے۔

مدرسہ کاشانیہ

حضرت بہاؤالدین زکریا کے دورِ اقتدار میں ناصرالدین قباچہ ملتان میں برسر اقتدار تھا۔ اس کا ظلم اور حسد حضرت زکریا کو ناگوار تھا اور قباچہ حضرت زکریا کی ہندوستان گیر مقبولیت سے خائف تھا۔ اِن دنوں فتنۂ تاتار کے خوف سے ایران، عراق اور ماوراالنہر کے علماً و فضلاً ملتان کو دارالامان بنا رہے تھے، قباچہ نے اِس موقعہ کو غنیمت جانا اور حضرت زکریا کا اثر و رسوخ ختم کرنے کے لئے علامہ قطب الدین کاشانی کو کاشان سے ملتان بلوالیا۔

علامہ کاشانی صاحبِ علم تھے مگر صاحبِ عرفان نہ تھے، اُنہوں نے آتے ہی مدرسہ بہائیہ کے مقابلہ میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی جس میں منطق، معقول اور اہلِ کلام کی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا۔ طلبار کی تعداد کثیر تھی۔ اِن کا قیام و طعام مفت تھا یہاں دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبا درسِ نظامی کی تکمیل کرتے تھے، سرکاری سرپرستی کی وجہ سے اِس مدرسہ کو خاصی اہمیت حاصل تھی۔

اسلامی عہد کا یہ پہلا مدرسہ تھا جس کے لئے باقاعدہ الگ عمارت تعمیر کی گئی تھی علامہ کاشانی کی وفات کے بعد مولانا وجیہہ الدین اِس مدرسہ کے تاحیات مہتمم رہے، علامہ کاشانی کا مزار قلعہ کہنہ پر حسین آگاہی کے عقب میں بسنر غازی کی خانقاہ کے قریب تھا۔ جو سکھوں کے حملہ میں معدوم ہو گیا۔

دانش گاہِ دانش مند

مؤرخین کا اِس امر پر اتفاق ہے کہ ہندوستان میں اسلام کے داخلہ سے ہی ملتان کو کسی نہ کسی طرح اہمیت حاصل رہی ہے اگرچہ اِس شہر کو شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریا ایسے صاحب حال و قال کا مسکن ہونے کا شرف حاصل رہا ہے لیکن سُلطان حسین لنگاہ کے زمانہ (۱۴۶۹ء تا ۱۴۹۸ء) میں بقولِ فرشتہ "ملتان نے علمی و ثقافتی لحاظ سے جو اہمیت اختیار کی۔ اِس کی مثال تاریخ میں بہت مشکل ملے گی"۔

اس زمانہ میں مولانا ابراہیم جامع کے والد اور مولانا سعد اللہ ملتانی ثم لاہوری کے دادا مولانا فتح اللہ ملتانی کا ملتان میں اپنا مدرسہ تھا۔ مولانا فتح اللہ ملتانی اپنے علم و فضل و مرتبت کے لحاظ سے "دانش مند" کے اعزازی نام سے پکارے جاتے تھے، آپ کی دانش گاہ نے بڑے بڑے نامور فضلا پیدا کئے جن پر تاریخ کو فخر ہے۔
اپنے زمانے کے نامور علمائ مولانا سعد اللہ ملتانی ثم لاہوری مولانا ابراہیم جامع ملک العلمآ مولانا عبداللہ عثمانی تلنبوی ملتانی اِسی دانشگاہ کے تعلیم و تربیت یافتہ تھے۔ یہ درس گاہ ایک صدی سے زیادہ عرصہ قائم رہی۔ مولانا ابراہیم جامع خود اِس درسگاہ میں ۶۵ برس تک پڑھاتے رہے۔ اُن کے علم و فضل اور حُسن استغنا کا یہ عالم تھا کہ سلطان حسین مرزا ارغون کے دربار میں جب آپ نے ایک فقہی مُباحثہ میں دھاک بٹھائی تو بادشاہ نے اپنی مصاحبت اور سرکاری منصب پیش کیا، جسے قبول کرنے سے آپ نے معذرت کر دی۔

دیگر علمی مراکز

مشہور مورخ ضیاء الدین برنی کے قول کے مطابق ملتان پورے ہندستان میں دہلی کے بعد سب سے بڑا علم و ادب کا مرکز رہا ہے۔ جہاں سلاطینِ وقت نے علوم و فنون کی تعلیم کے خصوصی اہتمام جاری رکھے وہاں اولیا کرام اور علماء و فضلا کے جاری کردہ ذاتی مدارس بھی علم کی روشنی پھیلانے میں پیش پیش رہے۔

ماضی بعید میں ملتان کے جلیل القدر علمار کرام مولانا سماء الدین ملتانی مولانا ادریس ملتانی مولانا عزیز اللہ تلنبوی مولانا اللہ داد تلنبوی مولانا فتح اللہ تلنبوی مولانا عبداللہ تلنبوی مولانا سید مرتضیٰ ملتانی کے مدارس سے ہی وہ علما نکلے جن کا علمی فقہی فیضان پورے برعظیم پاک و ہند میں پھیلا اور جن کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ

"اما مملکتِ ملتان مردم خیز است۔ بزرگانِ ملتان ہر جا کہ رفتند معزز و محترم گشتند، ہندوستان بوجود ایں عزیزان افتخار کند۔"

خود ملتان کے اندر جتنے بزرگانِ دین موجود ہیں، ان کی مساجد اور مزارات پر مکتب قائم ہوتے چلے آئے جن میں علومِ متداولہ کی تعلیم کا خاطر خواہ بندوبست کے علاوہ تربیت و تزکیہ نفس کا بھی اہتمام تھا۔ اس سلسلہ میں خانقاہ دیوان چاولی مشائخ، خانقاہ ایوب قتال، خانقاہ مخدوم عبدالرشید حقانی، خانقاہ حضرت سلطان احمد قتال، خانقاہ ابوبجر وراق، خانقاہ ایوب قتال، خانقاہ شاہ حبیب قادری، خانقاہ حضرت عبدالحکیم اور خانقاہ شاہ دانا شہید خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آج بھی ان میں سے

بعض خانقاہوں پر درس نظامی کی تعلیم کے مکاتب موجود ہیں۔ ان کے علاوہ سرائے سدھو، تلمبہ، کہروڑ پکا، خان پور، قاضیاں، جلال پور پیر والہ، عبدالحکیم، فاضل شاہ وغیرہ انگریزوں کی آمد تک علوم و فنون اور تصوف و سلوک کے مراکز کی حیثیت سے پورے برعظیم میں مشہور تھے۔

ماضی قریب میں حافظ جمال اللہ ملتانی، قاضی عیسیٰ خان پوری، مولانا خدا بخش خیر پوری، مولانا عبید اللہ ملتانی، مولانا عبدالعزیز پرہاروی اور خسرو ملتان منشی غلام حسن ملتانی اسلاف کی صدیوں کی علمی اور روحانی امانتیں آنے والی نسلوں کو بحفاظت تمام سپرد کر گئے، ان ہی حضرات کے علمی مراکز سے علم کی قندیلیں آج تک روشن چلی آ رہی ہیں۔

قلعہ کے میگزین کے پھٹنے کا منظر

قابلِ قدر کُتب خانے
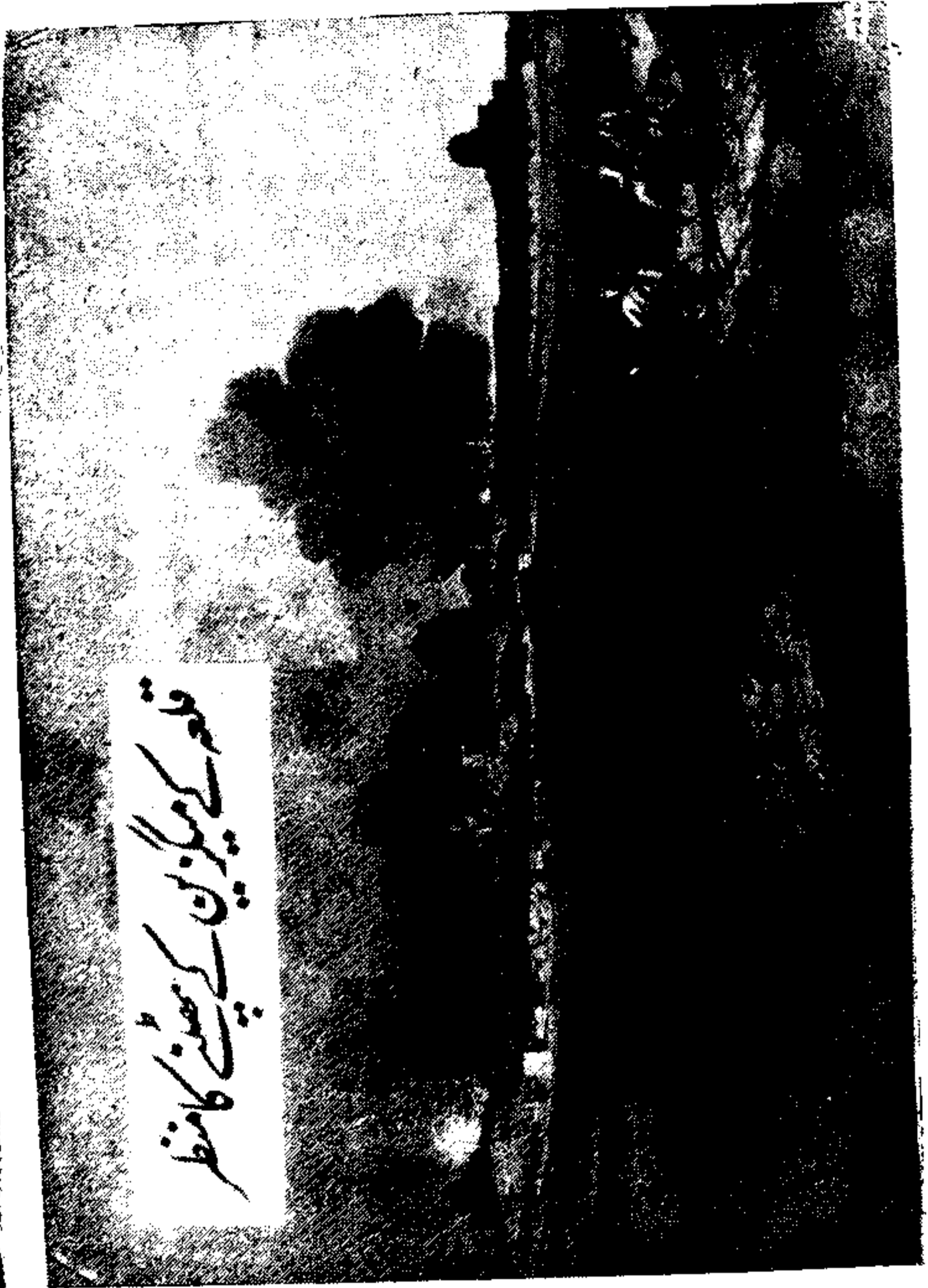
کتب خانہ قاسمیہ

ملتان تاریخ کے ہر دور میں علمی اور تہذیبی اعتبار سے سربلند و ممتاز رہا ہے خصوصاً مسلم دور تاریخ ملتان کا ایک روشن باب ہے مسلم عہد میں ملتان اپنے مدارس و مکاتب بیش بہا کتب خانوں، خانقاہوں، مسجدوں اور اپنے نامور علماء و صلحاء کی وجہ سے عالمگیر شہرت کا حامل بن گیا تھا۔ اسی لئے نامور مؤرخوں اور تذکرہ نگاروں نے باب العلوم ملتان کا ذکر ہمیشہ بڑی عقیدت و احترام سے کیا ہے۔

مجاہد اسلام محمد بن قاسم جب ملتان پہنچے تو ان کے ہمرکاب تبلیغ دین کے لئے علماء و حفاظ کا ایک گروہ بھی تھا جنہیں نو مسلموں کو درس قرآن دینے پر معمور کیا گیا تھا۔

مبلغین کا یہ گروہ اپنے ساتھ کثیر تعداد میں قرآن کریم کے نسخے بھی لایا تھا۔ محمد بن قاسم نے قلعہ پر جو پہلی جامع مسجد تعمیر کی۔ اس کے اندر قرآن کریم کے ان نسخوں پر مشتمل ملتان میں پہلا اسلامی قرآنی کتب خانہ بھی قائم کیا گیا۔ اور اسی کتب خانہ سے قرآن کریم کی اشاعت کا کام لیا گیا۔

کُتب خانہ یُوسفیہ

پانچویں صدی ہجری کے آخر میں ہندوستان میں اولیائے عظام اور علمائے کرام کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اُن کی آمد سے تبلیغ دین اور علم وادب کے میدان میں اس قدر ترقی ہوئی کہ گذشتہ پانچ سو سال کی کسر نکل گئی۔ اسی زمانہ میں کتب خانوں کے قیام و نظام کا سلسلہ شروع ہوا اور کتابیں جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور عظیم الشان کتب خانے قائم ہوئے۔

اس دور کا پہلا باقاعدہ کتب خانہ ابوالفضل جمال الدین شاہ یُوسف گردیزی المتوفی ۵۳۱ھ نے قائم کیا۔ آپ پہلے بزرگ ہیں جو بہرام شاہ غزنوی کے زمانہ میں مُلتان تشریف لائے، اور اُنہوں نے مُلتان کو تبلیغ اسلام اور رُوحانی پیغام کا مرکز بنایا۔ آپ صِرف بلند پایہ درویش اور صاحبِ کرامت بزرگ ہی نہ تھے، بلکہ بہت بڑے عالمِ دین بھی تھے۔ آپکے وجودِ مسعُود سے مُلتان میں ایک عرصہ تک علمی چرچا رہا اور آپ کا خاندان علم وادب کا محافظ بنا۔ شاہ یُوسف گردیزؒ اپنی علمی پیاس بُجھانے کیلئے اپنے ہمراہ کافی کتابیں لائے اور پھر ان میں کافی اضافہ کرتے رہے۔ اس کتب خانہ سے مدّتوں لوگ مستفیض و مستفید ہوتے رہے، انہی کی بدولت گردیزی خاندان کا ابتک علمی گھرانوں میں شمار ہوتا ہے اور اب تک علم پرور ہی رہا ہے۔ جن کے ذاتی کتب خانوں میں اس دور کی ابھی تک نادر قلمی کتابیں موجود ہیں۔

کتب خانہ زکریاؒ

شاہ یوسف گردیز کے بعد حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کا عروج ہوا۔ اس زمانہ میں کتب لکھنے پڑھنے اور جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ آپ کے مدرسہ میں چونکہ املا کرائی جاتی تھی اس لئے اسباق نقل کرتے کرتے کتابیں بن جاتی تھیں جن کی وجہ سے ان کے کتب خانہ میں کتابوں کے انبار لگ گئے تھے، خود حضرت زکریا ملتانی کے پاس تحصیل علم کے زمانہ میں دو ہزار کتابیں جمع ہو چکی تھیں جو اس دور کا بے نظیر علمی خزینہ تھا۔ آپ نے اپنی تمام ذاتی کتب اپنے اس عوامی کتب خانہ میں داخل کر دیں۔ معقول و منطق کی کتابیں مولانا علیم الدین اور مولانا معین الدین نے اس کتب خانہ کو فراہم کیں۔ حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ کے نامور دوستوں، شاگردوں اور مریدوں میں بہت سے حضرات صاحبِ تصنیف و تالیف تھے، وہ اپنی قلمی کتابیں بھی بڑے فخر و انبساط کے ساتھ آپ کے کتب خانہ میں جمع کرا دیتے تھے۔ اس طرح یہ کتب خانہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔

ارباب خاندان سہروردیہ سیر و سیاحت کے سلسلہ میں جہاں بھی جاتے۔ اس کتب خانہ کیلئے ضرور کتابیں لاتے۔ علاؤ الدین سلطان بہلول لودھی کے زمانہ میں آپکے خاندان کے ایک صاحب شیخ یوسف قریشی ملتان کے دس سال حاکم رہے۔ انہوں نے اس کتب خانہ میں بڑا اضافہ کیا۔ اس لئے اس کی سارے ہندوستان میں دھوم تھی۔

کتب خانۂ سلطانیہ

خاندانِ سہروردیہ کے عروج کے زمانہ میں سلطان محمد شہید حاکم ملتان تھا۔ اس کا والد غیاث الدین اُس کے طالب علمی کے زمانہ میں اُس کے ذاتی مُطالعہ کیلئے بغداد و دیگر ممالکِ اسلامیہ سے آدابِ السلاطین، مآثر السلاطین، احوالِ بزرگاں اور دینیات وغیرہ کی کتب منگاتا رہتا تھا۔ ان کے مطالعہ نے ہی اِس شہزادہ کو علم دوست بنا دیا تھا اور اس کی اسی علم دوستی کی بدولت عراق، ایران اور ہندوستان کے باکمال اربابِ علم و ہنر آپ کے دربار میں جمع رہتے تھے۔

شہزادہ کو خود بھی کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا اور باپ کی طرح یہ بھی اعلیٰ قسم کا اسلامی لٹریچر درآمد کرتا رہتا تھا جس کی وجہ سے اُس کے کتب خانہ میں طالبانِ علم کا ہجوم رہنے لگا۔ اُس کے کتب خانہ کی بدولت لوگوں میں کتب بینی کا شوق پیدا ہوا۔ کتابوں کی خریداری بڑھ گئی اور کتب فروشوں نے قوۃ القلوب، احیاء العلوم، عوارف المعارف، کشف المحجوب، فوائد الفواد، رسالہ قشیریہ، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح و لوامع ایسی کتابوں کی قیمتیں چڑھا دیں۔ کتابوں کو سلیقہ سے رکھنے کے فن نے اسی زمانہ میں ترقی کی۔ آپ کے کتب خانہ میں کتابوں کو بڑی ترتیب سے رکھا جاتا تھا۔

کتب خانہ سماعیہ

مولانا سماء الدین ملتانی منطق و فلسفہ کے مشہور عالم علامہ سید شریف جرجانی کے شاگرد رشید تھے، آپ کے علم و فضل، تصوف و سلوک اور آپکے قلم معجز رقم کی سحر طراز خوبیوں کا صاحب طبقات و تذکرۃ العلمائے ہند نے فخریہ انداز میں ذکر کیا ہے۔ اگرچہ آپ تمام عمر درس و تدریس میں مشغول رہے لیکن فارغ اوقات میں تصنیف و تالیف کا شغل فرماتے۔ جس کی وجہ سے آپ کے کتب خانہ میں بہت سی نادر کتب جمع ہو گئیں۔ مفتاح الاسرار آپ کی ذاتی تصنیف تھی اور شیخ فخر الدین عراقی کی لمعات پر آپ نے حواشی لکھے تھے۔

آپ کا کتب خانہ اپنے عہد کے عظیم کتب خانوں میں شمار ہوتا تھا۔ آپ کی اولاد میں بھی تصنیف و تالیف کا ملکہ تھا۔ اس میں صرف مولانا تراب علی کی قریباً چالیس تصنیفات تھیں۔ جو سب کی سب آپ کے کتب خانہ میں جمع کرائی گئیں، ان کے علاوہ بیرونجات سے بھی کافی تعداد میں قیمتی کتب بہ تعداد کثیر منگائی ہوئی اور از خود آئی ہوئی تھیں جن سے عوام و خواص استفادہ کرتے تھے۔

طوائف الملوکی کے زمانہ میں آپ دلی چلے گئے، کچھ کتب اپنے ساتھ لے گئے اور بقیہ تبرکاً اپنے شاگردوں اور دوستوں میں خود ہی تقسیم کر گئے۔ جن کا اب کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔

کُتب خانہ مُوسویہ

حضرت مُوسیٰ پاک شہید گیلانی کا خاندان تصوّف و سلوک میں بہت مشہور اور اعلیٰ مقام کا حامل تھا۔ یہ آستانہ بھی ہمیشہ اہلِ دل، اہلِ اسلام اور اہلِ علم حضرات کے لئے مینارۂ نور بنا رہا۔

ہندوستان کے مشہور عالم دین مولانا عبدالحق محدث دہلوی مُصنّف اخبار الاخیار نے اسی خاندان سے استفادہ کیا تھا۔ حضرت مُوسےٰ پاک شہید کے تاریخی کتب خانہ میں بہت سی نادر دینی اور اسلامی کتب کے علاوہ اخبار الاخیار کا قلمی نسخہ خود مصنف کا تحریر شدہ بھی مُوجُود تھا۔

اس کتب خانہ میں مذکورہ بالا کتب کے علاوہ بحر السرائر قلمی، بادشاہ نامہ، تاریخ عمل صالح اور دورِ اکبری کے زبردست نقاد اور باغ و بہار طبیعت کے مالک عبدالقادر بدایُونی کی منتخب التواریخ تک مُوجُود تھی۔

اِن کے علاوہ خاندانی سندات کا بھی ایک قابلِ قدر ذخیرہ اس کتب خانہ میں مُوجُود تھا وہ یقیناً اسی گیلانی خاندان میں محفوظ ہوگا اور جو اس کتب خانہ کے آخری نقوش کی حیثیت رکھتا تھا۔

ذاتی کُتب خانے

باب العلوم ملتان میں عوامی کتب خانوں کے علاوہ ذاتی کتب خانے بھی بہت تھے۔ اِس زمانہ میں آج کل کی طرح دولت جمع کرنے کا شوق نہ تھا۔ وہ مادی دَور نہ تھا بلکہ علمی دَور تھا اور ہر شخص علمی دَولت سے مالامال تھا جن میں خاص طور پر علماء ذیل کے کتب خانے مشہور تھے۔

کتب خانہ بقائیہ مولانا مفتی محمد بقا شاہجہانی دور میں ملتان کے قاضی تھے۔ بڑے ادیب اور صاحبِ علم تھے، اپنی حق گوئی، بیباکی اور منصف مزاجی کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ سنٹرل جیل ملتان کے قریب کوٹلہ محمد بقاء آپ کی یادگار ہے۔ آپ کا کتب خانہ مخطوطات کی وجہ سے مشہور تھا۔

کُتب خانہ عبیدیہ خواجہ عبید اللہ ملتانی بڑے صاحب تصنیف تھے، دو سو کے قریب خود اُن کی اپنی لکھی ہوئی کتابیں تھیں، جو علم ہیئت و دیگر علومِ اسلامیہ پر مشتمل تھیں جن میں سے کچھ اب چھپ بھی چکی ہیں، اور کچھ اہل خاندان کی عدم توجہی کا شکار ہیں آپ کا کتب خانہ قدیر آباد میں تھا اور بہت مشہور تھا۔

دیگر کتب خانے اِن کے علاوہ ملتان میں مولانا جلال الدین ملتانی، شیخ حسام الدین ملتانی، مولانا فتح اللہ ملتانی، مولانا

عزیز اللہ، مولانا عبداللہ تلنبوی، مولانا داؤد کرمانی، سید مرتضےٰ ملتانی اور مولانا ادریس ملتانی کے کتب خانوں میں بھی مختلف علوم و فنون پر کتابوں کا قابلِ قدر ذخیرہ موجود تھا۔

اِن کے علاوہ مضافاتِ ملتان کے قصبات پاکپتن، تلنبہ، جلالپور پیروالہ، خانپور قاضیاں، کہروڑ لعل عیسن، مخدوم رشید، تونسہ شریف، اُچ سید جلال، بہاولپور، پڑھار، مظفرگڑھ اور عبدالحکیم وغیرہ میں بھی علمی کتب کے قابلِ قدر کتب خانے تھے، جن کے پراگندہ نقوش آج بھی مختلف گوشوں میں موجود ہیں۔

شہر پر میگزین کے پھٹنے کے بعد دھوئیں کا پھیلاؤ

قابلِ دید مقابر

خانقاہ شاہ یوسف گردیزؒ

اُچ کے مقبرہ شیخ صفی الدین حقانی کے بعد سندھ اور ملتان کی یہ دُوسری سب سے بڑی زیارت گاہ ہے جو اندرون بوہڑ دروازہ النگ کے قریب واقع ہے۔ یہاں پہلے دریا بہتا تھا اور اس کے کنارے صاحب مزار کا قیام تھا۔ دریا کی کنارہ کشی کے بعد جب یہاں زمین نکل آئی تو تب آپ کی وفات کے چودہ سال بعد ملتان کا یہ قدیم ترین مشہور مقبرہ تعمیر ہوا۔

یہ مقبرہ اسلامی فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے، اس کی عمارت مستطیل ہے، گنبد کی بجائے مسطح چھت سے ڈھکا ہوا ہے لیکن اس کے دروازوں اور دریچوں پہ قدیم طرز کی ڈاٹیں یعنی محرابیں بنی ہوئی ہیں۔ اندر سے چھت پر گلکاری کی گئی ہے اور اس میں نگینوں کی طرح چھوٹے چھوٹے شیشے کی ٹکڑیاں جڑی ہوئی ہیں اور باہر کی دیواریں نیلے رنگ کی خوشنما اینٹوں سے مزین ہیں۔ اس کے جنوب میں شیر شاہ سوری کی تعمیر کردہ مسجد ہے۔ جس کی منقش چھت ستونوں کے سہارے کھڑی ہے۔ اس کے شمال مغرب میں ایک مربع شکل چشمہ کوثر نامی تالاب تھا جسے بند کر کے مرثیہ خوانی کیلئے وسیع میدان بنا دیا گیا ہے۔

شاہان اسلام نے اِس مقبرہ کے ساتھ بہت سی جاگیریں معافی میں دے رکھی تھیں جو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ضبط کر لی تھیں۔

مزار موسیٰ پاک شہیدؒ

یہ مزار پاک دروازہ کے اندر بازار کے غربی جانب واقع ہے۔ اس کے بلند ترین دروازہ کی پیشانی اِس شعر سے مزین ہے۔ ؎

سگِ درگاہِ میراں شو چو خواہی قربِ ربانی
کہ بر شیراں شرف دارد سگِ دربارِ جیلانی

اِس مقبرہ کے سبز گنبد کے نیچے ۲۲ مربع فٹ عمارت ہے۔ اِس میں سنگِ مرمر کے چبوترہ پر درمیان میں خود، شرقی جانب آپکے صاحبزادے سید حامد بخش اور مغربی جانب آپکے پوتے سید علی جان آرام فرما ہیں اور نزدیک ہی اُن کے بھائی نواب موسیٰ پاک دین محوِ خواب ہیں۔

مقبرہ کے اندر ہر وقت بجلی کے قمقمے جلتے رہتے ہیں۔ جن سے اندرونی حصہ بقعۂ نور بنا رہتا ہے۔ شرقی جانب مستورات کے سلام وغیرہ کے لئے جالی لگی ہوئی ہے۔ باہر برآمدہ میں گیلانی خاندان کے اکابرین کی قبریں ہیں۔ ان کے شرقی جانب ایک بہت بڑا برآمدہ ہے۔ جس میں سجادہ نشین اپنے مُریدین سے مُلاقات کرتے ہیں۔

مزار کے اردگرد گیلانی خاندان کے مکانات ہیں۔ درمیان میں کھلا صحن اور تالاب ہے۔ ان کے درمیان یہ مقبرہ ایسے دکھائی دیتا ہے۔ جیسے انگشتری میں نگینہ!

خانقاہ حضرت موسیٰ پاک شہیدؒ
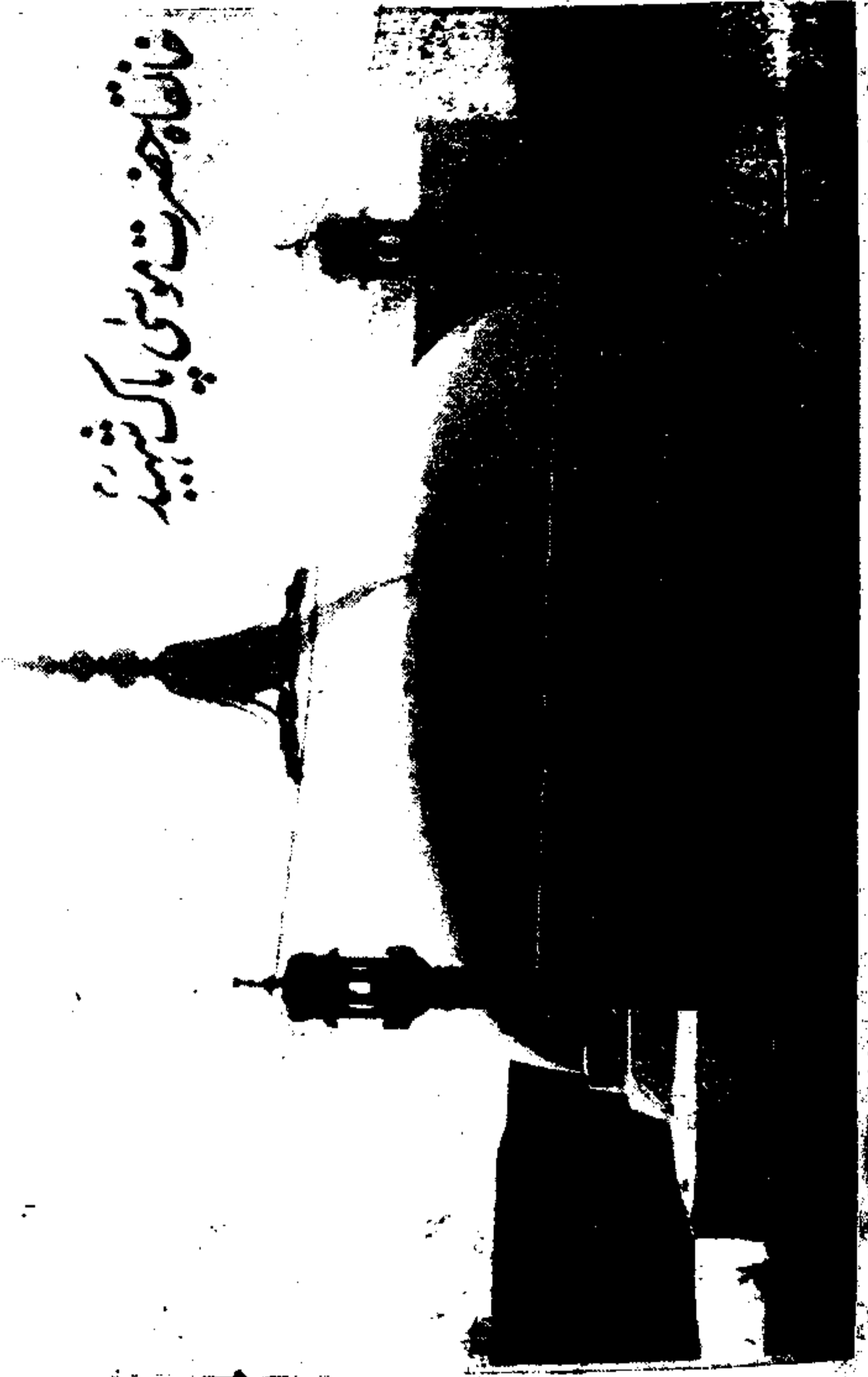
مقبرہ بہاؤالدین زکریاؒ

یہ مقبرہ حضرت زکریاؒ نے اپنی حین حیات میں از گرہ خود تعمیر کرایا تھا۔ ۵۱ مربع فٹ کے اس چوکور مقبرہ کی مضبوطی کے لئے اُس کے چاروں کونوں میں چوبی شہتیر کھڑے کئے گئے ہیں، دروازوں اور دریچوں کے اُوپر بھی اسی قسم کے چوبی سلیپر مختلف اُونچائیوں پر تہ بہ تہ رکھے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے عمارت میں مزید مضبوطی پیدا کردی ہے۔ یہ مقبرہ اسلامی ایرانی فنی صلاحیتوں کا بہترین نمونہ ہے۔ چوب کاری کا کام بڑا دیدہ زیب ہے۔ آپ کے پہلو میں آپ کے فرزند شیخ صدر الدین عارف آسودہ ہیں۔ پائنتی کی طرف خالی جگہ پر پہلے آپ کے پوتے حضرت شاہ رکن عالم دفن تھے، جنہیں بعد ازاں تغلق کے تعمیر کردہ مقبرہ میں منتقل کیا گیا۔ اس وقت خود سلطان محمد فیروز تغلق آپ کا تابوت مبارک اُٹھانے والوں میں شامل تھا۔

قدیم الایام میں دیوان مولراج تک جب بھی نیا حاکم ملتان آتا، سابقہ حاکم آپ کے مقبرہ پر حاضر ہو کر قلعہ کی کلید اُس کے حوالے کرتا۔ ۱۸۴۸ء میں انگریزوں کے حملہ کے دوران میں اِس مقبرہ کو سخت نقصان پہنچا۔ جس کی بعد ازاں مرمت کی گئی۔

مقبرہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ

مقبرہ شاہ رکن عالمؒ

دنیا کے اس بلند ترین، لاثانی اور نادر روزگار ہشت پہلو مقبرہ کی گولائی ۵۰ فٹ اور سطح زمین سے بالائی نقطہ تک اونچائی ۱۵۲ فٹ ہے اس کا قبہ ایسی چابکدستی سے کامل قوس کا بنایا گیا ہے کہ اس عمارت کا مثنیٰ بنانا تو ممکن ہے۔ مگر بقول ماہرین تعمیرات اسی تناسب سے کامل قوس کی عمارت بنانا ممکن نہیں، تاریخی حیثیت سے یہ اپنی طرز کی دنیا کی پہلی اور آخری عمارت ہے جسے جدت پسند ملتانی صناعوں نے کمال ہنرمندی سے ترچھی دیواروں پر سہ منزلہ کھڑا کیا ہے، سلطان تغلق نے یہ مقبرہ متدین معماروں سے اپنے خرچ سے اپنے لئے تعمیر کرایا تھا۔ اس پر سرکاری روپیہ خرچ نہ ہوا تھا چونکہ سلطان ہنگامی حالات میں دہلی میں دفن ہوا۔ اس لئے یہ مقبرہ اس کے بیٹے محمد تغلق نے ازراہ عقیدت حضرت شاہ رکن عالم کی نذر کر دیا۔ اس مقبرہ پر بھی شیر شاہ نے مسجد تعمیر کرائی تھی، جنوبی دروازہ والی چھوٹی سی مسجد مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے بنوائی تھی، اور مقبرہ کے شمال میں اورنگ زیب نے مسجد بنوائی تھی پھر پورے رنگ کی خوشنما ٹائلوں نے اس کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ شہر بھر میں یہ سب سے اونچی پرشکوہ اور نظارہ افروز عمارت ہے، اسے حسن ارغون کے حملہ میں شدید نقصان پہنچا تھا۔

مقبرہ شاہ رکن عالمؒ
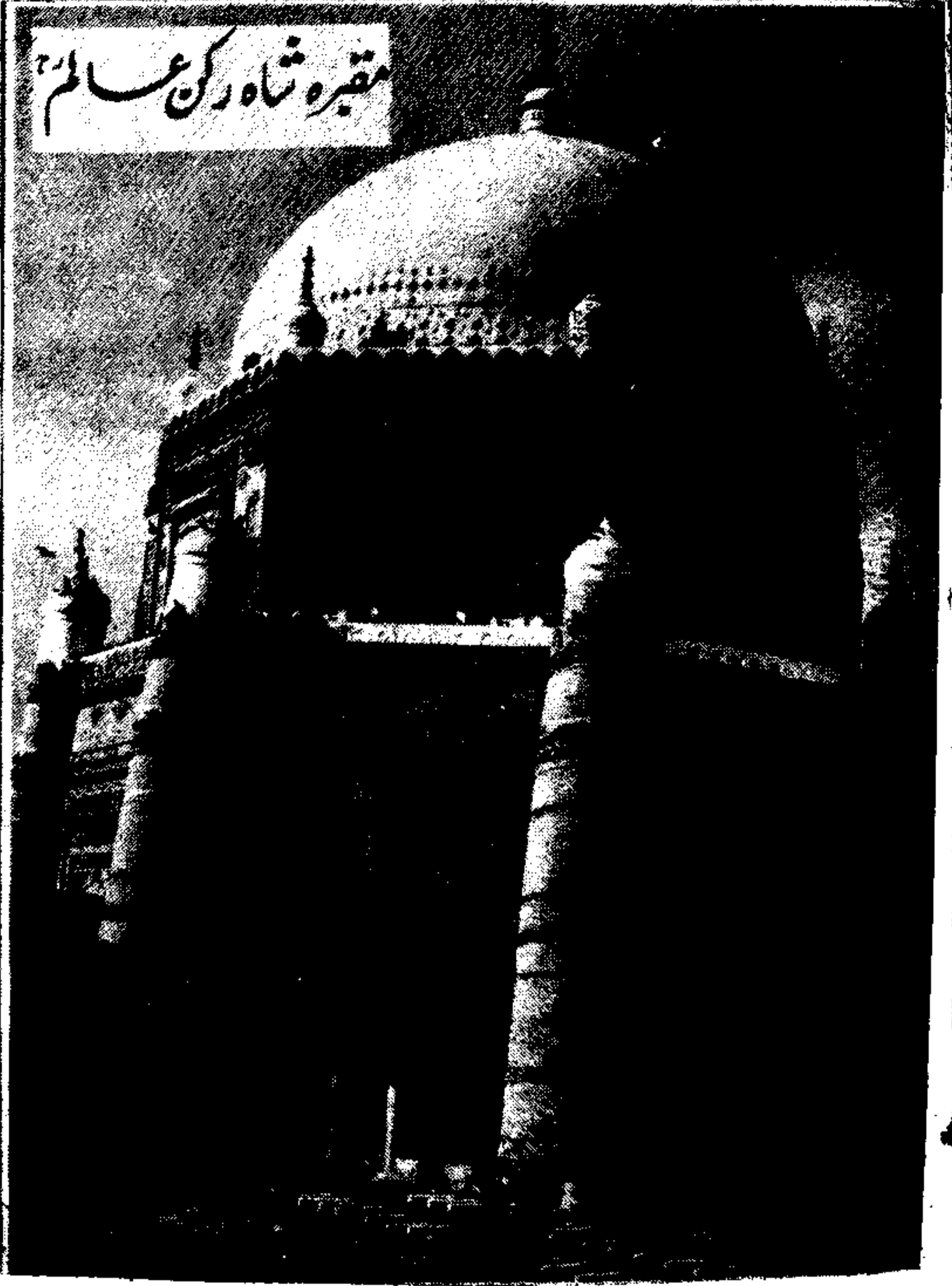
مزار شاہ شمس سبزواریؒ

یہ مزار عام خاص باغ سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر بجانب شمال واقع ہے۔ ۳۵ مربع فٹ کا یہ خوبصورت مقبرہ آپ کی قیام گاہ کے قریب ۱۳۲۹ء میں آپ کے پوتے صدرالدین نے تعمیر کرایا تھا چوکور عمارت پر سبز رنگ کی روغنی اینٹوں سے تیار شدہ یہ گنبد بھی ملتانی معماروں کا شاہکار ہے ۱۶۹۲ء میں شکستہ ہونے کے بعد ۱۸۱۶ء میں آپ کے ایک اسماعیلی مرید سیٹھ مہر علی نے پچیس ہزار روپے کی لاگت سے اسے از سر نو تعمیر کرایا تھا۔ یہ روغنی اینٹوں کے استعمال کا نادر نمونہ ہے، ایک شیعہ خاندان کے قبضہ میں ہونے کی وجہ سے اسماعیلی فرقہ کے راہنما سلطان محمد شاہ معروف آغا خان سوم نے عہد انگریزی کے اوائل میں اسے واگزار کرانے کے لئے دعوٰی کیا مگر ناکام رہا۔ اس کے سو سال بعد ۱۹۶۰ء میں موجودہ آغا خان پرنس کریم خان جب ملتان آئے تو انہوں نے اپنے اس بزرگ داعی کے مزار پر حاضری کا قصد کیا مگر شیعہ متولیوں نے اس کی اجازت نہ دی۔ صاحب مزار کی تبلیغ سے جو ہندو مسلمان ہوئے تھے، وہ آپ کی نسبت سے شمسی کہلاتے تھے، اسماعیلیوں کی طرح شمسی بھی اب تک یہاں موجود ہیں سکھوں کے قبضہ ملتان کے دوران اس میں گرنتھ پڑھا جاتا تھا۔
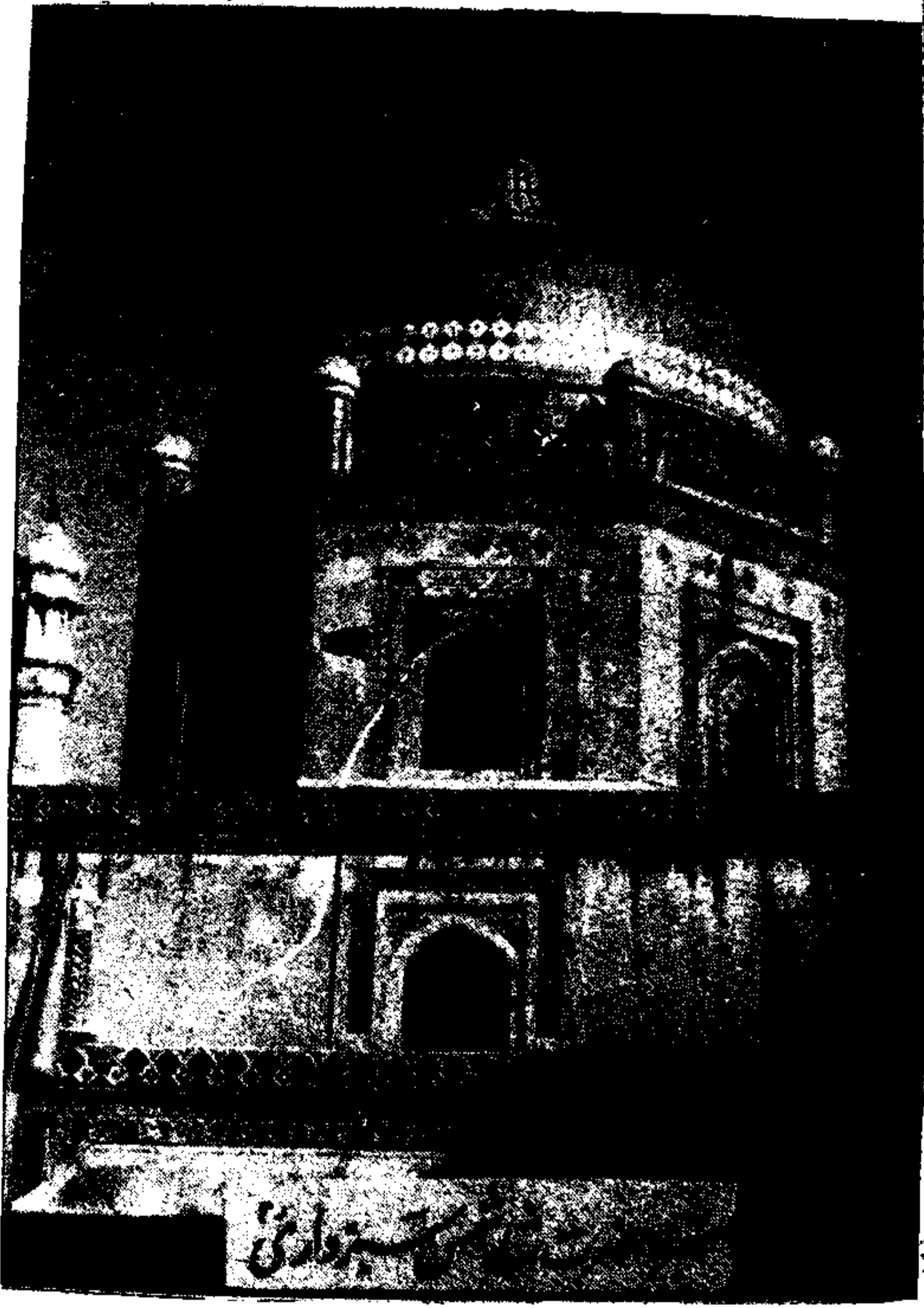
مقبرہ خواجہ حافظ محمد جمالؒ

آپ کا مزار دولت دروازہ کے باہر عام خاص باغ کے مشرق میں واقع ہے جو ایک قلعہ نما فصیل کے اندر ۱۴ مربع فٹ کے رقبہ میں بنا ہوا ہے۔ اس کے اندر سنگِ مرمر کے چبوترہ پر آپ کی تربت ہے۔ اس کے نیچے سنگِ مرمر اور سنگِ موسیٰ کا خوشنما فرش ہے، اس کی چھت اور دیواریں منقش ہیں شمالی اور جنوبی دروازے بھی سنگِ مرمر سے بنے ہوئے ہیں۔ دونوں طرف روشیں ہیں، اور ایک سمت مجلس خانہ ہے جس کی چوبی چھت نقش و نگار سے مزین ہے یہ حصہ بعد میں بنا تھا۔ مقبرہ کی شمالی دیوار پر قرآنی آیات تحریر ہیں اور اس کی دوسری جانب مولانا رُوم کے اشعار ثبت ہیں۔ ان کے علاوہ بیرونی طرف ان کے اپنے شعر لکھے ہیں۔ ؎

حافظ بہ کنج میکدہ دارد قرار گاہ
کالطیر فی الطریقۃ واللیث فی الاجمٰ

ایں جانِ عاریت کہ بحافظ سپرد دوست
روزے رخش ببینم و تسلیم وے کنم

یہ مقبرہ کوئی سوا سو سال قبل کا تعمیر شدہ ہے۔ جس میں وقتاً فوقتاً ایزادی ہوتی رہی۔
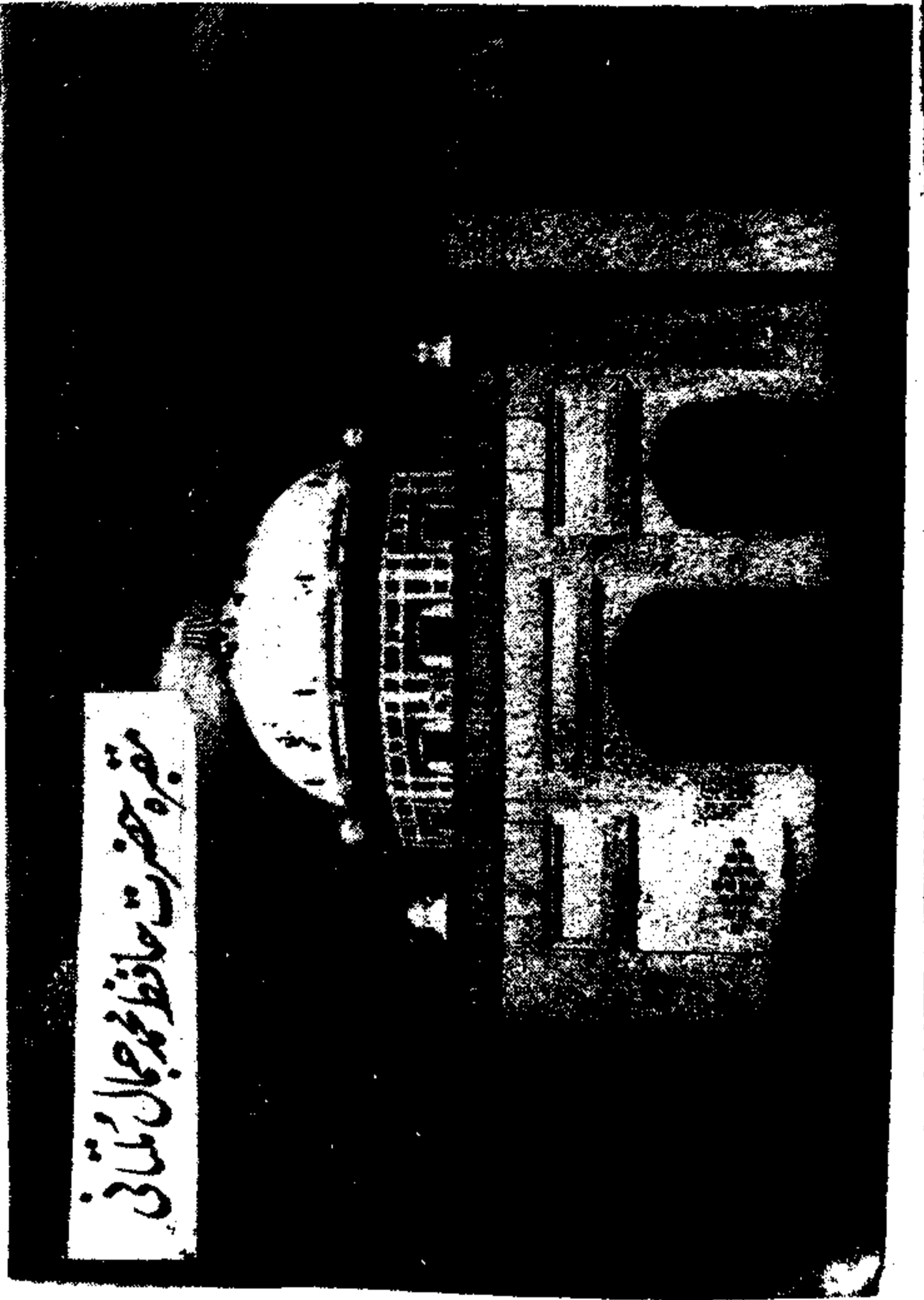
مقبرہ حضرت حافظ محمد جمال ملتانی

مضافاتی خانقاہیں

روحانی فیض

ملتان اِس لحاظ سے منفرد شہر ہے کہ یہاں سینکڑوں بزرگان دین آکر آباد ہوئے اور بہت سے علمائے اسلام نے یہاں جنم لیا۔ اِس لئے ملتان کو پیری پور ملتان بھی کہتے ہیں۔ اولیاء کرام اور صوفیائے عظام کا یہ مسکن اگرچہ اب اُن کے مدفن میں تبدیل ہوچکا ہے لیکن آج بھی اُن کے سینکڑوں زائرین اُنکے مزارات پر پھول چڑھانے اور روحانی فیض حاصل کرنے کیلئے کھنچے چلے آتے ہیں۔ ملتان کے مضافات میں مندرجہ ذیل بزرگان دین آرام فرما ہیں۔

شاہ علی محمدؒ المقلب بہ شیر شاہ ۹۵۰ھ میں مشہدِ مقدس سے بمقام شیر شاہ تشریف لائے اور متواتر بارہ سال تک دریا کے کنارے ریاضت و مجاہدہ کیا اور صاحب کشف و کرامات ہوئے۔ آپ کا مقبرہ شیر شاہ کے مقام پر اکبر بادشاہ کے زمانہ میں تعمیر ہوا مگر دریا کے پہلو بدلنے سے وہ گر گیا اور آپ کا تابوت دوسری جگہ شیر شاہ کے قریب دفن کیا گیا۔ آپ کا جسد مبارک صحیح و سالم تھا جس کی لوگوں نے دوبارہ زیارت کی۔

عبدالرشید حقانی قادری سلسلہ کے بزرگ حضرت بہاؤالحق زکریاؒ کے عمزاد تھے آپ کا قابلِ دید مزار مخدوم رشید میں ہے آپ نے ایک کنواں جاری کیا اور دُعا کی کہ جو بھی اس کا پانی پیئے شفایاب ہوجائے،

یہ کنواں سارا سال بند رہتا ہے۔ عُرس کے موقعہ پر اسے جاری کیا جاتا ہے جس پر ہزارہا لوگ آکر نہاتے ہیں۔ ہاڑ کے مہینہ میں ہر سال یہاں میلہ لگتا ہے۔

سیّد زین العابدینؒ آپ حضرت سخی سرور سلطانؒ کے والد بزرگوار ہیں آپ کا پختہ و خوشنما مزار بستی ملوک کی سڑک پر موضع لاڑ کے قریب موضع سہ کوٹ معروف سرور شکوٹ میں واقع ہے، درگا نامی پنڈت نے ایک لاکھ روپے سے آپ کا مقبرہ تیار کرایا تھا۔ اس کی چھت میں صندل کے شہتیر لگے ہوئے ہیں۔ ماہ ہاڑ میں اس پر میلہ لگتا ہے اور دُور دراز سے اُن کے عقیدت مند "سنگ" یعنی جلوس کی شکل میں سالانہ عرس کے موقعہ پر آتے ہیں۔

سُلطان احمد قتالؒ آپ پیر سیّد جلال حسنی اُوچی کی اولاد میں سے ہیں۔ ۹۴۹ھ میں سیّد علم الدّین شاہ کے گھر پیدا ہوئے حضرت شاہ رُکن عالم کے مزار پر چلّہ کشی کی۔ نیلی بار کی اقوام لکھویرا اور سلدیرا کو مسلمان کیا۔ ۹۹۰ھ میں بمقام جلال پور پیروالہ اقامت پذیر ہوئے۔ آپ صاحب کرامات تھے ۱۰۴۱ھ میں وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ اور مزار بنا۔ ماہ چیت کے ہر جمعہ کو یہاں بہت بڑا میلہ لگتا ہے آپ مادرزاد ولی تھے۔

شاہ ابوبکر ورّاقؒ آپ چشتیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت خواجہ معین الدّین چشتی اجمیری کے پیر بھائی اور خواجہ عثمان کے خلیفہ ہیں، اوّل اوّل اجمیر شریف کے قریب موضع تاراگڑھ میں قیام کیا جہاں کفار سے ایک جہاد میں شہید ہوئے آپ کا مزار موضع دھلو تحصیل میلسی میں ہے جو شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۱۰۶ھ میں تعمیر کرایا۔ اس پر بھی مُلتان کی کاشی لگی ہوئی ہے۔ ہر سال ماہ چیت

کے آخری شنبہ کو عرس ہوتا ہے جس میں دس بارہ ہزار آدمی شریک ہوتے ہیں۔

دیوان چاولی مشائخ ملتان کی یہ قدیم خانقاہ ہے۔ اس کے شمالی جانب محمود غزنوی نے اور شرقی جانب جہانگیر بادشاہ نے مسجد تعمیر کرائی تھی، آپ راجہ ہیپال کے چھوٹے لڑکے ہیں۔ آپ کا اصل نام رائے چاولہ ہے آپ اور آپ کی ہمشیرہ نے اسلام قبول کر لیا جو اُن کے بھائیوں کو ناگوار گزرا اور اُنہوں نے آپ کو شہید کر دیا ۱۳۱ھ میں وصال ہوا۔ آپ کا مقبرہ بھی محمود غزنوی نے پچاس ہزار روپے کی لاگت سے تعمیر کرایا۔ جہانگیر نے اپنے عہد میں اس کی مرمت کرائی۔ پھر دیوان مُولراج کے وقت اسکی از سرِ نو تعمیر ہوئی۔ ماہ رمضان کے آخر میں آپ کا عرس ہوتا ہے۔ آپ کے مزار پر حضرت بابا فرید شکر گنج، سید جلال بخاری، حضرت بہاؤالحق زکریا جتی لال شہباز قلندر حاضر ہو کر کسب فیض کرتے رہے۔

پیر بُرہانؒ آپ عہدِ مغلیہ میں کہروڑ کے حاکم تھے، بڑے فقیر دوست اور صوفی منش تھے، آپ کی کرامات کا تذکرہ کتابوں میں ملتا ہے، آپ کی خانقاہ کہروڑ کے مشرق میں نصف میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ عیدین کے موقعہ پر یہاں میلہ لگتا ہے۔

سیّد علی سرورؒ آپ ولی کامل تھے۔ ابتدا میں کچھ عرصہ ملتان میں قیام کیا پھر کہروڑ جا کر مقیم ہوئے ۶۰۰ھ میں دہلی سے یہاں تشریف لائے تھے، آپ کا اُونچا مزار دو تین میل سے نظر آتا ہے، آپ نے چونکہ افغان خاندان میں شادی کی تھی، اِس لئے سجادہ نشینی پٹھانوں کو ملی۔

پیر جیون سُلطانؒ آپ سیّد علی محمد شاہ شیر شاہ والے کے خلیفہ ہیں اور اُنہوں نے

ہی آپ کو سُلطان کا لقب دیا۔ بڑے صاحب کرامت ولی تھے۔ شاہ جہان بادشاہ آپ کا بے حد معتقد تھا۔ اس لئے شاہ جہان نے وہاں نالہ کُھدوا کر آپ کے نام سے منسوب کر کے اس کا نام نالہ سُلطان واہ رکھ دیا اور بہت سی زمین معافی میں لطور جاگیر دی۔ آپ کا مزار لودھراں کے موضع رپڑ میں واقع ہے۔

سُلطان ایّوب قتالؒ آپ حضرت مخدُوم رشید حقانی کے پوتے ہیں صاحب کشف بزرگ تھے ۷۶۶ھ میں آپ کا انتقال ہُوا۔ دُنیا پور کے نزدیک جنگل سرکار میں آپ کا مزار ہے۔ ہر سال ۲۲ چیت کو میلہ لگتا ہے۔ جس پر آٹھ دس ہزار آدمی جمع ہو جاتے ہیں۔

شاہ حبیبؒ آپ حضرت شیخ عبدُالقادر جیلانی کی اولاد میں سے ہیں موضع بغداد تحصیل خانیوال میں پیدا ہوئے۔ بارہ برس کی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہو کر چلہ کشی کی۔ اور سدھ نئے کے قریب جا کر مقیم ہوئے آپ نے موضع بغداد آباد کیا جو شاہجہان نے آپکو لطور جاگیر عطا کیا اور معافیاں دیں جو نوابوں کے عہد میں ضبط کر لی گئیں۔ ماہ ساون میں یہاں ہفتہ بھر کا زوردار میلہ لگتا ہے۔

میّاں عبدُالحکیمؒ آپ مادر زاد ولی تھے، پہلے دریائے بیاس کے کنارے رہتے تھے پھر موضع ملکا میں آگئے، وہاں سے اُٹھ کر دریائے راوی کے کنارے مقیم ہوئے، بالآخر چک سرنجم میں آ کر اپنے نام کا موضع عبدالحکیم آباد کیا جو تحصیل کبیر والہ میں واقع ہے، ہاڑ کے مہینہ میں یہاں میلہ لگتا ہے اور لاکھ کے قریب اجتماع ہوتا ہے۔

خالد بن ولید آپ کی خانقاہ موضع خطی چور تحصیل کبیر والہ میں واقع ہے، قریشی

نسل سے تعلق رکھتے ہیں، آپ محمُود غزنوی کے زمانہ میں یہاں تشریف لائے، آپکے مقبرہ کی اورنگ زیب عالمگیر نے مرمت کرائی اور ایک سرائے بھی بنوادی جو لاہور ملتان سڑک پر واقع تھی۔ بڑے صاحبِ جلال بزرگ تھے جن کی ہیبت اب تک محسوس ہوتی ہے۔

ارجن شیر بخاریؒ آپ اطرافِ بخارا سے سرائے سدھو تحصیل کبیر والہ میں آکر مقیم ہوئے اور اپنا چشمۂ فیض جاری کیا، شیر آپ کی سواری اور سانپ آپ کا چابک ہوتا تھا۔ اسی لئے ارجن شیر کہلانے لگے، آپ کی خانقاہ پر ہر سال ۲۷ ماہ جیٹھ کو میلہ لگا کرتا ہے۔
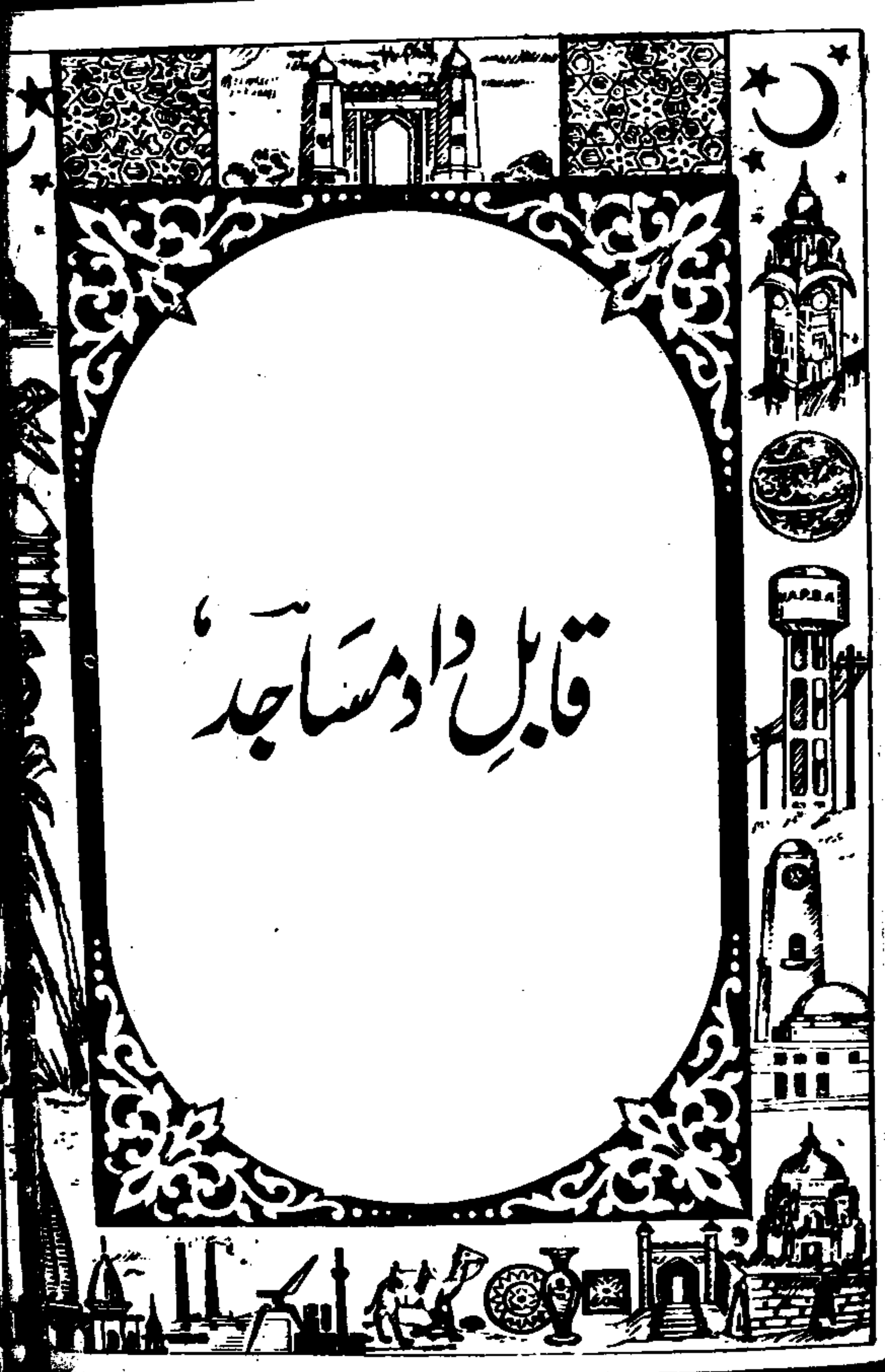
قابلِ داد مساجد

جامع ابنِ قاسمؒ

فتح ملتان کے بعد محمد بن قاسم نے سب سے پہلے قلعہ کہنہ پر ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی جو دار المکتب اور دار الکتب کا کام دیتی تھی اور اہم اسلامی مسائل اسی مسجد میں زیر بحث آتے تھے۔

اسماعیلی دَورِ اقتدار میں جلم بن شیبان حاکم ملتان نے بنوامیہ کی اس یادگار مسجد کو منہدم کرادیا۔ کیونکہ اہلِ تشیع بنوامیہ کے سخت مخالف ہونے کی وجہ سے اُن کی کوئی چیز گوارا یا برداشت نہ کرتے تھے۔ اس کے بدلے جلم بن شیبان نے مُلتان کا تاریخی مندر گرا کر وہاں خود نئی مسجد تعمیر کرائی۔

جامع ابنِ قاسم کے آثار موقعہ پر باقی رہے۔ جن پر ۱۰۰۵ء میں سُلطان محمود غزنوی نے دوبارہ یہ مسجد تعمیر کرادی۔

سکھوں کی حکومت نے اپنے عُروج کے زمانہ میں اس مسجد میں اسلحہ خانہ بنا دیا جس میں ہزاروں پونڈ بارُود موجُود رہتا تھا۔ انگریزوں کے حملۂ ملتان کے دوران ایک قادر انداز کا گولہ عین اس میگزین کے اوپر آکر گرا جس کے پھٹنے سے میگزین اور قلعہ کی ہر چیز ہوا میں اُڑتی نظر آئی۔ اور اس مسجد کے رہے سہے آثار بھی مٹ گئے۔ اس کی تانبہ کی ایک تختی عجائب گھر لاہور میں آج تک موجُود ہے۔

مسجد پھُل ہٹاں

یہ وسیع مسجد چوک بازار کے مغرب میں کپ بازار کے شرقی کونہ پر واقع ہے۔ ۱۷۱۶ئہ میں فرخ سیر بادشاہ کو جس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک ملتانی مرد خدا نے دعا دی جس کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ وہ صاحب اولاد ہوگیا۔ اس خوشی میں اُس کی ملکہ نے اس دعاگو کی خدمت میں اسی ہزار اشرفی کا گرانقدر ہدیہ روانہ کیا وہ زرپرستی کی بجائے خدا پرستی کا دور تھا۔ اِس لئے اس مرد خدا نے خدا کی دی ہوئی اس دولت سے یہ خانہ خدا تعمیر کرایا۔ چونکہ اس مسجد کے دونوں طرف گل فروشوں کی دُکانیں تھیں۔ اِس لئے یہ مسجد پھُل ہٹاں مشہور ہوگئی۔

سبز مسجد

سبز روغنی اینٹوں سے مزین یہ مسجد کوٹلہ تغلق خان معروف محلہ کوٹلہ تولے خان میں واقع ہے۔ ملتان گزٹیر کی رُو سے اس بلند عمارت کے نیچے تہ خانہ تھا جس میں آہنی زنجیروں سے صندوق لٹکے ہوئے تھے۔ اس کے شمال میں قائدین وقت نواب میر آغا اور نواب اصغر علی کی قبریں تھیں۔ اسی مسجد کے بیرونی تھڑے پر سلطان محمد تغلق کے بھتیجے کی کھال دفن کی گئی تھی۔ یہ مسجد محکمہ آثارِ قدیمہ کی تحویل میں ہے۔

مسجد علی محمد خانؒ

ایک زمانہ میں اِس جگہ پر دریائے راوی کی ایک شاخ کا قبضہ تھا اُسکے ہٹ جانے کے بعد کچھ عرصہ یہ جگہ غیر آباد رہی۔ اسے ویران و سنسان پاکر جنگل کے بادشاہ یعنی ایک خونخوار شیر نے اسے اپنی راجدھانی بنا لیا۔ جب اردگرد آبادی کے آثار پیدا ہوئے تو یہ حیوان بھی اِنسان کے خوف سے یہاں سے چلتا بنا۔

آبادی کے بڑھ جانے کے بعد یہاں کوتوالی قائم کی گئی، قاضیٔ وقت بھی یہاں عدالت لگانے لگا اور اِس جگہ جہاں اب مسجد موجود ہے مجرموں کو سزائیں دی جانے لگیں، جہانگیر ثانی کے زمانہ میں نواب علی محمد خان خاکوانی والیٔ ملتان نے ۱۷۵۷ء میں کوتوالی کی دُوسری طرف اس جامع مسجد کی بنیاد رکھی۔ اسکی کفالت کے لئے نیچے دکانیں بنائی گئیں اور ان کے اُوپر یہ مسجد تعمیر کی گئی۔

یہ مسجد ۲۱ فٹ چوڑی اور ۴۴ فٹ لمبی تھی۔ اس کے محراب و منبر سنگ مرمر کے ہیں۔ چوبی چھت عمدہ نقاشی سے مزیّن ہے منقش دیواروں پر بڑی خوبصورتی کے ساتھ باری تعالےٰ کے اسماء الحسنیٰ اور آیاتِ قرآنی نقش ہیں، اس کے صحن میں وضو کے لئے دس مُربعہ فٹ کا تالاب ہے جو باقاعدہ چھت سے ڈھکا ہُوا ہے۔

اِس کے ساٹھ سال بعد ۱۸۱۸ء میں جب سکھوں نے ملتان پر قبضہ کیا تو انہوں نے مسجد کے ہال میں گرنتھ رکھ دیا۔ جو اُن کے مخصُوص اوقات میں وہاں باقاعدہ پڑھا جاتا تھا۔ اور مسجد کے دروازہ میں ناظم ملتان کچہری لگایا کرتا تھا۔ اِس طرح چونتیس

سال تک یہ مسجد سجدوں کو ترستی رہی، انگریزوں نے ملتان پر قبضہ کرنے کے بعد یہ مسجد مسلمانوں کے حوالے کر دی۔

انگریزوں نے "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے اصول پر اپنے نظام سلطنت کی بنیاد رکھی، ان کی حکومت کو قائم ہوئے ابھی تیس سال ہی گزرے تھے، کہ ان کی ڈپلومیسی کی بدولت ملتان میں ۱۸۸۱ء میں دوسرا ہندو مسلم فساد ہو گیا۔ اس میں ہندوؤں نے اس مسجد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

حالات معمول پر آنے کے بعد خیر مجسم سیٹھ سید خدا بخش بخاری نے، جو چھاؤنی میں رہتے تھے۔ ایک لاکھ روپے از گرہ خود خرچ کر کے مسجد کی از سر نو تعمیر کرائی اور اسے پھر اصلی حالت پر کھڑا کیا۔ جس کے بیرونی کتبے ملتان کے اس رئیس اعظم کے اس صدقہ جاریہ کی آج بھی شہادت دے رہے ہیں ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مسجد عید گاہ

یہ عظیم الشان مسجد محمد شاہ کے زمانہ میں ملتان کے گورنر نواب عبدالصمد خان بادوزئی نے ۱۷۳۵ء میں تعمیر کرائی۔

یہ تاریخی مسجد لاہور ملتان کوئٹہ روڈ پر شمالی جانب اس سڑک کے عین سامنے واقع ہے جو عید گاہ سے دولت دروازہ کی طرف جاتی ہے۔ مسجد کا محراب دار مسقف دالان ۲۵۰ فٹ لمبا اور ۵۰ فٹ چوڑا ہے۔ اس کے سات گنبد ہیں درمیانی گنبد سب سے اونچا اور نمایاں ہے جو دور سے اس عظیم مسجد کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس کے دونوں طرف تین تین سیپ نما پست گنبد ہیں جو باہر سے نظر نہیں آتے مگر برآمدہ میں صاف اور نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ مسجد کے اگلے حصہ میں دائیں بائیں دو بڑے بلند مینار ہیں۔ مسجد کا زیر فرش صحن اس کے مسقف دالان سے دوگنا ہے۔

سکھوں کے زمانہ میں اس پر بھی دورِ ادبار آیا۔ انہوں نے اس قدیم مسجد کو اپنا فوجی ہیڈ کوارٹر بنا دیا۔ دیوان مولراج گورنر ملتان کے مستعفی ہونے کے بعد جب بنگال سول سروس کے پیٹرک وانز اگنیو اور لیفٹیننٹ ولیم اینڈرسن قلعہ کا قبضہ نئے گورنر ملتان کاہن سنگھ کو دلانے کے لئے ملتان آئے تو یہ دونوں انگریز افسر ۱۹ اپریل ۱۸۴۸ء کو اسی عید گاہ میں مارے گئے اور عید گاہ پہ ان کے قتل کے متعلق بطور یادگار ایک کتبہ نصب کر دیا گیا۔ انگریزوں نے ملتان پر تسلط قائم کرنے کے بعد عید گاہ میں دیوانی عدالتیں قائم کر دیں اور ناظم ملتان یعنی ڈپٹی کمشنر کی کچہری

بھی عید گاہ میں بنا دی گئی۔

۱۸۶۳ء میں یہ مسجد اس شرط پر مسلمانوں کو واپس کی گئی کہ یہاں سے مذکورہ بالا ہر دو انگریزوں کے قتل کے متعلق یادگاری پتھر نہ ہٹایا جائے جو اب تک ٹیوب ویل کے کمرہ کی غربی دیوار میں نصب ہے ۱۸۹۱ء میں عید گاہ کی حالت بہت خستہ ہوگئی تھی جس پر نواب صاحب محمد حیات خان ڈویژنل جج اور مسٹر گلسن ڈپٹی کمشنر کی کوششوں سے مبلغ دس ہزار روپیہ چندہ جمع ہوا اور اسی قدر گورنمنٹ انگلشیہ نے دیا جس سے ۱۸۹۴ء میں زیر نگرانی شیخ ریاض حسین قریشی اسکی مرمت مکمل ہوئی جس کا یادگاری کتبہ آج بھی مسجد کی شمالی دیوار پر موجود ہے۔

۱۹۶۰ء میں مسٹر مختار مسعود ڈپٹی کمشنر اور مسٹر بی۔ اے قریشی کمشنر ملتان کی مساعی جمیلہ سے مسجد کے سابقہ رقبے کو دوگنے سے بھی زیادہ بڑھا کر اسے وسیع سے وسیع تر کر دیا گیا اب یہ چالیس ہزار کی بجائے ایک لاکھ نمازیوں کے لئے مکتفی ہوگئی۔ اس کے گنبد کو جدید قسم کی کیمیاوی گچکاری سے مرمریں بنا کر اس پر فلش [illegible] چھوڑ دی گئی۔

راقم کی منتخب کردہ آیات سے کاشی کی بڑی بڑی اینٹیں تیار کرا کر برآمدہ کی جنوبی دیوار کو مزین کیا گیا۔ میاں مظفر الدین چیئرمین بلدیہ نے مرکری ٹیوبیں لگوا کر عید گاہ کو بقعۂ نور بنا دیا۔

عیدگاہ بطور چھاؤنی

تاریخی باغات

باغ عام خاص

یہ باغ دولت دروازہ کے قریب واقع ہے، یہ مشہور باغ مغل شہزادہ مراد بخش نے اپنے قیام ملتان کے دوران لگوایا تھا۔ مغل سلاطین کے عہد میں جب کوئی شہزادہ جاگیردار یا گورنر مقرر ہو کر ملتان آتا تو وہ اسی باغ میں کچہری لگایا کرتا تھا نیز چغتائی دور کے دوسرے ناظمین اور صوبیدار بھی جب کبھی ملتان آتے تھے تو اسی باغ میں رہائش اختیار کرتے تھے۔ درانی سلاطین کے زمانہ میں یہ باغ اُجڑ گیا تھا۔ نواب مظفر خان نے اپنی نظامت کے آخیر دور میں اسے دوبارہ آباد کیا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں دیوان ساون مل نے اس پر خاطر خواہ توجہ دی۔ ساون مل خود اس باغ میں رہتا تھا اور یہیں کچہری و دربار کیا کرتا تھا اور اسی کے اندر اُس نے اپنی سپاہ کی چھاؤنی بنا رکھی تھی۔ ساون مل کا لڑکا دیوان مولراج بھی یہاں کچہری لگاتا تھا۔

اُس وقت یہ باغ ۴۰ بیگہ میں تھا۔ اس کا پندرہ بیگہ رقبہ تحصیل ملتان کی عمارات کے تحت آ گیا جہاں اب جمال پورہ کالونی آباد ہے، ۷½ بیگہ رقبہ زبردست خان کا ملکیہ تھا جو اُس نے علیحدہ کرا لیا۔ اب یہ باغ صرف ۱۷½ بیگہ میں عوام کی تفریح گاہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

باغ لانگے خاں

یہ باغ کڑی افغاناں کے قریب چوک فوارہ سے شروع ہوتا تھا۔ اِسے قریبًا دو سو سال قبل لانگے خان خاکوانی نے قائم کیا تھا۔ زاہد خان گورنر ملتان نے اس سے یہ باغ بارہ ہزار میں خرید کر اسے عوامی تفریح گاہ کے طور پر مخصوص کر دیا اسکی گلکاریاں قابلِ دید اور روش روش آماجگاہِ بہار تھی۔

یہ باغ ۲۸½ بیگہ رقبہ میں پھیلا ہوا تھا تقسیمِ ہند سے قبل انگریزی دور میں اس کا دس بیگہ رقبہ الگ کر کے اس میں سول ہسپتال بنایا گیا۔ بقیہ ۱۸½ بیگہ رقبہ کا بیشتر حصہ جناب کلب، لیڈیز کلب اور امپروومنٹ ٹرسٹ کے دفاتر کی نذر کر دیا گیا۔ اور کچھ حصہ ڈویژنل گرلز گائیڈ ہاؤس کے تحت آگیا ہے۔

اب لے دے کے اِس باغ کا صرف چوتھائی حصہ باقی ہے۔ یہ باغ تفریح گاہ کے علاوہ جلسہ گاہ کا کام بھی دیتا تھا اور اس کا ایک وسیع پلاٹ سیاسی، مذہبی جلسوں اور دیگر تقریبات و اجتماعات کے لئے مخصوص تھا جس میں اب کسی کور ذوق نے ٹیوب ویل لگا کر اس کی افادیت ختم کر دی ہے جس کی تمام تر ذمہ داری بلدیہ مُلتان پہ عائد ہوتی ہے جس کی غفلت سے یہ قیمتی پلاٹ ضائع ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ ٹیوب ویل سول ہسپتال کی غربی دیوار کے ملحقہ پلاٹ میں بھی لگایا جا سکتا تھا۔

باغ عابد خانؒ

ملتان کے اطراف و مضافات کافی آباد، سرسبز و شاداب ہیں، جتنے جنگلات چاہات و باغات ملتان میں تھے، اسلامی دور میں اتنے اور کسی شہر میں نہ تھے، سوادِ شہر میں بھی کافی باغات تھے، باغ حبیب والہ اور قصائی والہ، مخدوم راجو والہ اپنی عمر کے دو دو سو سال گزار چکے تھے،

تیسرا باغ عابد خان سدوزئی والا تھا جو اپنے بانی کے نام سے مشہور تھا۔ جو تیسرے واسطہ سے نواب مظفر خان کے جد اعلیٰ اور شاہ حسین سدوزئی کے بھتیجے اور وارث تھے، یہ باغ اس جگہ واقع تھا جہاں آج کل ہوائی اڈہ ہے، یہ آموں کا باغ تھا۔

اس باغ میں ساون بھادوں کے مہینوں میں ہر جمعہ اور اتوار کو میلے لگتے تھے، جمعہ کے میلے میں مسلمان بکثرت شریک ہوتے تھے مسلمانوں کے اس آئے دن کے اجتماع سے خائف ہو کر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جمعہ کا میلہ بند کرا دیا اور صرف اتوار کا میلہ باقی رہ گیا۔ دو ماہ کے ان چھ سات میلوں میں ہندو مسلمان جوق در جوق جاتے، اطراف و اکناف کے لوگ بھی شوق سے آجاتے تھے، خوب رنگ رلیاں ہوتی تھیں، شاہدانِ بازاری کے طائفے رقص و سُرود کے مظاہرے کرتے تھے، فی زمانہ اس باغ کے آم تمام باغات سے عمدہ ہوتے تھے۔

حضوری باغ

حضوری باغ کے قیام کا سہرا نواب مظفر خان کے سر ہے اس میں والیان ملتان رہائش رکھتے تھے ، اس لئے یہ حضوری باغ کے نام سے مشہور ہوگیا۔
عہد انگلشیہ کے آغاز میں یہاں کمشنر رہا کرتا تھا۔ اُس وقت عید گاہ سے لیکر حضوری باغ تک کا علاقہ سول لائن کہلاتا تھا اور یہاں افسران کی کوٹھیاں ہوا کرتی تھیں حضوری باغ میں بھی انگریز کمشنروں نے دیدہ زیب عمارات کا اضافہ کیا۔ اور باغ کے حُسن کو دو بالا کیا۔ اس کا ایک حصہ انہوں نے کچہری کے لئے مخصوص کر لیا اور دُوسرا حصہ ذاتی رہائش گاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس کی دلکش عمارت، سرسبز و شاداب درخت، قسم قسم کے عمدہ میوے، رنگ برنگ کے پھول اور مجموعی رعنائی و دلکشی قابلِ دید تھی۔

باغ شیش محل

باغ شیش محل بھی ملتان کا مشہور باغ تھا۔ اس کی بنیاد نواب شجاع خان نے رکھی تھی اور آپ کے جانشین نواب مظفر خان نے اِسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا اور جی کھول کر سجایا یہ باغ شیش محل کے متصل و ملحق تھا جس میں آج کل کمشنر ہاؤس ہے۔

باغ بیگی

یہ باغ بیگم محمد معزالدین معظم شاہ کے لئے اُسی کے نام پر بنایا گیا تھا۔ بعد ازاں نواب سرفراز خان نے اِس کی مرمت کرائی تھی۔ یہ باغ ملتان شہر کے ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع تھا۔ جو شاہ محمود قریشی کو سرکار انگلشیہ کی طرف سے جاگیر میں ملا اور بعد ازاں نواب شیخ ریاض حسین قریشی کے حصہ میں آیا۔ اسے رہائش گاہ میں تبدیل کر کے ہمیشہ کے لئے اِس کے نشان مٹا دیئے گئے، نام باقی رہ گیا۔ یہ علاقہ اب تک باغ بیگی کے نام سے مشہور ہے۔ نواب عاشق حسین قریشی کی یہیں رہائش گاہ تھی۔

دیگر باغات اُس زمانہ میں دو باغ (۱) محمد زمان قریشی والہ اور (۲) غوث محمد والہ بھی مشہور تھے۔ محمد زمان قریشی والے کو بنے سنورے کُل چھ سات ماہ گزرے تھے کہ نواب مظفر خان کے دَورِ اقتدار میں یہ محمد خان ملے زئی کے تصرف میں چلا گیا۔ اور بطور جاگیر انگریزوں کے دَور میں صادق محمد خان بادوزئی کو عطا ہوا۔ غوث محمد والہ باغ بھی نواب موصوف کے زمانہ میں محمد خان مذکور کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ جو سرکار انگریزی نے غلام مصطفٰے خان خاکوانی کو بطور جاگیر دے دیا۔

باغ دیوان والہ

یہ باغ قریباً ڈیڑھ سو سال قبل دیوان ساون مل حاکم ملتان نے قائم کیا تھا۔ یہ باغ چالیس بیگہ اراضی میں پھیلا ہوا تھا۔ اس میں سے ۲۵ بیگہ رقبہ چار دیواری میں محدود تھا اور پندرہ بیگہ اس چار دیواری کے باہر چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ باغ زیادہ تر آموں کے درخت سے لدا ہوا تھا جن میں سے کچھ درخت ہائے آم اس وقت تک موجود ہیں۔ چار دیواری کے چاروں کونوں پہ ایسے برج بنے ہوئے تھے جیسے قلعہ ملتان کے تھے، ہر برج ہشت پہلو قریباً بارہ مربعہ فٹ میں تھا اُن کی ساخت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں باغ کے محافظین رہتے تھے، اِن چار برجوں میں سے ایک کے آثار اِس وقت تک موجود ہے۔ ٹوٹی پھوٹی چار دیواری بھی موجود ہے۔ اس باغ کے شرقی جانب باب الداخلہ ہے، اِس کے جنوب میں ایک تہ خانہ قریباً ۲۵ مربعہ فٹ چوڑا اور ۳۰ فٹ گہرا آج تک موجود ہے جس کی ساخت اور سیڑھیاں بالکل مغلیہ طرزِ تعمیر کی نقل ہیں، اسی تہ خانہ کے نیچے نہانے کا تالاب ہے جس کا پانی قدرتی کنویں کا ہے۔ یہ اس عہد کی تاریخی یادگار ہے جو محکمہ آثارِ قدیمہ کی عدم توجہی کی شکار ہے۔

یہ باغ انگریزی عہد میں اسد جان خان کو سرکاری خدمات کی انجام دہی کے عوض بطور جاگیر عطا ہوا۔
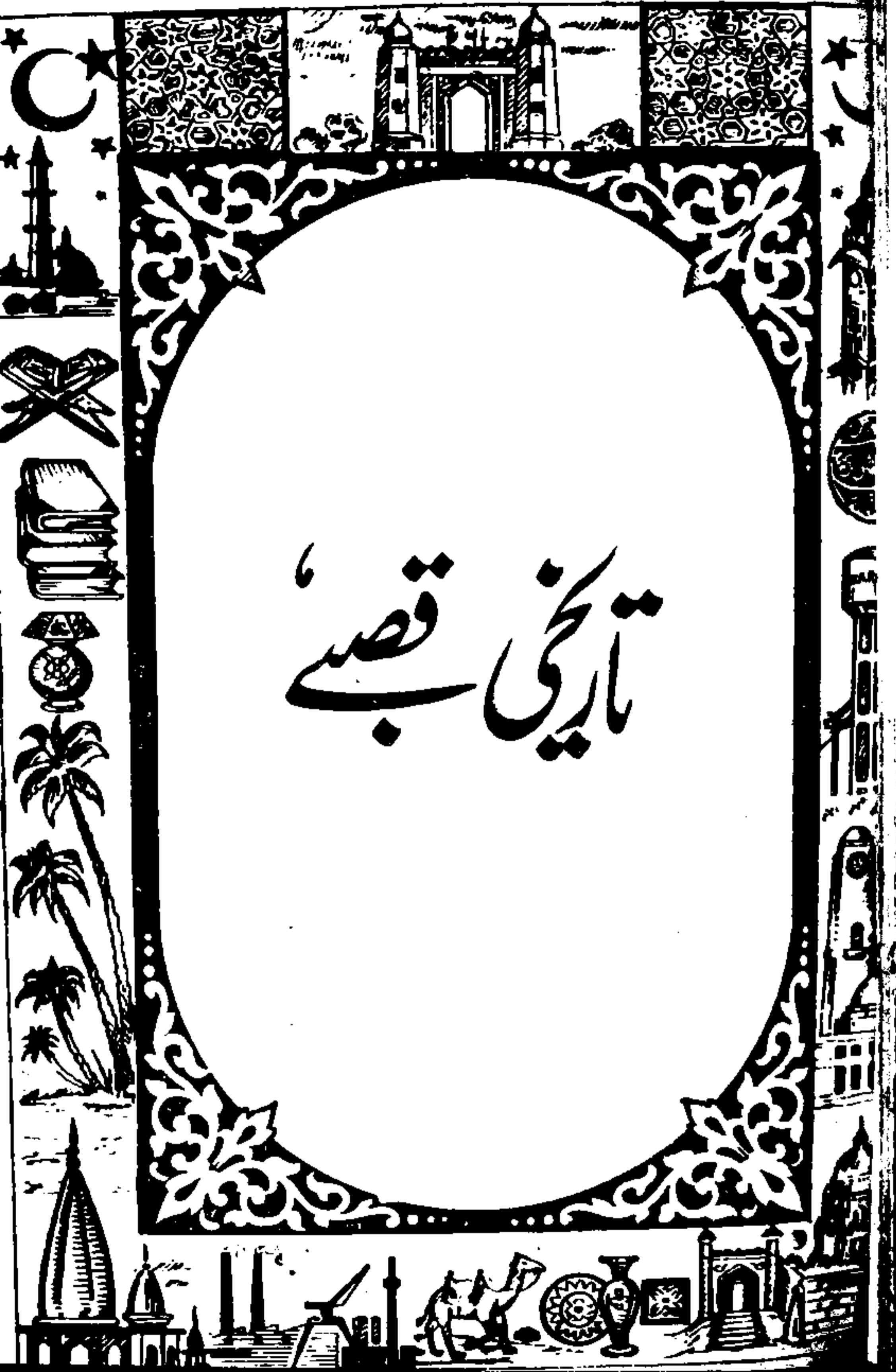
تاریخی قصے

تلمبہ

تلمبہ تاریخی قصبہ ہے اس کے قلعہ کی بہت شہرت تھی۔ جس کی وجہ سے یہ برباد ہو کر دوبارہ ایک میل کے فاصلہ پر دوسری جگہ آباد ہوا۔ اس کی پرانی آبادی کے آثار اب تک موجود ہیں جن کا مشاہدہ کرنے کے بعد مسٹر کننگھم نے لکھا کہ "یہ ایک وسیع شہر تھا جس کے جنوب میں ایک عظیم الشان قلعہ تقریباً ایک ہزار مربع فٹ کا موجود تھا۔ باہر کی فصیل ۲۰۰ فٹ موٹی ۲۰ فٹ اونچی اور اس کے اندر کی طرف اسی حجم کی ایک اور فصیل تھی۔ دونوں فصیلوں کے باہر کی طرف ۱۲ × ۸ × ۲½ فٹ حجم کی بڑی بڑی اینٹیں لگی ہوئی تھیں۔ ان فصیلوں کے اندر کی طرف ایک خندق تقریباً سو فٹ چوڑی موجود تھی اور اندرونی قلعہ تقریباً ۵۰۰ مربع فٹ تھا جس کی دیواریں چالیس فٹ بلند تھیں، اس قلعہ کے درمیان میں ستر فٹ اونچا ایک برج تھا جس کی بلندی سے تمام علاقہ پر نظر پڑتی تھی"۔

اس قلعہ کو سکندر اعظم نے مسمار کیا۔ اس پر محمود غزنوی حملہ آور ہوا۔ اور تیمور نے اسے فتح کیا۔ تیمور اپنی تزک تیموری میں لکھتا ہے کہ "جب میں تلمبہ پہنچا تو میں نے دریا کے کنارے اپنا ڈیرہ لگایا۔ میرا لشکر حشرات الارض اور ٹڈی دل کی طرح پھیل گیا۔ بھوکے تاتاری ایک عام حملہ کر کے چیونٹیوں اور ٹڈی دل کی طرح اہل شہر پر پل پڑے، اور اتنے ذخائر رسد جمع کئے کہ ان کا شمار مشکل تھا۔ بھوکے لشکریوں نے ایسا ظلم ڈھایا کہ اس کی خبر میرے کانوں تک پہنچی۔

یہاں کے بڑے بڑے زمیندار شہزادہ پیر محمد کے حملۂ ملتان کے وقت اطاعت کرنے کے بعد باغی ہو گئے تھے' ان ہزاروں باغیوں کو تہ تیغ کر کے اُن کی عورتوں بچوں اور مال و متاع کو فوج میں تقسیم کر دیا گیا۔ میرے وزراء نے دو لاکھ روپیہ زر فدیہ قائم کیا۔ چونکہ اہل سادات آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے علماء و فضلاء وارث شریعت محمدی ہونے کے لحاظ سے ہر مسلمان کے لئے موجب افتخار و عزت ہیں اسلئے میں نے اُن کا زر فدیہ خارج از حساب کر دیا اور سب کو تحائف مختلفہ اور اسپ ہائے عربی عطا کر کے بصد عزت واپس کیا۔"

گورو نانک سنگھ کو تلمبہ میں ہی ٹھگوں سے واسطہ پڑا شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں تلمبہ محالِ ملتان میں شمار ہوتا تھا۔ شاہجہان کے عہد میں لاہور ملتان روڈ پر' یہاں ایک بہت بڑی سرائے تھی۔ جو ۱۱۷۵ھ میں دریا بُرد ہو گئی۔ احمد شاہ ابدالی بھی تلمبہ تک پہنچا تھا۔ اِس مردم خیز خطہ سے نامور علماء پیدا ہوئے جنہوں نے ہندوستان گیر شہرت حاصل کی جن کا تفصیلی تذکرہ علماء کے ضمن میں آچکا ہے۔

شجاع آباد

یہ شہر ۱۷۵۰ء میں نواب شجاع خان نے آباد کیا تھا اور اس کی فصیل ۱۷۶۷ء-۱۷۷۰ء کے درمیان تیار ہوئی تھی۔ اس کا دوسرا نام "شجاع دا کوٹ" بھی تھا۔ یہ شہر ریلوے اسٹیشن سے دو میل بجانب غرب واقع ہے۔ تمام شہر پختہ بنا ہوا ہے۔ اس کے گرد ایک مضبوط فصیل ہے۔ جس میں چار بڑے بڑے دروازے ہیں۔

۱۔ ملتانی دروازہ۔ ۲۔ موری دروازہ۔ ۳۔ رشید شاہ دروازہ۔ ۴۔ چوتا کا دروازہ، یہ چاروں دروازے علی الترتیب شمال، جنوب، مشرق اور مغرب کی طرف واقع ہیں اور ان کے مابین عین وسط میں شرقاً غرباً اور شمالاً جنوباً بازار ہے۔

نواب مظفر خان شہید کے زمانہ میں اس شہر کی ترقی اور خوشحالی کو چار چاند لگے جنہوں نے اپنے آٹھوں بیٹوں کے لئے آٹھ شاندار مکانات اور زر کثیر خرچ کر کے مبارک محل، ہشت برج اور جہاز محل تعمیر کرائے، اوّل الذکر محلات فصیل کے اوپر تھے جو اب مسمار ہو چکے ہیں۔ جہاز محل کے ایک حصہ میں ۱۹۰۱ء تک پولیس کا تھانہ تھا۔ اب اسمیں تحصیل قائم ہے۔ اس کے بڑے کمرے کا سارا فرش سنگِ مرمر کا تھا۔ جو بعد میں اکھاڑ لیا گیا۔ مشہور سیاح میسن جو ۱۸۲۷ء میں یہاں سے گزرا ہے لکھتا ہے:

"شجاع کوٹ یا شجاع آباد ایک مستحکم شہر ہے اس کی مضبوط فصیل ایک خوشنما نظارہ پیش کرتی ہے۔ اس کا بازار نہایت عمدہ ہے۔ یہاں کی چوب تراشی کا کام مشہور ہے۔ روئی کی منڈی ہے قلعہ میں تھوڑی سی فوج رہتی

ہے اور فصیل شہر پر چند توپیں بھی چڑھی ہوئی ہیں۔ قرب و جوار میں وسیع باغات ہیں جن میں مظفر خان کا باغ مشہور ہے۔ علاقہ نہایت زرخیز ہے اور یہاں نیشکر اور کپاس کی کاشت خوب ہوتی ہے"۔

۱۸۴۸ء کی جنگِ ملتان میں یہاں رسد رسانی کا محکمہ قائم تھا۔ ۱۸۹۳-۹۴ء کی طغیانی میں اس شہر کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا جس پر اس کے گرداگرد مضبوط بند تعمیر کر کے اسے بچایا گیا۔ اس شہر میں ساٹھ فی صد ہندو آباد تھے جن کی جگہ اب مہاجر آباد ہیں۔ قیامِ پاکستان سے قبل یہاں کی ڈریاں، ریوڑیاں، پاپڑ اور بالائی مشہور تھی۔

کتبۂ تاریخ مرمت عید گاہ

ثقافت

آثارِ ثقافت

انگریزی لفظ کلچر کو سب سے پہلے متحدہ ہندوستان کے نامور صحافی، لیڈر، شاعر و ادیب مولانا ظفر علی خان مرحوم نے اردو کا جامہ پہنایا اور اس کا ثقافت ترجمہ کیا جسے ان کے روزنامہ "زمیندار" نے رواج دیا۔

ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کے الفاظ میں "کسی قوم کی ثقافت بنیادی طور پر اس کے مذہب کی تجسیم ہوتی ہے"۔ اسی لئے جسٹس محمد شریف نے لکھا ہے کہ "اسلامی ثقافت ان امتیازی علامات کا نام ہے جو اسلامی طرز زندگی سے عبارت ہیں اور جن کو دیکھ کر ہر شخص یہ کہے کہ یہ مسلمان کا خاص نشان ہے"۔ اس لئے اسلامی ثقافت کی روح وہ قومی روایات ہیں جو عہد رسالت، عہدِ خلفائے راشدین، عہدِ صحابہ، عہدِ تابعین و تبع تابعین کی یادگار ہیں"۔

ثقافت ایک وسیع اصطلاح ہے جس کی حدود میں آب و ہوا، قومی روایات، اقتصادی حالات، مذہب، معاشرت، زبان، گھر کا ماحول، تربیت گاہیں اور ہمسایہ اقوام سے ربط ضبط کے گہرے نقوش محدود ہیں۔ چنانچہ متحدہ ہندوستان کے وقت مدتوں لفظ ثقافت اسی نقطۂ نظر کے تحت اسلامی تہذیب و تمدن کے معنوں میں مستعمل رہا۔

پاکستان کے قاضی القضاۃ چیف جسٹس ایس اے رحمان کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ "ثقافت ادب اور آرٹ سے تعلق رکھنے والی ان سرگرمیوں تک ہی محدود

نہیں جن سے ہمارے خوشحال لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں بلکہ ثقافت ان لوگوں کی پوری زندگی کا ایک بہترین نمونہ پیش کرتی ہے جو ایک قوم کی حیثیت سے مل جل کر رہتے سہتے ہیں اور جن کو معاشرہ میں سرایت کر جانے والا ایک ایسا ہمہ گیر نقطۂ نظر باہم متحد کر دیتا ہے جسے یہ لوگ شعوری طور پر اپناتے یا خاموشی سے قبول کر لیتے ہیں۔ غرضیکہ ثقافت ایک ایسی اصطلاح ہے جو ایک قوم کے پورے طرز زندگی کی نمائندگی کرتی ہے"۔

"پاکستانی کلچر" کے مصنف جمیل جالبی نے کلچر کی یہ تعریف لکھی ہے:۔

"کلچر اس کل کا نام ہے جس میں مذہب و عقائد، علوم و اخلاقیات، معاملات و معاشرت، فنون و ہنر، رسم و رواج، افعالِ ارادی اور قانون، صرفِ اوقات اور وہ ساری عادتیں شامل ہیں جن کا انسان معاشرے کے ایک رکن کی حیثیت سے اکتساب کرتا ہے اور جن کے برتنے سے معاشرے کے متضاد و مختلف افراد اور طبقوں میں اشتراک و مماثلت، وحدت اور یک جہتی پیدا ہوتی ہے"۔

غرض کہ کلچر کسی قوم یا معاشرے کی وہ مشترک خصوصیت ہے جس سے نہ صرف ہم اسے پہچانتے ہیں بلکہ دوسرے معاشروں اور قوموں سے ممیز بھی کرتے ہیں۔
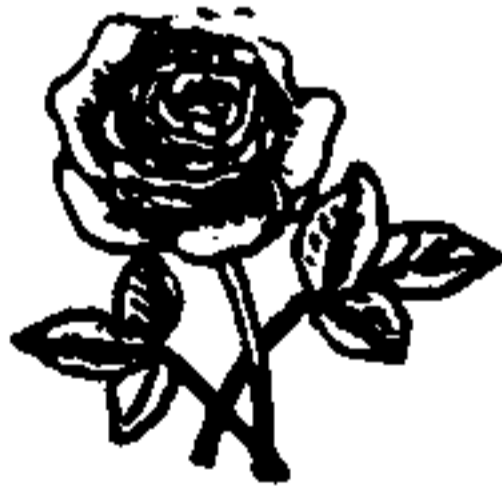
افلاسِ تمدّن

پانچ ہزار سال قبل اگرچہ پتھر کا زمانہ مانا جاتا ہے لیکن حال ہی میں کوئی تیس
سال قبل موضع جلیل پور تحصیل کبیر والہ ضلع ملتان میں بدوران کھدائی جو برتن، آلا
ہڈیاں اور دیگر اشیاء برآمد ہوئی ہیں، اُن سے محققین نے اندازہ لگایا ہے کہ ملتا
پتھر کے زمانہ میں بھی ایک متمدن علاقہ تھا۔ لوگ مکانوں میں رہتے تھے، با
میں خرید و فروخت ہوتی تھی۔ پتھر اور مٹی کے برتن، لکڑی، ہڈی اور سینگ کے
اوزار استعمال ہوتے تھے، مُردوں کو جلایا اور دفنایا جاتا تھا۔

اِس کے بعد ملتان پر دو ہزار سال آریہ اقتدار رہا۔ یہ ہند و تہذیب و ثقاف
کا وہ دَور تھا جس میں ذات پات کے بُت پُوجے جاتے تھے، برہمنوں کے علا
ہر ذات کا انسان احترام سے محرُوم تھا۔ علم اور اقتدار صرف برہمنوں کے لئے
مخصوص تھا۔ مذہب رسُومات میں مقید تھا۔ اور ان رسومات میں تغیّر و تبدل کا تص
بھی گناہِ عظیم تھا، ناانصافی، ظلم، عدمِ مساوات، غیر انسانی فعل اِس دور کے اصُو
زیست تھے، جس کی وجہ سے ساری معاشرتی، ثقافتی اور تہذیبی زندگی مفلوج ہو
تھی۔

سُلطان ظہیرُ الدین بابر نے اپنی تزکِ تیموری میں اس دَور کی ہند و تہذیب
اِن الفاظ میں اظہارِ حیرت کیا ہے۔

"یہاں کے لوگوں کو دوستانہ میل ملاپ، گرم جوشی اور بے تکلفی کا کوئی سلیقہ

نہیں۔ ان میں ذہنی اور دماغی وسعت نہیں، شائستگی اطوار نہیں، ان میں نئی نئی ایجادوں کا مادہ نہیں، صناعی کا علم اور تعمیر کا ہنر نہیں، ان کے پاس نہ اچھے گھوڑے ہیں، نہ یہاں اچھا گوشت ملتا ہے، نہ اچھا میوہ، نہ برف ہے نہ ٹھنڈا پانی، نہ اچھی روٹی ملتی ہے نہ خوراک، نہ حمام ہیں، نہ مدرسے، نہ مشعل ہے نہ شمع، نہ باغ ہیں نہ محلات نہ حوض ہیں نہ نہریں، عمارتوں میں نہ موزونی ہے نہ ہوا نہ تناسب، عوام ننگے پاؤں ایک لنگوٹی لگائے پھرتے ہیں۔ عورتیں لنگی باندھتی ہیں جس کا آدھا حصہ کمر سے لپیٹ لیتی ہیں اور آدھا سر پر ڈال لیتی ہیں"۔

مسلمانوں نے جب اس سرزمین پر قدم رکھا تو اُن کے پاس ایک ترقی پذیر نظام تھا۔ قوت متحرکہ تھی، ان کا مذہب اور رسومات محدود و مقید نہ تھے، ان میں پھلنے پھولنے بڑھنے اور جذب کرنے کی پوری صلاحیت موجود تھی۔ ان کے نظام اسلام میں مساوات، انصاف اور احترام انسانیت کا پورا فلسفہ موجود تھا۔ اسی کے سہارے ہندوستان میں اسلام پھیلا اور ایک ہزار سال تک مسلمان اس برعظیم پر حکمران رہے۔ اس عرصہ میں انہوں نے اپنی تہذیب و ثقافت کے ایسے آثار و نقوش قائم کئے جو آج تک اس کی رفعت و عظمت کے گیت گا رہے ہیں۔

حسنِ ثقافت

مسلمانوں نے سرزمین ملتان پر قدم رکھتے ہی تہذیب و ثقافت کی ایسی بساط بچھائی کہ یہاں ہر آنے والا مبہوت ہو کر رہ گیا۔ مشہور سیاح اصطخری جو ۹۵۱ء میں ملتان آیا لکھتا ہے کہ ملتان ایک محفوظ، مستحکم شہر پناہ سے گھرا ہوا ہے شہر کے باہر قریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر بہت سی عمارتیں ہیں، وہیں امیر ملتان کی چھاؤنی ہے۔ وہ ہر جمعہ کے دن ہاتھی پر سوار ہو کر شہر میں نماز کے لئے آتا ہے۔ یہ سامہ بن لوی کی نسل سے ہے"۔ اس کے پچیس سال بعد ۹۷۶ء میں نوجوان سیاح ابن حوقل ملتان آیا۔ اس نے دیکھا کہ "ملتان اور اس کے اطراف میں عربی اور سندھی بولی جاتی ہے، ملتان کے لوگ قرآن اور علم قرآن کی طرف راغب ہیں۔ سات قراتوں سے قرآن پڑھتے ہیں، فقہ، ادب اور علم کے شوقین ہیں"۔

۹۸۵ء میں نامور سیاح بشاری مقدس ملتان آیا۔ اس کا کہنا ہے کہ :۔

"اس ملک کا کوئی قصبہ ایسا نہیں جہاں امام ابو حنیفہ کے مقلد نہ ہوں یہاں نہ تو مالکی اور حنبلی ہیں۔ نہ معتزلہ، یہ لوگ سیدھے راستے پر گامزن ہیں۔ پسندیدہ اور عفت کا مذہب رکھتے ہیں، تعصب، غلو اور فتنہ سے اللہ نے ان کو نجات دی ہے۔

ملتان منصورہ سے چھوٹا ہے مگر اس سے زیادہ آباد ہے۔ پھل گو یہاں نہیں ہیں اور (عراق کی بندرگاہ) سیراف کی طرح سال کی لکڑی کے کئی مکانات ہیں یہاں بدکاری اور شراب خوری نہیں ہے اور جو اس جرم میں پکڑے جاتے ہیں ان کو قتل

کردیا جاتا ہے، یا کوئی اور سخت سزا دی جاتی ہے۔ خرید و فروخت میں یہاں کے لوگ نہ جھوٹ بولتے ہیں، نہ کم تولتے ہیں مہمانوں کی خاطر و مدارات کرتے ہیں اکثر باشندے عرب ہیں، سرسبزی اور دولت ہے، بیوپار کی حالت بھی اچھی ہے، تکلف و تنعم نمایاں ہے، حکومت منصفانہ ہے۔ بازار میں کوئی عورت بناؤ سنگھار کئے ہوئے نہیں ملتی اور نہ کوئی عورت سے راستہ میں علانیہ بات کرتا ہے۔ پانی اچھا ہے۔ زندگی عیش و مسرت اور خوشدلی سے گزرتی ہے۔ فارسی زبان سمجھی جاتی ہے۔ تجارت کا نفع خاصہ ہے جسم تندرست ہیں لیکن شہر تنگ اور میلا ہے۔ مکانات تنگ ہیں آب و ہوا خشک اور گرم ہے۔ لوگوں کی رنگت گندم گوں اور سیاہ ہے ملتان کا سکہ مصر کے فاطمی سکہ کے مطابق بنایا گیا ہے۔

قدیم باشندے

قدیم ملتان کے باشندے سیاہ فام، کوتاہ قد اور چپٹی ناک والے تھے۔ ایرانی نژاد سمیری لوگوں نے وسطی ایشیا کی پہاڑیوں سے اُتر کر پہلے پہل دجلہ اور فرات کی وادی میں بود و باش اختیار کی۔ آبادی کے دباؤ کی وجہ سے وہ مشرق کی طرف بڑھے اور انہوں نے وادیٔ سندھ کو اپنا مستقر بنا کر شاندار سمیری تہذیب کی بنیاد ڈالی۔ یہ لوگ دراز قد، گندمی رنگ، متناسب الاعضاء اور خوش شکل تھے، باہمی میل جول سے جو نسل تیار ہوئی وہ جاذبِ نظر تھی۔ آریاؤں کے غلبے نے اس تہذیب کا خاتمہ کر کے ملتان کے ابتدائی باشندوں کو کلیتہً اپنا وطن چھوڑ کر جنوب کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔

آریاؤں کی تہذیب طبقاتی تھی، ملتان میں زیادہ تر برہمن آباد ہوئے جنہیں اکثریت سفید ہن کی تھی۔ دوسرا طبقہ ساگت کی اولاد سے تھا جو بعد میں گت یا جٹ کہلایا۔ چینی سیّاحوں نے بھی انہیں یاتی، جاتی یا جٹ لکھا ہے، اس نسل نے سندھ، ملتان اور پنجاب کے علاقوں میں بڑی ترقی کی اور آریہ تہذیب کے زیر اثر تقریباً ڈیڑھ سو گتوں میں بٹ کر یہاں کی بود و باش اختیار کر لی۔ ان میں برہمن، کھتری اور اروڑہ نواحِ ملتان میں بکثرت آباد ہوئے۔ شہر ملتان میں کھتریوں کی تعداد زیادہ تھی لیکن ضلع ملتان میں مجموعی طور پر اروڑوں کی اکثریت تھی۔

عربوں کی آمد کے بعد یہاں کے لوگ اسلام سے زیادہ متاثر ہوئے۔ اگرچہ

انہوں نے اپنی ذاتیں برقرار رکھیں' اور پُرانی رسم ورواج کے پابند رہے۔ مگر بلحاظ عقائد پختہ مسلمان بن گئے۔ یہاں کے باشندے زیادہ تر متناسبُ الاعضا مؤثر قد وقامت اور گندمی یا سانولے رنگ کے ہوتے ہیں۔

اِسلامی دَور کا ایک سیّاح الادریسی لکھتا ہے کہ "ملتان بڑا شاندار وسیع اور آباد شہر ہے' یہاں ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ ہے جس کے چار دروازے ہیں۔ اِس کے چاروں طرف گہری خندقیں ہیں۔ یہاں ہر طرح کی ضروریاتِ زندگی کی کثرت اور ارزانی ہے۔ ٹیکس معمولی ہیں' یہاں کے باشندے عام طور پر دولتمند ہیں' ملتان سونے کی سرائے ہے جس کے ایک گھر سے ۱۳۳۲۰ من سونا ملا۔ ملتان میں مسلمانوں کی غالب آبادی ہے' اِسلامی احکام جاری ہیں۔ صُوبہ ملتان کا حاکم گرمی اور فرصت کا زمانہ یہیں بسر کرتا تھا۔ ملتان میں ایک چھوٹی سی ندی ہے۔ اس کے اُوپر بہت سی پن چکیاں لگی ہوئی ہیں۔ اِس کے کنارے بہت سے قابلِ زراعت کھیت ہیں۔ یہ ندی دریائے سندھ میں گرتی ہے۔"

ابنِ حوقل کے قول کے مُطابق عربوں کی آمد اور مکران و ایران کے لوگوں کے میل ملاپ نے اہلِ ملتان کی رسوم' لباس اور رہن سہن کو متاثر کیا۔ مشرقی ہند میں ان کی صورت وسیرت کے اثر سے تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔

طرزِ بود و باش

اہلِ ملتان شروع سے سادہ زندگی بسر کرنے کے عادی چلے آتے تھے تکلفات کا ان میں نام و نشان نہ تھا کھلے مکانوں میں رہتے تھے جن میں مستطیل دروازے اور مُربع کھڑکیاں لگی ہوئی تھیں، باورچی خانہ، غسل خانہ اور پاخانہ کا اس وقت رواج نہ تھا۔ کھانا مکان کے کسی کونے میں پکا لیا جاتا تھا۔ رفعِ حاجت کے لئے چھت استعمال کی جاتی تھی، جسے روزانہ مہتر صفا کر جاتا تھا۔ عورتیں گھر میں کوئی اوٹ بنا کر نہا لیتی تھیں اور مرد مسجدوں کے غسلخانوں میں چلے جاتے تھے۔ نشست زیادہ تر فرشی ہوتی تھی جس پر چادر، کھیس یا قالین بچھا لیا جاتا تھا۔ گھر کا فرنیچر صرف چارپائی تک محدود تھا۔

ہندو دھوتی اور مسلمان تہبند استعمال کرتے تھے، عراق اور فارس کی طرح یہاں کے تاجر لوگ قمیض اور چادر پہنتے تھے۔ کُرتوں کا لباس بھی نمایاں تھا۔ عورتیں چولی اور لہنگا استعمال کرتی تھیں۔ قمیض اور جبا عربوں سے مستعار لی گئی تھی۔ قبا نے ترکوں کے زیرِ اثر چُغہ کی شکل اختیار کر لی۔ تہبند ایرانی اور خراسانی اثرات کے تحت پاجامہ کی شکل اختیار کر گیا۔ جو مغلوں کے زمانہ میں سکڑ کر چوڑی دار بن گیا۔ مسلمان ننگے سر نہیں پھرتے تھے بلکہ سر پر ایرانی کلاہ اور خراسانی لنگی باندھتے تھے۔ جسے یہاں پگڑی یا پٹکا کہا جاتا تھا۔

ہندو پہلے بڑے گوشت خور تھے، بُدھ مت کے زیرِ اثر سبزی خور بن گئے، دال

پچپاتی اُن کا من بھاتا کھا جاتا تھا۔ اور پُوری کچوڑی مرغوب ناشتہ ۔ مُسلمان دن کو گوشت اور رات کو عام طور پر دال یا دودھ استعمال کرتے تھے اور کبھی کبھی پلاؤ کوفتے اور فرنی سے ذائقہ تبدیل کر لیتے تھے ۔

ہندو زیادہ تر اپنے مُردے جلا کر اُن کی راکھ دریا میں بہا دیتے تھے ۔ اور بسا اوقات اُسے دفنا کر سمادھی بنا دیتے ۔ مگر مسلمانوں کے مُردے باقاعدہ دفن ہوتے تھے چھٹی صدی عیسوی سے قبل یہاں قبروں کی اتنی اہمیت نہ تھی جتنی متصوفانہ عقائد کے زیرِ اثر بعد میں بڑھ گئی ۔ اور پختہ قبریں اور مزار بننے شروع ہو گئے ۔

ملتانی طبعاً سادہ، مہمان نواز، وسیع القلب، خوش گفتار اور غیر متعصب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو مُسلمان صدیوں سے اکٹھے رہے اور جب تک انگریزوں نے انہیں ایک دُوسرے سے نہیں لڑایا ۔ یہ کبھی آپس میں نہیں لڑے تھے اور نہ فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اجنبی ان کی شرافتِ طبع سے اکثر ناجائز فائدہ اُٹھاتے رہے ۔ ان کی عادات وسطِ پنجاب کے لوگوں سے نمایاں طور پر مختلف تھیں ۔ اور ان کے اصول معاشرت مربوط و مخصوص !

ملتان کے کسان عام طور پر چاہات پر رہتے تھے ۔ شہر کی بجائے مواضعات میں رہنے کو زیادہ پسند کرتے تھے ۔ غیر اضلاع کے باشندوں اور اجنبیوں پر کم اعتبار کرتے تھے ۔ امیر لوگ رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کرنے کے عادی نہ تھے ۔ ویسے اہلِ حاجت کی دست گیری کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے اور مرنجاں مرنج، عافیت پسند تھے ۔

تعلیم و تربیت

ابتدا میں مدرسوں کا وجود نہ تھا۔ ہندو دور میں پنڈت اپنے گھروں میں لوگوں کو علم نجوم، علم ہیئت اور علم طب کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اسلامی دور میں مساجد مدارس کا کام دینے لگیں جن میں تمام تر بنیادی تعلیم اخلاقی ہوتی تھی اور بچپن سے اخلاقیات کے نقوش اس طرح ذہن نشین کرا دیئے جاتے تھے کہ وہ تا زیست نہ بھولتے تھے اور دوسروں کو متاثر کرتے رہتے تھے۔

درس و تدریس کا سلسلہ محمد بن قاسم کے وقت سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ جسے بعد میں حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ نے آگے بڑھایا ان کے مدرسہ سے ستر ہزار افراد فیض یاب ہو کر ہندوستان میں علم کی شمع روشن کرنے کے لئے پھیل گئے۔ ہندوستان میں مدرسہ کی پہلی عمارت بھی عہد قباچہ میں ملتان میں بنی اور پہلی یونیورسٹی بھی سلطان حسین لنگاہ کے زمانہ میں ملتان میں قائم ہوئی جس کے ساتھ بہت سے مدارس منسلک تھے اور بڑے بڑے علما و فضلا گرانقدر وظائف پر درس و تدریس کے لئے مامور تھے۔ جہاں دوسرے شہروں کو اپنی سر بفلک عمارتوں پر فخر تھا۔ وہاں اہل ملتان کو علم و فضل میں برتری پر ناز تھا۔

ابتداً عربی اور بعد ازاں فارسی پڑھائی جاتی تھی۔ ہندو مسلمان طلباء اکٹھے پڑھتے تھے۔ فارسی ایسے سائنٹیفک طریق سے پڑھائی جاتی تھی کہ چند ہفتوں کے اندر طلباء فارسی نظم و نثر رواں دواں پڑھنے لگتے تھے۔ اسلامی دور میں اخلاق، ریاضی، حساب،

منطق، فلسفۂ فطرت، مجرد ریاضیات، دینیات اور تاریخ پڑھائی جاتی تھی۔ البتہ ہندو طلبار دیاکرن (صرف ونحو) وید اور تیجلی وغیرہ پڑھتے تھے علم کے شائقین طلبار اہل علم کے گھروں پر بھی جاجا کر زائد وقت میں علم کی پیاس بجھاتے تھے۔

مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کا بھی بڑا احسن انتظام و اہتمام تھا ہر محلے کی مسجد میں یا پیش امام کے حجروں میں چھوٹے بچوں اور بچیوں کی تعلیم کا انتظام تھا۔ بڑی عمر کی بچیوں کو گھروں میں اُستانیاں پڑھایا کرتی تھیں یا اُن کے لئے سن رسیدہ علمار کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔

اس زمانہ میں حصولِ علم کے لئے شائقین علم شہر شہر پھرتے رہتے تھے جہاں بھی اعلیٰ تعلیم کا پتہ چلتا وہیں پہنچ جاتے، بجارے زیادہ طلبا حصولِ علم کی خاطر پابہ سفر رہتے تھے، انہیں طعام وقیام کی کوئی فکر نہ ہوتی تھی۔ ہر آبادی کے باشندوں کے مکانوں کے دروازے ہر وقت طالبانِ علم کیلئے کھلے رہتے تھے جو انہیں ہر قسم کی کھانے پینے اور رہنے سہنے کی مفت سہولتیں بہم پہنچاتے تھے۔ شہر میں مساجد اور قصبات میں امراکی حویلیاں اور ڈیوڑھیاں بالعموم مدرسہ کا کام دیتی تھیں اور اہلِ تمان متلاشیانِ علم کی خدمت کرنے میں بڑی مسرت و راحت محسوس کرتے تھے اگر کوئی رئیس یا امیر اپنے بچوں کے لئے اُستاد مقرر کرتا تو ان کے ساتھ غریبوں کے بچوں کو بھی شامل کر لیتا۔ اساتذہ بھی تنخواہیں مقرر نہیں کرتے تھے۔ وہ عبادت سمجھ کر تعلیم دیتے تھے اور ان کی کفالت کے اسباب خود بخود پیدا ہوتے رہتے تھے جو اُن کی ضرورت سے زیادہ ہوتے تھے۔

نظم و نسق

قدیم ہندو دور میں راجہ یا حاکم نظم و نسق کا مختار مطلق ہوتا تھا۔ دیوانی فوجداری معاملات پنچائتیں فیصلہ کرتی تھیں جو اس وقت کے نظام میں بنیادی حیثیت رکھتی تھیں سزاؤں کا فیصلہ حاکم وقت کرتا تھا۔ یہی پنچائتی نظام انگریزوں کے وقت بھی جاری رہا جسے صدر ایوب نے بنیادی جمہوریت کا نام دیا۔

اسلامی عہد میں مسلمانوں کے فیصلے قاضی شریعت حقہ کے مطابق کرتے تھے' موت و حیات کے اختیار والی یا ناظم کے ہاتھ میں ہوتے تھے جن کی کوئی اپیل نہیں ہوتی تھی مسلمانوں سے اڑھائی فی صد زکوٰۃ اور پیداوار کا دسواں حصہ بطور معاملہ وصول کیا جاتا تھا۔ ہندوؤں کو اپنے شاستروں کے مطابق فیصلے کرنے اور قانون بنانے کا حق حاصل تھا۔ انہیں ہر قسم کی شہری اور مذہبی آزادی حاصل تھی۔ ان کو مسلمانوں کی طرح پناہ دی جاتی تھی' حفاظت کی جاتی تھی۔ ان کے مندروں کا احترام کیا جاتا تھا اور ان کے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہ کی جاتی تھی' ان کی جان و مال کا حفاظت کا معاوضہ بطور جزیہ وصول کیا جاتا تھا جس کی تعداد امیروں کیلئے دس روپے' متوسط طبقہ کے لئے پانچ روپے اور غریبوں کیلئے اڑھائی روپیہ سالانہ تھی' عورتیں' بوڑھے' بچے اور معذور اس سے مستثنیٰ تھے' لوگوں سے صرف اتنا معاملہ لیا جاتا تھا جتنا وہ ہندو عہد میں دیتے تھے۔

نظام حکومت مستقل تھا۔ فوجی چھاؤنیاں، سرکاری دفاتر' عدالتیں' شفاخانے'

رسد خانے قائم تھے، ہر ایک کے لئے جُداگانہ شعبہ مقرر تھا۔ فوج اور سپاہ کا کام مسلمانوں کے سپرد تھا۔ مالگزاری اور کلکٹری پر برہمن تعینات تھے، خود محمد بن قاسم نے وزارت مال کا اعلیٰ ترین عہدہ اپنے وقت کے مشہور ہندو فلاسفر سیمی کاک کے حوالے کر رکھا تھا جس کی ہندو مؤرخین نے بڑی تعریف لکھی ہے۔

اسلامی عہد میں شریعت حقہ کا احترام کیا جاتا تھا۔ شریعت کی کھلم کھلا خلاف ورزی یا بے احترامی ناقابل تصور تھی۔ علماء و صلحاء کی تعظیم و تکریم کی جاتی تھی، غیر مسلموں کے معاملات میں مداخلت نہ کی جاتی تھی۔ عوام کی آسائش و بہبود پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ نظم و نسق، علم و فضل، شعر و ادب اور عام وفاداری و جانسپاری میں جو لوگ امتیاز خصوصی حاصل کرتے تھے انہیں خلعت و خطاب اور انعام و اکرام سے نوازا جاتا تھا۔ فوج کو مال غنیمت میں سے بھی تنخواہ کے علاوہ حصہ دیا جاتا تھا۔ صوبہ کے گورنر کو صوبیدار اور بعد ازاں ناظم کہتے تھے۔ انسداد جرائم کیلئے محکمہ فوجداری قائم تھا۔ دیوانی کا محکمہ قاضیوں اور مفتیوں کے ہاتھ میں تھا۔ مال گزاری کی وصولی دبیر، پٹواری، پٹہ دار، کروڑی، بخشی کرتے تھے۔

سکھوں اور مغلوں کے زمانہ میں قیدی قلعوں میں قید کئے جاتے تھے۔ مغلوں کے وقت قاضیوں کی جگہ جوڈیشنل آفیسر مقرر تھے۔ سکھوں کے زمانہ میں جرائم کے انسداد کا کام فوج کے سپرد ہوتا تھا۔

دربارِ موسیقی

موسیقی کے معاملہ میں اگرچہ موسیقاروں کا یہ کہنا ہے کہ" گانا ہر جاندار کی سرشت میں داخل ہے، یہاں تک کہ جانور بھی خود گاتے ہیں اور دوسروں کے گانے سے مسرور ہوتے ہیں۔ رجز خوانی سے سپاہی کا حوصلہ بڑھتا ہے۔ پنہاری گا کر اپنی محنت کو خوشگوار بناتی ہے۔ بینڈ کے سروں اور تالوں پر فوجیں مارچ کر کے اپنی منزل کو آسان کرتی ہیں ماں بیٹے کی نعش پر بین کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتی ہے۔ عاشق غزل سرائی سے گنگنا کر اپنا غم غلط کرتا ہے۔ بچہ ماں کی لوری سے سو جاتا ہے۔ اونٹ ساربان کے نغمے سے مست خرامی کرتا ہے۔ سانپ بین کی آواز پر جھومتا ہے۔ لحن داؤدی تو مشہور ہی ہے" لیکن وہ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ موسیقی کا آغاز محض نفسانی خواہشات کو مشتعل کرنے کیلئے ہوا۔ موسیقی صرف کانوں کو ہی جنبش نہیں دیتی بلکہ یہ نفسانی خواہشوں ولولوں اور تمناؤں کو بھی حرکت دیتی ہے۔ عہدِ قدیم میں ہمہ اقسام کی پُر لطف صحبتیں جو ہر راگ سے منسوب ہیں اس کا بین ثبوت ہیں۔ اسی لئے اسلام نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔

ہندوؤں میں موسیقی کو عبادت کا درجہ حاصل تھا اسی لئے موسیقی کی تعلیم دیدوں کی تعلیم سے وابستہ تھی۔ ملتان میں سورج دیوتا کے مشہور مندر کے اندر آدیتہ دیوتا کی طلائی مورتی کے سامنے بڑی بڑی رقاصائیں، موسیقار اور مغنی دور دراز سے آکر اپنے فن کا مظاہرہ کیا کرتے تھے اور گھنٹوں رقص و سرود میں محو و بے خود رہتے تھے، اماوس کی راتوں میں موسیقی کی خصوصی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں اور خوب گانا بجانا ہوتا تھا۔ جسکی

کشش دور دور سے لوگوں کو یہاں کھینچ لاتی تھی۔ ایک دفعہ تو ہندوستان کی مہارانی پنگلا، مشہور عالم رقاصہ پدماوتی کا رقص دیکھنے کے لئے اجین سے چل کر ملتان آئی۔ جبکہ نہ سڑکیں تھیں نہ شاہ راہیں۔ نہ ریلیں تھیں نہ بسیں، راستہ دشوار گزار جنگلوں سے پٹا پڑا تھا۔

ملتان کے اسوا ہنی راجے اپنے گھوڑوں کو بھی ڈھول کی دھن پر نچاتے تھے رقص اسپاں تب سے دیہاتوں میں رائج ہے۔ عبادت اور جنگ کے معرکوں کی موسیقی تو بڑی جذبات انگیز ہوتی تھی۔ علامہ اقبال کے قول کے مطابق ہندی موسیقی مشرف بہ اسلام ہو کر قوالی کی صورت اختیار کر گئی جو امیر خسرو کی ایجاد تھی اور جس کی حضرت نظام الدین اولیا نے حوصلہ افزائی کی تھی۔

ملتان کے نواحی قلعہ سکہ کے اندر ایک مشہور سنگیت ودیالہ تھا۔ جس میں رقص و سرود کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ تغلق بادشاہوں کے زمانہ میں محلہ کوٹلہ تغلق (تولیخان) میں موسیقی کی مختلف محفلیں ہوا کرتی تھیں۔ جن میں نائیک گوپال کمار نرمل اور امیر خسرو جیسے عظیم مغنی شرکت کرتے تھے۔ ملتان امیر خسرو کی بدولت قوالی سے آشنا ہوا۔

بازارِ حُسن

سوامی دیانند سرسوتی مصنف "ستیارتھ پرکاش" اِس کتاب کے گیارھویں سمولاس میں ہندوؤں کو جنسی آزادی کا ذمہ دار گردانتا ہے وہ لکھتا ہے "کہ ہندوؤں کی خرابی کے آثار مہابھارت کی جنگ سے ایک ہزار پہلے رونما ہو چکے تھے حریص۔ طامع مذہبی پیشواؤں یعنی برہمنوں نے کسی بد اخلاقی کو گناہ نہیں رہنے دیا تھا۔ شراب خوری اور زنا کاری انہوں نے مذہباً فرض کر دی تھی اسی لئے بقول البیرونی ہندو، فاحشہ عورتوں کے پیشہ کو جائز سمجھتے تھے۔ مسٹر ویدیا بھی اِس کی اِن الفاظ میں تائید کرتے ہیں کہ تمام مندروں میں پیشہ ور عورتیں ناچنے کے لئے اپنی زندگی کو وقف کئے ہوئے تھیں بلکہ اُن کے مذہب میں شولنگ (عضوِ مخصوص) کی باقاعدہ پُوجا ہوتی تھی۔ سوامی دیانند کے الفاظ میں ان میں جنسی انارکی اِس حد تک پہنچ گئی تھی کہ "بھیرویں چکر" میں مرد عورتوں کو اور عورتیں مردوں کو مادرزاد برہنہ کر کے پُوجتی تھیں۔ اِس پُوجا پاٹ کے وقت شراب پی جاتی تھی اور اس کی مستی میں اپنی ماں، بہن، بہو اور لڑکی تک کا امتیاز نہ کیا جاتا تھا جو جس کے ہاتھ آجاتی وہ اسی کو استعمال کرتا۔

اِس لئے ہندوؤں میں فحش کاری جائز تھی۔ مندر چکلوں اور بالاخانوں کا کام دیتے تھے، جہاں ہزاروں دیوداسیاں (پیشہ ور عورتیں) رقص و سرود میں مصروف رہتی تھیں۔ یہاں لوگوں کو تفریحِ طبع کے علاوہ جنسی سکون بھی حاصل ہوتا تھا اور

ان کی بدولت مندروں کو خاصی آمدنی ہوتی تھی جس کا زیادہ تر حصہ حکمرانوں کے خزانوں میں چلا جاتا تھا اور فوجی ضرورتوں پر خرچ ہوتا تھا۔ حکمران طبقہ کو اس زمانہ میں مندروں سے اسی طرح آمدنی ہوتی تھی جیسے آجکل سینماؤں سے، ان دیو داسیوں کی بدولت بازارِ حسن کی بنیاد پڑی۔ آہستہ آہستہ اس فحش کاری نے ایک مسلمہ ادارہ کی شکل اختیار کرلی جس کے تذکرے ادب کے میدان میں بھی سننے جانے لگے۔ انیسویں صدی کے وسط میں ملتان کے بازارِ حسن کی رونق شباب پر تھی۔ جس نے حضرت ذوق کو یہ کہنے پر مجبور کردیا کہ ؎

پنجاب میں بھی اب نہ رہی آب و تاب حسن
اے ذوق پانی اب تو وہ ملتان بہ گیا

آخری سکھ گورنر دیوان مولراج کے میر منشی غلام حسن المتخلص بہ حسن ملتانی نے کہا ہے

نگاریں شد حسن بازار ملتان زانکہ می بینم
نگاریناں بہ بازارش یکے از دیگرے رنگیں

ترجمہ:۔ اے حسن، ملتان کا بازار رنگا رنگ نظر آتا ہے۔ کیونکہ اس بازار میں بیٹھنے والے حسین ایک دوسرے سے بڑھ کر خوبصورت اور حسین ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک اور شعر بھی قابلِ غور ہے ؎

صنم آں نیست کہ بہیانہ فروشد صنمی
صنم آنست کہ ایں دارد و آنے دارد

یعنی معشوق وہ نہیں جو اپنے حسن کو بیچے۔ بلکہ صنم وہ ہے جس میں حسن ہو۔ اور آن بھی ہو۔ اہلِ ملتان اسی حسن کے دلدادہ تھے۔

۱۹۰۴ء میں عیدگاہ کی مرمت کا یادگاری کتبہ

علم وادب

مُلتانی زبان
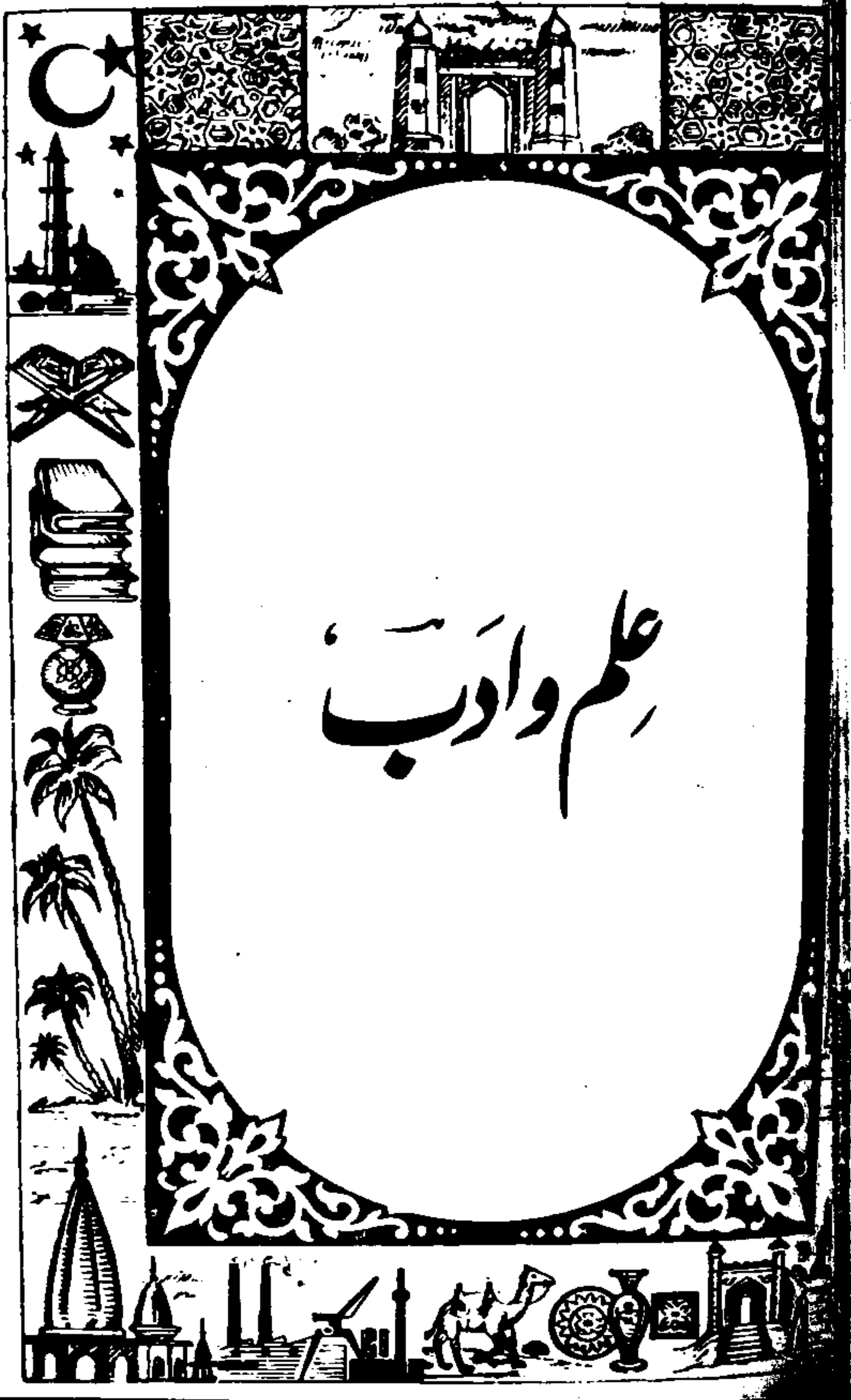
ملتانی اور سندھی دونوں ایک ہی مُلک کی دو زبانیں ہیں جس طرح سنسکرت برہمنوں کی زبان تھی اور پراکرت عوام کی زبان تھی، اسی طرح سرائیکی سندھ کے سرداروں کی زبان تھی۔ یہ سندھی زبان کی خالص ترین شکل تھی اور جنوبی سندھ میں بولی جاتی تھی۔ عوام کی زبان ملتانی تھی جو سندھ کی اُردوئے معلیٰ کی حیثیت رکھتی تھی اور شمالی سندھ میں بولی جاتی تھی۔ یہ سرائیکی سے بالکل الگ ایک مستقل بالذات زبان تھی ۱۰۱۱ھ میں جب سندھ ملتان سے علیحدہ ہوا تو ملتانی زبان بھی سرائیکی سے علیحدہ ہوکر آزادانہ طور پر ترقی کرنے لگی، اِس طرح ملتانی کو سرائیکی سے علیحدہ ہوئے قریبًا تیرہ سو سال گزر چکے ہیں اور اس کے درمیان کوئی رشتہ داری باقی نہ رہی۔

ملتانی زبان معمولی ردوبدل کو چھوڑ کر اپنے ابتدائی زمانہ میں بحیرۂ عرب کے ساحل سے لے کر راجپوتانہ کے ریگستانوں کے آخری کناروں تک بولی اور سمجھی جاتی تھی، یہ مغربی پاکستان کی سب سے زیادہ مستعمل زبان ہی ہے جسے قریبًا ایک لاکھ مربعہ میل کے علاقہ میں پانچ لاکھ کے قریب انسان بولتے ہیں جو ڈیرہ غازیخان، میانوالی، جھنگ، ساہیوال، ملتان، بہاولپور، بہاولنگر، احمد پور شرقیہ، خیر پور اور بلوچستان میں مقیم ہیں، قدیم تحریروں میں ملتانی کا لفظ سب سے پہلے زبان کے معنوں میں آئینِ اکبری میں استعمال ہوا جس میں پنجاب کی زبان ملتانی لکھی ہے کیونکہ پرانے زمانے میں پنجاب ولایت ملتان کا ایک حصہ تھا اور پنجابی زبان ملتانی زبان کی ایک شاخ

تھی۔ اسی لئے پنجابی لٹریچر میں ملتانی زبان کے اسّی فی صد الفاظ ملتے ہیں۔

سندھ سے علیحدگی کے بعد ملتان پر مختلف وقتوں میں جو حکمران رہے، ان کے زیر اثر ملتانی زبان پہلے سے زیادہ فصیح، زیادہ شیریں اور زیادہ خیال افروز بن گئی۔ ملتانی زبان اگرچہ دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ہے اور اس کے حروفِ تہجی بھی دنیا کی اکثر زبانوں سے زیادہ ہیں لیکن اسے کسی دور میں بھی سرکاری سرپرستی حاصل نہیں ہوئی اور نہ ہی آج تک ملتانی زبان کا کسی نے لغت مرتب کیا ہے اور نہ یہ دوسری زبانوں کی طرح ترقی کر سکی ہے کیونکہ یہ ایک مخصوص تلفظ کی حامل ہے، ایک ملتانی بولنے والا دنیا کی ہر زبان کے الفاظ و حروف کا بآسانی صحیح تلفظ ادا کر سکتا ہے۔ لیکن دنیا کی کوئی بھی اور زبان بولنے والا ملتانی زبان کے سب الفاظ و حروف کا صحیح تلفظ بآسانی نہیں کر سکتا۔ اس کی یہی خصوصیت اور انفرادیت اس کی ترقی کی راہ میں سب سے زیادہ حائل رہی ہے۔

ملتان کی جغرافیائی وسعت بھی سمٹ سمٹا کر اب ضلع ملتان تک رہ گئی ہے۔ اختلاطِ آبادی کی بدولت ہر دس میل کے بعد علاقائی طور پر زبان کا لب و لہجہ بدلنے کی وجہ سے اس کی لسانی وسعت بھی محدود ہو گئی ہے، جسے بحال کرنے کے لئے ملتانی زبان پر سرائیکی کا لیبل چسپاں کر دیا گیا ہے جو ملتانی بولنے والے تمام علاقوں اور لوگوں کی اسی طرح نمائندگی کرتا ہے جس طرح برطانیہ دولتِ مشترکہ کی نمائندگی کرتا تھا، چونکہ خود سندھی ملتانی زبان کو سرائیکی کہتے تھے، اس لئے لفظ سرائیکی اب ملتانی زبان کا نعم البدل بن گیا ہے۔

اُردو کی ماں

ملتان کے مایۂ ناز شاعر اور قابلِ فخر ادیب حضرت اسد ملتانی لکھتے ہیں کہ:۔

"ملتان زمانۂ قدیم سے وادیٔ سندھ کا سب سے اہم اور کئی تہذیبوں کا علمی مرکز رہا ہے۔ علمی مرکز زبان کا بھی گہوارہ ہوتا ہے چنانچہ ملتانی زبان ہمیشہ سے اس تمام علاقہ کی اہم ترین زبان رہی۔ حتیٰ کہ اس وقت بھی مغربی پاکستان میں رقبہ اور بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے سب سے اہم زبان یہی ہے۔ اس زبان کا آغاز اس زمانہ میں ہوا۔ جب عرب کے مسلمان سندھ سے گزر کر ملتان تک پہنچے یہیں اس مشترکہ زبان کی بنیاد پڑی۔ جس نے بعد میں ایک طرف لاہور پہنچ کر پنجابی اور دوسری طرف دہلی اور دکن وغیرہ پہنچ کر اُردو کی صورت اختیار کر لی۔ جہاں تک سندھ کا تعلق ہے خود اہلِ سندھ ملتانی زبان کو سرائیکی کہتے ہیں۔ جس کے معنی سرداروں کی زبان یعنی شاہی زبان ہے۔ گویا ملتانی زبان سندھ کی "اُردوئے معلّی" ہے۔ بہر حال اب یہ مسئلہ عملی طور پر مسلم ہو گیا ہے ۔ کہ ملتان اُردو زبان کا مولد ہے اور ملتانی زبان اُردو زبان کی ماں ہے"۔

مسلمانوں کے دورِ حکومت میں چونکہ پانچ سو سال تک فارسی سرکاری اور اُردو درباری زبان رہی تصنیف و تالیف اور تخلیقی ادب کے میدان پر بھی اس کا قبضہ رہا۔ اس لئے علاقائی زبانوں کے الفاظ بھی فارسی زبان میں جگہ حاصل کر لیتے تھے اور فارسی ملتانی زبان کا پیوند قبول کر لیتی تھی۔ فارسی اور ملتانی کی پیوندکاری

ہی دراصل اردو کے جنم کا موجب ہوئی۔ مولانا عبدالمجید سالک لکھتے ہیں کہ:۔

"ملتانی زبان ایک نہایت فصیح زبان ہے۔ محققین کے نزدیک اسی کی آمیزش سے اُردو زبان وجود میں آئی۔ اس کو "لہندا" بھی کہتے ہیں۔ اِس زبان کے جلیل القدر شاعر خواجہ غلام فرید چاچڑاں والے اپنے کلام میں بے شمار فارسی کے الفاظ اِس قدر حُسن و خوبی سے نظم کرتے ہیں کہ لہندا میں بالکل اجنبی معلوم نہیں ہوتے۔ مثلاً یہ شعر ملاحظہ ہو ؎ نازک ناز سجن دے

عشوے غمزے من موہن دے

ملتانی چونکہ فارسی سے مانوس تھے اس لئے ملتانی کے اِس عظیم شاعر نے بڑی بے تکلفی سے فارسی کے الفاظ نازک، ناز، عشوے، غمزے اپنے ایک شعر میں بڑی خوبی سے کھپا دیئے اور فارسی کے شاعر بالکل اسی طرح نگینوں کی طرح ملتانی زبان کے الفاظ فارسی اشعار میں جڑ دیتے تھے، جیسے امیر خسرو نے اپنی اسیری کا ذکر کرتے ہوئے مثنوی قران السعدین میں ملتانی لفظ چل (چلو) بڑی خوبی سے اپنے اِس شعر میں سجایا ہے ؎ من کہ بر سر نہادم گل ؛ یار بر سر نہاد و گفتا چل

امیر خسرو جس زمانہ میں ملتان آئے، اسوقت فارسی اور ملتانی زبان کے اختلاط سے اُردو جنم لے چکی تھی۔ اُنہوں نے آتے ہی اس کی مشاطگی کی اور اس کی نوک پلک سنوارنے کے بعد امیر خسرو نے اُردو کی پہلی نظم "خالق باری" ملتان میں ہی لکھی جو بہت مشہور ہوئی۔ اِس کے دو شعر درج ذیل ہیں۔

خالق باری سرجن ہار واحد ایک بدا کرتار،

اللہ ایک خدا کا ناؤں گرمی ہے دھوپ سایہ چھاؤں

ملتانی زبان کی اہمیّت

ڈاکٹر مہر عبدالحق پی۔ایچ۔ڈی نے ملتانی زبان پر جو تحقیقی مقالہ (تھیسس) لکھا ہے اس میں انہوں نے ملتانی زبان کی حقیقت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے :۔

"ملتانی زبان ہندو مسلم اتحاد کی اولین یادگار ہے اور اِس لحاظ سے بھی قابلِ التفات ہے کہ یہ اپنے وطن سے چل کر لاہور اور پھر لاہور سے دہلی پہنچی، لاہور پہنچ کر اس نے پنجاب کی زبان کو اپنے رنگ میں رنگ دیا جیساکہ دسویں صدی ہجری کے پنجابی لٹریچر سے ظاہر ہے، مگر جب یہ یہاں سے دہلی اور اس کے نواح میں پہنچی تو خود وہاں کی زبانوں کے سانچے میں ڈھل کر رہ گئی۔ اور اُردو کہلائی چنانچہ دہلوی اُردو، دکنی اُردو کا پنجابی کی نسبت ملتانی سے زیادہ قرب اور اشتراک اِس نظریئے کو قطعی طور پر ثابت کرتا ہے"۔

دہلی اور لاہور کا تعلق سلطان التمش کے دور میں ۶۱۴ھ میں قائم ہوا جب اُس نے ناصر الدّین قباچہ کو شکست دے کر پنجاب کو دہلی سے ملا دیا تھا، مگر ملتانی زبان اس کے بہت دیر بعد اس وقت دہلی پہنچی جب ۸۱۸ھ میں خضر خان ملتانی اسے دہلی لے گیا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق ملتانی زبان کا سفر نامہ یوں لکھتے ہیں :۔

"ملتانی زبان ۱۱۱ھ میں تیار ہونی شروع ہوئی ۵۸۸ھ میں یہ لاہور پہنچی ۷۰۲ھ سے ۸۱۸ھ کے درمیان یہ دہلی کی طرف کوچ کر گئی"۔ ص ۶۸۹

اُس دور میں ملتانی اتنی اہم تھی کہ حضرت معین الدین چشتی کو بھی یہ زبان سیکھنے کے لئے ملتان آکر کافی عرصہ رہنا پڑا۔

ملتانی زبان کی اہمیت اور وسعت کا ان امور سے بھی بآسانی اندازہ لگایا جاسکتاہے۔

۱۔ انگریزوں نے ملتان پر قبضہ کرنے کے بعد سب سے پہلے ملتانی زبان کو فروغ دیا اور چاروں انجیلوں کا ملتانی میں ترجمہ کرکے انہیں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے گھر گھر پہنچایا

۲۔ ملتانی زبان کے متعلق جرمن اور انگریزی زبان میں کتابیں لکھی گئیں۔

۳۔ مسٹر او برائن نے ملتانی زبان کے متعلق الفاظ کی فہرست "گلوسری آف ملتان لینگویج" کے نام سے تیار کرکے شائع کرائی جس کا مقدمہ بہت دلچسپ اور پُراز معلومات ہے۔

۴۔ مسٹر ایف۔ ڈبلیو سکیمپ آئی سی ایس نے رومن میں ملتان کی سچی کہانیاں لکھ لیں۔ اور بالمقابل صفحہ پر ان کا انگریزی ترجمہ لکھ ڈالا جو "ملتانی سٹوریز" کے نام سے ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی۔

یہ کہانیاں بڑی حیرت انگیز اور سبق آموز ہونے کے علاوہ ملتان کی تہذیب و تمدن کی بھی غماز ہیں۔ جرمنوں اور انگریزوں نے ملتانی زبان کی خدمت کا کما حقہ حق ادا کیا۔ مگر اردو دان طبقہ اردو کی ماں کی کوئی قابلِ ذکر خدمت نہ کرسکا۔

ملتانی لٹریچر

ملتانی زبان کا قدیم لٹریچر اگرچہ انقلاباتِ زمانہ کی بدولت محفوظ نہیں رہا لیکن ملتان کے بعض گھرانوں میں ملتانی زبان کا ایسا لٹریچر آج تک موجود ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ زبان شعر و نغمہ، قصہ کہانی، بجھارتوں، پہیلیوں، محاوروں، مرثیوں، نوحوں کے لحاظ سے مالامال تھی۔ ملتانی زبان کے مندرجہ ذیل لٹریچر کو تو دوامی حیثیت حاصل ہے۔

تراجم قرآن مجید ملتانی زبان میں قرآن مجید کا ایک ترجمہ مولوی خیرالدین صابر ملتانی نے کیا ہے جس کے پہلے پارہ کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے ان کے علاوہ ملتان کے فاضل اجل مولانا عبدالتواب نے پورے قرآن مجید کا ملتانی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور اس پر حواشی لکھے، اس کا پہلا پارہ اور تیسواں پارہ مالکان کتب خانہ سلیفہ قدیر آباد ملتان نے شائع کیا۔ جو مولوی عبدالباقی کے کتب خانہ واقعہ بازار کتب فروشاں بیرون بوہڑ دروازہ سے آج بھی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ ان میں ملتانی ترجمہ کے ساتھ ساتھ حضرت شاہ رفیع الدینؒ کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے ملتانی ترجمہ کا مکمل قرآن مجید مترجمہ محمد حفیظ الرحمان حفیظ، عزیز المطابع بہاولپور نے ۱۳۷۲ھ میں شائع کیا تھا وہ بھی مذکورہ بالا کتب خانہ سے مل سکتا ہے۔

نورنامہ یہ نظم اس وقت بھی اکثر گھروں میں پڑھی جاتی ہے یہ عورتوں میں زیادہ مقبول ہے، اس کا سن تصنیف حافظ محمود شیرانی مرحوم نے ۱۰۴۶ھ

یعنی ۱۰۵۴ھ تسلیم کیا ہے۔

یُوسف زلیخا ملتانی زبان کی یہ سب سے قدیم کتاب ہے جو عبدالحکیم نے بصورت نظم ۱۲۱۰ھ میں لکھی اور اسے نواب بہاولپور کے نام منسوب کیا کیونکہ عبدالحکیم ان کے علاقہ اُچ تحصیل احمد پُور شرقیہ کا باشندہ تھا۔

معراج نامہ یہ حافظ محمد شاعر کی تصنیف لطیف ہے۔ خالص ملتانی زبان میں ہے جو نور نامہ کے ساتھ اکثر گھرانوں کی مستورات پڑھتی ہیں۔

سَیفُ الملوک یہ میاں لطف علی کی تصنیف ہے جو ریاست بہاولپور کے رہنے والے تھے یہ کتاب مُلتانی زبان کی شاعری کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہے۔

دیوان فرید خواجہ غلام فرید کا یہ کلام ٹھیٹھ ملتانی زبان میں ہے۔ جس کی مستقل اقدار نے ملتانی زبان کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ آپ مٹھن کوٹ کے رہنے والے تھے۔ آپ کی کافیاں بڑی مشہور ہیں جنہیں ملتان زبان نہ جاننے اور نہ بولنے والے بھی سُن کر بہت محظوظ ہوتے ہیں اور اثر پذیر ہوتے ہیں۔

مجموعہ مراثی مرثیہ گوئی کا آغاز چونکہ ملتان سے ہُوا تھا۔ اس لئے ملتانی زبان میں میں اتنے مرثیئے شائع ہوئے کہ اگر ان کو تلاش کر کے جمع کیا جائے تو کئی دفتر تیار ہو جائیں۔ پُرانے مطبوعہ مرثیئے بعض شیعہ حضرات کے ہاں اب تک محفوظ ہیں۔

ملتانی شاعر

طلوعِ اسلام سے قبل یہاں سنسکرت اور پراکرت کا دور دورہ تھا۔ مسلمان آئے تو اپنے ساتھ عربی لائے جس میں ہمارا تمام تر دینی سرمایہ تھا۔ عربی کے یہاں رواج پانے کے بعد ہارون ملتانی عربی زبان کا نامور شاعر ہوا جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

مغل آئے تو اپنے ساتھ فارسی لائے جو عربی کے بعد دوسرا درجہ رکھتی تھی۔ چونکہ یہ شاہانِ مغلیہ کی مادری اور درباری زبان تھی۔ اس لئے سرکاری سرپرستی میں فارسی ملک کی قومی زبان بن گئی جو پانچ سو سال تک ملتان پر حکمران رہی۔ اس دور میں حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی، جانباز ملتانی، ملتانی مل تمیز، فضلی ملتانی، گوربخش رائے حضوری، منیر ملتانی، سعید قریشی ملتانی اور منشی حسن ملتانی فارسی کے نامور شاعر ہوئے ہیں۔

ماہرینِ شعر و ادب کے نزدیک ملتانی کا پہلا مشہور شاعر اور صوفی بزرگ حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ ان کے بعد ملتان میں شعر کہنے کا رواج پیدا ہوا۔ ملتانی کے قدیم شعراء میں خواجہ غلام فرید، عبداللطیف شاہ بھٹائی، سچل سرمست بیدل روہڑوی، میاں لطف علی، خواجہ نور محمد مہاروی، حافظ محمد جمال ملتانی، میاں نصیرالدین خرم اور جندن ملتانی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ان کے علاوہ ایک خاص تعداد ملتانی زبان کے مرثیہ گو شاعروں کی بھی پیدا

ہوئی جن کا ذکر "عزاداری" کے باب میں آرہا ہے۔

ملتان نے عربی، فارسی اور ملتانی شاعروں کے بعد اُردو شاعر بھی بکثرت پیدا کئے، ملتان میں اُردو شاعری کا آغاز سب سے پہلے مرثیہ گو شاعروں سے ہوا اس کے بعد غزل سرائی کا دور آیا جو ۱۸۶۰ء سے شروع ہوا۔ پہلے بیس سالہ دورِ ملتان کے چار نامور شاعر ہوئے (۱) مخدوم حسن بخش قریشی (۲) مخدوم حسن بخش گردیزی، (۳) ارشد گورگانی۔ (۴) محمد سعید اعجاز ملتانی۔

اُردو شاعری کا دُوسرا دور ۱۸۸۰ء سے شروع ہو کر ۱۹۰۰ء پر ختم ہوا۔ اس دور میں ملتان اُردو شاعری نے کافی ترقی کی۔ اور بہت سے شاعر صاحب دیوان نکلے جن میں سے طالب ملتانی، صابر ملتانی، میر عظیم الدین بسمل، غلام موسےٰ انجم، پنڈت جیون لعل شوق اور لالہ بال کشن بترہ آبر قابلِ ذکر ہیں۔

اُردو شاعری کا تیسرا دور ۱۹۰۰ء سے لے کر ۱۹۲۰ء تک کا دور ہے جو ملتان کی تاریخ میں بلا مُبالغہ میر سوؔدا کا دور کہا جا سکتا ہے کیونکہ اِس دور میں وہ تمام شعرا شامل ہیں جنہوں نے اُردو شاعری کو فروغ بخشا اور مشاعروں کی بنیاد ڈالی۔ اس دور کے نامور شاعر اسد ملتانی، کشفی ملتانی، ممتاز ملتانی، غنچہ امروہوی، ناطق جالندھری اور صُوفی آذر ملتانی ہوئے ہیں۔

اِن کے علاوہ بھی ملتان میں متذکرہ بالا زمانوں کے کئی شاعر گزرے ہیں مگر وہ یا تو بامِ شہرت تک نہیں پہنچ سکے یا قعرِ گمنامی میں ہی پڑے رہے ہیں جن کو تاریخ کے دبیز پردوں سے باہر لانے کی ضرورت ہے۔

حُسنِ کلام

جن ملتانی شعرا کرام کا تذکرہ گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔ اِن کے کلام کے اشعار نمونتہً درج ذیل ہیں۔

حضرت زکریا ملتانیؒ

مرا ز پیر طریقت نصیحتے یاد است — کہ غیر یادِ خدا ہر چہ ہست بر باد است

رُباعی

مرا پیر دانائے مُرشد شہابؒ[1] — دو انداز فرمود بر رُوئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش — دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

مخدوم حسن بخش قریشیؒ

زلف رُخ سے اِدھر نہیں ہوتی — کیسی شب ہے بسر نہیں ہوتی

ارشد گورگانیؒ

خورشیدِ حسن کی وہیں آنکھیں جھپک گئیں — سینے کے ایک بار جو ہیں نے دکھائے داغ

طالبؔ ملتانی

مجنوں کی طرح عمر نہ برباد کریں گے — ہم طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

اسدؔ ملتانی

پُوچھی نہ چشمِ تر کی آہِ رسا کی بات — کرتے رہے وہ مجھ سے بس آب و ہوا کی بات

---

[1] حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

جم مُلتانی

جمشید کا تو جام فقط تھا جہاں نما
ساغر مگر ہمارا ہے کون و مکاں نما

ناطق جالندھری

آپ کا تیرِ نظر، تیرِ قضا ہوتا ہے
دیکھئے دل مرے پہلو سے جدا ہوتا ہے

غنچہ امروہوی

صورت میں آدمی کی ایسی دلکشی ہے
گویا بنانے والا بیٹھا ہے آدمی میں

آذر مُلتانی

تیری تصویر کو اب دیکھتے ڈر لگتا ہے
میرے آگے میری تقدیر کھڑی ہو جیسے

بسمل مُلتانی

اتنی جلدی نہ کرائے دل تو جگر سے پہلے
تیر آئے تو بھی کوئی اُدھر سے پہلے

ابر مُلتانی

تمام عمر کٹی ابر مے کدے میں مگر
ہزار شکر کہ میں بادہ خوار ہو نہ سکا

مُمتاز مُلتانی

عید کے دن بھی رہا دیدے تیری محروم
عید اب آیا کرے عید میں رکھا کیا ہے

کشفی مُلتانی

شور ہے ہر طرف سحاب سحاب
ساقیا! ساقیا!! شراب شراب
رند بخشے گئے قیامت میں
شیخ کہتا رہا حساب حساب

ملتانی کہانیاں

حکائتیں، قصے، کہانیاں اور داستانیں ادب کی بہت پرانی قسم ہیں، ملتان کی سچی کہانیاں اپنے اندر اتنی ندرت، عبرت اور اہمیت رکھتی تھیں کہ انگریزوں نے ان سے متاثر ہو کر ان کو ایک کتاب میں جمع کر دیا۔ جو ۱۹۱۷ء میں ملتان سٹوریز کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے بائیں صفحہ پر رومن میں ملتانی زبان میں کہانی درج تھی اور دائیں ہاتھ پر اس کے سامنے اس کا انگریزی ترجمہ دے دیا تھا ان میں سے بطور مشتے نمونہ از خروارے چند کا ملخص درج ذیل ہے۔

۱۔ ایک مرتبہ نواب بہاولپور شکار پہ گیا اس جنگل میں بہت سے پاولی آباد تھے انہوں نے نواب صاحب کی معیت میں ایک شیر کا شکار کیا۔ نواب نے کہا کہو کیا انعام دوں! پاولیوں نے کہا کہ ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمیں کسی جاگیر یا جائیداد کی ضرورت نہیں ہمیں صرف یہ اختیار ملنا چاہیئے کہ ہم جس کی تانی چاہیں بنیں یا نہ بنیں! نواب صاحب ہنس پڑے اور انہیں اس حد تک اختیار دیدیا۔

۲۔ نواب مظفر خان والئی ملتان بڑا نیک، پاکباز اور صاحب فراست انسان تھا جب وہ قلعہ مظفر گڑھ کا سنگِ بنیاد رکھنے لگے تو ان کی تلوار کی پیٹی کندھے سے نیچے جا گری، نواب صاحب نے کہا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس قلعہ پر کبھی لڑائی نہ ہوگی۔ اسی اثنا میں ایک چیل لالی کو شکار کر لائی اور کیکر کے درخت پر بیٹھ کر اسے مزے سے کھانے لگی، نواب صاحب نے اسے دیکھ کر کہا کہ اس شہر کے لوگ

ن جات میں کمائیں گے اور یہاں آکر کھائیں گے (چنانچہ اس وقت تک یہی ہو رہا ہے)

۳۔ نواب مظفر خان حج کو جاتے ہوئے نواب بہاول خان کو ملنے کے لئے بہاولپور ٹھہرے بہاول خان نے پوچھا کہ خزانہ کی چابی کس کے حوالے کی ہے؟ مظفر خان جواب دیا کہ اپنے لڑکوں کے بہاول خان نے کہا بڑی غلطی کی ہے آپ کو علم ں کہ اکثر بادشاہ اپنے لڑکوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ مظفر خان نے کہا کہ میرے ے ایسے نہیں کیونکہ میں کبھی بلا وضو بیوی کے پاس نہیں گیا۔ حج کے بعد نواب ظفر خان واپسی پر پھر نواب بہاول خان کے ہاں ٹھہرے، نواب مظفر خان کے بیٹے پنے والد کی پیشوائی کے لئے وہاں پہنچے، نواب بہاول خان وغیرہ سب بیٹھے تھے، ن کے سامنے مظفر خان کے صاحبزادے آئے اور اپنے والد کی قدمبوسی کی اور خزانہ ، چابیاں اُن کے حوالے کر دیں، نواب بہاول خان نے مظفر خان کو کہا واقعی آپنے ج کہا تھا۔

۴۔ دیوان ساون مل کے عہد میں زنا کاری کی سزا موت تھی اس لئے اسکے زمانہ میں اغوا زنا عام نہ تھا، ایک دن ایک جاٹ زنا کاری کے الزام میں پکڑا گیا۔ دیوان نے کہا کہ ہیں پتہ نہ تھا کہ یہ ساون مل کا دور ہے تم نے یہ فعل کیوں کیا؟ جاٹ نے کہا غریب نواز س وقت تو شیطان نے مجھے خدا بھی بھلا دیا تھا۔ دیوان ساون مل کیسے یاد رہ سکتا تھا۔ وان ساون مل نے اُس کی حاضر جوابی اور حقیقت بیانی سے متاثر ہو کر از راہ ترحم اسے عاف کر دیا۔

عیدگاہ تعمیرِ نو کے بعد
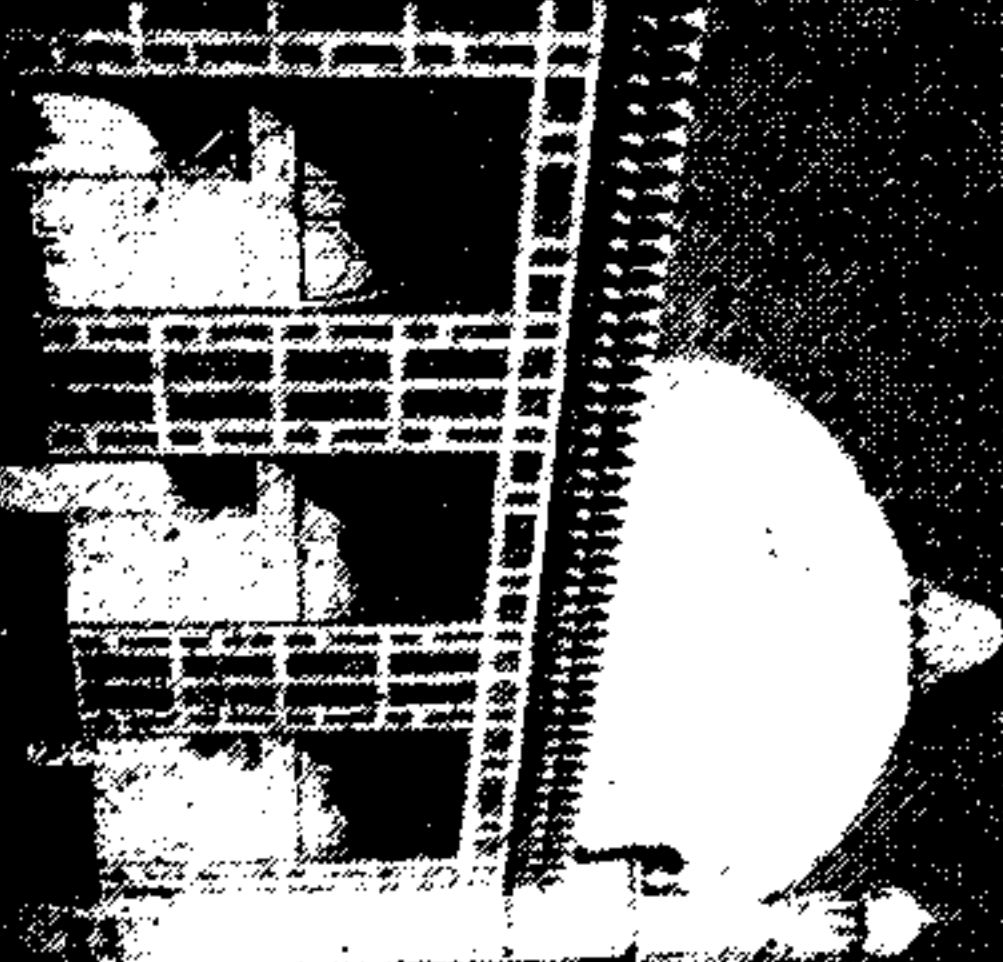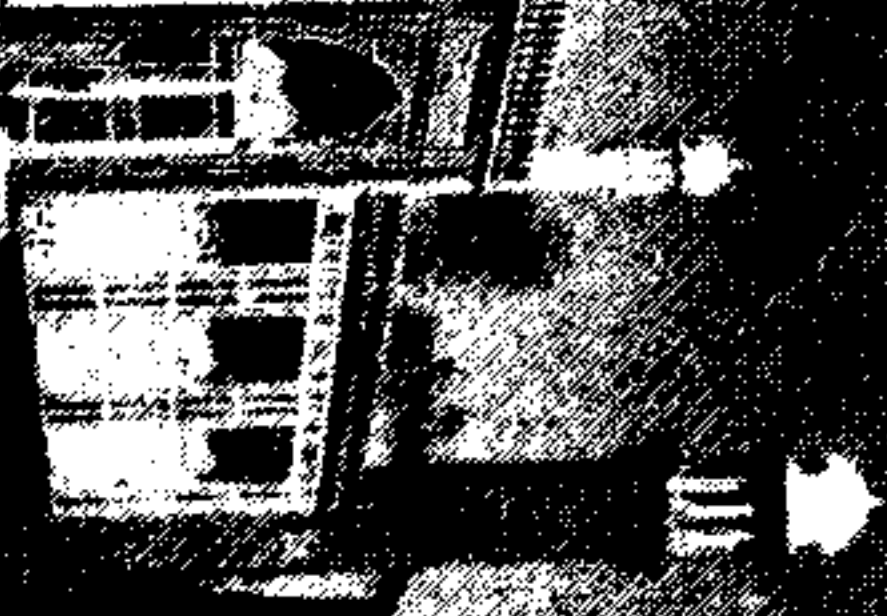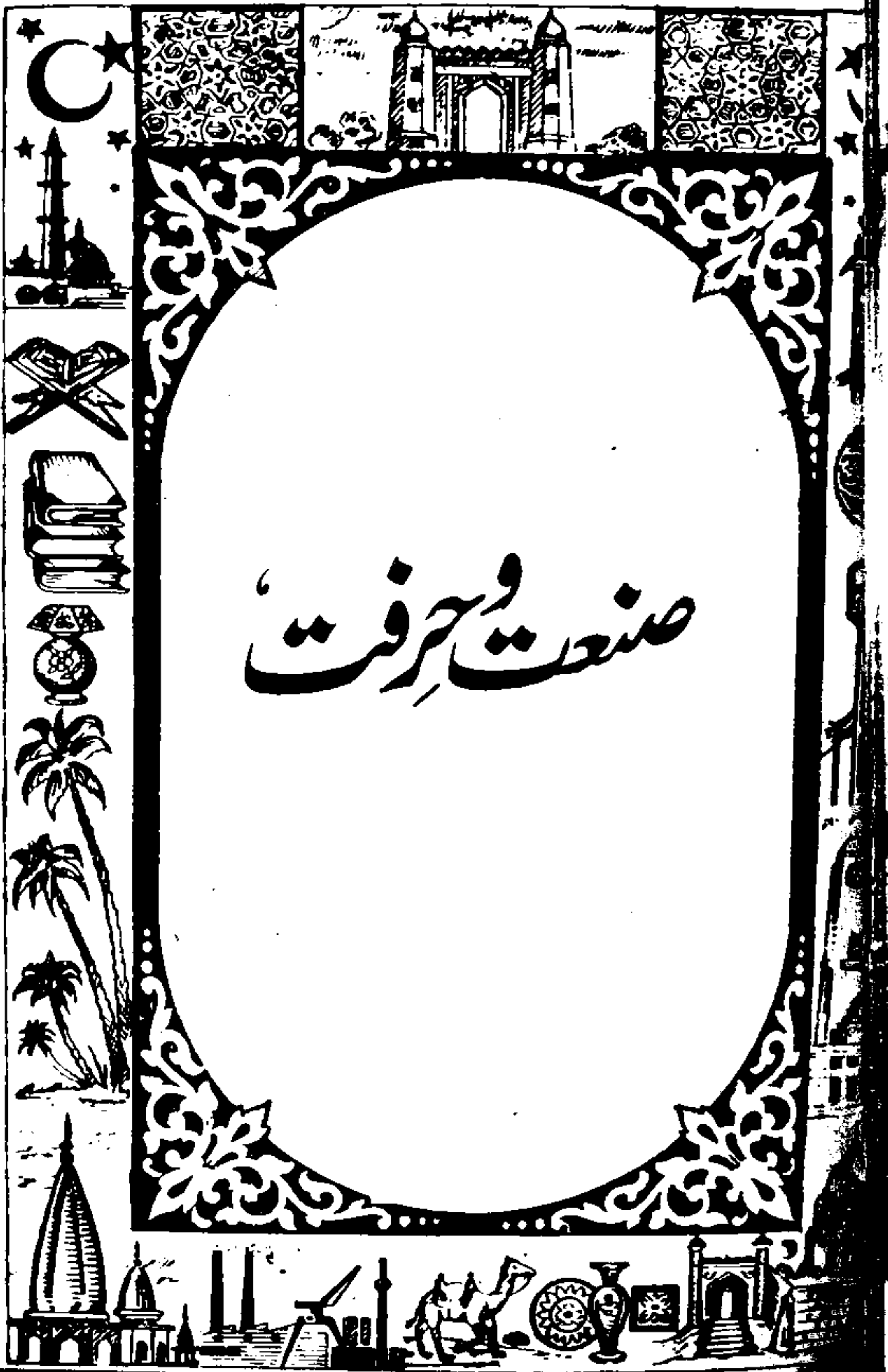
صنعت و حرفت

کاشی کاری

پتھر کا زمانہ دو دوروں سے گزرا ہے ایک اس کا قدیم دور تھا اور دوسرا جدید دور تمدن اور ترقی کا آغاز اسی جدید دور سے ہوا جبکہ مٹی کے برتن پکانے اور ان پر نقش و نگار کرنے کا رواج چلا۔ پانچ ہزار سال قبل مسیح تک یہ صنعت بہت ترقی کر چکی تھی۔

عرب وادئ سندھ میں ۶۶۴ء میں داخل ہوئے اور ۷۱۲ء تک ملتان پہنچ گئے۔ محمد بن قاسم نے جس وقت ملتان فتح کیا۔ تو ان کے ہمراہ کاشی کاری اور گلکاری کے چند ماہرین بھی ملتان آئے اور انہوں نے یہیں مقیم ہو کر اس صنعت کو رواج دیا۔ ۱۸۵۳ء میں جب سر الیگزنڈر کننگھم نے قلعہ کہنہ کا سینہ چاک کیا تو پرہلاد پوری مندر کے بالمقابل ۴ فٹ کی گہرائی پر سے ۹۰۰ء کی کاشی کی روغنی اینٹیں برآمد ہوئیں جو اس زمانہ میں محمد بن قاسم کی تعمیر کردہ مسجد میں لگائی تھیں، کاشی کاری کی اس صنعت کے متعلق محققین کی یہ رائے ہے کہ اس فن کی ابتدا چین سے ہوئی۔ وہاں سے یہ فن ایران ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ لفظ کاشی شہر کاشان سے نسبت رکھتا ہے جو ایران کا مشہور شہر ہے وہاں یہ ہنر زوروں پر تھا۔

کاشی کی اینٹیں اتنی مقبول ہوئیں کہ وہ اسلامی ثقافت کا نشان بن کر رہ گئیں اُن کا زیادہ تر استعمال مساجد اور مقابر پر ہونے لگا۔ اسی لئے خانقاہ حضرت شاہ یوسف گردیز، حضرت بہاؤ الحق زکریا، حضرت شاہ رکن عالم، حافظ عبید اللہ ملتانی

اور مسجد خدکہ پر کاشی کا بہترین اور دیدہ زیب کام ہوا ہے اِن کے علاوہ شاہجہان نے مسجد ٹھٹھہ (سندھ) کے لئے اور اورنگ زیب نے خانقاہ ابوراق کے لئے ملتان سے اینٹیں تیار کرائی تھیں۔

مساجد و مقابر کے علاوہ آرائش و زیبائش کے لئے کاشی کے برتن از قسم پھولدان، مرتبان، پلیٹیں وغیرہ بھی بکثرت بن بن کر دساور کو جانے لگیں۔ ابتدائی زمانہ میں کاشی کے برتنوں کی ملتان سے باہر خاصی مانگ تھی یہ صنعت وراثتاً ایک ہی خاندان میں چلی آرہی ہے جو دوسروں کو اس فن کے اسرار و رموز میں شریک کرنا گناہِ عظیم سمجھتے ہیں۔ اِسی لئے اِس فن نے زیادہ ترقی نہیں کی، چونکہ دورِ جدید میں طرح طرح کے نئے نئے ڈیزائن کے آرائشی برتن پلاسٹر آف پیرس سے خوشنما رنگوں میں عام بننے لگ گئے ہیں جو کاشی کے برتنوں سے زیادہ دل کش ہوتے ہیں۔ اِس لئے مہنگائی اور کم خریداری کے باعث اِس فن میں زیادہ کشش نہیں رہی۔ جس کی وجہ سے اِس خاندان کے نوجوان اپنا آبائی پیشہ ترک کر کے ملازمتوں میں چلے گئے ہیں۔ اور یہ صنعت اب چند پُرانے بزرگوں کے ہاتھوں زندگی کے آخری مراحل طے کر رہی ہے اور اُن کے مقابلہ میں پلاسٹر آف پیرس کی گلکاری کے برتن سازوں نے اِس صنعت کو وسعت دینے کے لئے باقاعدہ فائن آرٹ پینٹنگ کے سکول قائم کر دیئے ہیں، جو ہر شو رُوم اور شوکیس میں بکثرت نظر آتے ہیں۔

نقش کاری

کاشی کاری کی صنعت میں تو چکنی مٹی کی مصنوعات کو کیمیائی رنگوں کے ذریعہ بھٹیوں میں پکا کر شفاف و چمکدار بنایا جاتا ہے۔ اس میں زیادہ تر سفید سطح پر نیلگوں نقش و نگار بنائے جاتے ہیں کیونکہ نیلا رنگ انتہائے نظر اور آفاقیت کی ایسی علامت ہے جس سے رُوح کو تسکین و تابندگی حاصل ہوتی ہے۔

بخلاف کاشی کاری کے نقش کاری یا نقاشی (جسے ملتان میں کنگری کہتے ہیں) کا کام سب چیزوں پر ہوتا ہے اور اس میں بلا پابندی ہر قسم کے رنگ خوشنمائی کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

۱۔ نقاشی کا کام کپڑوں پر بھی بڑا خوبصورت ہوتا ہے اور یہ کام کرنے والے چھاپہ گر کہلاتے ہیں۔ کہروڑ پکا کی منقش چادریں، پلنگ پوش اور جاجم بہت مشہور ہیں۔

۲۔ نقاشی کا کام اونٹ کے چمڑے کی آرائشی اور نمائشی مصنوعات پر بھی بڑی عمدگی سے ہوتا ہے اس چمڑے کے ٹیبل لیمپ ملتان کی ہی ایجاد ہیں جو بیرونجات میں بے حد پسند کئے جاتے ہیں اور ہلکے پھلکے ہونے کی وجہ سے بکفایت برآمد کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ دوسرے سامان کی نسبت اِن پر ڈاک کا کم خرچ آتا ہے۔

۳۔ نقاشی کا باریک کام عطر کی کپیوں، زیورات کی صندوقچیوں اور تیر کمان پر بھی بہترین قسم کا ہوتا ہے جو زیادہ تر امراء اور رؤسا کے سنگار خانوں کی زینت ہوتے ہیں۔

۴۔ اب اعلیٰ افسران کے ٹیلیفون ریسیوروں پر بھی اعلیٰ قسم کا نقاشی کا کام ہونے

لگا ہے سب سے پہلے ایسا ٹیلیفون ریسیور ڈویژنل انجینئر ٹیلی گراف ملتان نے صدر مملکت محمد ایوب خان کے لئے ملتان سے تیار کرا کر انہیں تحفۃً پیش کیا۔ اس کے بعد بعض دوسرے اعلیٰ حکام کے پاس بھی ایسے ٹیلیفون سیٹ دیکھے گئے ہیں۔

۵۔ مغربی فیشن کے رواج پانے سے قبل مساجد، مقابر، امراء اور رؤسا کے کمروں کی چھتوں اور دیواروں کو زیادہ تر نقش کاری سے مزین کیا جاتا ہے۔ قدیم عمارتوں میں اس کے آج بھی بہترین نمونے موجود ہیں۔

۶۔ نقش کاری کا بہترین نمونہ نوابزادہ صوفی عطا محمد خان خاکوانی کی مسجد نواباں والی پیش کرتی ہے جسے موصوف نے ہزاروں کے قریب روپیہ صرف کر کے دیدہ زیب بنوایا۔ جو محلہ مائی مہربان کے قریب واقع ہے۔

۷۔ کاشی کاری کی دوسری اعلیٰ قسم میں سنہری رنگ کی بجائے سونے کے ورق کا استعمال ہوتا ہے یہ کام زیادہ تر مسہریوں کی چھت، پائے اور شب عروسی کے پلنگوں پر ہوتا ہے جو زیادہ دیرپا ہوتا ہے اور اس کی آب و تاب میں کبھی کوئی فرق نہیں آتا۔ اس میں زیادہ تر سیاہ، سفید اور زمردی رنگ استعمال ہوتا ہے۔

نواب بہاولپور کے لئے ایسا پلنگ ملتان کے نامور نقاش استاد خدا بخش اور استاد عبداللہ نے تیار کیا تھا۔ ملتان کی یہ صنعت طبقۂ امراء میں زیادہ محبوب و مقبول ہے۔

قالین بافی

قالین بافی ملتان کی خاص صنعت تھی۔ قالین بافوں کا ایک خاندان غوریوں کے زمانہ میں ملتان آکر آباد ہوا تھا اس لیے یہاں اس صنعت کو نہ صرف رواج دیا بلکہ عروج تک پہنچایا۔ اِس لئے قالین بافی کی صنعت ملتان کی قدیم صنعتوں میں شمار ہوتی ہے۔ ملتان گزٹیر کی رُو سے پنجاب میں ملتان واحد شہر تھا جس میں نوع بنوع کے رنگین، پھولدار اونی قالین بُنے جاتے تھے۔ اِن کے علاوہ سُوت اور اُون کو ملاکر بھی قالین بُنے جاتے تھے جو دُور دراز ملکوں میں بھیجے جاتے تھے۔

قدیم زمانہ میں ترکی قالینوں کی تجارت ملتان کے راستہ سے ہوا کرتی تھی۔ ملتان کے قالین مضبوطی اور پائیداری میں ایرانی قالینوں کا مقابلہ کرتے تھے مختلف رنگوں کی رنگ آمیزی اس ملک کے مذاق کے مطابق زیادہ نمایاں ہوتی تھی اگرچہ ایران کے قالینوں میں نقش و نگار زیادہ ہوتے تھے مگر ملتانی قالینوں میں بھی بہترین قسم کی گلکاری ہوتی تھی۔

ملتان میں قالین بافی کا سب سے بڑا کارخانہ چوہدری عبدالحق چشتی کا تھا۔ حسین آگاہی کے اندر اِن کا اپنا محلہ قالین بافان تھا جس میں یہ کارخانہ لگا ہوا تھا۔ اِس کارخانہ کی مصنوعات کا دُور دُور تک شہرہ تھا۔ جس کی بنا پر شاہجہان نے مسجدِ نبویؐ کے لئے پوری لمبائی چوڑائی کا محراب دار جانماز نما قالین ملتان سے تیار کرایا تھا۔ انگریزی دَور میں برآمدات کے لئے واحد ذریعہ وائسرائے ہند کی ذات تھی۔

۱۹۲۴ء میں لندن میں قالینوں کی عالمی نمائش منعقد ہوئی۔ چودھری عبدالحق چشتی مرحوم نے بھی اس نمائش کے لیے ایک بہترین قالین اور دو نمونے وائسرائے ہند کی معرفت لندن روانہ کیے جب یہ قالین اور نمونے وائسرائے ہاؤس پہنچے تو اُن کو دیکھ کر بیگم وائسرائے کے مُنہ میں پانی بھر آیا اس نے ازراہ بددیانتی قالین تو اپنے لئے رکھ لیا۔ اور دو نمونے لندن بھجوا دیئے، لندن میں جب مصنوعات پر انعامات تقسیم ہوئے تو ملتانی قالین کے ان دو نمونوں کو دُوسرے درجہ کا انعام ملا۔ انعام کے ساتھ اس مضمون کا خط بھی آیا کہ اگر مکمل قالین بھیجا جاتا تو درجہ اوّل کا انعام دیا جاتا۔ اس خط کے ملتے ہی چودھری صاحب کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور اُنہوں نے ایک خط کے ذریعے ساری صُورتِ حال سے وائسرائے کو آگاہ کیا اور دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ بیگم وائسرائے نے معذرت کا خط بھیجا اور مبلغ ایک ہزار روپیہ نقد بطور عوضانہ ہمراہ بھیجا جس پر چودھری صاحب نے لات مار دی۔

اِس کے بعد امرتسر اور جیلوں کے اندر قالین بافی کے سکول قائم ہو گئے۔ اِن کی وجہ سے مُلتان کی تجارت مدھم پڑ گئی۔

لیکن اب مُلتان میں قالین سازی کے چودہ کارخانے کام کر رہے ہیں۔ جن کا قریباً تمام تر مال برآمد ہوتا ہے اور اِس سے زرمبادلہ کی معقول آمدنی ہوتی ہے، اِن کارخانوں کے علاوہ نیو سنٹرل جیل ملتان میں بھی بہت عمدہ قالین تیار ہوتے ہیں۔

۱۴ رجسٹرڈ کارخانوں کے علاوہ بیس کے قریب غیر رجسٹرڈ قالین بافی کے کارخانے بھی خاموشی سے قالین بنا رہے ہیں۔

پارچہ بافی

قالین بافی کے ساتھ ساتھ پارچہ بافی بھی ملتان کی قدیم صنعتوں میں سے ہے جہانتک ریشمی کپڑے کا تعلق ہے اس کے بننے والے عربوں کی آمد سے قبل بھی یہاں موجود تھے، اسلامی دور میں بلخ بخارا سے ریشم ملتان پہنچتا تھا۔ اطرافِ بخارا اور ترکستان سے قریباً سات سو من ریشم ہر سال ملتان آتا تھا۔ ریشمی کپڑا تیار کرنے کے اس وقت ملتان میں ڈیڑھ سو کارخانے تھے جن کی وجہ سے ملتان سے تاشقند اور ترکستان تک ریشمی کپڑوں کے بیوپاریوں کی آمدورفت رہتی تھی۔

ریشم سے یہاں نہایت نفیس کپڑے تیار کئے جاتے تھے، ملتانی ریشمی کھیس، دو تارے دریائی، گلبدن، قناویز (دھوپ چھاؤں) نخیسلا ور لنگیاں بناوٹ پائیداری عمدگی میں اپنی نظیر نہیں رکھتی تھیں۔ چمک دمک میں بھی ملتانی مصنوعات بڑی ممتاز تھیں، امراء ورؤسا کے گھرانوں میں زیادہ تر یہی کپڑا استعمال ہوتا تھا سر پہ باندھنے کی لنگی جو خالص ریشم سے بنی جاتی ہے اور زیادہ تر پشاور اور کابل بھیجی جاتی ہے یہ ملتان کے سوا اور کہیں تیار نہیں ہوتی۔ اِن کے علاوہ ریشم اور روئی کے مرکب سے بھی "صوفی" نامی ایک خاص کپڑا تیار کیا جاتا تھا جو متوسط گھرانے استعمال کرتے تھے۔

ریشمی کپڑے کے علاوہ ملتان میں موٹا سوتی کپڑا بھی بکثرت تیار ہوتا تھا اور بہت دور دراز تک جاتا تھا۔ وہ پائیدار ہونے کے علاوہ کم قیمت بھی ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ملتان سوتی کھیسوں، رنگین پلنگ پوشوں کی بھی منڈی تھا۔ تلمبہ اور کہروڑ کے رنگین پلنگ

پوشش ٹھٹھہ پادلیاں اور جلال پور کے زین پوش، کھیس، جاجم اور پلنگ پوش بہت مشہور تھے اور بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور اکثر ملتان کے خوش رنگ خوشنما گلکاری والے کھیس بطور سوغات دساور کو بھیجے جاتے تھے۔

ہندوستان کے قدیم تذکروں میں ملتان کی پارچہ بافی کی صنعت کا خاص طور پر ذکر آیا ہے۔ سلاطینِ دہلی کے زمانہ میں بنگال، دکن، گجرات اور ملتان اعلیٰ قسم کی پارچہ بافی کی وجہ سے مشہور تھے، ملتان کی شطرنجی اور چھینٹ کا اس زمانہ میں خاص شہرہ تھا۔

مسلمانوں کی آمد سے قبل یہاں عام طور پر آسمانی، اُجلا، انگوری، بادامی، بھدرا، بیگنی، پیلا، پیازی، بسنتی، تیلیا، تربوزی، جامنی، جوگیا، چہچہا، چنکبری، چمپئی، دھانی، کرنجی، دودھیا، روپہلا، سیندوری، سلیٹی، فالسئی، کیسری، کتھئی، کسمی، کوکئی، کبوتری، کالا، کاہی، گورا، گندھکی، گیندئی، لال، لاکھی، لہریا، مونگیا، مٹیالا، ہرا نام کے رنگ کے کپڑے استعمال ہوتے تھے۔ مسلمانوں نے اس صنعت میں ان رنگوں کا اضافہ کیا۔ آبنوسی، آبی، آتشی، ارغوانی، اسود، ارزق، اخضری، ابلق، اگری، احمر، اشہب، بنفشی، حنائی، خاکی، خاکستری، رمانی، زرین، زنگاری، زعفرانی، زیتونی، زمردی، سیمابی، سوسنی، طوسی، شنگرفی، شربتی، شہابی، طلائی، طاؤسی، طباشیری، عنبری، عنابی، عباسی، فیروزی، قرمزی، کاکریزی، کبودی، کاسنی، گلنار، لاجورد، مرجانی، مشکی، نقرئی، ہرمزی اور یاقوتی۔

میناکاری

ملتان میں سونے چاندی اور تانبے کے زیوروں اور برتنوں پر نہایت نفیس وحسین دیدہ زیب وخوش رنگ باریک گلکاری کا بھی رواج تھا۔ تقسیم ہند سے پہلے یہ کام زیادہ تر ہندو کرتے تھے اور اس کا رواج عام ہوگیا تھا۔ یورپ میں اس مال کی مانگ روز بروز بڑھ رہی تھی، مگر ہندوؤں کے چلے جانے سے یہ کام بطور یادگار رہ گیا ہے۔ اب اِس کا وہ معیار نہیں رہا جو پہلے تھا۔

عاج کاری

ملتان کی صنعتوں میں ہاتھی دانت کا کام بھی اعلیٰ پیمانہ پر ہوتا تھا۔ قدیم زمانہ میں ملتان عاج کاری کی منڈی تھا۔ ہزار سال قبل قلعہ کہنہ کے قریب عاج کاروں کا اپنا مشہور محلہ تھا۔ اِس سے پہننے کا چوڑہ، کانٹے، ہار، کلپ، سُرمہ دانیاں اور دیگر آرائش وزیبائش کی چھوٹی چھوٹی چیزیں تیار کی جاتی تھیں۔ تقسیم ہند سے قبل تک معزز گھرانوں میں ہاتھی دانت کا چوڑا پہننے کا رواج باقی تھا۔ مگر جدید فیشن نے اس حسین صنعت کا بھی گلا گھونٹ دیا ہے۔

چوب کاری

لکڑی پر گل تراشی، آیات وابیات تراشی کے نفیس ترین کام کے لئے بھی ملتان

مشہور تھا جس کے بہترین نمونے ملتان کے مشہور مقابر پیش کرتے ہیں اِس کے علاوہ تعزیہ سازی کی صنعت بھی ملتان کی مشہور صنعتوں میں شمار ہوتی ہے یہاں بہترین قسم کے تعزیئے تیار ہوتے ہیں، اُستاد شاگرد اور جال دیڑھے کے تعزیئے جس کے شاہد عدل ہیں۔

اسلحہ سازی

بابر کے زمانہ میں جو اسلحہ ساز ملتان آئے انہوں نے یہاں مستقل سکونت اختیار کرلی اور اس فن میں خصوصی شہرت حاصل کی، وہ خنجر، تلوار، بندوق اور بے آواز پستول بنانے کے بڑے ماہر تھے، وہ زرہ سازی کے فن میں بھی یدطولیٰ رکھتے تھے اور ایسی زرہیں تیار کرتے تھے جن پر بندوق کی گولی یا خنجر کی ضرب زد نہ کرتی تھی ۱۹۳۳ء میں بلوچستان کی ریاست جھل کے نواب یوسف علی خان مگسی مرحوم کے لئے ملتان سے زرہ بن کر گئی تھی۔ اس خاندان کو انگریز افسران بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

تیر کمان سازی

بہترین قسم کے تیر کمان بنانے میں ملتان بہت مشہور تھا۔ اِس صنعت کے ماہرین کمان کو ایسی حکمتِ عملی سے مضبوط بناتے تھے کہ ایک طاقتور نوجوان کے لئے اس پر چلہ چڑھانا مشکل ہو جاتا تھا۔

معماری

شاہجہان نے تاج محل کی تعمیر کے دوران ملتان کے فن کاروں کو بھی دعوت دی جنھوں نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا اور اپنے فنِ معماری کا لوہا منوایا۔

انگریزی دور
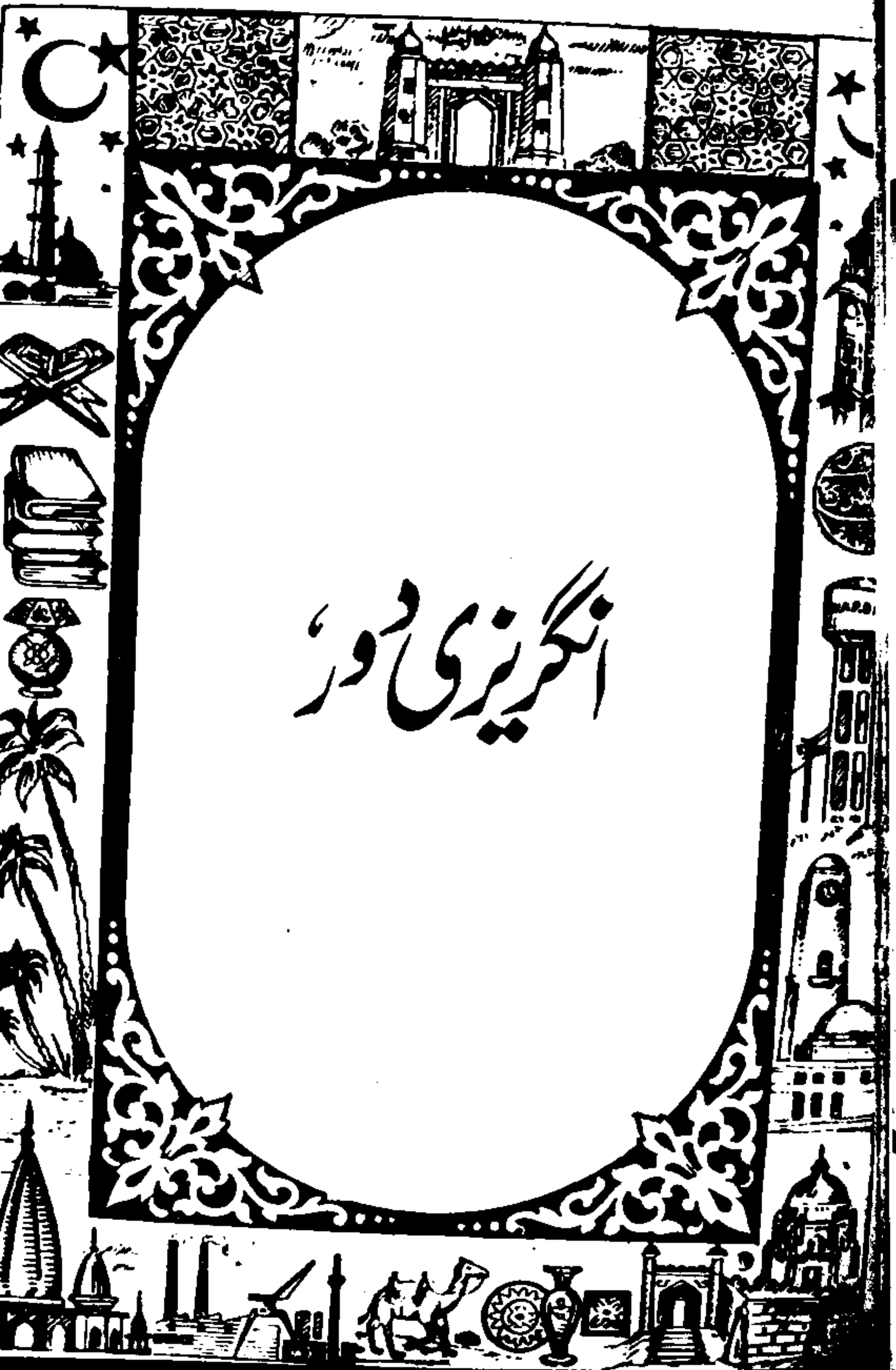
ایسٹ انڈیا کمپنی

۱۵۷۸ء میں برطانوی جہازراں سرفرانسس ڈریک نے ایک پرتگیزی جہاز لوٹا۔ اس مالِ غنیمت میں ایسے نقشے برآمد ہوئے جن سے انگریزوں پر راس امید کے راستہ کے رازہائے سربستہ منکشف ہوئے۔

۱۵۷۹ء میں پہلا انگریز طامس سٹیفن برعظیم پاک و ہند پہنچا اور اس نے اپنے خطوط میں اس ملک کی زرخیزی اور ارزانی کی ایسی داستانیں لکھیں کہ انگریزوں کے دلوں میں ہندوستان گیر محبت پیدا ہو گئی۔

۱۵۸۸ء میں برطانوی بحری جہازوں نے سپین کے بحری بیڑہ (آرمیڈا) کو تباہ کر کے ہندوستان تک پہنچنے کے لئے اپنا راستہ صاف کیا۔

۱۵۹۴ء میں سرجان لنکاسٹر نے مذکورہ بالا نقشہ کی مدد سے مشرق کے بحری راستہ کا جاوا تک سروے کیا۔

۱۵۹۹ء میں لندن کے چند تاجروں نے ملکہ الزبتھ سے برعظیم پاک و ہند کے ساتھ تجارت کرنے کے لئے لائسنس حاصل کیا۔

۱۶۰۰ء میں ہندوستان میں سلطنت کا بازار لگانے کے لئے باقاعدہ ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی گئی۔

۱۶۰۸ء میں کپتان ہاکنز شاہِ انگلستان جیمز اوّل کا خط لے کر جہانگیر کے دربار میں پہنچا اور کمپنی کے لئے سورت میں تجارتی کوٹھی قائم کرنے کی اجازت حاصل کی۔

۱۷۷۳ء میں اس کمپنی کا کنٹرول حکومت برطانیہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور گورنر جنرل کا عہدہ مستقل کر دیا۔

۱۷۸۱ء میں ایک قانون کے ذریعے ایسٹ انڈیا کمپنی کے اختیارات محدود کر دیئے گئے۔

۱۷۸۴ء میں پٹ ایکٹ کی رُو سے کمپنی کے لئے ایک بورڈ آف کنٹرول قائم کیا گیا جس کے ذمہ کمپنی اور اُس کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی نگرانی تھی۔

۱۷۸۶ء میں ایک اور ایکٹ کے ذریعے گورنر جنرل کو افواج کمپنی کا کمانڈر انچیف بنا دیا گیا۔

۱۷۹۳ء میں کمپنی کی مدتِ عمر میں ۲۰ بیس سال کا مزید اضافہ کر دیا گیا اور کئی پُرانے قانون بدل دیئے گئے۔

۱۸۳۳ء میں چارٹر ایکٹ کے ذریعہ کمپنی کا تجارتی کاروبار بند کر کے انتظامی امور بطور امین شاہِ انگلستان کے سپرد ہوئے اور تمام فوجی اور مُلکی فرائض گورنر جنرل اِن کونسل کو سونپ دیئے گئے۔

۱۸۴۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملتان پر قبضہ ہوا اور پنجاب ایسٹ انڈیا کمپنی کی قلمرو میں شامل کر دیا گیا۔

۱۸۵۳ء میں کمپنی کو ختم کر کے کمپنی کو شاہِ برطانیہ کی طرف سے برطانوی پارلیمنٹ کے حوالے کر دیا گیا جس نے سیاسی، انتظامی، عسکری اختیارات گورنر جنرل کو دے دیئے۔

جنگِ آزادی

قوموں کی تاریخ میں کسی واقعہ کو سیاق و سباق سے الگ کر کے اور اس کے پس منظر کو نظر انداز کر کے صرف اس کے ظاہر پہ انگلی رکھ کر کوئی فیصلہ کرنا اصولِ تاریخ کے خلاف ہے کیونکہ ہر تاریخی واقعہ برس ہا برس کے مختلف اور متضاد اسباب کا نتیجہ ہوتا ہے۔

تاریخ کی روشنی میں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی، عوامی جنگِ آزادی نہ تھی یہ تو صرف ایک مختصر طبقہ یعنی انگریزوں کے ہندوستانی فوجی ملازموں کی جنگ تھی اور اس کا آغاز اس وقت ہوا جب سپاہیوں کو استعمال کے لئے سور کی چربی چڑھے کارتوس دیئے گئے۔ ان سپاہیوں یا فوجیوں کی چند ایسے امرا، و رؤسا نے بھی پشت پناہی کی جن کی اس وقت آزادی، مطلق العنانی دولت، ثروت، حشمت، اختیار اور اقتدار خطرہ میں تھا۔ اگر یہ عوامی جنگِ آزادی ہوتی تو انگریز اسی وقت اسی طرح اپنا بوریا بستر لپیٹ کر چلتا بنتا جس طرح وہ ۱۹۴۷ء میں یہاں سے رخصت ہوا۔

اس جنگِ آزادی کا آغاز مرشد آباد سے ہوا۔ اور دیکھتے دیکھتے سارا ملک اس کی لپیٹ میں آگیا۔ انقلابیوں نے دہلی پر قبضہ کر کے اعلان کر دیا کہ ابوظفر بہادر شاہ نے ملک کا انتظام سنبھال لیا ہے۔ اس سے شورش کی آگ کو بھڑکنے اور پھیلنے کا مزید موقعہ ملا اور اس کے ملک گیر شعلے اتنے بلند ہوئے کہ فضا میں ایک

انقلاب آگیا۔ بعض مقامات پر اربابِ اثر و رسوخ نے اپنی اپنی حکومتیں قائم کر لیں۔ ملتان کب پیچھے رہنے والا تھا۔ اس انقلابی تحریک کے زیر اثر دریائے راوی کے کنارے رہنے والی اقوام کاٹھیہ اور کھرل نے بھی اپنی خود مختار ریاستیں قائم کرنے کی ناکام کوششیں کیں۔

۱۳ مئی ۱۸۵۷ء کو صبح کو تین سو گورے سپاہیوں نے میاں میر لاہور چھاؤنی میں حفظ ما تقدم کے طور پر تین ہزار فوجیوں سے ہتھیار سنبھال لئے۔ ان سپاہیوں کے مشکوک رویّہ کے پیش نظر ملتان چھاؤنی میں مقیم دو دیسی پلٹنوں سے بھی ماہِ جون کے آغاز میں ہتھیار واپس لے لئے گئے، اہل ملتان جو ۱۸۴۹ء میں سکھوں اور انگریزوں کی خونریز جنگ کا شکار بن چکے تھے، اس شورش کی خبروں سے سخت مشوش و پریشان تھے جب انہیں پتہ چلا کہ یہاں فوجیوں سے ہتھیار لے لئے گئے ہیں۔ تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنا کاروبار پھر سے شروع کر دیا۔ جو شورش کی خبروں کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ دیسی پلٹنوں سے ہتھیار واپس لینے کے بعد انہیں چند ماہ تک چھاؤنی میں رہنے دیا گیا۔ بعد ازاں ان پلٹنوں کو توڑ دیا گیا اور مزید خطرہ کے امکان کو ختم کرنے کے لئے اُن کو بیک وقت فارغ کرنے کی بجائے ہر روز بیس بیس فوجیوں کو رخصت کیا جانے لگا۔ لیکن شرارت پسند عنصر کی انگیخت پر ۳۱ اگست کی صبح کو دو پلٹنوں نے صبح کی پریڈ کے وقت شورش کر دی۔ گورا پلٹن کے ایک ایڈجوٹنٹ اور یورپین توپخانہ کے چار گوروں کو حملہ کر کے قتل کر دیا اور پھر شتر بے مہار کی طرح مختلف اطراف کو بھاگ نکلے۔

اُمراء کا رویّہ

ملتان پر انگریزوں کا قبضہ ۱۸۴۹ء کے اوائل میں مکمل ہو چکا تھا اور انہیں اپنا تسلط جمائے ہوئے آٹھ سال گزر چکے تھے حکومت کا ہر محکمہ قائم ہو چکا تھا کمشنر، ڈپٹی کمشنر مال افسر، تحصیلدار، پولیس افسران اپنے اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے تھے کہ یکایک ۳۱ر اگست ۱۸۵۷ء کو ملتان چھاؤنی میں بارہ سو سپاہیوں نے شورش کر دی جن میں سے تین سو اسی وقت مارے گئے۔ ان کو چونکہ عوامی تائید حاصل نہ تھی اس لئے انہیں شہر میں گھسنے یا چھپنے کی جرأت نہ ہوئی اور نہ شہر میں اس شورش کی وجہ سے کوئی پریشان کن واقعہ رونما ہوا۔ البتہ عمائدینِ شہر گیلانی، گردیزی، قریشی، خاکوانی اس واقعہ کی خبر سنتے ہی شہر چھوڑ کر اپنے اپنے علاقوں میں چلے گئے چھاؤنی سے بھاگے ہوئے سپاہیوں میں سے کچھ شیر شاہ سے ہوتے ہوئے شجاع آباد جا پہنچے۔ بعض دریائے چناب کے ایک ٹاپو کو عبور کرتے ہوئے ڈوب مرے۔ بعض سرائے سدھو تک نکل گئے، ان کی گرفتاری کے لئے تحصیلدار اور پولیس ان کے تعاقب میں روانہ ہوئی۔ جس جس علاقہ میں یہ جا کر چھپے ان افسران نے اس علاقہ کے معززین کو بلایا کہ وہ ان کی گرفتاری میں مدد دیں۔ اس ضمن میں گیلانیوں، قریشیوں، گردیزیوں اور خاکوانیوں کو بھی مدد دینے کے لئے اسی طرح بلایا گیا۔ جس طرح کسی تفتیش کے دوران مجرمان کی گرفتاری کیلئے پولیس معززینِ علاقہ کو بغرضِ امداد بلا لیتی ہے اس لئے انہوں نے ان افسران کی اس سلسلہ میں مدد کی لیکن لکیر کے فقیر مؤرخوں نے حالات کا جائزہ لئے بغیر یہ لکھنا شروع کر دیا کہ ان خاندانوں نے غداری کی اور جنگِ آزادی کو

ناکام بنایا ہمالانکہ (۱) اسوقت پنجاب میں بالعموم اور ملتان میں بالخصوص عوامی سطح پر کوئی باقاعدہ جنگِ آزادی نہیں لڑی جارہی تھی ۔۲۔ یہ سب خاندان سکھوں کے زخم خوردہ تھے جنہوں نے انگریزی اقتدار سے قبل سے اپنی حکومت کے دوران مسلمانوں پر وہ مظالم توڑے کہ عالمی ظالموں ہلاکو خان اور چنگیز خان کی روحیں کانپ اٹھیں، اس لئے یہ اب انگریزوں کو صحیح طور پر اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے ۔۳۔ ہندوؤں نے بڑی عیاری سے انگریزوں کے کان بھر رکھے تھے کہ ان کے خلاف مسلمانوں نے بغاوت پھیلائی۔ اس لئے انگریز مسلمانوں کو مشتبہ نظروں سے دیکھتے تھے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ اس لئے مسلم اکابرین عملاً انگریزوں کی اس غلط فہمی کو دور کرنے اور بحالی امن کے لئے ان کی جائز امداد کرتے رہے ۴۔ اسوقت ان خاندانوں کے سربراہ بے سپاہ، بے ہتھیار، بے اختیار، بے اقتدار اور بے دست و پا تھے، اس لئے ان کے لئے آٹھ سال سے قائم شدہ حکومت کا مقابلہ کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ ۵۔ کلکتہ سے لے کر ملتان تک کے سورما توان کو ہندوستان سے نہ بھگا سکے۔ شہر کے ان چند خاندانوں کے نہتے سربراہ انہیں کیسے سمندر میں دھکیل دیتے ۔۶۔ انہوں نے تو اسوقت بڑی دانشمندی کا ثبوت دیا کہ انگریزوں سے بالکل اسی طرح امن وامان بحال رکھنے کیلئے تعاون کیا جس طرح سر سید احمد خان نے مسلمانوں کی بہتری کے لئے انگریزی سے تعاون کیا یا جیسے بھٹو کے زمانۂ صدارت میں پولیس کی بغاوت کے دوران لاہور میں قومی رضاکاروں، خاکساروں اور پیپلز گارڈ نے نظم و نسق بحال رکھتے ہوئے حکومت کی مدد کی۔ اس لئے اس طبقہ پر غداری کا الزام بالکل ناجائز اور خلافِ واقعہ ہے۔ مسلمان مورخین نے حقائق تک پہنچنے کی قطعاً کوشش ہی نہیں کی اور جو کچھ مسلم دشمن ہندوؤں اور انگریزوں کی کتابوں میں نظر آیا اسے نقل کرتے چلے گئے۔

انگریزی اقدامات

انگریزوں نے سرزمینِ ملتان پر قدم رکھنے کے بعد مندرجہ ذیل تعمیری اقدامات کیے

• انگریزوں نے فتح ملتان کے بعد سب سے پہلے فارسی تصنیفات کے تحفظ اور ملتانی زبان کے فروغ کی طرف توجہ دی اور اپنی پہلی فرصت میں تبلیغی اغراض کے لئے اپنی چاروں انجیلوں کا ملتانی میں ترجمہ کرایا اور عیسائیت کے فروغ کے لئے انہیں مفت تقسیم کیا۔

• ۱۸۵۰ء میں یعنی ملتان پر قبضہ کرنے کے ایک سال بعد انہوں نے ملتان میں پہلا ہسپتال قائم کیا۔

• ۱۸۵۶ء میں بمقام حسین آگاہی پہلا انگریزی طرز کا ہائی سکول کھولا۔

• ۱۸۵۷ء میں ملتان چھاؤنی کے نئے قلعہ کی تعمیر شروع ہوئی اور عیدگاہ تا حضوری باغ کی پرانی سِول لائن کو منہدم کر کے نئی چھاؤنی ملتان قائم کی۔ اور اس میں فوجی افسران کی کوٹھیاں بنوائیں۔

• ۱۸۵۸ء میں کچہری ملتان کا وہ وسطی بلاک تعمیر ہوا جس میں ڈپٹی کمشنر عدالت لگاتے ہیں۔ اِس سے قبل کچہری بیلی کوٹھی میں لگا کرتی تھی جو ملتان لاہور روڈ پر اینٹی کرپشن کے دفتر کے سامنے ہے۔

• ۱۸۵۹ء میں امرتسر سے ملتان تک ریلوے لائن بچھانے کا افتتاح ہوا جو موجودہ فورٹ کالونی کے مغرب میں محمد پور گھوٹہ تک پہنچائی گئی۔ وہاں سے کشتیوں کے

پل پر سے ریلوے لائن کے ذریعہ انجن کو دھکیل کر دریا کے پار لے جایا جاتا۔ وہاں دوسری گاڑی تیار ہوتی جس کو یہ انجن منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا۔

- ۱۸۶۰ء ملتان کا پہلا بندوبست پایۂ تکمیل کو پہنچا۔
- ۱۸۶۱ء میں حسین آگاہی والا سکول حرم دروازہ اس جگہ منتقل کر دیا گیا جہاں آج کل کوتوالی بنی ہوئی ہے۔
- ۱۸۶۵ء میں سندھ پنجاب اور دہلی ریلوے کو ملتان سے ملا دیا گیا۔
- ۱۸۷۲ء میں بندوبست ملتان میں ترمیم ہوئی۔
- ۱۸۷۸ء میں انڈس دہلی سٹیٹ ریلوے کو ملتان سے کوٹری تک بڑھایا گیا۔
- ۱۸۸۰ء میں ملتان کا ہائی سکول پنجاب یونیورسٹی سے منسلک ہوا اور یونیورسٹی نے دسویں کا امتحان لینا شروع کیا۔
- ۱۸۸۳ء میں گھنٹہ گھر کا سنگِ بنیاد رکھا گیا جس میں بلدیہ کے دفاتر قائم کئے گئے۔
- ۱۸۸۵ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کے دفاتر تعمیر ہوئے۔
- ۱۸۹۰ء میں دریائے چناب پر ریلوے پل مکمل ہوا۔
- ۱۹۰۱ء میں چناب جہلم اور باری دوآب کی نہریں احداث ہوئیں۔
- ۱۹۲۰ء میں ملتان میں گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج قائم ہوا جو ۱۹۲۳ء میں ڈگری کالج بنا دیا گیا۔

رفتارِ آبادی

انگریزوں نے ملتان پر قابض ہونے کے بعد پہلی مردم شماری ۱۸۵۵ء میں کرائی، اِس کی رُو سے ضلع ملتان کی آبادی ۴۱۱,۳۸۶ تھی۔

دُوسری مردم شماری ۱۸۶۸ء میں ہوئی۔ اِس وقت آبادی ۱۴۶۷ فی صد بڑھکر ۴۷۲,۲۶۸ تک پہنچ گئی۔

تیسری مردم شماری ۱۸۸۱ء میں ہوئی۔ اس کی رُو سے آبادی میں ۱۶۶۹ فی صد کا اضافہ ہوا اور تعداد ۵۵۱,۹۶۴ تک جا پہنچی۔ اِس مردم شماری کی رُو سے ضلع ملتان کا کل رقبہ ۵۸۸۰ مربع میل تحصیلیں ۶

دیہات	۱۲۸۷	مکانات	۱۱۷۰۹۸
آباد مکان	۹۳۵۹۹	غیر آباد مکان	۲۳۴۹۹
مرد	۱۸۴,۹۸۹	عورتیں	۱۴۶,۳۰۶
لڑکے	۱۱۹,۵۲۸	لڑکیاں	۱۰۱,۱۴۱
کل مرد	۳۰۱,۵۱۷	کل عورتیں	۲۴۷,۴۴۷
ملازمت پیشہ	۹۷۱۷	خانگی مُلازم	۵۲۰۴
تجارت پیشہ	۱۱۵۰۰	زراعت پیشہ	۷۴۹۴۲
صنعت کار	۴۶۳۴۳	غیر مخصوص	۱۳۴۷۳
غیر متعین	۲۳۶۵۹	-	-

مسلمان ۶۹ء ۷۸ فیصد ہندو ۲۰.۶۳ فیصد

جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ شہری آبادی میں اضافہ ہوتا گیا۔ ۱۹۱۱ء میں سے لے کر ۱۹۶۱ء تک رفتارِ آبادی کی شرح حسبِ ذیل رہی۔

۱۹۰۱	میں	۸۷	ہزار
۱۹۱۱	"	۹۹	"
۱۹۲۱	"	۸۵	"
۱۹۳۱	"	۱۱۹	"
۱۹۴۱	"	۱۴۳	"
۱۹۵۱	"	۱۹۰	"
۱۹۶۱	"	۳۵۸	"
۱۹۷۱	"	۵۰۰	" کے قریب

۱۹۰۱ کے بعد ہر دس سال کے بعد مردم شماری ہوتی رہی۔ مگر ملکی بحران کی وجہ سے ۱۹۷۱ء میں مردم شماری نہ ہو سکی۔ اِس کے اعداد تخمینی ہیں۔

ملتان گزٹیر کی رو سے ۱۸۸۱ء سے ۱۹۲۱ء تک چالیس سال کے اندر ملتان کی آبادی ۶۰ فی صدی بڑھ گئی۔

ضلع ملتان کے دیہات ۱۸۲۱ء میں ۱۶۴۷ تھے جو ۱۹۴۸ء میں ۲۲۸۷ تک پہنچ گئے۔

فرقے اور طبقے

ملتان گزٹیر کے مطابق ۱۸۸۱ء کی مردم شماری کی رو سے مختلف فرقوں اور طبقوں کا تناسب آبادی مندرجہ ذیل تھا۔

نام فرقہ	کل تعداد	مرد	عورتیں	
مسلمان	۴۳۵،۹۰۱	۲۳۸،۵۹۱	۱۹۷،۳۱۰	۷۶،۹ فیصد
ہندو	۱۱۲،۰۰۱	۶۲،۹۴۲	۴۹،۰۵۹	۲۰۶۳ ״
سکھ	۲۰۸۵	۱۴۸۰	۶۰۵	
عیسائی	۱۸۶۱	۱۴۳۶	۴۲۵	
یورپین یوریشین	۱۸۱۹	۱۴۱۸	۴۰۱	
پارسی	۶۳	۳۹	۲۴	
جینی	۴۷	۲۴	۲۳	
دیگر	۶	۵	۱	

اسلامی فرقے

سُنی	۴۳۱،۶۵۶	۲۳۶،۳۲۲	۱۹۵،۳۳۴
شیعہ	۳۸۳۰	۲۰۳۱	۱۷۷۹

اہلحدیث	۷۹	۴۴	۳۵

طبقہ واری تناسب

	زراعت پیشہ	غیر زراعت پیشہ	میزان
شہر و قصبات میں	۵۳۸۱	۸۲،۷۰۲	۸۸۰۸۳
دیہاتوں میں	۲۱۳۵۵۹	۲۵۰،۳۲۲	۴۶۳۸۸۱

نرائن سنگھ، شام سنگھ، رام سنگھ

برادران دیوان مولراج

مذہبی عقائد

ضلع ملتان کی اکثر آبادی سنی ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رح کی مقلد ہے انگریزوں کے آنے سے قبل سنیوں میں کوئی فرقہ بندی نہ تھی۔ حالانکہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی مسلک کے لوگ یہاں قدیم زمانہ سے آباد چلے آتے تھے۔ انگریزوں نے لڑاؤ اور حکومت کرو کے اصول پر پہلے دیوبندی اور بریلوی تفریق پیدا کی اور اتنی پیدا کی کہ آپس میں سر پھٹول تک نوبت پہنچی اور آج تک ان کی مخالفت کا یہ عالم ہے کہ بریلوی دیوبندیوں کے پیچھے نماز تک نہیں پڑھتے اور اُن کے اکابر پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔ حالانکہ دیوبندی بریلوی مولوی کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔

شیعہ ایران سے آئے اور یہاں ہمیشہ سے اقلیت میں رہے۔ ملتان کے ۲۵ نامور خاندانوں میں سے بقول سید اولاد علی شاہ صاحب مرقع ملتان، یہاں صرف "سادات، گردیزی، سلار واہن، کورنگا، درو ہڑواہن، قریشیان ملتان اور خاکوانی پٹھانوں کے ایک دو گھر شیعہ ہیں"۔ مغلوں اور درّانی پٹھانوں کے زمانے میں شیعہ بھی بظاہر سنی عقائد کی پابندی کرتے تھے۔ مگر اندرون خانہ شیعہ مذہب کے مطابق اپنی رسوم دوبارہ ادا کرتے تھے اور بعض سیاسی اغراض کے تحت ابھی تک ایسا کرتے ہیں۔

انگریزی عہد میں چونکہ مذہبی آزادی تھی۔ اس لئے اُن کے عہد میں شیعہ حضرات علی الاعلان اپنی مذہبی رسومات کھلے بندوں ادا کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے اپنی مساجد اور گورستان تک علیحدہ کرلئے۔ اور اپنے امام باڑے قائم کئے۔ اختلاف

عقائد و طریق عبادت اور رسوم تجہیز و تکفین کے باوجود شیعہ سنی ہمیشہ سے آپس میں شیر و شکر چلے آتے ہیں اور ان میں کبھی مناقشت مخالفت یا منافرت پیدا نہیں ہوئی بلکہ سنی ان کی مذہبی تقریبات میں بکثرت شامل ہوتے ہیں اگرچہ شیعہ سنیوں کی تقریبات میں شاذ ہی نظر آتے ہیں۔

اہل حدیث پہلے آٹے میں نمک کے برابر تھے لیکن یہ اپنی تبلیغی جدوجہد کی وجہ سے تعداد میں اب پہلے بہت بڑھ گئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے بھی اپنی مساجد اور مدارس الگ بنالئے ہیں۔ ان قدیم فرقوں کے علاوہ انگریزی دور میں دو مندرجہ ذیل جدید فرقوں کا اضافہ ہوا۔

انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں قادیان کے اندر ایک سرکاری نبی پیدا کیا اور اس سے منسوخی جہاد کا فتوے حاصل کر کے مسلمانوں پر جہاد کے دروازے بند کرا دیئے۔ انگریزوں نے اس فرقہ ضالہ کی اپنی سنگینوں اور بندوقوں سے حفاظت کی۔ اس خودساختہ قادیانی نبی کی تردید و تکذیب میں اہل ملتان نے بھرپور حصہ لیا۔ اور اتنا لیا کہ ۱۹ جولائی ۱۹۵۲ء کو تھانہ کپ پر پولیس نے بیک وقت زائد از نصف درجن شمع نبوت کے پروانوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا یہ سب شہداء مسجد عید گاہ کے باہر اور احاطۂ عید گاہ کے اندر آرام فرما ہیں۔

اس کے علاوہ انگریزوں نے قرآن کریم کے معنی بدلنے اور مغرب زدہ لوگوں کے لئے ماڈرن اسلام تیار کرنے کے لئے اپنے ایک ملازم کے ذریعہ فتنۂ پرویز کی بنیاد رکھی اور اسے ہر قسم کا تحفظ دیا۔ اس فتنہ کے خلاف بھی ملتان نے قلمی جہاد کیا۔ اور سب سے پہلے راقم نے پرویز کے دعووں کا تار و پود "فتنۂ پرویز و تحقیقت حدیث" میں بکھیرا۔

نوعیّتِ اختلافات

مرزائیوں کے خلاف میاں ممتاز دولتانہ کے زمانہ وزارت میں تحریکِ ختمِ نبوت چلی۔ میاں ممتاز دولتانہ نے اس تحریک کو کچلنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور مسلمان اُن کے سخت مخالف ہو گئے۔ ۱۹۵۶ء کا الیکشن لڑنے کے لیے جب میاں ممتاز دولتانہ میدان میں نکلے تو مسلمانوں نے اُن کے خلاف باقاعدہ تحریک چلا دی۔ اس ضمن میں ۲۲ جون ۱۹۵۶ء کو چوک بازار میں زیرِ صدارت مفتی محمود میاں ممتاز محمد دولتانہ کے خلاف جلسہ ہوا۔ ۲۹ جون کو میاں ممتاز دولتانہ نے ملتان میں تقریر کرنی تھی۔ اِن کے جلسہ کو کامیاب کرانے کے لئے پولیس تھانہ کینٹ نے دس بریلوی اور دس دیوبندی حضرات کو بلا کر نقضِ امن کے جرم میں چالانِ عدالت کر دیا۔ گرفتار شدگان میں دونوں جماعتوں کے قائد مولانا مفتی محمود اور مولانا احمد سعید کاظمی بھی شامل تھے جب مورخہ ۶ جولائی ۱۹۵۶ء کو ان ہر دو علماء کے بیاناتِ حلفی چوہدری سعید الحسن مجسٹریٹ درجہ اوّل کی عدالت میں بحیثیت گواہ ہوئے تو وہاں اُن ہر دو حضرات نے بجواب جرح اپنے اختلافات کی نوعیت پر روشنی ڈالی جو بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

مولانا مفتی محمود نے بیان دیا کہ میں جماعت علماء اسلام کا نائب صدر ہوں اور جمیعۃ علماء پاکستان کے سید احمد سعید کاظمی صاحب ناظم ہیں یہ دو مختلف ادارے ہیں لیکن ہمارے مقاصد میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہمارا کسی موضوع پر باہمی اختلاف نہیں ہے۔ دوسرے ادارے سے یعنی بریلویوں سے صرف فروعی اختلاف ہے

کوئی اصولی اختلاف نہیں ہے ہمارا بریلویوں سے علم غیب کے مسئلہ پر اختلاف ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول کریم کو علم غیب نہیں ہے ہم نعرۂ رسالت لگاتے ہیں مگر ہم رسول کریم کو حاضر ناظر نہیں سمجھتے، اس عقیدہ کے تحت یا رسول اللہ کہنا جائز نہیں ہے ہم مزاروں پر جا کر فاتحہ پڑھنا جائز سمجھتے ہیں لیکن سجدہ کرنا یا مزاروں کو چومنا جائز نہیں سمجھتے۔

مولانا احمد سعید کاظمی نے بجواب جراح بتلایا کہ دیوبندی حضرات کے نزدیک رسول اللہ کو حاضر ناظر تسلیم نہیں کیا جاتا ہمارے نزدیک اگر کوئی حاضر و ناظر مان لے تو وہ مسلمان ہے اور اگر نہ مانے تو کافر نہیں بن جاتا۔ بزرگوں کی فاتحہ ہمارے نزدیک جائز ہے اور دوسری پارٹی کے نزدیک بدعت ہے اس کے علاوہ اور کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دراصل مذکورہ بالا بھی اصولی اختلاف نہیں ہے"۔

مولانا سید مسعود علی مفتی مدرسہ انوار العلوم وصدر جمعیۃ علماء پاکستان نے بھی اپنے بیان میں ان اختلافات کی مزید وضاحت ان الفاظ میں کی۔

"ہمارا دیوبندی پارٹی سے اصولی کوئی اختلاف نہیں ہے ہمارے عقیدے کے مطابق رسول اللہ کو علم غیب تھا۔ دیوبندی بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ کو عطائی علم غیب تھا۔ دیوبندی کہتے ہیں کہ عطائی علم، علم غیب نہیں ہوتا"

گویا ان ہر دو فرقوں کے مابین اصولی اختلاف تو مسلمہ طور پر نہیں ہے صرف چند الفاظ کے معنی پر اختلاف ہے کہ عطائی علم علم غیب کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں۔ جسے ارباب غرض نے اپنے ذاتی اور سیاسی مفاد کے لئے اتنا بڑھایا اور پھیلایا۔ کہ

مسلمانوں کی فرقہ بندی بن گئے [handwritten margin note, partly illegible]

تعلیمی حالت

ملتان گزٹیر کی رُو سے انگریزوں کے ابتدائی دور ۱۸۸۱ء میں ضلع ملتان میں مُسلمانوں کی تعلیمی حالت بہت نازک تھی۔

مُسلمان آبادی میں اگرچہ قریباً ۸۰ فی صد تھے۔ مگر تعلیمی میدان میں صرف ۳۲ فیصد تھے اور ان کے مقابلہ میں ہندو جو صرف ۲۰ فی صد تھے، وہ تعلیم کے میدان میں ۴۸ فی صد کی رفتار سے ترقی کر رہے تھے۔

اِس تفاوت کی تمام تر ذمہ داری ہندوؤں اور انگریزوں پر عائد ہوتی ہے کیونکہ انگریزوں کے آتے ہی ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف اُن کے کان بھرنے شروع کر دیئے تھے۔ کہ آپ کی آمد پر غدر کرنے والے مُسلمان تھے، اِسلئے انگریز روزِ اوّل سے مسلمانوں کا مخالف ہو گیا تھا اور تا ایں دم وہ مُسلمانوں کی مخالفت سے باز نہیں آیا۔ اُس وقت کی ہندوؤں اور انگریزوں کی ملی بھگت کا نتیجہ تھا کہ وہ ہندو علاقوں میں زیادہ سکول کھولتے تھے اور مُسلمان علاقوں میں کم جس کی وجہ سے مُسلمان تعلیمی میدان میں ہندوؤں سے پیچھے رہے۔

امپیریل گزٹ ۱۸۸۳ء کی رُو سے ضلع مُلتان کے اندر کل ۷۹ سرکاری سکول تھے، جن میں سے صرف ۹ سکول مُلتان شہر میں تھے، اِن میں سے ایک ریلوے سکول تھا جس میں صرف انگریزوں اور دیسی عیسائیوں کے بچے اعلےٰ تعلیم پاتے تھے۔ اعلیٰ تعلیم کے چار زنانہ اور چار مردانہ سکول انگریزوں کے تبلیغی یعنی مشنری اداروں کی مدد

سے چل رہے تھے۔ ان کے علاوہ دو مڈل اور ۵۹ پرائمری سکول تھے۔

اِن تمام سکولوں میں طلبار کی تعداد اس وقت ۲۹۲۴ تھی جبکہ اُس زمانہ میں کم عمر لڑکوں کی تعداد ۵۲۸ ۹۱۱ اور کم عمر لڑکیوں کی تعداد ۱۰۱۴۱۱ تھی۔ جو کُل آبادی کے چالیس فیصد تھے۔ اِس لحاظ سے حکومتِ انگریزی کی طرف سے تعلیمی سُہولت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس کے خلاف اُس وقت کے پرائیویٹ دیسی مدارس کا یہ عالم تھا۔

نوعیتِ تعلیم	تعداد مدارس	تعداد طلبار
قرآن خوانی	۳۹۴	۸۷۶
قرآن خوانی اور فارسی	۱۲۲	۹۹۰
سنسکرت	۱۸	۱۵۷
عربی	۱۳	۱۶۸
مہاجنی	۱۰	۶۰۵
گورمکھی	۷	۵۳
فارسی	۵	۱۸

اِن اعداد و شمار کی روشنی میں مسلمان لڑکوں کی مذہبی وابستگی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ زیادہ تر مذہبی تعلیم کے شائق تھے جنہیں انگریزوں نے آہستہ آہستہ لادینیت کا خوگر بنا دیا۔ آج دینی مدارس میں بمقابلہ آبادی ــــــــ طلبار نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اور ان اعلیٰ انگریزی سکولوں میں جہاں تعلیمِ دین کا کوئی اہتمام نہیں بعض لڑکوں کو داخلہ تک نہیں ملتا۔

زرعی ارتقاء

۱۱ دسمبر ۱۸۰۸ء کو الفنسٹن (Elphinstone) بسلسلہ سیاحت ملتان آیا اور اس نے ملتان کو ایک زرخیز خطہ پایا جو چاہات سے آبپاشی ہوتا تھا۔ اس کا زیادہ تر حصہ غیر آباد تھا۔ اس وقت اس میں گندم، کپاس۔ باجرہ، شلغم۔ گاجر اور نیل پیدا ہوتا تھا نیم اور کھجور کے درخت پائے جاتے تھے یا کہیں کہیں پیپل کا درخت نظر آتا تھا۔

۱۸۲۷ء میں جب میسن (Masson) ملتان آیا تو اس نے دیکھا کہ ملتان باغات سے آباد تھا اور یہ باغات آموں، سنگتروں اور لیموں وغیرہ سے لدے ہوئے تھے اور سبزیاں بکثرت اگتی تھیں۔

۶ اپریل سے ۱۶ اپریل ۱۸۳۶ء تک ملتان میں وگنی (VIGNE) رہا۔ اسوقت ملتان ریشمی کپڑوں کی صنعت میں مشہور تھا۔ اور نواح ملتان میں سالانہ ایک ہزار سے ڈیڑھ ہزار من تمباکو بھی پیدا ہوتا تھا۔

غرض کہ رفتار زمانہ کے ساتھ جہاں آبادی میں اضافہ ہوتا گیا وہاں ضروریات زندگی بھی بڑھتی گئیں، پہلے لوگ کنوؤں سے آبپاشی کرتے تھے پھر انہوں نے نالے کھود اس کے بعد نہروں کا زمانہ آیا اور دریائے چناب سے چودہ اور دریائے ستلج سے تین نہریں نکالی گئیں۔ انگریزوں نے آکر نہروں کا جال بچھا دیا۔ پانی کی فراوانی اور زمین کی زرخیزی کی وجہ سے مختلف علاقوں کی مختلف اقوام نے ملتان کا رخ کیا جن کی آمد سے

ملتان کی آبادی میں اضافہ ہوگیا۔

۱۸۶۷ء کی مرتبہ تاریخ پنجاب از تاج الدین مفتی میں یہاں کی صورتِ حال یہ درج ہے "خشک سالی بہت رہتی ہے ملک ریگستان اور پیداوار نیست! بہ نسبت ملکِ پنجاب ملتان میں باران کم۔ تمام سال میں اگر ایک آدھ مرتبہ بارش ہوجائے تو لوگ اِسے بہت غنیمت سمجھتے ہیں اور مانندِ آبِ حیات کے سرمایۂ حیات جانتے ہیں۔ زمینداروں کا گزارہ علی العموم بتوکلِ آبِ آسمان ہے۔ انار بہت عمدہ اور افراط سے ہوتا ہے اور کھجیاں یعنی درخت ہائے خرما بکثرت ہیں۔ آم بھی بڑی بڑی بستیوں میں عمدہ ہوتا ہے پیداوار اس ضلع کی ہر قسم کا غلہ اور پھل پھول ہیں لیکن بہ نسبت سب اجناس کے تل سیاہ بہت ہوتا ہے بعض علاقوں میں تیل بنتا ہے اور ملتان کا تیل دوسرے ملکوں کو بطور تجارت یا تحفہ بھیجا جاتا ہے۔ اکثر زمیندار سکنائے مفصلات مال مویشی کے منافع پر گزارہ کرتے اور فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ گائے بھینس سے فائدہ دودھ دہی کا۔ گدھی، خچر اور بیل سے منافع کرایہ، اجارہ اور برداری کا۔"

انگریزوں کے سروے کے مطابق ۶۹-۱۸۶۸ء میں رقبہ زیر کاشت ۴،۴۳۴،۱۲۴ ایکڑ تھا جس کا معاملہ ۴،۰۶۷، ۱۴۴ آیا تھا۔ سال بعد یعنی ۷۹-۱۸۷۸ء میں رقبہ زیر کاشت ۹۹،۳۶۰ اور معاملہ ۸۳۵،۹۲۰ تک پہنچ گیا اور اِسی نسبت سے اِس میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

وسائل آبپاشی

۱۷۵۰ء میں معین الملک عرف میر منو کے حکم سے علی محمد خان خوگانی ملتان کا گورنر مقرر ہوا۔ ۱۷۵۱ء میں علی محمد خان نے اپنے بھائی ولی محمد خان کے نام نالہ ولی محمد خان احداث کرایا جو شہر کے قریب سے گزرتا تھا۔ اس سے باغ لانگے خان سیراب ہوتا تھا۔ شہر کی حدود کے اندر اس کے دونوں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ہندوؤں نے مندر بنا رکھے تھے۔ ہندو مسلم فسادات کے دوران میں چونکہ یہاں زیادہ جانی نقصان ہوتا اس لئے اس نالہ کو دورِ انگریزی میں ایک تنگ نالے میں تبدیل کر دیا گیا۔

۱۷۶۰ء میں قائم خان نے نالہ درانہ لنگانہ کھدوایا۔

۱۷۷۷ء میں نجابت کھوکھر نے نالہ سکندر آباد کھدوایا۔

۱۸۱۵ء میں مظفر خان کے عہد میں نہر کھادل کھودی گئی۔

۱۸۳۰ء میں یار محمد زمیندار نے نہر متی تل کھدوائی۔

۱۹۰۱ء میں چناب جہلم اور باری دوآب کی نہریں احداث ہوئیں۔

نہر سدھنئی کی کھدائی دسمبر ۱۸۸۳ء میں شروع ہوئی اور یہ ۲۷ مئی ۱۸۸۶ء کو کھول دی گئی۔ اس نے ۳۵۰،۶۶۹ ایکڑ رقبہ آبپاشی کرنا تھا جس میں ۸۵ فیصد یعنی ۲۰۵۸۵۹ ایکڑ رقبہ سرکار غیر آباد تھا۔ اس نہر کے اجراء سے جس قدر رقبہ آبپاش ہوا۔ اس کی تفصیل ۲۲ اگست ۱۸۹۴ء کی پنجاب گورنمنٹ رپورٹ میں مندرجہ ذیل درج ہے جو اس نے گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیجی۔

سنہ ۸۷-۱۸۸۶ء میں ۶۶,۴۴۵- ایکڑ رقبہ کاشت ہوا۔

سنہ ۸۹-۱۸۸۸ء میں ۱۰۰,۷۱۶- ایکڑ رقبہ زیر کاشت آیا۔

سنہ ۹۳-۱۸۹۲ء میں ۱۲۸,۲۸۶- ایکڑ رقبہ آبپاشی ہوا۔

سنہ ۹۷-۱۸۹۳ء میں ۱۵۱,۴۲۷- ایکڑ رقبہ پر کاشت ہوئی۔

اِس طرح اِس نہر کی بدولت ۸۵ فی صد غیر آباد رقبہ آباد ہو گیا جو زیادہ تر سنٹرل پنجاب کے آباد کاروں نے آکر آباد کیا اور انہی کی وجہ سے مُلتان کی آبادی میں اضافہ ہوا۔ لوئر باری دوآب نہر کی کھدائی سنہ ۱۹۰۶ء سے شروع ہوئی اور خریف سنہ ۱۹۱۳ء کو چالو کر دی گئی جو ضلع ساہیوال کو سیراب کرتی ہوئی ضلع ملتان میں داخل ہوئی جس سے تحصیل خانیوال سیراب ہوئی اور اسی کی بدولت میاں چنوں اور جہانیاں ایسی منڈیاں وجود میں آئیں۔

پاکپتن اور میلسی کی نہروں کی کھدائی سنہ ۱۹۲۱ء میں شروع ہوئی اور خریف سنہ ۱۹۲۶ء سے ان سے آبپاشی شروع ہوئی۔ جو دریائے ستلج سے علی الترتیب سلیمانکی ہیڈورکس اور اور اسلام ہیڈورکس سے جاری ہوئیں۔ اِن نہروں کے اجرا سے پیشتر بنجر اور غیر آباد علاقہ لہلہاتے ہوئے سُنہری روپہلی کھیتوں میں بدل گیا۔ درختوں اور باغوں کی بدولت آب و ہوا میں خاصی تبدیلی آگئی اور گرد و گرما کا دباؤ بہت حد تک کم ہو گیا۔

صنعت و تجارت

جس زمانہ میں انگریزوں نے سرزمینِ ملتان پر پنجے گاڑے۔ اس زمانہ میں ضلع ملتان میں کارخانوں اور فیکٹریوں کا جال بچھا ہوا تھا جن کی بدولت یہاں بیروزگاری کا نام ونشان نہ تھا اور ان سے بہت بڑی آمدنی ہوتی تھی جیسا کہ نقشہ ذیل سے ظاہر ہے جو ۸۲-۱۸۸۱ء کی انٹرنل ٹریڈ اینڈ مینوفیکچررز رپورٹ میں شامل ہے۔

نام صنعت	کل کارخانے	کل کارکن (لیبر)	سالانہ آمدنی
ریشم	۵۰۰	۸۰۰	۵,۴۴,۵۰۰/-
کپاس	۷۰۳۵	۸,۶۱۳	۶,۵۲,۱۵۳/-
اُون	۴۱	۱۳۳	۳,۵۳۵/-
فیبرکس	۵۵	۱۳۰	۱۷,۹۲۱/-
کاغذ	۵۲	۲۱۷	۸۰۷۱/-
لکڑی	۲۷۵	۱,۱۰۰	۱,۶۲,۹۱۷/-
لوہا	۳۴۶	۸۰۴	۱,۳۲,۷۵۱/-
پیتل اور تانبہ	۵۵	۸۲	۴۱,۸۹۲/-
رنگ	۴۱۴	۵۷۰	۶۲,۴۴۲/-
چمڑہ	۱,۴۳۸	۲,۹۷۲	۳,۱۶,۲۵۹/-
کاشی کے برتن	۸۴۲	۱,۸۸۱	۱۰,۷۰,۷۱۱/-
قالین	۵۵	۱۷۹	۲۰۹۸۳/-

جیولری	۴۹۳	۸۶۸	۴,۰۷,۰۰۸/-
دیگر اشیاء	۶۹۹	۱,۶۶۲	۹۹,۳۱۹/-
کل میزان	۱۲,۶۴۷	۲۰,۹۸۹	۲۷,۶۳,۶۵۵/-

انگریزی عہد کے اوائل میں بھی ملتان پنجاب کا سب سے بڑا تجارتی مرکز تھا جس کا مال بذریعہ ریل لاہور اور دریاؤں کے ذریعہ راوی چناب اور جہلم کی وادیوں میں پہنچتا تھا۔ اس زمانہ میں شیر شاہ ملتان کی دریائی بندرگاہ تھی۔ یہاں سے ملتان کا تجارتی مال سندھ پنجاب اور دہلی ریلوے کمپنی کے سٹیمر کراچی پہنچاتے تھے اور وہاں سے یورپ کو جاتا تھا۔ جب انڈس ویلی سٹیٹ ریلوے بن گئی، تو پھر ملتان کا مال اس کے ذریعہ دساور کو جانے لگا۔ اس زمانہ میں ملتان سے کپاس، ولایتی سوت، ولایتی اشیاء، نیل، گندم، نخود، مٹر، چاول، گھی، لاہوری نمک، ہر قسم کے بیج، ریشم، کھانڈ، گڑ وغیرہ کی درآمد برآمد ہوتی تھی۔ مندرجہ ذیل سالوں میں اُن کا اتنی مالیت کا لین دین ہوا:۔

سال	درآمد	برآمد
۱۸۷۶-۷۷	۶۳,۱۴,۹۶۴	۳۷,۰۶,۹۹۵ روپے
۱۸۷۷-۷۸	۳۴,۹۴,۹۱۶	۷۲,۹۱,۹۴۲ "
۱۸۷۸-۷۹	۹۶,۳۴,۲۴۱	۳۲,۱۹,۹۵۵ "
۱۸۷۹-۸۰	۷۵,۴۰,۴۹۷	۳۹,۰۵,۳۳۵ "
۱۸۸۰-۸۱	۸۴,۰۴,۱۰۴	۳۷,۰۳,۳۸۲ "
۱۸۸۱-۸۲	۴۰,۰۱,۲۱۲	۸۷,۱۴,۳۵۱ "

اس زمانہ میں ملتان کے ریشمی، سوتی، پارچات، قالینوں اور جوتیوں کی بھی باہر بڑی شہرت اور مانگ تھی۔ ملتان ہی یورپین اشیاء منگا کر مغربی اضلاع اور اپنے نواحی علاقہ کو مہیا کرتا تھا۔

پولیس فورس

انگریزوں نے ۱۸۶۸ء اور ۱۸۷۸ء میں رفتار حالات کا جو سروے کرایا اس کے مطابق ضلع ملتان کے نتائج درج ذیل ہیں اس سے دس سالہ ترقی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

نوعیت	۱۸۶۸-۶۹ء	۱۸۷۸-۷۹ء
مالیت مقدمات متدائرہ	۲۱۹،۸۳۲	۲۶۱،۵۱۴
تعداد مقدمات دیوانی	۳۰۱۰	۵۴۵۱
تعداد قیدیان فوجداری	۱۳۳۸	۴۰۳۵
تعداد مریض	۹۵۱۱	۲۸۱۲۴
ڈسپنسریاں	۳	۵
ریلوے لائن	۶۴ میل	۱۳۰ میل

۱۸۸۳ء میں قیدیوں کی تعداد بڑھ کر ۴۶۳۰ تک پہنچ گئی، انگریزی نظام حکومت کی جوں جوں عمر دراز ہوتی گئی یہاں کے لوگوں کے کردار اور اخلاق اسی نسبت سے گرتے چلے گئے۔ ۱۸۸۳ء میں ملتان میں سول اور مال کے ۱۳ جج اور فوجداری کے ۲۲ مجسٹریٹ کام کر رہے تھے، امپیریل پولیس فورس ۹۴۶- افراد پر اور میونسپل پولیس ۲۳۳ نفر پر مشتمل تھی اور کنٹونمنٹ کنسٹیبلری کی تعداد ۳۸ تھی، دیہی چوکیدار ۳۰۴ تھے، غرض کہ یہاں کی کل آبادی کی جان و مال کی حفاظت کیلئے ۱۵۲۱ کی نفری تعینات تھی۔

درجہ حرارت

ملتان سطح سمندر سے ۴۰۲ فٹ اونچا ہے۔
۱۸۶۲ء سے ۱۸۶۷ء تک ملتان کا درجہ حرارت درج ذیل رہا۔

مہینہ	کم سے کم	زیادہ سے زیادہ
جنوری	۵۴ - ۷۰	۷۵ - ۳۵
فروری	۶۰ - ۱۹	۸۵ - ۵۰
مارچ	۷۰ - ۳۰	۹۸ - ۰۰
اپریل	۸۱ - ۸۴	۱۰۹ - ۱۶
مئی	۸۹ - ۸۷	۱۱۵ - ۰۸
جون	۹۵ - ۷۳	۱۱۶ - ۰۵
جولائی	۹۳ - ۷۳	۱۱۱ - ۷۰
اگست	۹۱ - ۸۱	۱۰۷ - ۱۷
ستمبر	۸۷ - ۹۲	۱۰۵ - ۷۶
اکتوبر	۷۶ - ۶۸	۹۹ - ۹۵
نومبر	۶۵ - ۶۵	۹۱ - ۴۲
دسمبر	۵۶ - ۲۴	۷۸ - ۰۰

ان اعداد سے ظاہر ہے کہ ملتان میں جون کا مہینہ ہی سب سے زیادہ گرم رہا ہے۔

مقاماتِ نزول

ہر انقلاب اپنے ساتھ کئی قسم کی تباہیاں اور بربادیاں لاتا ہے۔ کئی گھر اجڑ جاتے ہیں اور کئی نئے گھر آباد ہو جاتے ہیں، ملتان نے بھی اپنی زندگی میں کئی انقلاب دیکھے، یہ سو مرتبہ برباد اور پھر آباد ہوا۔ ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے جب سکھوں سے حکومت چھینی تو اُس وقت بھی بڑا کشت و خون ہوا۔ اور بے شمار املاک انگریزوں کے ہاتھ آئیں۔

انگریزوں نے سرزمینِ ملتان پر قدم جماتے ہی سابقہ حکومت کا اثاثہ سنبھالا اور پنجاب گورنمنٹ نے ۱۴ مئی ۱۸۴۹ء کو سرکلر نمبر ۷ جاری کیا کہ سابقہ حکومت کی ملکیہ تمام اراضیات، لاوارث مکانات، چاہات، باغات، آمدنی جاگیرات و مساجد اور گورستان ملکیتِ سرکار ہوں گی۔

اِس حکمنامہ کی رُو سے ضلع ملتان میں پرانا قلعہ، چھاؤنی، پرانی سرائیں، برداشت خانے، باغات، خالی اراضیات، زرعی چاہات، غیر آباد مکانات، پرانے تالاب، مسجدیں، اور قبرستان ملکیت سرکار قرار دیئے گئے اور انگریزوں نے اپنے نازل ہونے کی نسبت سے اس طرح حاصل کردہ تمام غیر منقولہ جائیداد کو "نزول" کی جائیداد قرار دیا۔ اسی نزول نے شہر کے علاوہ ضلع کے ۷۵ دیہات بھی اپنی لپیٹ میں لے لئے۔ نزول کی جملہ جائیداد کا فی الفور سروے ہوا اور ہر ضلع میں اس کا باقاعدہ ریکارڈ تیار کیا گیا۔

نزول کی جائیداد کے متعلق وقتاً فوقتاً مختلف سرکلر جاری ہوتے رہے۔ جن کے

ذریعے اراضیاتِ نزول کے تحفظ و انتظامات کے احکامات صادر کئے جاتے رہے۔
اور اس جائیداد کے انتظام کے لئے باقاعدہ محکمہ نزول قائم کیا گیا۔ جس نے بہت
سی اراضیات اور قطعات بلدیاتی اداروں کو مفادِ عامہ کے لئے منتقل کر دیئے۔ اور
اور باقی رقبہ کچھ فروخت اور کچھ نیلام کر دیا اور کچھ کرایہ پر دے دیا۔

ملتان شہر کے اندر پرانہ برف خانہ، چہلیک، بستی شیر خان، اعوان پورہ، محلہ جند شاہ
مدار، محلہ داؤد جہانیاں، حضوری باغ، کوٹلہ تولے خان، چاہ پھٹے والہ، محلہ کھوکھراں، دالوٹ
سوتری وٹ، پرانہ سیل خانہ، محلہ کاشی گراں، بستی بلوچاں، بستی مصلیاں، ماتم واہ اور سڑک
لوہاری دروازہ تا بوہڑ دروازہ کا سالم یا کچھ حصہ قبل ازیں نزول تھا۔

پہلی سروے کے مطابق ۲۶۴۔ ایکڑ رقبہ زیرِ نزول آیا لیکن بعد کی تحقیقات کے
تحت اس کی مقدار پانچ سو ایکڑ تک پہنچ گئی۔ اب چونکہ نزول کی زیادہ تر جائیداد فروخت
ہو چکی ہے۔ اس لئے اب اس کا انتظام ریکارڈ محکمہ ایوکیو ٹرسٹ کی تحویل میں دے
دیا گیا ہے۔ وہی سرکاری مفادات کی نگہداشت کرتا ہے۔

انگریزوں کا یادگاری مینار

آثارِ حکومت

میونسپل کمیٹی

بلدیہ ملتان کا ادارہ حکومت خود اختیاری کی پہلی قسط کے طور پر ۱۸۶۷ء میں قائم ہوا۔ ابتداً اس کے دفاتر لانگیے خان باغ میں سٹی ریڈنگ روم والی عمارت میں قائم کئے گئے ۱۸۸۸ء میں موجودہ گھنٹہ گھر کی عمارت مکمل ہونے پر وہ دفاتر اس میں منتقل کر دیئے گئے۔ ملتان کے گھنٹہ گھر نے شہر کے ماتھے پر جھومر کا کام کیا اور اس کے عمارتی حسن کو دوبالا کر دیا۔ بلدیہ ملتان کا رقبہ جہاں ۱۹۵۰ء میں آٹھ مربع میل تھا وہاں اب ۱۵ مربعہ میل تک پہنچ گیا ہے۔ شہر کے نواح کا زراعتی رقبہ روز بروز کم ہو رہا ہے اور صنعتی رقبہ بڑھ رہا ہے۔ اس رقبہ کے ساتھ ساتھ شہر کی آبادی بھی پہلے سے دگنی ہو گئی ہے۔ بلدیہ کے زیر اہتمام چار ہائی۔ سات مڈل اور یک صد کے قریب پرائمری سکول جاری ہیں۔ بارہ ڈسپنسریاں اور چار ہیلتھ کلینک کام کر رہے ہیں۔

مہاجرین کی آمد پر ۱۹۴۷ء میں شیخ رشید احمد ڈپٹی کمشنر نے ملتان میں پہلی رشید آباد کالونی قائم کر کے مہاجرین کو آباد کیا۔ اور اس نے نئی آبادیوں کے اضافے کے لئے نشانِ راہ کا کام کیا۔ میاں محمد شفیع بی سی۔ ایس نے ۱۹۵۰ء میں ملتان کے قلعہ کہنہ کے تاریخی کھنڈرات کو سطح قطعات میں تبدیل کر کے ابن قاسم باغ کے نام سے ایک بلند باغ قائم کیا۔ جو اہلِ شہر کے لئے بہترین تفریح گاہ ثابت ہوا۔

۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۰ء کا زمانہ ملتان کے لئے دورِ مسعود ثابت ہوا۔ اس عرصہ میں ملتان میں پاکستان کے نامور ادیب اور ایڈمنسٹریٹر مسٹر مختار مسعود سی۔ ایس پی ڈپٹی کمشنر

اور مارشل لاء سب ایڈمنسٹریٹر تھے جو پاکستان میں صحیح معنوں میں پہلے "پبلک سرونٹ" یعنی خادم خلق ثابت ہوئے۔ انہوں نے آتے ہی ملتان کی کایا پلٹ دی چوک گھنٹہ گھر میں بیسیوں برس کا پرانا الیکٹرک سپلائی کمپنی کا سب سٹیشن ہوا کرتا تھا جسے ہٹا کر فوارہ لگوایا۔ اور اس چوک و بازار کو وسیع کر کے اسے شہر کا دل بنا دیا۔ بوہڑ دروازہ اور حرم دروازہ کے درمیان کی گنجان آبادی سے لاریوں کا سب سے پرانا اڈہ چونگی نمبر ۱۴ پر منتقل کر کے یہاں شاہین مارکیٹ قائم کی۔ اس سے بیروزگاروں کے روزگار کی سبیل نکل آئی۔ بلکہ بازار وسیع ہو گیا اور شہر کو آئے دن کے خونی حادثوں سے نجات مل گئی۔ اسی سڑک پر رائل ہوٹل کے سامنے پرانے چھپر گروا کر ایک نئی مارکیٹ تیار کر کے بیروزگاروں کو روزگار مہیا کیا۔ جس سے اس علاقہ کی وسعت و خوبصورتی میں اضافہ ہوا۔ اسی طرح آپ نے دمدمہ گراؤنڈ حسین آگاہی میں نئی عثمانیہ مارکیٹ تیار کرائی جو شہر میں بہترین تجارتی مرکز کا کام دے رہی ہے۔ شہر کے گنجان ترین علاقہ میں واقعہ سبزی منڈی کے لئے حسن پروانہ کالونی کے شرقی جانب ایک وسیع اور ماڈرن سبزی منڈی تیار کرائی اس سے نہ صرف کاروبار میں اضافہ ہوا بلکہ پرانی سبزی منڈی کا علاقہ عفونت اور ٹریفک کی پریشان کن رکاوٹ سے محفوظ ہو گیا۔ عید گاہ کے رقبہ کو دوگنا کر کے اسے وسیع تر کر دیا۔ اس کے علاوہ آپ نے شہر کے چھوٹے موٹے قریباً پچاس کے قریب منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور اہل ملتان کے دلوں میں اپنی جگہ بنا گئے۔

۱۹۶۱ء کے بعد لفٹیننٹ کرنل عبدالحئی کی نظامت بلدیہ کے زمانہ میں شہر کی سڑکوں پر فٹ پاتھ اور گلیوں میں سیمنٹ کے سلیب پڑے۔ سڑکیں کشادہ کی گئیں۔ اور میونسپل ہال کی از سر نو مرمت و تزئین کرا کر اسے نئی زندگی بخشی گئی۔

ڈسٹرکٹ بورڈ

ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان پنجاب گورنمنٹ کے حکمنامہ مجریہ ۲۸ جولائی ۱۸۸۵ء کی رُو سے معرضِ وجود میں آیا۔ اس کی حیثیت روزِ اوّل سے درجہ اوّل کے بورڈ کی تھی۔ انگریزی دور میں ڈسٹرکٹ بورڈ صرف معمولی اور وسطی قسم کے فرائض کا ذمہ دار تھا۔ ضلع کے نظم و نسق میں اِس کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ اِس کا صدر ڈپٹی کمشنر ہوتا تھا۔ تمام اختیارات اِسی کی ذات میں مرکوز ہوتے تھے اور وہی سیاہ و سفید کا مالک ہوا کرتا تھا۔ وائس چیئرمین برائے نام ہوتا تھا۔

۱۹۳۲ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ کی جدید عمارت تعمیر ہوئی۔ جس میں بورڈ کے افسران کے دفاتر کے علاوہ پہلی دفعہ ایک میٹنگ ہال بھی تعمیر کیا گیا جو سیّد محمدؐ رضا شاہ گیلانی وائس چیئرمین بورڈ کے نام سے موسوم ہو کر "رضا ہال" ٹھہرا۔ ۱۹۳۵ء میں پہلی بار مخدوم زادہ سیّد محمدؐ رضا شاہ گیلانی ممبر صوبائی و مرکزی اسمبلی ڈسٹرکٹ بورڈ کے غیر سرکاری چیئرمین منتخب ہوئے، اِن کے بعد ۹/۴/۴۵ سے ۱/۴/۵۱ تک مخدوم زادہ ولایت حسین گیلانی صدر بنے اور ان کی وفات کے بعد ۹/۲/۵۱ سے ۲۰/۱/۵۸ تک مخدوم زادہ رحمت حسین شاہ گیلانی ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیئرمین منتخب ہوئے۔

فیلڈ مارشل محمدؐ ایوب خان کا دورِ حکومت اگرچہ جمہوری دور قرار دیا گیا تھا۔ لیکن اِس دور کی جمہوریت افسران کی آمریت کے تابع تھی سو ہی ہر جمہوری عوامی اور نیم سرکاری اداروں پر منکر نکیروں کی طرح مسلّط تھے اور وہ وہی کچھ کرنے کے

حادی تھے جن کا آمر موصوف کی طرف سے اشارہ ہوتا تھا۔ اسی لئے اس دور میں عوامی اہمیت کی بہت سی قرار دادیں شرفِ قبولیت حاصل نہ کرسکیں۔ ایوبی جمہوری دور میں ڈسٹرکٹ بورڈ کا نام بدل کر ڈسٹرکٹ کونسل رکھا گیا اور اس کی باگ ڈور عوامی نمائندے سے لے کر پھر سے ڈپٹی کمشنر کے حوالے کر دی گئی اور وہی اس کا چیئرمین بنا دیا گیا البتہ اس دور کا وائس چیئرمین بالواسطہ انتظامی امور کا ذمہ دار بنا دیا گیا۔ جو اندرونی طور پر انتظامی منصوبوں کی دیکھ بھال کرکے مختلف مجالس سے رابطہ قائم رکھتا۔

ڈسٹرکٹ کونسل کا دائرۂ کار بھی وسیع کر دیا گیا اور وہی ضلع بھر کے تعلیمی، ثقافتی، معاشرتی، فلاحی امور کی نگران و منتظم بنا دی گئی۔ جس نے اپنے دس سالہ دورِ ایوبی میں ضلع کی تعمیرِ نو اور ترقی کے لئے قابلِ قدر کام کیا اور دیہاتی علاقوں میں فلاح و بہبود کے کاموں کی رفتار تیز ہو گئی۔ اس جمہوری ادارہ نے بھی اردو کو دفتری زبان قرار دینے کی قرارداد پاس کی جو مغرب زدہ آمر کی نظر میں شرفِ قبولیت نہ پا سکی۔

اس ضلعی دیہی ادارہ کی انتظامیہ کی باگ ڈور ملتان کے نامور زمیندار خاندان کے مردِ صالح ملک رحیم بخش کچھی کے سپرد کی گئی جو دیہاتیوں کی نفسیات و ضروریات سے کماحقہٗ واقف تھے، وہ بیس سال تک یعنی ۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۰ء تک اس ادارہ کے سیکرٹری اور چیف آفیسر کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ انہوں نے اپنے بیس سالہ دور میں اس روایت کو غلط ثابت کر دیا کہ ضلع کونسل کے تمام وسائل اور نعمتیں بورڈ کے ملازمین کی جیب میں ہوتی ہیں۔ ضلع کونسل کے سپرنٹنڈنٹ ملک نبی بخش ایم۔ اے نے ضلع کونسل کی دس سالہ ترقیاتی سرگرمیوں کا جائزہ "متاعِ کارواں" کے نام سے مرتب کرکے ان کو تاریخی حیثیت دے دی ہے۔

کنٹونمنٹ بورڈ

انگریزوں نے ۱۸۴۹ء میں ملتان فتح کیا۔ اسوقت ملتان چھاؤنی عیدگاہ سے حضوری باغ تک تھی اور یہی سول لائن بھی کہلاتی تھی۔ موجودہ ملتان چھاؤنی کی ۱۸۵۰ء میں باقاعدہ بنیاد پڑی۔ اور اس علاقہ میں پہلی بار چونگی کی چوکی ۱۸۷۹ء میں قائم ہوئی۔

بعدازاں چھاؤنی ملتان کا انتظام کنٹونمنٹ ایکٹ ۱۸۸۹ء اور ۱۹۱۰ء کے تحت کیا جاتا رہا۔ اس کے بعد ۱۹۲۴ء میں نیا کنٹونمنٹ ایکٹ نافذ ہوا اور چھاؤنی مرکزی حکومت کے زیر اہتمام چلی گئی۔ جس کے انتظام کے لئے کنٹونمنٹ بورڈ قائم کیا گیا۔

کنٹونمنٹ بورڈ کے زیر تحویل ۳۶ء۲۸۴۶۔ ایکڑ رقبہ آیا جو محدود بہ حدود ذیل تھا۔ بجانب مشرق بلدیہ ملتان دقاسم بیلہ۔ بجانب غرب محمد پور گھوٹہ۔ شمال مغربی جانب فورٹ کالونی۔ اس رقبہ میں ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کی رو سے ۷۰۰۰۰ ہزار کی آبادی تھی جو اب بہت زیادہ ہو گئی ہے۔

شروع شروع میں کمانڈنٹ آفیسر اس کا ناظم ہوا کرتا تھا۔ اس کے بعد تین سرکاری اور تین غیر سرکاری نامزد آفیسر اس کا انتظام کرتے تھے۔ غیر سرکاری نامزد ارکان میں ایک مسلمان ایک ہندو اور ایک عیسائی ممبر ہوا کرتا تھا اور ہندوؤں میں سے ۱۹۰۶ء سے لے کر ۱۹۲۴ء تک چھاؤنی کے رئیس اعظم پنڈت جیون لعل نامزد ہوتے

رہے۔ اور مسلمانوں کی طرف سے ۱۹۰۶ء سے لے کر ۱۹۲۴ء تک سید میر حسن بخاری بورڈ کے ممبر نامزد رہے۔

۱۹۲۴ء کے کنٹونمنٹ بورڈ ایکٹ کی رُو سے اسے پہلی دفعہ جمہوری بنیادوں پر استوار کیا گیا۔ تشکیل نو کے بعد اس کے ۱۱ ممبر ہوتے تھے۔ سید عبدالغنی بخاری ۱۹۲۴ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک مسلسل کنٹونمنٹ بورڈ کے نائب صدر رہے۔ ۱۹۵۲ء میں نیا کنٹونمنٹ ایکٹ نافذ ہوا۔ اس کی رُو سے ممبران کی تعداد پندرہ تک بڑھا دی گئی اور بورڈ درجہ اوّل کی حیثیت کا ادارہ بن گیا۔ ۱۹۵۹ء کے بیسک ڈیموکریسی آرڈیننس کے تحت بورڈ کے ممبران کی تعداد پندرہ سے گھٹا کر سات کر دی گئی۔

۱۹۰۰ء میں کنٹونمنٹ بورڈ کے زیر اہتمام صرف ایک آؤٹ ڈور ڈسپنسری کام کرتی تھی جو اب بیس بستروں کے مکمل ہسپتال میں بدل چکی ہے۔ اس کے علاوہ بورڈ کے علاقہ میں عیسائیوں کے تبلیغی مشن کی طرف سے ایک مشن ہسپتال موجود ہے جس میں مفت علاج ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں وہاں ایک کباینڈ ملٹری ہسپتال بھی ہے۔

۱۹۵۵ء میں چھاؤنی میں بورڈ کے زیر اہتمام ایک پبلک لائبریری اور ریڈنگ رُوم قائم کیا گیا۔ اسی بورڈ کے علاقہ میں بچوں کو مغربی تہذیب کے سانچے میں ڈھالنے اور عیسائیت سے مانوس کرنے کے لئے سینٹ میری کانونٹ سکول ہے جس میں زیادہ تر اُونچے طبقے کے بچے داخل ہوتے ہیں کمپنی باغ چھاؤنی کی حسین اور بہترین تفریحگاہ ہے۔ حال ہی میں یہاں وہ کمرشل سنٹر بنا کر صدر بازار کا حسن دوبالا کر دیا گیا۔

امپروومنٹ ٹرسٹ

آج سے قریباً دو سو سال قبل دُنیا کے پچاس شہروں میں فی صد سے بھی کم لوگ آباد تھے، یہ شہری آبادی ۱۸۰۰ء اور ۱۹۵۰ء کے درمیان چار پانچ گنا بڑھ گئی اور دُنیا کی آبادی میں چار گنا اضافہ ہوا اور ہر سال اس میں قریباً چھ کروڑ کا اضافہ ہونے لگا جس کا بیشتر حصہ شہروں میں آباد ہے چونکہ شہروں میں ملازمت تعلیم صحت، تجارتی اور شہری سہولتیں زیادہ حاصل ہوتی ہیں۔ اس لئے دیہی لوگ بتدریج شہروں میں آباد ہو رہے ہیں۔

انگریزوں کی آمد کے بعد شہری آبادی میں روز افزوں اضافہ کے پیش نظر انگریزوں نے سب سے پہلے ۱۹۲۲ء میں بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے رہائشی سہولیات میسر کرنے کے واسطے پنجاب امپروومنٹ ٹرسٹ ایکٹ پاس کیا اور اس کے بعد ۱۹۲۴ء میں ملتان امپروومنٹ ٹرسٹ کا محکمہ قائم کیا گیا جو دو تین سال عملی طور پر معطل یا غیر موثر رہا۔ اور اس نے اپنی زندگی کا کوئی اچھا ثبوت نہ دیا۔

تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۷-۴۸ء میں مہاجرین کی آمد شروع ہوئی یہاں سے بھارت جانے والے ایک ہندو کے بدلے بھارت سے چار مسلمان پاکستان آتے۔ اسوقت ان بے گھر مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ بڑی سنگین صورت اختیار کر گیا۔ اس وقت ملتان امپروومنٹ ٹرسٹ حرکت میں آیا۔ اور اس نے جدید رہائشی نو آبادیاں قائم کرنے کے منصوبے بنانے شروع کئے۔ اس بورڈ کا چیرمین ڈپٹی کمشنر ہوتا ہے اور

اس کے علاوہ چھ ممبر ہوتے ہیں جن میں دو ممبر بلدیہ اپنے ممبران سے نامزد کرتی ہے' ان کے علاوہ تین ماہرین بھی اس کے ممبر نامزد کئے جاتے ہیں جو فنی مشورے دیتے ہیں۔

امپروومنٹ ٹرسٹ نے سب سے پہلے ملتان میں ممتاز آباد کالونی قائم کی جو بعد ازاں صوبائی حکومت نے اپنے قبضہ میں لے کر اسے سٹلائٹ ٹاؤن نمبر ایک قرار دیا۔

اس وقت تک امپروومنٹ ٹرسٹ ملتان میں پندرہ ہاؤسنگ سکیمیں مکمل کر چکا ہے جن میں سینکڑوں خاندانوں کی رہائش کا انتظام کیا جا چکا ہے اور ان میں سڑکیں، سیوریج، واٹر سپلائی، گراسی پارک اور کھلے میدان برائے کھیل کود بنا چکا ہے اسکی قائم کردہ کالونیوں میں سے حسن پروانہ کالونی، آفیسرز کالونی، شمس آباد کالونی، ولایت آباد کالونی، جمال پورہ کالونی، وکلاء کالونی، چوک گلدین کالونی، گلگشت کالونی کافی مشہور ہیں، حسن پروانہ کالونی نے شہر اور چھاؤنی کو آپس میں ملا دیا ہے' ان نو آبادیوں کی وجہ سے شہر کی وسعت اور اس کے حسن و شباب میں نمایاں اضافہ ہوا ہے مگر یہ کوئی ایسی نو آبادی نہیں بنا سکا جس میں غریب یا متوسط یا ملازم طبقہ سر چھپا سکتا یہ کالونیاں زیادہ تر ارباب ثروت کے لئے ہی قائم کی گئیں اور انہی ان کے ہی کام آئیں۔

رہائشی نو آبادیوں کے علاوہ امپروومنٹ ٹرسٹ نے متعدد کمرشل سکیموں کو بھی عملی جامہ پہنا کر تجارتی منڈیاں قائم کرنے میں مدد دی۔ لاسال ہائی سکول اور ولایت حسین اسلامیہ کالج کو بھی امپروومنٹ ٹرسٹ نے تعلیمی اغراض کے لئے پلاٹ مہیا کئے اور بیسیوں نئی سکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جا رہا ہے۔

عیدگاہ کی کاشی کی منقش اینٹ

اکابرینِ ہند

سید مُراد شاہ گردیزیؒ

شہر ملتان میں سادات گردیزی کے خاندان کے بانی حضرت جمال الدین ابوالفضل محمد یُوسف شاہ گردیز رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ سید مُراد شاہ گردیزی اسی خاندان کے فرزند بلند اقبال تھے، علوم مروجہ میں کامل دستگاہ حاصل کرنے کے بعد آپ سستانے بھی نہ پائے تھے کہ شہر ملتان میں انگریزوں کے حملہ کی وجہ سے بدامنی پھیل گئی اور آپ معہ اہل وعیال اپنے گاؤں کورائی بلوچ واقعہ بوضع سردار پور چلے گئے جہاں سے لاہور کی سڑک گزرتی تھی۔ ۱۴ اگست ۱۸۴۸ء کو میجر جنرل وشر اپنی فوج کی امداد کے لئے وہاں پہنچے، اور آپ کو اس علاقہ کے واقفکار اور معززہ کی وجہ سے بلا کر ہمراہ لے لیا۔ آپ دیوان مولراج کے خلاف اُن کی ہر ممکن امداد کرتے رہے جب پنجاب ایسٹ انڈیا کمپنی کی قلمرو میں شامل ہوا۔ تو آپ ۷، جون ۱۸۴۹ کو بطور پیش کار شور کوٹ ملازم سرکار ہوگئے۔ یہاں سے ترقی کرتے کرتے ۲۲ نومبر ۱۸۵۰ء کو تحصیل دار بن گئے اور سوا تیرہ سال تک تحصیلداری کرتے رہے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں آپ نے اپنی وفاداری اور خیر خواہی سرکار کا بطور ملازم سرکار پورا ثبوت دیا جس کے عوض آپ کو سندات وانعامات سے نوازا گیا۔ اور ۱۸۶۴ء آپ کو اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنا دیا گیا۔ نواب بہاولپور خان رابع کی وفات کے خوردسال صادق محمد خان رابع نواب بنے اور اس کا انتظام سرکار انگریزی نے آپ تا وفات ۱۸۷۶ء تک بہاولپور میں سرکاری خدمات سرانجام دیتے رہے

سید حسن بخش گردیزی

آپ ۲۲ نومبر ۱۸۶۱ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ چار سال بعد آپ کے والد ماجد سید مُراد شاہ گردیزی نے آپ کو بہاولپور بُلا لیا۔ جہاں دس سال گزارنے کے بعد جنوری ۱۸۷۶ء میں ملتان آکر مقیم ہوئے۔ سول لائن کی وسیع ترین کوٹھی "حسن کوٹھی" آپ نے تعمیر کرائی۔ ۱۸۸۲ء میں آپ میونسپل کمیٹی کے ممبر مقرر ہوئے قریباً بیس سال تک ممبر رہے آخری دس سالوں میں وائس پریذیڈنٹ رہے۔ اگست ۱۸۹۱ء میں آپ آنریری مجسٹریٹ بنا دیئے گئے۔

آپ سرکار انگریزی کے مخلص وفاداروں میں سے تھے۔ ملکہ معظمہ کی سالگرہ کے موقعہ پر ۱۸۹۹ء میں آپ کو خان بہادر کا خطاب ملا۔ اسی سال آپ نے بلوچستان، سیستان، قائن، ایران، کردستان، عرب، عراق کا سفر کیا۔ اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی۔ اپنے سفر کے حالات و مشاہدات دو ضخیم جلدوں میں قلم بند کئے۔ اس سفرنامہ کا نام "حسن میسر" رکھا۔ ۱۹۰۵ء میں آپ ڈویژنل درباری سے پراونشل درباری بنا دیئے گئے۔ ۱۹۲۰ء میں وفاداران سرکار انگلشیہ کی انجمن "لائیلسٹ ایسوسی ایشن ملتان" قائم ہوئی جس کی صدارت آپ کو ملی۔ آپ نے اپنے حالات "زندگی" اور "اوراق پریشاں" کے نام سے شائع کئے اور ملتان کی مختصر تاریخ "تذکرہ ملتان" کے نام سے لکھی۔

آپ کا صاحبزادہ سید محمد جلیل شاہ گردیزی بھی آنریری مجسٹریٹ رہا۔ اور آپ کا پوتا سید عباس حسین گردیزی پی۔ سی۔ ایس ڈپٹی کمشنر کے عہدہ تک پہنچ کر ریٹائر ہوا۔

پیر صدرالدین شاہ گیلانی،

آپ موجودہ گیلانی خاندان کے سربراہ اور خانقاہ حضرت موسیٰ پاک شہید کے سجادہ نشین تھے، دس برس کی عمر میں ۱۸۷۸ء میں آپ نے اپنے والد ماجد کی جگہ سجادگی سنبھالی چونکہ ملتان کے گیلانی خاندان نے جنگ ملتان میں اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریز دوست کی قابل قدر خدمات انجام دی تھیں اسی لئے انگریز حکام آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ زہد و تقویٰ کی وجہ سے مسلمانوں میں بھی بہت محبوب و مقبول تھے۔ ہندو مسلمان سب آپ کا احترام کرتے تھے آپ سرکار انگریزی کے یار وفادار تھے۔ انجمن رؤسا پنجاب کے رکن اور پراونشل درباری تھے۔ چار سال تک ڈسٹرکٹ جیل ملتان کے آنریری وزیٹر رہے ۱۹۱۱ء میں دہلی دربار کے موقعہ پر جارج پنجم نے آپ کو شرف ملاقات بخشا پہلی جنگ عظیم میں آپ نے سرکار انگریزی کی بڑی خدمات انجام دیں۔ جس پر آپ کو خان بہادر کے خطاب سے نوازا گیا۔ آپ کی خاندانی خدمات کی وجہ سے اعلیٰ انگریز حکام از قسم گورنر، کمشنر اور ڈپٹی کمشنر دربار پیر صاحب پر پہنچ کر اظہار عقیدت کرتے تھے آپ کے ہزاروں مرید شمالی ہندوستان اور افغانستان تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہ بھی آپ کی طرح وفادار سرکار رہے۔ اہل ملتان کی زیادہ تر توقعات اسی دربار سے وابستہ رہتی تھیں۔ اور آپ آڑے وقتوں میں مسلمانوں کی دستگیری کرتے تھے۔ آپ کے بھائی سید شیر شاہ سرکاری ملازم ہوئے اور ترقی کرتے کرتے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بن گئے۔ اور خان بہادر کا خطاب پایا۔

سید راجن بخش شاہ

آپ ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے اور مسجد میں ابتدائی تعلیم پائی باقی تعلیم و تربیت
آپ نے اپنے مرشد سید میر جان شاہ افغانی سے حاصل کی ۱۹۰۳ء میں آپ نے پبلک
زندگی میں قدم رکھا میونسپل کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے ۱۹۲۲ء تک ہر بار بلا مقابلہ بلدیہ
ملتان کے ممبر منتخب ہوتے رہے ۱۹۱۲ء میں وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی چنے گئے۔
۱۹۲۱ء میں بلدیہ کے سب سے پہلے غیر سرکاری پریذیڈنٹ بنے۔ آپ اخیر دم تک
بڑی دیانتداری جرأت اور قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض منصبی سرانجام دیتے رہے
ہندو آپ کو ملتان کا ڈکٹیٹر کہتے تھے۔ آپ بے پناہ اثر و رسوخ کے مالک تھے۔
۱۹۱۶ء میں آپ رائے بہادر بیر چند کے مقابلہ میں قسمت ہائے لاہور و ملتان سے
لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے اور آپ نے وہاں پہلی بار ریزولیوشن پیش کیا کہ
کونسل کی زبان اردو ہونی چاہیے ۱۹۱۷ء میں جب مانٹیگو وزیر ہند ہندوستان آئے
تو آپ نے بھی ان کے سامنے سر فضل حسین کے ہمراہ اپنے مطالبات پیش کیے۔
۱۹۲۱ء میں جدید اصلاحات کے تحت آپ قسمت ملتان سے سنٹرل اسمبلی کے
بلا مقابلہ ممبر منتخب ہوئے اور تا زیست ۱۹۳۶ء تک اس کے ممبر رہے۔ سنٹرل اسمبلی میں
آپ قائد اعظم کی انڈی پینڈنٹ پارٹی سے منسلک رہے۔ اسمبلی کے سب سے پرانے ممبر ہونے
کی وجہ سے آپ فادر آف دی اسمبلی کہلاتے تھے۔

سیّد محمد رضا شاہ گیلانی

آپ پیر صدرالدین شاہ گیلانی کے فرزند ارجمند تھے ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۹ء میں چیفس کالج لاہور میں داخل ہوکر ۱۹۱۴ء تک وہاں تعلیم پائی۔ آپ ابتدا سے ہی عوامی زندگی کے دلدادہ تھے اسی لئے آپ کالج کی مسجدوں میں جاکر طلباء کو ترکوں کی امداد پر اُبھارتے تھے جس کی بناء پر آپ کو کالج سے نکال دیا گیا۔ سراڈوائر گورنر نے آپ کو دوبارہ کالج میں داخل کرایا۔ مگر آپ کا دل اس کالج کی فضا سے مطمئن نہ ہو سکا۔ اس لئے آپ نے آٹھویں جماعت پاس کرنے کے بعد کالج چھوڑ دیا۔ گورنر کے ایماء پر کمشنر ملتان نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح آپ سرکاری ملازمت قبول کرلیں۔ مگر اُن کی کوشش کارگر ثابت نہ ہوئی۔ آپ کو جو بھی اعلیٰ ملازمت پیش کی گئی آپ نے اسے مسترد کردیا اور غلام بننے پر آزاد رہنے کو ترجیح دی۔

۱۹۲۱ء میں آپ صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے آنریری مجسٹریٹ بنے ۱۹۲۲ء ڈسٹرکٹ بورڈ کے سرکاری ممبر نامزد ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے سرکاری ممبری بھی ترک کردی اور باقاعدہ انتخاب لڑکر عوامی نمائندہ کی حیثیت سے ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر بنے اور جونیئر وائس پریذیڈنٹ کے عہدہ تک پہنچ گئے۔ ۱۹۳۱ء میں آپ سینئر وائس پریذیڈنٹ بنے اور ۲۱ دسمبر ۱۹۳۴ء کو ڈسٹرکٹ بورڈ کے پہلے غیر سرکاری چیئرمین منتخب ہوئے۔ پنجاب کے اضلاع میں یہ شرف صرف ملتان کو حاصل ہوا۔ جہاں سب سے پہلے ڈسٹرکٹ بورڈ کا غیر سرکاری صدر منتخب ہوا۔

مخدوم شاہ محمود قریشی

یوں تو قریشی محمد بن قاسم کے وقت سے ملتان آئے۔ مگر موجودہ قریشی خاندان کی بنیاد چھٹی صدی ہجری میں پڑی اور اُن کی شخصیت کا سلسلہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ سے چلا۔ جن کی اولاد سے شیخ یوسف قریشی ۱۰۴۳ء میں امیر ملتان منتخب ہوئے۔ اور دو سال تک ملتان پر حکمران رہے۔ شاہ محمود اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ سکھوں کی اور ۱۸۴۸ء کی جنگِ ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریا اور شاہ رکن عالم کے مزارات کو شدید نقصان پہنچا۔ آپ نے اپنے مریدوں کی امداد سے اُن کی مرمت کرائی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں آپ نے سرکار انگلشیہ کی نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ کرنل ہملٹن کے ہمراہ باغی فوجیوں کے تعاقب و گرفتاری شہر اور چھاؤنی کی خاظت اور فوجی ساز و سامان کی حفاظت کے سلسلہ میں بڑے معین و معاون ثابت ہوئے اور باغ بیگی جاگیر میں پایا۔ اِس کے علاوہ آپ کو نقد جاگیر اور آٹھ چاہات کی معافی معاملہ عطا ہوئی۔ آپ نے ۱۸۶۹ء میں وفات پائی۔ اور حضرت بہاء الحق کے مزار مبارک میں دفن کئے گئے۔ آپ کی وفات پر تمام سرکاری عدالتیں دفاتر اور مدارس سوگ میں بند کر دیئے گئے۔ آپکے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے مخدوم بہاول بخش سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کو بھی جنگِ کابل کی خدمات کے صلہ میں خلعتِ فاخرہ ملی۔ اور تحصیل لودھراں و میلسی میں زمین کا کچھ حصہ معاف ہوا۔ آپ آنریری مجسٹریٹ اور بلدیہ ملتان کے ممبر رہے اور لاولد فوت ہوئے۔

مخدوم مرید حسین قریشی

آپ خان بہادر مخدوم حسن بخش کے فرزند بلند اقبال انگریزی دور کی ممتاز ترین شخصیت تھے، علاقہ سندھ میں بے پناہ اثر و رسوخ کے مالک تھے جہاں ہر سال ہزاروں مرید آپ کے سلام دینا نے کے لئے ملتان آتے تھے اور ان کے دم بہاؤالحق کے نعروں سے فضاء ملتان گونج اٹھتی۔ آپ نے مسلمانوں کی سیاسی کشمکش پر ایک کتاب لکھی۔ تحریک سول نافرمانی کو ناکام بنانے میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا۔ وائسرائے کے دربار میں آپ کو صفِ اول میں نشست دی جاتی تھی۔ مدتوں آپ آنریری مجسٹریٹ درجہ اول اور سب رجسٹرار رہے، خان بہادر، نواب اور سر کا خطاب پانے میں ملتان ڈویژن کے امراء و رؤساء سے گوئے سبقت لے گئے۔ بڑے صاحب علم و ذکا اور فہم و فراست تھے۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۵ء تک سنٹرل اسمبلی کے ممبر رہے سنٹرل کوآپریٹو بنک اور میونسپلٹی کے نائب صدر رہے ۱۹۶۰ء میں آپ نے وفات پائی، آپ کے درویش طبع بھائی شیخ احمد کبیر بلدیہ ملتان کے ممبر اور صدر رہے، ان کے باغ و بہار اور خلیق فرزند پیر خورشید احمد قریشی دربار سرکار میں ممتاز رہے آپ بھی مدتوں آنریری مجسٹریٹ اور ممبر بلدیہ رہے، مخدوم مرید حسین کا ہونہار پاکباز اور خوش خصال نوجوان صاحبزادہ مخدوم سجاد حسین قریشی بھی ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۹ء تک قومی اسمبلی کا ممبر اور ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۷ء بلدیہ کا نائب صدر رہا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ ہندو پاک میں آپ نے ایک لاکھ روپیہ از گرہ خود دفاعی فنڈ میں دے کر ملتان ڈویژن کی لاج رکھی۔

شیخ ریاض حسین قریشی

آپ شیخ پیر شاہ قریشی کے فرزند اور مخدوم حسن بخش کے عم زاد تھے ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے ۱۸۹۲ء میں آپ آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوئے پانچ سال کے بعد کچھ عرصہ اسسٹنٹ پولیٹیکل افسر کے طور پر فوجی فیلڈ فورس میں کام کیا اور خان بہادر کا خطاب پایا پہلی عالمگیر جنگ عظیم کے دوران میں آپ نے فوجی بھرتی دے کر سرکار انگلشیہ کا حق نمک ادا کیا۔ آپ کو جلیل القدر خدمات کے عوض سی آئی۔ ای کا خطاب ملا اور ۱۹۲۶ء میں آپ "نواب" بنا دیئے گئے۔ آپ متواتر کئی سال تک ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کے سینئر وائس پریذیڈنٹ رہے۔ آپ کی پہلی بیوی کی اولاد سے خان صاحب شیخ ولایت حسین ای۔ اے۔ سی اور شیخ بہاول شاہ آپ کی عین حیات میں انتقال کر گئے اور شیخ بہاول شاہ کی اولاد سے شیخ منظور حسین قریشی تحصیلدار بنے وہ ترقی کر کے مال افسر کے عہدہ پر پہنچ کر ریٹائر ہوئے۔

دُوسری بیوی سے شیخ عاشق حسین اور شیخ مقبول حسین ہوئے۔ مقبول حسین فوج فوج میں افسر تعینات ہوئے اور عاشق حسین لفٹیننٹ سے میجر بن گئے۔ مقبول حسین کی شادی ریاست پٹودی کے نواب کی ہمشیرہ سے اور عاشق حسین کی شادی وزیر اعظم پنجاب سر سکندر حیات خان کی بھتیجی سے ہوئی۔ مقبول حسین عین عالم جوانی میں باپ کے ساتھ ۱۹۳۵ء زلزلہ کوئٹہ کی نذر ہوا۔ دونوں باپ بیٹے حضرت بہاؤ الحق کے مزار میں اپنے اجداد کی صف میں دفن کئے گئے۔

نواب عاشق حسین قریشی

نواب ریاض حسین قریشی کے یہ ہر دلعزیز فرزند ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے چیفس کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی بعدہٗ بطور لیفٹیننٹ سیکنڈ فوج میں داخل ہوئے اور میجر کے منصب تک پہنچے۔ فوج سے سول سروس میں منتقل ہو گئے اور اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے طور پر چار سال ملازمت کر کے استعفٰی دے دیا۔

آپ کی خاندانی خدمات کے پیش نظر آپ کو ملتان میں آنریری مجسٹریٹ بنا دیا گیا۔ عوامی مقبولیت کے پیش نظر آپ تحصیل ملتان کی طرف سے صوبائی مجلس قانون ساز کے رکن منتخب ہوئے رورل ایریا کی طرف سے ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ بنے۔ شہر کی طرف سے آپ ممبر میونسپل کمیٹی بنے۔ اور ممبر سے صدر بلدیہ منتخب ہوئے۔ آپ کے وقت میں آل انڈیا کانگرس کے صدر پنڈت جواہر لعل نہرو ملتان آئے جو بعد میں ہندوستان کے وزیر اعظم بنے بلدیہ نے آپ کو اہل شہر کی طرف سے سپاسنامہ پیش کرنے کا فیصلہ کیا جسے آپ نے اپنی خصوصی اختیارات سے مسترد کر دیا جس سے اُن ہندوؤں کو جن کی اعانت سے آپ صدر بلدیہ بنے تھے سخت مایوسی ہوئی۔ ۱۹۴۵ء میں آپ یونینسٹ حکومت میں وزیر بنے۔ ایم۔ بی۔ ای اور نواب کے خطاب سے نوازے گئے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بننے کے بعد تبادلہ آبادی کے دوران ایک سپاہی کی گولی لگنے سے آپ اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے اور خانقاہ بہاؤالحق میں دفن کئے گئے۔ راقم نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ آپ کے جنازہ پر انوار کی بارش دیکھی۔ جس کی لذت و کیفیت آج تک محو نہیں ہوئی۔

سیٹھ سیّد خدا بخش بخاریؒ

آپ ۱۸۵۵ء کے بعد ناگور سے ملتان تشریف لائے اور ملٹری میں سپلائی کا کاروبار شروع کیا۔ نیک نیتی کی وجہ سے دولت آپ کے تعاقب میں رہی جسے آپ راہِ خدا میں لٹاتے رہے۔ ہر سال بیسیوں افراد کو حج کراتے اور سینکڑوں بیواؤں کو مستقل وظیفے دیتے۔ ۱۹۲۲ء کے ہندو مسلم فساد میں ہندوؤں نے چوک بازار کی مسجد علی محمد خان توڑ پھوڑ دی۔ آپ نے ایک لاکھ کی لاگت سے اسے از سر نو تعمیر کرایا جس کے در و دیوار پر آپ کے نام کے لگے ہوئے کتبے آج بھی آپ کی امارت و سخاوت اور خدا ترسی کی شہادت دے رہے ہیں۔ ۱۸۸۶ء میں ملتان کی معروف عید گاہ کی مرمت کے سلسلہ میں آپ نے ایک چاہ کی اراضی مسجد عید گاہ کو وقف کر دی۔ اور پانچسو روپے نقد بھی عطا کئے۔ ملتان اسٹیشن کے قریب مسافروں کی مفت رہائش کے لئے سرائے بنوائی۔ چھاؤنی میں اپنی جائیداد پر اور اپنے خرچ سے عید گاہ اور نصرت الاسلام ہائی سکول بنوایا۔ ان کے حسن کردار اور اتباعِ شریعت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کا کیش بکس چرالیا۔ جب پولیس چوکی لوہاری گیٹ پر پکڑا گیا اور دریافت پر بتلایا کہ یہ بکس میرا ہے مگر اس کی چابی پیش نہ کر سکا۔ پولیس نے کیش بکس کھولا تو اس میں چھ سو روپے نقد اور آپکے کچھ کاغذات تھے۔ آپ کو بلایا گیا تو آپ نے از راہِ پردہ پوشی پولیس کو یہ کہہ کر اسے چھڑا دیا کہ یہ بکس اسی کا ہے۔ یہ چابی میرے پاس بھول آیا تھا جو میں اب لایا ہوں۔ اس طرح وہ بکس و روپیہ اس ضرورت مند کے حوالے کر دیا۔

نواب احمد یار خان خاکوانی

خوگانی جو اب خاکوانی کہلاتے ہیں۔ سترھویں صدی عیسوی میں ملتان آئے۔ شہپال خوگانی نے لوہاری دروازہ کے قریب زمین حاصل کر کے موجودہ گڑی افغاناں کی بنیاد رکھی اور یہیں بھاہل دھیال دیھائی بند آباد ہو گیا۔ ۱۷۶۷ء میں محسن زئی خوگانی میں سے علی محمد خان خوگانی ملتان کے گورنر مقرر ہوئے۔ موجودہ خاکوانی خاندان کا مورث خداداد خان تھا جو شہپال کے ساتھ ملتان آکر آباد ہو گیا تھا۔ خداداد خان کی اولاد میں سے غلام مصطفٰے خان ولد حاجی علی محمد خان انگریزی فوج میں سالار تھے اور اخیر وقت تک اپنے فرائض منصبی دیانتداری سے انجام دیتے رہے۔ آپ کو سرکار کی طرف سے نقد انعام، سالانہ جاگیر اور ایک لاکھ ایکڑ اراضی دائمی پٹہ پر دی گئی۔ جس میں سے ساٹھ ہزار ایکڑ کے مالکانہ حقوق ان کے پسر خان بہادر غلام قادر خان کو ملے۔ خان بہادر غلام مصطفٰے خان نے ۱۸۶۹ء میں وفات پائی۔ خان بہادر غلام قادر خان کے چار بیٹے محمد یار خان، احمد یار خان، خدا بخش خان اور حامد یار خان تھے۔

سرکار انگریزی کی خدمات کے عوض احمد یار خان کو خان بہادر اور نواب کا خطاب ملا۔ آپکے فرزند فیض محمد خان آنریری مجسٹریٹ اور سب رجسٹرار رہے۔ آپ کا ایک فرزند محمد حیات خان خاکوانی گریجویٹ ہو کر بطور ای۔ اے سی نامزد ہوا۔ آپکے دوسرے فرزند نوابزادہ غلام قاسم خان بلدیہ ملتان کے ممبر حزب اختلاف کے قائد اور پاکستان کی اسمبلی کے رکن رہے۔

نوابزادہ عبدالقادر خان بادوزئی

آپ خاندان بادوزئی ملتان کے سردار اور شہر کے رؤسا۔ اور پنجاب کے چیفیں میں سے تھے بی۔ اے تک آپ کی تعلیم تھی۔ تین مرتبہ ملتان میونسپل کمیٹی کے سرکاری ممبر نامزد ہوئے۔ دو دفعہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۳ء میں آپ نے فن زراعت پر متعدد کتابیں لکھیں ۱۹۱۴ء میں آپ سٹی بنچ ملتان کے اعزازی مجسٹریٹ درجہ دوم مقرر ہوئے اور ۲۲ برس تک یہ خدمت نہایت احسن طریق سے سرانجام دیتے رہے ڈسٹرکٹ بورڈ کی تعلیمی کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے آپ نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ آپ پراونشل درباری تھے۔ سرکار انگریزی کے وفادار اور حقیقی خیر خواہ تھے محرم کے بلوہ ۱۹۲۲ء میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ نواب عاشق محمد خان کے اکلوتے بیٹے تھے سیر و سیاحت کے شوقین تھے اور ملتان میں سے آپ نے ہی اسی زمانہ میں مصر، روم، عرب، انگلستان اور فرانس کی سیاحت کی۔ ۳۲-۱۹۳۱ء کی تحریک سول نافرمانی کی مخالفت میں آپ نے اردو اور انگریزی میں متعدد رسالے شائع کئے۔ آپ کے پانچ ملازم بغیر لائسنس بندوق رکھنے کے مجاز تھے۔ آپ ساری عمر پارٹی بازی سے الگ تھلگ رہے۔ آپ کے بعد اس خاندان سے کوئی نامور پیدا نہ ہوا۔

رب نواز خان چترالیؒ

آپ کا خاندان قندھار سے ملتان آیا۔ آپ بابڑ پٹھان تھے آپکے والد حق نواز خان مولراج کے زمانہ میں فوج میں ملازم تھے، آپ انگریزی فوج میں بھرتی ہو گئے اور رسالدار میجر کے عہدہ تک پہنچے پھر پولیٹیکل ایجنٹ مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۵ء میں آپ نے چترال کی جنگ میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ اسی زخم کھائے اور چترالی کہلائے۔ جنگ سے واپسی پر آپ کے جسم پر یہ زخم بہار دکھا رہے تھے۔ اس بہادری کے صلہ میں آپ کو آئی۔ او۔ ایم کا خطاب دیا گیا۔ اس کے بعد آپ خان بہادر اور آنریری مجسٹریٹ بنا دیئے گئے۔ آپ کو ڈسٹرکٹ پراونشل درباری بنایا گیا۔ آپ کو انگریزی لباس سے سخت نفرت تھی، اپنی قومی روایات کے بڑے پابند تھے۔ اسی لئے آپ نے اپنی زندگی میں ہمیشہ بوٹ پر جوتی کو اور سوٹ پر شلوار قمیص کو ترجیح دی۔ آپ کو جب ۱۹۱۱ء میں دہلی دربار میں شمولیت کا دعوت نامہ ملا۔ تو آپ نے سیاہ درباری لباس میں شمولیت سے صاف انکار کر دیا جس پر آپ کو جنگی خدمات کی بنا پر درباری لباس کی پابندی سے مستثنٰے کر دیا گیا۔ اس دربار میں صرف آپ ہی اپنے قومی لباس میں ملبوس تھے۔ غریبوں اور رشتہ داروں کے ماہانہ وظیفے مقرر تھے غریب اہل مقدمات کے مالی اخراجات برداشت کرنا آپ کا شیوہ تھا۔ اہلِ حاجت کی دست پوشیدہ سے مالی امداد کرنے کے عادی تھے۔ آپ نے انجمن اصلاح افغانان کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۲۲ء کے ہندو مسلم فسادات میں آپ نے سینکڑوں مسلمانوں کو پولیس اور ہندوؤں کی دارو گیر سے بچایا کابل سے آنے والے پٹھان آپ کے پاس ہی آ کر ٹھہرتے تھے۔

مشاہیرِ ملتان

محمد اسد خان اسد ملتانی

آپ ۱۳ دسمبر ۱۹۰۲ء کو علم و عرفان کی سرزمین ملتان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۶ء تک اسلامیہ ہائی سکول میں انگلش ٹیچر رہے۔ ۱۹۲۴ء میں بی۔اے کا پرائیوٹ امتحان پاس کیا اور پبلک سروس کمیشن (جو اس زمانہ میں سٹاف سلیکشن بورڈ کہلاتا تھا) کا امتحان دیا۔ کافی تاخیر اور مایوسی کے بعد جب وہاں سے ملازمت کیلئے بلاوا آیا تو یہ شعر موزوں کیا ؎ سخت مصیبت میں بھی اسد دلگیر نہ ہو مغموم نہ ہو

شاید اسی میں عیش ہو مضمر اور تجھے معلوم نہ ہو

آپ مادر زاد شاعر تھے بچپن سے ہی شعر کہتے تھے۔ کبھی کسی کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہ کئے تھے۔ کالج کے مقابلہ نظم میں اول آنے پر صدر تقریب علامہ اقبال نے آپ کو "افسر الشعراء" قرار دیا اور خضر تمیمی سے فرمایا کہ "نوجوانوں میں سے آنند، ڈاکٹر تاثیر اور اسد ملتانی سے ہی پنجاب کی ادبی روایات کو برقرار رکھنے کی امید ہے"۔ آپ اردو فارسی اور ملتانی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کا کلام ہند و پاکستان اور افغانستان و ایران کے بلند پایہ علمی، ادبی اور اسلامی جرائد کی زینت بنتا تھا۔ آپ کے مجموعہ کلام کا دیباچہ علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھنا تھا۔ ان کی وفات پر یہ فریضہ علامہ شبیر احمد عثمانی کے سپرد ہوا۔ مگر ان کی حیات نے بھی وفا نہ کی جس پر آپ یہ شعر لکھ کر خود بھی ۱۱ نومبر ۱۹۵۹ء کو ان کے تعاقب میں چل دیئے ؎

اٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے ارباب نظر گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کو بڑھانے والے

نئی ملازمت کے سلسلہ میں آپ چار سال تک شملہ میں انڈین سٹورز ڈیپارٹمنٹ میں بطور اسسٹنٹ کام کرتے رہے۔ وہاں آپ نے "بزمِ اردو" قائم کی اور اس کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ آپ شملہ میں ہر سال عظیم الشان مشاعرہ کراتے، یہ مشاعرے اتنی اہمیت و مقبولیت حاصل کر گئے کہ اُن کے ٹکٹ اکثر وزراء کی سفارش پر ملتے تھے ان مشاعروں میں اکثر اُونچے درجہ کے اربابِ ذوق شریک ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے ایک مشاعرہ میں ۱۹ "سر" موجود تھے۔

آپ نے شملہ میں اپنی خداداد قابلیت کے ایسے جوہر دکھائے کہ آپ کو فارن اینڈ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ محکمہ گورنمنٹ آف انڈیا کے سب محکموں کا سرتاج تھا اور براہِ راست قیصرِ ہند اور وائسرائے کے ماتحت تھا۔ اس میں وزراء کا کوئی عمل دخل نہ تھا بین الملّی اور بین الملکی روابط کی تمام اہم ترین خفیہ فائلیں اس میں رہتی تھیں۔ آپ سترہ برس تک متواتر اسی ایک محکمہ میں کام کرتے رہے۔ آپ کی خدمات کے اعتراف کے طور پر گورنمنٹ آف انڈیا نے آپ کو جنگِ عظیم کا جنرل میڈل اور سلور جوبلی میڈل عطا کیا۔ تقسیمِ ہند کے بعد جب اس محکمہ کی خفیہ فائلوں کو گورنر جنرل نے نذرِ آتش کرنے کا حکم دیا۔ تو آپ کو جو جہاز بچوں و سامان کو پاکستان بھیجنے کے لئے ملا۔ اس میں آپ نے وہ تمام فائلیں بھر کر پاکستان بھیج دیں۔ پاکستان پہنچنے پر آپ کو محکمہ خارجہ میں لیا گیا اور جلد ہی ڈپٹی سیکرٹری بنا دیئے گئے۔ آپ نے وائسرائے کے تحت کام کرنے کے باوجود اپنی وضعداری نہ بدلی اور اخیر وقت تک وہی لباس استعمال کرتے رہے۔ جس میں سکول پڑھانے جایا کرتے تھے اور نہ کبھی آپ کو ننگے سر دیکھا گیا۔

مولانا عبدالرشید نسیم

آپ السنۂ شرقیہ کے نامور اُستاد تھے۔ مدتوں گورنمنٹ نارمل سکول ملتان میں پڑھاتے رہے اُردو، عربی، فارسی اور ملتانی کے قادرالکلام شاعر تھے۔ اکثر مولانا ظفر علی خان کی طرح سنگلاخ زمین میں نظمیں اور نعتیں کہتے تھے۔ آپ کا منظوم کلام زیادہ تر ہندو پاک کے چوٹی کے علمی ادبی ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ میں چھپتا تھا۔ آپ شمع نبوّت کے پروانے تھے اور بڑی دلسوزی سے نعتیں کہتے تھے۔

رسالہ مذکور میں مطبوعہ ایک نعت کے دو شعر درج ذیل ہیں۔

دل صدیق، زبان عمر، عثمان ہے، مردم چشم حیا ۔۔۔ اور علی بازوئے محمد صلے اللہ علیہ وسلّم
کوئی گدائے در گہِ سلطان کوئی گدائے امیر و زیر ۔۔۔ میں ہوں گدائے کوئے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم

عرضِ حال بحضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ والحیات کے تین شعر مُلاحظہ ہوں۔

تیرے سبھی تشخصات عینِ حدُودِ شرع ہیں ۔۔۔ شرحِ بطونِ ذات ہیں تیری سبھی تعینات،
سحرِ یغوث مٹ گیا قدرِ یعوق گھٹ گئی، ۔۔۔ ہو گیا تار تار سب جادوئے عابدانِ لات
چہرہ ترا ہے والضحیٰ زلف تیری اذا سجےٰ ۔۔۔ چشم تری وماطغیٰ وحی خدا ہے تیری بات

آپ بڑے ادیب تھے مگر نمود و نمائش سے نفور تھے، دیوان خواجہ غلام فرید کا قریباً دو سو صفحات کا دیباچہ آپ کا ادبی علمی شاہکار ہے۔ سرکاری مُلازم ہونے کی وجہ سے سیاسی نظمیں آپ طالوت کے نام سے لکھتے تھے۔ جو زیادہ تر ملک

کے حریت پسند اور نامور روزنامہ زمیندار لاہور کے صفحہ اوّل پر چھپتی تھیں آپ کی ہی ایک سیاسی نظم پر اخبار مذکور سے ضمانت طلب کی گئی تھی۔

آپ بڑی سادہ اور مثالی زندگی بسر کرتے تھے۔ جس روز آپ کی شادی تھی۔ آپ اکیلے سسرال پہنچ گئے۔ آپکے خسر مولانا غلام رسول جو ایک جید عالم تھے، نے بھی شادی کا کوئی اہتمام نہ کیا تھا بلکہ بعد نماز عشاء مسجد میں بیٹھ کر نکاح پڑھ دیا۔ اور لڑکی کو رخصت کر دیا۔ اس طرح یہ شادی کسی تکلیف اور تکلف کے بغیر انجام پذیر ہوئی۔ اور ایک مثالی حیثیت اختیار کر گئی۔

حج پر جاتے وقت بھی ایک معمولی سا بستر بغل میں دابا اور یہ کہکر کہ آج رات میرا انتظار نہ کرنا گھر سے چلدیئے۔ کراچی جا کر خط لکھا کہ میں حج پر جا رہا ہوں۔ کوئی فکر نہ کریں۔ واپسی پر بھی بلا اطلاع نہایت خاموشی سے گھر پہنچ گئے۔ شکوہ کرنے پر فرمایا کہ فریضہ کی ادائیگی کے لئے مشتہری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آپ بڑے حقیقت بیان شاعر تھے۔ ایک شاعر سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ؎

خدا نے دی ہے جب زباں تو دل کی بات کر بیاں | فغاں بے اثر کو یوں نہ رد کش ہزار کر
جہانِ حسن و رنگ و بو فقط فریبِ چشم ہے | نظر کے اس فریب کو فریب ہی شمار کر
جمالِ عاشقی میں تو جلالِ زندگی نہ کھو | کمالِ شاعری کو یوں نہ اب ذلیل و خوار کر

آپ جمعہ کے روز مدرسہ خیر المدارس میں نماز جمعہ پڑھ کر گھر پہنچے۔ نعت کا ایک شعر لکھا اور دار الآخرت میں پہنچ گئے۔ اس طرح آپ نے ۳۰ اپریل ۱۹۶۳ء کو قابل رشک وفات پائی اور سجاد رشید و حماد رشید اپنی نشانی چھوڑ گئے۔

جسٹس شیخ بشیر احمدؒ

آپ ۱۹۰۳ء میں ملتان کے ایک نجیب اور متوسط خاندان میں پیدا ہوئے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے کیا۔ امتحانِ وکالت پاس کرنے کے بعد ملتان میں پریکٹس شروع کی۔ سیاست کی طرف زیادہ رجحان تھا اس لئے انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہو گئے اور تیس سال کی عمر میں آل انڈیا کانگرس کے اجلاس میں ملتان کے نمائندہ بنا کر بھیجے گئے۔ آپ مولانا ظفر علی خان مدیر روزنامہ زمیندار کے معتمد دوستوں میں سے تھے ٹینس اور برج کے بہترین کھلاڑی تھے۔ انتہا درجہ کے تمباکو نوش تھے۔ مسلسل سگریٹ پیتے تھے۔ خود اعتمادی اور مستقل مزاجی کا یہ عالم تھا۔ کہ ایک دن جو سگریٹ چھوڑنے کا خیال آیا تو اس کے بعد اخیر وقت تک اُسے منہ نہ لگایا۔ ملتان میں مسجد علی محمد خان کے وقف کے مقدمہ کی آپ نے ہی بنا ڈالی تھی۔

آپ نے وکالت کے میدان میں اس وقت قدم رکھا جب اُس پر ہندو قابض اور مسلط تھے۔ عدلیہ پر بھی غیر مسلموں کی اجارہ داری تھی۔ اِس ماحول میں ایک نوخیز، نووارد اور نوآموز کیلئے اپنا مقام پیدا کرنا بڑا مشکل تھا مگر انہوں نے اِس سنگلاخ میدان میں قدم رکھتے ہی اپنی قابلیت کے ایسے جوہر دکھائے کہ آپ کو خان بہادر چوہدری نادر خان ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ملتان نے ہائیکورٹ میں پریکٹس کرنے مخلصانہ مشورہ دیا۔ جس پر آپ ملتان سے لاہور ہائیکورٹ میں چلے گئے۔ وہاں آپ نے اپنے پیشہ کی طرف پوری توجہ دی۔ آپ صبح تین بجے اُٹھتے۔ عدالت

جانے سے پہلے اپنے مقدمات کی بعد مطالعہ پوری تیاری کرتے۔ نہایت چابکدستی سے ججوں پر اپنی قابلیت کا سکہ بٹھاتے اور ان سے اپنا لوہا منواتے۔

کٹر کھدر پوش کانگرسی ہونے کے باوجود جب آپ پر ہندوؤں کی عیاریاں ظاہر ہوئیں تو آپ کانگرس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے۔ سیاسی بحران اور آئینی تبدیلیوں کی وجہ سے جب مسلم لیگیوں کی دار و گیر اور قید و بند کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے اُن کو ہر ممکن قانونی مدد دی اور ان سے اپنے تعلقات استوار کئے جس سے آپ کا حلقۂ احباب وسیع سے وسیع تر ہو گیا۔ اسی اثناء میں آپ سیشن جج بنا دیئے گئے آپ کی اسلام دوستی دشمنانِ اسلام کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی۔

ہندوؤں نے تقسیم ہند سے کچھ پہلے آپ کو امرتسر تبدیل کر دیا اور تقسیم ہند کے بعد وہاں آپ کو نشانہ ستم بنایا گیا۔ آپ بمشکل اپنے چند مخلصین کی مدد سے وہاں سے فرار ہو کر لاہور پہنچے، یہاں انہیں پہلے ایڈووکیٹ جنرل بنا دیا گیا اور پچاس سال کی عمر میں ہائیکورٹ کے جج بن گئے۔ سنہ ۱۹۶۲ء تک آپ بطور جج ہائیکورٹ کام کرتے رہے اور آخری ایام ملازمت میں آپ پنجاب کے چیف جسٹس کے منصب جلیلہ پر پہنچے۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ دوبارہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ جہاں اخیر وقت تک جمہوریت اور پاکستان کی سالمیت کی جنگ میں حصہ لیتے رہے، مارچ سنہ ۱۹۶۴ء کو آپ نے لاہور میں وفات پائی۔ جج بن جانے کے باوجود طبیعت میں غرور و تمکنت کا نشان تک نہ تھا۔ اہلِ ملتان سے بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ راہ چلتے راقم کو لاہور میں دیکھ لیا تو اُسی وقت رک کے ملے اور خیر و عافیت پوچھنے کے بعد چل دیئے۔

ملک خدا بخش بُچہ

آپ نواحِ ملتان کے موضع بُچ خسرو آباد کے مردِ صالح ملک پیر بخش بُچہ کے فرزند صالح ہیں۔ ۵ فروری ۱۹۰۶ء کو اس دُنیا میں قدم رکھا۔ ایل ایل بی کرنیکے بعد پی۔سی۔ایس کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۰ء سے آپ نے ملازمت سرکارِ انگلشیہ اختیار کی اور مختلف اضلاع میں بطور مجسٹریٹ، مال افسر اور ایس۔ڈی۔او کام کرتے رہے ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک آپ وزیر اعظم پنجاب کے پرسنل اسسٹنٹ رہے پھر ڈپٹی سیکرٹری بنے ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۵ء تک آپ ریونیو بورڈ، ریونیو ڈیپارٹمنٹ اور ایگریکلچرل ڈیپارٹمنٹ کے سیکرٹری رہے۔ اس کے بعد اگست ۱۹۶۵ء میں قلمدانِ وزارت آپ کے سپرد ہوا اور محکمہ تعلیم، آبپاشی، بجلی، خوراک، زراعت اور امدادِ باہمی کے مختلف اوقات میں مارچ ۱۹۶۹ء تک وزیر رہے۔

مسندِ وزارت کے علاوہ آپ نے ۱۹۶۵ء سے ۱۹۶۷ء تک مسلم لیگ مغربی پاکستان کی مسندِ صدارت بھی سنبھالے رکھی اور اس کے ساتھ ساتھ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۶۹ء تک آپ مغربی پاکستان کی صوبائی اسمبلی کے قائدِ ایوان بھی رہے وزارت، صدارت اور قیادت کے ساتھ ساتھ آپ نے زراعت کاری پر بھی خصوصی توجہ رکھی۔ آپ نے صرف زبانی جمع خرچ پر اکتفا نہ کیا۔ زراعت کاری کے متعلق اُردو میں تین کتابیں (۱) ہماری زراعت (۲) راہِ عمل (۳) مشعلِ راہ لکھیں اور تین کتابیں انگریزی میں شائع کیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

1. Relief legislation in Panjab. 2. Land reforms in W. Pakistan. 3. Agricultural Progress in Pakistan

آپ نے یہ کتابیں لکھ کر زراعت پیشہ طبقہ پر احسانِ عظیم کیا اور صحیح معنوں میں اُن کی رہنمائی کی۔ آپ نے صرف اِس پر بس نہ کی بلکہ روزانہ خود ریڈیو پر زراعت پیشہ لوگوں سے ان کی زبان میں زرعی مسائل پر خطاب کرتے رہے اور اُن کے مفاد کی ضروری باتیں اُن کے ذہن نشین کراتے رہے۔ آپ دُنیا کے پہلے وزیر تھے جو اِس انداز سے کاشتکاروں اور زراعت کاروں سے روزانہ خطاب کرتے تھے۔

باغبانی کے بچپن سے شوقین تھے۔ اگرچہ ملتان میں بڑے بڑے امراء و رؤسا کے آموں کے باغ تھے۔ مگر جس جدید انداز سے اُنھوں نے آموں کی تجارت کو بڑھایا اور اُنہیں زرِ مبادلہ کمانے کا ذریعہ بنایا۔ وہ کسی دُوسرے کے خواب و خیال میں بھی نہ آیا۔ پاکستان میں اِسی خاندان کے آموں کے باغ سب پر فوقیت لے گئے ہیں۔ آپ صرف زراعت پیشہ طبقہ کیلئے ہی قلم کی جولانیاں نہیں دکھاتے رہے بلکہ علم و ادب کے میدان میں بھی حکمت کے موتی بکھیرتے رہے۔ آپ نے مختلف اوقات میں جو مجاہدانہ اور بصیرت افروز خطبے دیئے وہ قومی امراض کی نباضی تشخیص اور علاج کے سلسلہ میں تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔

ریلوے لائن کے دو طرفہ پھلدار پودے اور درخت لگوانے، میکسی پاک کی گندم کی کاشت کو رواج دینے گندم کی پیداوار میں پچاس فیصد اضافہ کا ریکارڈ قائم کرنے، اعلیٰ قسم کے آموں، سیبوں، کیلوں کے باغات لگوانے اور اُن کی مدتک ملک کو خود کفیل بنانے، زرعی قرضے دلوانے، ٹیوب ویل اور بارانی علاقوں میں بیری کے درخت لگوانے میں آپکا خصوصی حصہ ہے۔

سردار اللہ نواز خان بابر

آپ رب نواز خان چترالی کے بلند اقبال فرزند ہیں آپ ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے، میٹرک تک تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول ملتان میں پائی۔ اعلیٰ تعلیم گورنمنٹ کالج لاہور سے حاصل کی ۱۹۱۵ء میں آپ ترکی کے سلطان محمد خامس کے اعلانِ جہاد پر ہجرت کر کے کابل چلے گئے جہاں امیر حبیب اللہ خاں والئی کابل نے انگریزوں کے ایماء پر آپ کو گھر میں نظر بند کر دیا۔ امیر امان اللہ خان کے برسرِ اقتدار آنے پر آپ آزاد ہوئے۔ کچھ عرصہ کالج میں پروفیسر رہے۔ پھر تجارت شروع کی۔ اسی دوران آپ کا جنرل نادر خان سے یارانہ ہو گیا اور آپ رضا کارانہ طور پر بطور دوست و مشیر شروع سے اخیر تک نادر خان کے ہمراہ رہے۔ نادر خان کی سپہ سالاری کے زمانہ میں اُن کے ہمراہ جنگ استقلالِ افغانستان لڑی۔ بچہ سقہ کے خلاف جنگ کے دوران آپ سب سے پہلے ہز ہائی نس شاہ ولی خان و شاہ محمود خان کے ہمراہ کابل میں داخل ہوئے اور جنگ کر کے اسے گرفتار کیا۔ جرگہ کے فیصلہ کے بعد بچہ سقہ کو آپ کی موجودگی میں چاندماری کے ذریعہ موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ اُسوقت آپ بحیثیت وزیر دربار وہاں موجود تھے۔ شاہ نادر خان کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد پہلے آپ وزیر دربار بنے پھر لیبر منسٹر ہوئے۔ کچھ عرصہ آپ شاہ نادر خان کے پرسنل اے ڈی سی رہے پھر جرمنی میں سفیر بنا دیئے گئے۔ ۱۹۱۵ء کے بعد ۱۹۴۷ء میں پہلی دفعہ آپ کابل سے ملتان آئے۔ اِس کے بعد آپ فروری ۱۹۶۲ء میں دوبارہ ملتان تشریف لائے۔ اب مستقل سکونت کابل میں ہے۔
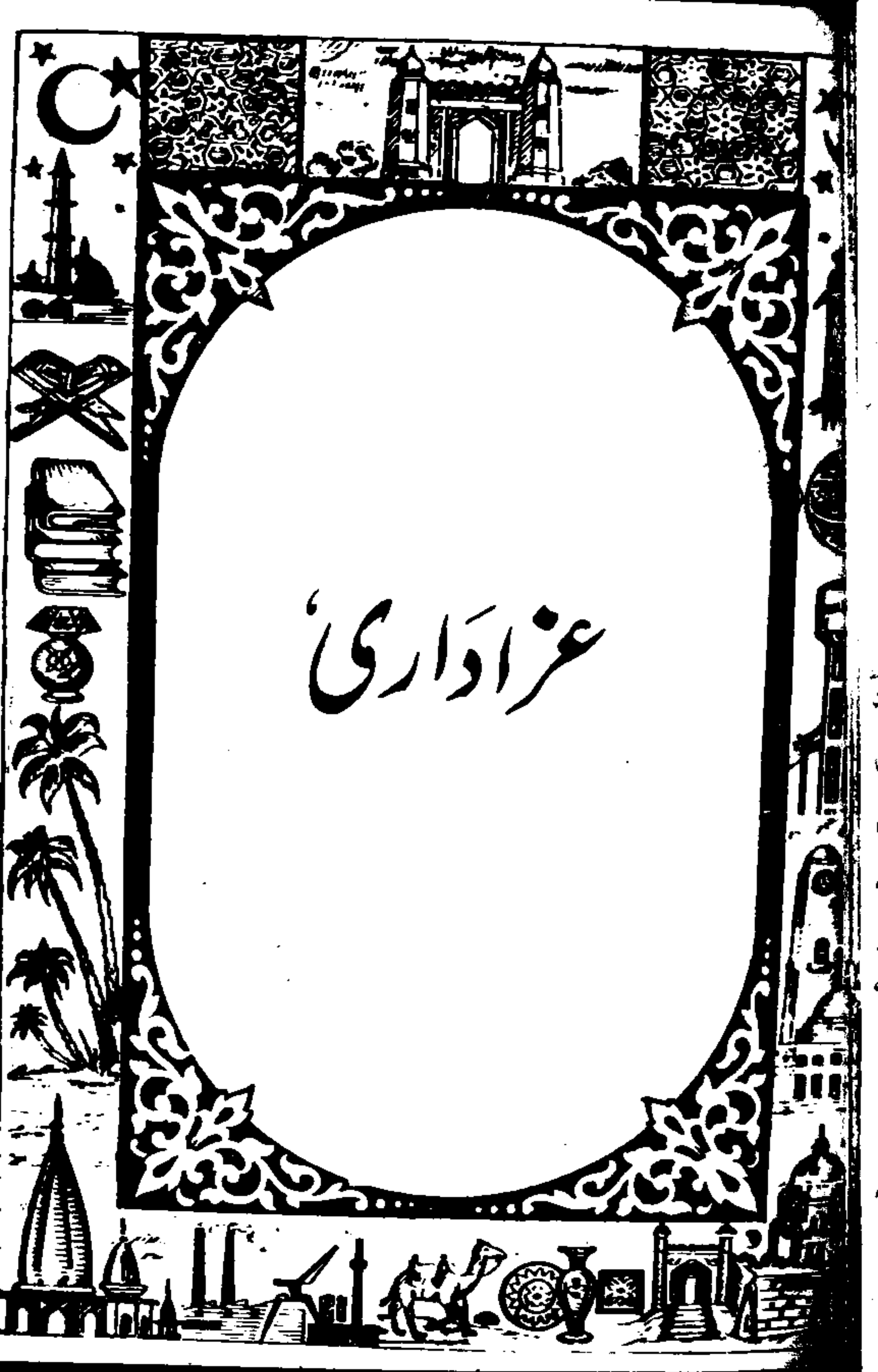
عزاداری

آغازِ تعزیہ داری

ایرانی اثرات کے تحت مجلسی اجتماعات اور عزاداری کا آغاز ملتان کے نواحی قصبہ تلمبہ سے ہوا۔ جہاں محبانِ اہلبیت محرم کی پہلی، نویں اور دسویں تاریخ کو جمع ہو کر منظوم مصائبِ کربلا بیان کرتے تھے جس نے آہستہ آہستہ مرثیہ گوئی اور ذاکری کی شکل اختیار کر لی۔

تعزیہ داری کی ابتدا امیر تیمور کے زمانہ سے ہوئی اور سب سے پہلے تلمبہ میں بانسوں اور کھجور کی چھڑیوں کو جوڑ کر اور اُس پر بیضوی چھتر بنا کر تعزیہ بنایا گیا۔ ملتان شہر میں تعزیہ داری کا رواج پٹھان بادشاہوں کے دورِ اقتدار میں شروع ہوا لیکن اس زمانہ میں تعزیوں کے جلوس نہیں نکالے جاتے تھے، اندرونِ خانہ ہی تعزیہ نکالا جاتا تھا اور روضہ خوانی ہوتی تھی۔

دیوان ساون مل کے زمانہ میں تعزیئے منظرِ عام پہ آنے لگے۔ جو ہر سال عارضی بنائے جاتے تھے، اور شہر میں پھرانے کے بعد اپنے مقررہ مقام پر لے جا کر دفن کر دیئے جاتے تھے۔ اسوقت اُن کے لئے نہ کوئی راستہ مقرر تھا۔ نہ اوقات مقرر تھے۔ نہ انہیں اتنی اہمیت حاصل تھی جو اس دور میں انہیں حاصل ہو گئی ہے اِسی لئے بعض تعزیئے بڑی آزادی کے ساتھ ہندو آبادی سے گزارے جاتے تھے اور اُن پر کبھی ہندو معترض نہ ہوئے تھے، بلکہ وہ خود اُن پر چڑھاوے چڑھاتے تھے اور بعض تعزیہ داروں کی اعانت کرتے تھے

انگریزی دور میں ۱۸۶۵ء کے قریب پہلی دفعہ تعزیوں کے لائسنس جاری ہوئے

اور اُن کی گزر گاہیں مقرر ہوئیں۔ اس کے بعد انگریزوں نے اپنی حکومت کے استحکام کے لئے ہندو مسلم مناقشات کا بیج بویا اور ان دونوں کے درمیان منافرت کی خلیج وسیع کی جس کی بنا پر ہندوؤں نے اِن تعزیوں کے راستوں میں رکاوٹیں ڈالنی شروع کردیں۔ جو اُن کے علاقوں سے گزرتے تھے بعض نے روپہلی سنہری مصلحتوں کے تحت اپنا راستہ بدل لیا۔ اور بعض اپنے راستوں پر بضد رہے۔

ابتداً ملتان میں صرف شیعہ حضرات تعزیئے نکالتے تھے لیکن جب سے ہندوؤں نے اِن کی مخالفت شروع کی تو سنیوں نے بھی ضد میں آکر ہندوؤں کی مخالفت اور اہل تشیع کی حمایت میں تعزیئے نکالنے شروع کردیئے جس کی وجہ سے سنیوں کے تعزیوں کی تعداد بڑھ گئی اور جو تعزیئے ہندوؤں کے علاقے سے گزرتے تھے ان میں شاملان جلوس کی تعداد بڑھ گئی۔ شروع شروع میں عاشورہ کے روز بھی بازار کھلے رہتے تھے اور لوگ معمول کے مطابق اپنے کام کاج میں مصروف رہتے تھے۔ اِس لئے تعزیوں کو اس زمانہ میں وہ اہمیت حاصل نہ تھی۔ جو ہندو مسلم فسادات کے بعد انہیں حاصل ہوگئی۔

ملتان میں سب سے پہلا باقاعدہ آستانہ پیر سید لعل شاہ موسوی المشہدی نے دیوان ساون مل کے زمانہ میں گلی امام الدین میں تعمیر کرایا اور اپنے تعزیہ کی کربلا شاہ شمس سبزواری کے مزار کے قریب بنائی یہ آستانہ بڑے سلیقہ سے بنایا گیا۔ درمیان میں کھلا میدان سہ طرفہ برآمدے اور اُن پر مستورات کے لئے باپردہ نشستگاہیں، نچلے دو برآمدے مردوں کے لئے ایک برآمدہ عورتوں کیلئے مخصوص ہے۔ سامانِ تعزیہ وغیرہ کیلئے باقاعدہ کمرے بنے ہوئے ہیں۔ اِس نوع کا ملتان میں اور کوئی آستانہ نہیں ہے یہ چاروں طرف قطعات سے مزین تھا۔ اور اب توجہ طلب ہے۔

مرثیہ گوئی

ملتان میں آلِ محمد کے تذکروں کا آغاز ۶۰ ۷ء سے ہوا جب پہلے پہل اہل تشیع ملتان میں وارد ہوئے ان کے بعد قرامطی آئے جن کے ملحدانہ عقائد محمود غزنوی کو بلا لائے سلطان محمود غزنوی نے کئی حملے کر کے ان کا زور توڑا مگر اثر باقی رہا جس پر حضرت شاہ یوسف گردیز کے پوتے مخدوم شیخ عبدالصمد نے ان کی سرکوبی کے لئے سلطان محمد غوری کو بلایا۔ جس نے آکر ملتان کو ان کے وجود سے پاک کیا اور پھر آلِ محمد کے تذکروں کا دوسرا دور شروع ہوا۔

ایران جب تاتاریوں کی گرفت میں آیا تو ملتان میں اتنے ایرانی دانشور، شرفاء اور سادات عظام پناہ گزین ہوئے کہ بقول علامہ تمکین کاظمی ملتان ایران بن گیا۔ ان نوواردوں میں ایک ملا علی نامی پُرجوش شیعہ مبلغ بھی تھا۔ جس کی تبلیغ و تلقین سے ملتان کے دت برہمن مشرف بہ اسلام ہوئے اور حسینی مسلمان کہلانے لگے۔

ان تعلیم یافتہ برہمنوں نے واقعاتِ کربلا کو مہابھارت کی طرز پر منظوم صورت میں گا گا کر اہل ملتان کو عزائے حسین علیہ السلام کا خوگر بنایا۔ چونکہ اس زمانہ میں دہلی پہنچنے والے مغربی حملہ آوروں کے لئے ملتان ایک جست گاہ بنا ہوا تھا۔ اس لئے شجاعت، بہادری جانبازی، ایثار اور قربانی کے جذبات کو ابھارنے میں یہ طرز بیان بہت مفید اور مقبول ثابت ہوا اور اس نے آہستہ آہستہ مرثیہ گوئی کی شکل اختیار کر لی۔

چنانچہ واقعاتِ کربلا سے متاثر ہو کر مقامی شعراء نے مظالم یزید و شمر پر باقاعدہ

جنگ نامے لکھے جن میں سے جنگ نامہ حامد ملتانی، جنگ نامہ مقبل، جنگ نامہ امام حسینؓ اور جنگ نامہ قاسم زبان زد خلائق ہوئے۔ محمد شاہی دور کے جنگ نامے آج بھی بعض گھرانوں میں موجود ہیں۔

ایران سے آنے والے مہاجرین کی غالب اکثریت چونکہ شیعہ تھی۔ اس لئے انہوں نے یہاں پر ایران کے طرز پر روضہ خوانی کو رواج دیا۔ اس زمانہ میں ایران میں روضہ خوانی ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ برہمت نے جو روضہ خوانی کا بانی تھا۔ موسیقی کی سُروں کے ساتھ اسے ہم آہنگ کر کے اس میں کافی سوز پیدا کر دیا تھا اور اس صنعت کو مقبول بنایا تھا۔ چونکہ ان لوگوں کی زبان فارسی تھی۔ اس لئے زبان و تہذیب کے اختلاف کی وجہ سے روضہ خوانی یہاں اصل شکل میں رواج نہ پا سکی۔ البتہ اس نے اس کے لئے یہاں ایک سازگار ماحول پیدا کر دیا۔

مرثیہ گوئی نے ملتان کو ایران سے ممتاز کر دیا۔ کیونکہ ایران روزِ اوّل سے لے کر تا ایں دم تحریر وطنیت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ اسے مسلمان ہونے پر ناز نہیں۔ آریہ ہونے پر فخر ہے اور اس کا شہنشاہ "آریہ مہر" بن چکا ہے۔ اسی لئے فردوسی بھی وطنیت کی دلدل سے باہر نہ نکل سکا۔ مگر ملتانی مرثیہ گو حضرات نے وطنیت کی تنگنائے سے نکل کر اسلام کی وادی کو سرسبز و شاداب کیا اور انہوں نے اپنی شاعری کے ڈانڈے سرزمین حجاز سے ملائے۔ فردوسی رستم و سہراب کے گرد گھومتا رہا۔ مگر ملتانی شاعر فاتح خیبر، مجاہدین بدر و حنین اور شہداء کربلا کے حضور میں عقیدت کے پھول پیش کرتے رہے، اس لئے اُن کا مقام فردوسی ایران سے بلند و بالا رہا۔ اور انہوں نے مرثیہ گوئی کی صنعت کو صحیح رنگ دیا۔ جس سے اسلام اور شہیدانِ اسلام کی عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے۔

اَدوارِ مرثیہ گوئی

ایران کے شاہ طہماسپ صفوی کا درباری شاعر محتشم کاشی فنِ مرثیہ گوئی کا امام تھا۔ اس کا "ہفت بند" مرثیہ نگاری کے شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے، ہمایوں اپنے قیام ایران کے دوران اِس مرثیہ گو شاعر سے بہت متاثر ہوا۔ اور شاہ طہماسپ کی مدد سے جب وہ دوبارہ ملتان پر قابض ہوا تو اس وقت سے ملتان میں مرثیہ گوئی اور عزاداری کا باقاعدہ رواج شروع ہوا۔ ہمایوں نے حُبِ آلِ رسولؐ کی جو جوت ملتان میں جلائی۔ اس کی روشنی وادئ مہران سے لے کر گنگ و جمن تک پہنچی اور اسے قبولِ خاص حاصل ہوا۔

ہمایوں کی وفات کے بعد محمد قاسم خان نیشاپوری اور پھر رستم صفوی کو ملتان بطور جاگیر عطا ہوا۔ ان ایرانی نژاد جاگیرداروں نے عزاداری اور مرثیہ گو شاعروں کی بڑی سرپرستی کی اور ان کے وقت میں مرثیہ گوئی کی حد تک ملتان ایران کا پاکٹ ایڈیشن بن گیا۔ جس میں ملتان کم اور ایران زیادہ جھلکتا تھا۔

شاہجہان کے عہد میں ملتان سے سکندر نامی ایک مرثیہ گو اُبھرا۔ جو فارسی کا شاعر تھا۔ اس کی فارسی پر بڑی مضبوط گرفت تھی اس سے گریز بظاہر مشکل تھا، مگر اس نے ہمت کر کے اِس مشکل پر قابو پا لیا اور فارسی زبان کے اثرات سے ہٹ کر ملتانی زبان میں مرثیے کہنے شروع کیے جسے ملتانی مرثیہ گوئی کا بابا آدم قرار دیا گیا۔ اور اُردو زبان پر بھی اس نے بہت بڑا احسان کیا اور اس میں بھی مرثیے کہے۔ سکندر ملتانی کی مرثیہ گوئی

شمالی اور جنوبی ہند تک چھا گئی اور اس کے دور میں مرثیہ گوئی میں لسانی اور فنی نکھار آگیا اور اس کے ساتھ ہی مرثیہ گوئی کا تیسرا دور ختم ہوا۔

مرثیہ خوانی کا چوتھا دور میاں مسکین ملتانی سے شروع ہوا۔ اس کی مرثیہ گوئی کے اثرات ملتان سے دہلی اور جونپور تک پہنچے اور وہاں سے دکن اور گولکنڈہ تک سفر کر گئے جبکہ وہاں ابھی وجہی، غواصی اور نوری مرثیہ گوئی کیے رہے تھے۔ انہوں نے اس سے استفادہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سودا ابھی مرثیے لکھ رہا تھا۔ وہ مسکین کی شہرت سے اتنا متاثر ہوا کہ اُسے اپنی آشوب شہر میں مسکین کا یوں تذکرہ کرنا پڑا ؎

استقاطِ حمل ہو تو کہیں مرثیہ اب پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے

غرض کہ اُردو شاعری کے قالب پر بھی ابتدائی چھاپ ملتانی مرثیہ گوئی کی پڑی۔ اور یہ سلسلہ جاری رہا چنانچہ بارھویں صدی ہجری یا اٹھارویں صدی عیسوی میں سلطان باہو، علی حیدر ملتانی، لطف علی لطف، عبدالحکیم اُچی، میاں حامد ملتانی، میاں نور محمد مہاروی اور حافظ جمال الدین ملتانی کی منظومات میں مرثیہ اور منقبت کے اشعار ملتے ہیں۔

مرثیہ گوئی کا پانچواں دور ہمارے دورِ غلامی سے شروع ہوا۔ انگریزوں کی آمد نے یہاں علم و ادب کے میدان میں نئے حالات پیدا کر دیئے وہاں مرثیہ گوئی بھی نظم سے نکل کر نثر کے میدان میں داخل ہو گئی اور سینکڑوں کی تعداد میں مرثیہ کی منثور کتابیں منظر عام پر آنے لگیں نثر میں واقعاتِ کربلا کو سب سے پہلے سائیں سید علی شاہ، مولوی غلام سکندر خان غلام، مولوی فیروز اور مولوی نذر نے پیش کیا۔

ملتانی مرثیے

مرثیہ گوئی کا آغاز پہلے پہل عربی اور فارسی میں ہوا۔ ملتانی زبان میں شاعری سب سے پہلے مشہور بزرگ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ نے شروع کی تھی جنہیں محققین نے ملتانی زبان کا پہلا شاعر قرار دیا ہے۔ اُن کے بعد امیر خسرو نے ملتانی آمیز فارسی شعر کہنے شروع کئے۔ ملتانی شاعروں نے جو فارسی کے بھی ماہر تھے فارسی مراثی کو ملتانی شاعری میں ڈھالنا شروع کر دیا۔ اور فارسی مرثیوں کا ملتانی میں منظوم ترجمہ ہونے لگا۔ جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہے۔

با برادر رفتہ بودم بے برادر آمدم	تاج بر سر رفتہ بودم خاک بر سر آمدم
نال بھائی دے گئی ہم بن بھراہن دل آیم	تاج سر تے ہاتڈاں خاک پاہن دل آیم
شاد خرم با اخی رفتم سوئے بیت الحرم	چشم گریاں سینہ بریاں دل چو اخگر آمدم
خوش خرم تھی نال ویرن دے ٹری ہم کربلا	گھر لٹا بچھڑے کھو باقیداں نبھاہن دل آیم

ترجموں کے بعد ملتانی شعراء نے براہِ راست ملتانی زبان میں مرثیے کہنے شروع کر دیئے چونکہ ملتانی مرثیے فصاحت و بلاغت اور اظہارِ خیال کی سحر انگیزی میں اپنی مثال آپ تھے اس لئے انہوں نے بہت جلد فارسی مراثی کی جگہ لے لی۔ ملتانی شاعروں نے بھی ایرانی طرز پر مسدس مخمس سلام، نوحہ اور مناقب کہنے شروع کر دیئے۔ یہ اتنے محبوب و مقبول ہوئے کہ ملتانی ذاکروں کی ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں مانگ شروع ہو گئی۔ اور ملتانی ذاکروں نے ہی یہاں سے جا کر دہلی لکھنؤ اور دکن کی مجالس کے چراغ روشن کئے۔

انہوں نے ملتانی زبان میں مراثی کا اتنا انبار لگا دیا کہ ان کو سمیٹنے سے سینکڑوں ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔ ہر محرم کے موقعہ پر ملتانی شاعر نیا مرثیہ لکھنے کے عادی ہیں۔ شاعری کی اس صنف نے ترقی کرتے کرتے اب مذہبی حیثیت اختیار کر لی ہے اور اب تک مقبول چلی آرہی ہے۔ منظوم و منثور مرثیوں کے علاوہ اُن کی تیسری قسم ڈوہرا (دوہا) ہے جو ملتان کے مرثیہ کی خشتِ اوّل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ملتانی زبان کے غیر فانی مرثیہ گو شاعروں میں سے فیروز ملتانی کے دفعے اور مولوی نذر حسین نذر کے دوہے بہت مشہور ہوئے۔

ملتانی شاعری میں مرثیہ گوئی سے قبل متصوفانہ رنگ تھا مگر وہ شاعری جس کا تعلق جذبات سے ہوتا ہے طفولیت کی حالت میں تھی جب مرثیہ گوئی شروع ہوئی تو اظہارِ جذبات عمدگی سے ہونے لگا۔

ابتدائی دور کی مرثیہ گوئی میں فنی پختگی اور اعلیٰ شعری محاسن کا فقدان تھا جو دورِ حاضر کے ذوقِ شاعری پر بہت گراں گزرتا ہے۔ مگر دورِ اوّل کے ان مرثیہ گو شاعروں کی ہمت وجرأت قابلِ داد تھی کہ اُنہوں نے اپنے جذباتِ محبت و عقیدت کے اظہار میں بڑی بیباکی دکھائی اور ردیف و قافیہ کی ہم آہنگی سے بے نیاز ہو کر جو کچھ دل میں آتا رہا، برملا کہتے رہے اس طرح اُنہوں نے مرثیہ گوئی کی ایک ایسی بنیاد ڈال دی جس پر آنیوالے شعراء نے بڑے بڑے خیال افروز محل تیار کئے۔ اگرچہ ملتانی کی ساخت میں ہندی بھاشاؤں کے ساتھ ساتھ عربی فارسی، بلوچی اور سندھی وغیرہ زبانوں کے اثرات بھی موجود ہیں مگر جہاں تک ملتانی مرثیوں کا تعلق ہے ان میں مقامی ماحول کے اثرات اور اپنی انفرادیت کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے، مگر اسلوب خالص ملتانی ہے اور آج تک وہی رنگ ڈھنگ قائم و دائم چلا آرہا ہے۔

ملتان کا محرم

برعظیم ہند و پاک میں لکھنؤ کے بعد ملتان میں محرم بڑے احترام و اہتمام سے منایا جاتا ہے۔ محرم کا چاند دیکھتے ہی شیعہ گھرانوں میں صف ماتم بچھ جاتی ہے وہ سیاہ لباس پہن لیتے ہیں، چارپائیاں اُلٹ دیتے ہیں۔ امام باڑوں کے دروازے کُھل جاتے ہیں۔ مجالس عزا اور ماتمی جلوس شروع ہو جاتے ہیں، ریڈیو پاکستان بھی نغموں اور گانوں کی بجائے نوحے اور مرثیے نشر کرنا شروع کر دیتا ہے۔ سینما چار دن بند رہتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت اپنی مساجد اور محلوں میں شہداء کربلا کے اسوہ حسنہ پر تقاریر کرا کر مسلمانوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین و تبلیغ کرتے ہیں۔

عشرہ محرم میں علم، پنگوڑہ، مہندی اور سیج کی تقریبات نو محرم تک ختم ہو جاتی ہیں۔ نو محرم کے دن ہر آستانے پر تعزیے تیار کر کے رکھ دیئے جاتے ہیں۔ دسویں محرم کی صبح کو ماسوائے شاہ گردیز کے تعزیہ کے باقی تمام تعزیئے جو تعداد میں ۲۰۴ کے قریب ہیں۔ اپنے اپنے مقررہ راستوں سے اپنی اپنی کربلا کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ ہر تعزیہ کے لائسنس میں اس کی روانگی، گزرگاہ، جائے قیام اور اُس سے گزرنے اور منزل مقصود تک پہنچنے کے اوقات درج ہوتے ہیں۔ جن میں کمی بیشی قابل تعزیر ہوتی ہے۔

ہر تعزیہ کے ساتھ اپنے اپنے ماتمی گروہ ہوتے ہیں جو ستر پوشی کے ساتھ اکثر ننگے بدن، ننگے سر، ننگے پاؤں، نوحے پڑھتے اور سینہ کوبی کرتے جاتے ہیں بعض ماتم

سراتیز دھار چھوٹی چھوٹی آہنی سنگلیوں سے خود کو لہو لہان کر لیتے ہیں۔ بچوں کی ٹولیاں آگے رہتی ہیں بعض تعزیوں کے ساتھ برقعہ پوش، نیم نقاب اور بے نقاب مستورات بھی نوحہ خواں اور ماتم کناں ہوتی ہیں۔ یہ ساری ٹولیاں پُورا راستہ پُرسوز نوحوں اور دلگداز مرثیوں سے یادِ امام حسین مناتی جاتی ہیں۔ ماتم کی شدّت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ در و دیوار کانپ رہے ہوتے ہیں۔

ہندو مسلم فسادات کے آغاز کے بعد سے اندیشۂ فساد کی وجہ سے عاشورہ کے دن ہندو مسلم سب مکمل ہڑتال مناتے ہیں۔ تمام بازار کاروبار اُس روز بند رہتا ہے۔ اُس روز چونکہ مسلمان بالکل فارغ ہوتے ہیں اِس لئے وہ جوق در جوق تعزئیے دیکھنے گھروں سے نکل آتے ہیں جس کی وجہ سے تعزیوں اور ماتمی جلوس کے ساتھ بے پناہ ہجوم ہو جاتا ہے۔ ان کی گزرگاہوں کے دونوں طرف لوگ مکانوں کی چھتوں اور دکانوں کے تختہ پوشوں پر محوِ نظارہ ہوتے ہیں۔
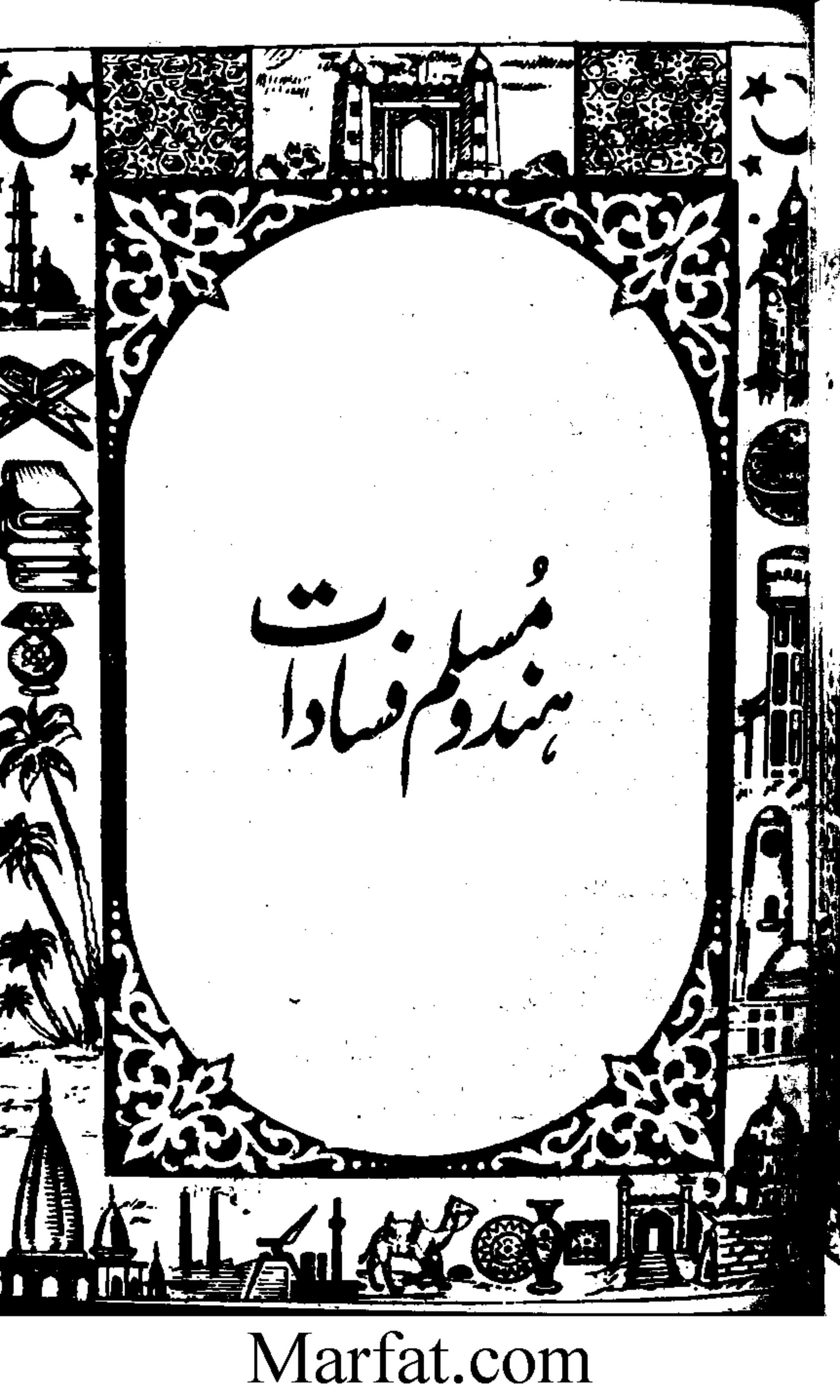
حفظِ امن کے لئے ہر تعزیہ کے ساتھ سرکاری افسر، معززین شہر اور پولیس شروع سے اخیر تک رہتی ہے اور جب تک تعزئیے اپنی اپنی کربلا میں بخیر و خوبی نہ پہنچ جائیں۔ انہیں سکون نصیب نہیں ہوتا۔ ہر تعزیہ مختلف نمونہ کا ہوتا ہے شیشے اور شیشم کی لکڑی کے تعزئیے بڑے وزنی ہوتے ہیں جن کو بیس بیس پچیس آدمی کندھا دے کر اُٹھاتے ہیں۔ قریبًا تمام تعزئیے کربلا سے اپنے اپنے آستانہ پر واپس لائے جاتے ہیں۔

ملتانی کاشی کاری کا گلدستہ

ہندو مسلم فسادات

آغازِ فسادات

کفر و اسلام کی جنگ تو روزِ اوّل سے جاری ہے۔ مگر اسے زیادہ تر ہوا عیسائیوں اور یہودیوں نے دی ہے۔ انگریزوں کی آمد سے قبل ہندو اور مسلمان صدیوں سے یہاں اکٹھے رہ رہے تھے اور باہم شیر و شکر چلے آ رہے تھے۔ انگریز ہندوستان میں قدم رکھنے کے بعد لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کے تحت ہندو مسلم مناقشات کا بیج بونے اور اپنے لئے راہ ہموار کرنے میں مصروف ہو گئے۔ جس کی بنا پر ملتان میں پہلا ہندو مسلم فساد ۱۸۱۰ء میں مندر پرہلاد کی تعمیر کے دوران ہوا۔ دوسرا فساد ۲۰ ستمبر ۱۸۸۱ء کو ہوا اس میں مسجد علی محمد خان ہندوؤں نے شہید کر دی اور مسلمانوں کا پچاس ہزار کا سامان جلا دیا۔ اِس فساد کو روکنے کے لئے فوج بلانی پڑی جس کا ۲۰ ستمبر سے ۳۰ ستمبر تک شہر پر قبضہ رہا۔ اور بطورِ سزا شہر پر ایک سال کیلئے تعزیری چوکی بٹھا دی گئی۔

ہندو کانگرس کی تحریکِ آزادی اور مسلمانوں کی تحریکِ خلافت کے عروج کے زمانہ میں انگریزوں کا اقتدار خطرہ میں پڑ گیا۔ انہوں نے اس دور کے شمالی ہندو مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے ہندوستان گیر فرقہ وارانہ فسادات کا منصوبہ بنایا۔ اور اس نیشنل میچ کے لئے قرعہ بنام ملتان پڑا۔ اس زمانہ میں مسٹر ایمرسن جو بعد میں گورنر بنا۔ بطور ڈپٹی کمشنر ملتان میں تعینات تھا۔ اُس نے ہنوں کے پچھ کے ہندو بدمعاشوں کو مسلمانوں کے قتل عام کے لئے اپنے ایجنٹوں کی معرفت تیار کیا۔

جنہوں نے دسویں محرم کے دن ان ہندو علاقوں میں مورچے بنا لئے۔ جہاں سے تعزیہ
دیکھنے کے لئے خالی ہاتھ مسلمان گزرتے تھے۔

یہ ہندو مسلم پیچ ۲۴ ستمبر ۱۹۲۲ء کو چوک لوہے ہٹ عقب مسجد علی محمد خان سے بارہ
بجے کے قریب اس وقت شروع ہوا جب ورکھاناں والا تعزیہ کالے منڈی کے
ہندو علاقہ سے گزر کر یہاں پہنچا۔ طے شدہ منصوبہ کے تحت ایک ہندو نے اپنے
چوبارے سے تعزیہ پر اینٹ ماری اور نیچے سے ایک ہندو نے ذوالجناح کو لاٹھی مار کر بدکایا
ڈپٹی کمشنر اس موقعہ پر خود موجود تھا اُس نے ریفری کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے
باآواز بلند کہا کہ "پیٹو"! اس کا یہ نعرہ لگانا تھا کہ ایک ہندو نے دودھ کی گرم کڑھائی مسلمانوں
پر انڈیل دی اور کشت و خون کا بازار گرم ہو گیا۔

یہ فساد چونکہ مین چوک بازار کے وسط سے شروع ہوا۔ اس لئے مسلمان گھبرا کر نزدیک
ترین ہندو راستوں سے شہر کے باہر نکلنے کے لئے دوڑے تو محلہ بارتیماں کپ بازار
ہنوں چھجہ، چوڑی سرائے اور کالے منڈی میں مسلح ہندوؤں نے مسلمان راہ گیروں کو موت
کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا۔ ہندو چونکہ من حیث القوم اِس فساد کا منصوبہ بنا چکے
تھے اِس لئے اس روز شہر کے باہر رہنے والے تمام ہندو اپنی دکانیں بند کر کے شہر
کے اندر چلے گئے تھے۔ مسلمان جب شہر سے باہر نکلے اور اُنہوں نے ہندوؤں کی دکانیں
بند پائیں تو اُنہیں اُن کے منصوبہ کا پتہ چلا اور اُنہوں نے ہندوؤں کی دکانیں جلانی
شروع کر دیں۔ اِس خبر پر ہندوؤں نے ہنوں چھجہ کے ایک مسلمان کمایہ دار کی دکان کا سامان
ریشم باہر نکال کر اُسے جلا دیا جو قریباً پچاس ہزار کا تھا۔ شام کے پانچ بجے شہر میں پہلا
مارشل لا لگا دیا گیا۔ اور فوج نے انتظام سنبھال لیا۔ مسلمانوں کی بیشتر تعداد فساد میں شہید ہوئی۔

کانگریسیوں کی آمد

ملتان کے ہندو مسلم فساد سے کانگرسی حلقوں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی مجلس عاملہ کا فوراً ملتان میں اجلاس بلایا گیا۔ ۹ ستمبر ۱۹۲۲ء کی صبح تک مسٹر پٹیل، پنڈت مدن موہن مالویہ، ملک لعل خان، حکیم محمد اجمل خان، لالہ دنی چند، مولوی عبدالقادر قصوری اور لالہ سنت رام ملتان پہنچ گئے۔ دو دن تک اُن کا ملتان میں اجلاس ہوا ہندو وفود اُن سے ملتے رہے اور مسلم اکابرین نے مسٹر ایمرسن ڈپٹی کمشنر سے رابطہ قائم رکھا۔ اور اُس کی ہدایات پر عمل پیرا رہے۔

کانگرس کی مجلس عاملہ نے تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد ملتان کے حالات کو سُدھارنے کا فریضہ پنڈت مدن موہن مالویہ اور حکیم محمد اجمل خان کے سپرد کیا۔ ڈپٹی کمشنر نے انہیں جلسہ عام کی اجازت تو نہ دی لیکن مصالحتی کام میں اُن کے ساتھ رابطہ قائم رکھا۔ مگر یہ دونوں لیڈر ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین مصالحت کرانے میں ناکام رہے کیونکہ پنڈت مدن موہن مالویہ خاندانی برہمن کٹر مہاسبھائی اور متعصب ترین ہندو لیڈر تھے، یہاں تک کہ وہ ایک زمانہ میں ہاتھ پر رومال لپیٹ کر مسلمانوں سے ہاتھ ملاتے تھے۔ اُنہوں نے بڑا معاندانہ اور جانبدارانہ رویّہ اختیار کیا اور اس فساد کا مسلمانوں کو ذمہ دار گردانا۔ تعزیہ پر اینٹ پھینکنے کو غلط قرار دیا۔ مسلمانوں کو بُرا بھلا کہا اور ہندوؤں کو ناکہ بندی اور کوچہ بندی کی تحریک کی۔ ہندوؤں نے دُوسرے ہی دن اُن کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنا دیا جس سے حالات زیادہ کشیدہ ہو گئے۔

کانگرسی اور خلافتی لیڈروں کے اتحاد سے جہاں انگریزوں کا مستقبل خطرہ میں پڑ گیا تھا وہاں کانگرسی مسلمانوں کے دلوں سے کفر کی نفرت بھی مٹ چکی تھی وہ ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے مسلمانوں کے جائز مطالبات تک کو نظر انداز کر دیتے تھے۔ اور مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچانے میں بھی دریغ نہیں کرتے تھے حکیم محمد اجمل خان نے بھی ملتان میں اسی ذہنیت کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کی توقعات کے خلاف پنڈت مالویہ کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے جن کے متعلق مسٹر ایمرسن ڈپٹی کمشنر نے اپنی رپورٹ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۲ء میں گورنمنٹ کو لکھا کہ :-

"پنڈت مالویہ بالکل پرد ہندو ہیں یہ برہمنوں میں سے ہیں۔ انہوں نے تمام الزام مسلمانوں پر تھوپا ہے، ہندوؤں کے نقصانات کا معاوضہ طلب کیا ہے، میری اور پولیس کپتان کی غیر جانبداری کو چیلنج کیا ہے اور میرے رویہ کو غیر مصالحانہ قرار دیا ہے حکیم اجمل خان نے بھی پنڈت جیسا رویہ اختیار کیا ہے یہ واحد سیاستدان ہے جسے میں اس وقت تک نہ سمجھ سکا ہوں یہ مسلمانوں میں سے ہے نہ ہندو۔ بلکہ ایک کانگرسی لیڈر ہے۔ اس دوران میں قریشیوں اور گردیزیوں کا رویہ معقول رہا۔ البتہ گردیزیوں نے مصالحتی کمیٹیوں میں شرکت نہ کرنے میں غلطی کی لیکن ان کا جذبہ قابل قدر تھا۔ وہ اینٹی گورنمنٹ بحث مباحثہ میں حصہ نہیں لینا چاہتے تھے اور کانگرسی لیڈر اصل مسئلہ کو نظر انداز کر کے مابین فریقین ایک کاغذی معاہدہ کرا کر اپنی فتح کے طور پر سیاسی اغراض کے لئے مفاد اٹھانا چاہتے تھے۔"

یہاں سے ناکام ہونے کے بعد پنڈت مالویہ نے لاہور اور امرتسر میں ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف اپنی تقاریر میں خوب بھڑکایا جس سے ہندو مسلم فسادات کی ہندوستان گیر آگ ایسی بھڑکی کہ اسے نہ خلافتی لیڈر روک سکے اور نہ کانگرسی لیڈر بجھا سکے۔

اعمالنامہ مولانا آزاد

پنڈت مدن موہن مالویہ اور حکیم محمد اجمل خان جب مُلتان سے ناکام واپس لوٹے تو کانگرس نے معاملہ کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد کو ملتان بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اخبارات میں یہ خبر چھپتے ہی انگریزی حلقوں میں ایک زلزلہ سا آگیا۔ اور اسی وقت مسٹر ایچ۔ ڈی کریک ہوم سیکرٹری نے مسٹر ایمرسن ڈپٹی کمشنر ملتان کو ایک چٹھی ۲۲/۲/۹ کو بدیں امر لکھی کہ ابُوالکلام آزاد سخت خطرناک اور انیٹی برٹش ہے۔ اس کا اعمالنامہ بھیج رہا ہوں جس سے آپ کو اس کی خطرناک شخصیت کا اندازہ ہو جائے گا۔" ان کا یہ اعمالنامہ شامل چٹھی تھا۔ اس چٹھی کا عکس شامل کتاب ہے۔

"مولانا ابوالکلام آزاد عرف محی الدین ولد مولانا خیرالدین مرحوم، سنی مسلمان، آف نمبر ۴۵۔ رپن لین۔ کلکتہ عربی کا فاضل ہے۔ مصر کی سیاحت کر چکا ہے۔ یہ ایک ہفت روزہ جریدہ "الہلال" کا ایڈیٹر تھا جسے اُس کی باغیانہ تحریروں کی وجہ سے نظر بند کردیا گیا۔ یہ بہت بڑا پان اسلامسٹ ہے۔ اس نے ترکی کی ہلال احمر سوسائٹی کیلئے بڑا کام کیا۔ اور ۱۹۱۲ئہ میں ایک کثیر رقم جمع کرکے اُسے بھیجی۔ اُس نے ۱۹۱۳ئہ میں مسجد کانپور کے واقعہ کے سلسلہ میں بڑا حصہ لیا۔ یہ ۱۹۱۳ئہ کی خدام کعبہ کی تحریک کے اعلیٰ آرگنائزروں میں سے تھا اور ۱۹۱۳ئہ میں ہی اسنے انجمن حزبُ اللہ کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۱۵ئہ میں پنجاب گورنمنٹ نے زیر آرڈر ۳ ڈیفنس آف انڈیا رولز اس کا پنجاب میں داخلہ اور قیام ممنوع قرار دیا۔ ۱۹۱۵ئہ میں اُس نے اگرچہ بظاہر قرآن پڑھانے

کا کالج "دارالارشاد" کے نام سے قائم کیا لیکن اس میں یہ مختلف صوبوں سے آمدہ منتخب اشخاص کو باغیانہ اور پرجوش لیکچر دیا کرتا تھا جس کی وجہ سے اسے بنگال سے نکال دیا گیا اور یہ رانچی چلا گیا۔ وہاں سے بھی اسے بہار اور اڑیسہ گورنمنٹ نے نظربند کر دیا۔ ۱۹۲۰ء میں رہا ہونے کے بعد یہ بنگال واپس آیا اور اس نے خلافت سوراج اور عدم تعاون کی تحریک میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ اور بنگال خلافت کمیٹی کا صدر منتخب ہوا۔ اس نے گاندھی اور علی برادران کے ہمراہ لاہور فیروزپور اور بھوانی کا اکتوبر ۱۹۲۰ء میں دورہ کیا اور سرکاری امداد سے چلنے والے اداروں کا بائیکاٹ کرنے کے متعلق تقاریر کیں۔ ۱۹۲۱ء میں اس نے پنجاب کا دورہ کر کے تحریک خلافت کے متعلق متعدد مقامات پر قابل اعتراض تقریریں کیں۔ اسی سال نومبر میں اس نے پھر لاہور کا دورہ کیا اور بریڈلا ہال میں جمعیتہ العلماء کے تیسرے سالانہ اجلاس میں شرکت کی۔ اسے ۹ فروری ۱۹۲۲ء کو کلکتہ میں زیر دفعہ ۱۲۴۔الف تعزیرات ہند ایک سال قید سخت کی سزا ہوئی۔ جہاں سے یہ جنوری ۱۹۲۳ء میں رہا ہوا۔"

اس رہائی کے بعد انہوں نے کانگرس کے حکم پر ہندو مسلم قضیہ کے تصفیہ کیلئے ملتان آنے کا فیصلہ کیا۔ مگر مسٹر کریک کے مذکورہ بالا اشارہ کی بنا پر ان کا ملتان میں داخلہ روک دیا گیا۔ اس طرح مولانا ابوالکلام آزاد کی بجائے ان کا یہ اعمال نامہ ملتان پہنچ گیا جو بروقت محفوظ کر لیا گیا۔

سلسلہ فسادات

۱۹۲۲ء کے فساد کے بعد ہندو مسلم فسادات کا ایک مستقل باب کھل گیا۔ محرم آتے ہی انتظامیہ کا خون خشک ہونے لگتا۔ شہر میں گشت کے لئے ڈیرہ غازی خان سے گھوڑ اسوار سپاہ بلائی جاتی۔ بیرونی تھانوں سے بھی پولیس طلب کر لی جاتی۔ شہر میں خطرناک مقامات پر پولیس کی چوکیاں بٹھادی جاتیں۔ تعزیوں کی گزرگاہوں میں اونچی اونچی عمارتوں پر نگہبان پولیس کھڑی کی جاتی تاکہ کوئی تعزیہ پر اینٹ یا روڑہ نہ مار سکے۔ عاشورہ کے دن سارا شہر بند ہو جانے اور لوگوں کے فارغ ہو جانے کی وجہ سے فساد کا خطرہ بڑھ جاتا۔ اس لئے حفاظتی اقدامات کے تحت مجسٹریٹ اور معززین پولیس کے ہمراہ ہر تعزیہ کے ساتھ متعین رہتے اور بعض گلی کوچوں میں گشت کرتے رہتے۔ حفظ ماتقدم کے طور پر چھاؤنی میں فوج کو تیار رکھا جاتا۔

ہندوؤں کا جس سال فساد کا ارادہ ہوتا وہ ایک روز قبل بیرون شہر سے اندرون شہر چلے جاتے۔ جس سے مسلمان سنبھل جاتے۔ مگر ان تمام تدابیر کے اختیار کرنے کے بعد بھی ۱۹۲۷ء میں پھر چوتھا ہندو مسلم فساد ہوا۔ اس میں خون کی ندیاں بہائی گئیں۔ املاک لوٹی گئیں اور جائیدادیں جلائی گئیں اور کئی روز تک یہ خونی ڈرامہ کھیلا جاتا رہا۔

۱۹۳۵ء میں ہندوؤں نے پھر محرم کے موقعہ پر فساد کا منصوبہ باندھا جس کے تحت ایک ہندو مجسٹریٹ نے ایک تعزیہ دار کے آدمی کو حفظ امن کے تحت

گرفتار کرکے جیل بھیج دیا۔ تعزیہ داروں نے تعزیئے اُٹھانے سے انکار کردیا۔ اور حرم دروازہ سے لے کر خونی بُرج تک تمام سڑک تعزیوں سے بھر گئی۔ پولیس نے اسوقت بڑی چابکدستی سے حالات پر قابو پاکر فساد نہ ہونے دیا اور عاشورہ کا دن بخیر و خوبی گزر گیا۔ ڈپٹی کمشنر دورہ پر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس آرام کرنے کے لئے چھٹی پر چلے گئے۔ پندرہ محرم کو دیر بھان نامی ایک ہندو نے شانِ رسالت مآب میں گستاخی کی۔ جسے مُلتان کے عوامی لیڈر پیر زین العابدین شاہ کے ایک فدائی سالار نے اُسی وقت جہنم رسید کیا۔ جس پر فساد کی آگ بھڑک اُٹھی اور مسلمانوں نے محرم کے موقعہ پر ہندو مجسٹریٹ کی زیادتی کا پُورا پُورا بدلے لیا۔

پھر ایک موقعہ پر جبکہ تعزیئے شہر سے باہر نکل چکے تھے کسی نے افواہ اُڑا دی کہ اندرونِ شہر ہندوؤں نے چار مسلمانوں کو قتل کر دیا ہے۔ جس پر ماتم سراؤں نے اپنے اپنے تعزیئے وہیں رکھ دیئے اور ہندو مسلمان آپس میں گتھم گتھا ہو گئے ایک اور فساد کے ضمن میں مسٹر اے۔ پی مُورن ڈپٹی کمشنر ملتان نے اپنے مشاہدات یُوں تحریر کئے ہیں:-

"میں جب شہر کے قریب پہنچا تو سُورج غرُوب ہو رہا تھا۔ شہر سے دھوئیں کی تین لہریں آسمان کی طرف جاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں جن میں شعلوں کی سُرخی بھی جھلک رہی تھی۔ شہر کے نواح میں زندگی کے آثار بالکل مفقود تھے۔ میں تھانے میں داخل ہوا تو مجھے تبلایا گیا کہ آٹھ اشخاص ہلاک اور تیس زخمی ہو چکے ہیں۔ ایک سینما، چار مکان اور کانگرس کا مقامی دفتر جلا دیا گیا ہے۔ پولیس نے دوڑ دھوپ کی۔ مگر بعد از وقت! گو فساد مختصر تھا مگر نہایت شدید! ہندوؤں نے مسلمانوں کو اور مسلمانوں نے ہندوؤں کو لوٹنا اور قتل کرنا شروع کر دیا۔ جس پر فوج بلائی گئی اور شہر اُسکے حوالے کر دیا گیا"۔

آخری تیاریاں

تحریکِ پاکستان کے دوران ہندو مسلمانوں کے خون کے زیادہ پیاسے ہو گئے تھے
ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کی تیاریاں شروع کر دیں جنوری
۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے راشٹریہ سوایم سیوک سنگھ کی ضلع
ملتان میں آٹھ شاخیں قائم کی گئیں۔ ملتان کے ایک ہندو آشرم میں اس کی لائبریری
قائم کی گئی جس میں مسلمانوں کے خلاف ہر نوع کا لٹریچر ملتا تھا جس میں مسلم کشی کے طور
طریقے درج ہوتے تھے۔ علاقہ تھانہ صدر ملتان میں "گوردکل" کے اندر ایک خفیہ کیمپ قائم
کیا گیا جو ہندوؤں اور سکھوں کو مسلم کشی کی تربیت دیتا تھا۔ ان تربیت یافتہ ہندوؤں
سے منتخب ۴۵ ممبروں کی ایک ریلی تلمبہ میں ہوئی جس میں خانیوال، ملتان، کبیر والہ،
پنج کسی اور میاں چنوں کے تربیت یافتہ نوجوانوں نے حصہ لیا جو ہاکی سٹکوں سے مسلح تھے
دوسری ریلی اسی مہینہ لودھراں میں ہوئی۔ یہ تنظیم یہودیوں کے نقشِ قدم پر بڑی رازدارانہ
طریق سے چلائی جا رہی تھی۔ اس تنظیم کو سرمایہ کی طرف سے بالکل بے فکری تھی کیونکہ
سنگ کے حامی اور ہمدرد دولت مند ہندو ہر وقت ان کی مالی امداد پوری کرنے
کے لئے بے تاب رہتے تھے۔ مئی کے اخیر تک اس تنظیم کے ممبران کی تعداد پانچ لاکھ
اڑسٹھ ہزار تک پہنچ گئی۔ ۴۶۰۰ کا اضافہ زیادہ تر لاہور، جالندھر اور ملتان سے ہوا۔
اور کل سرمایہ -/۸۶۷۰۰ اُن کے پاس جمع ہو گیا۔ ملتان برانچ نے اپنے لئے کلہاڑیاں
چھویاں، کرپانیں اور برچھے خرید سے اور بم بنانے شروع کر دیئے، انہیں مرکز سے یہ

ہدایات موصول ہوئیں کہ :-

"مسلمان تمہارے دشمن ہیں اس لئے تمہیں وقت آنے پران سے سخت لڑائی کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے، اس غرض کے لئے فوج سے واپس آئے ہوئے فوجیوں کی بھی خدمات حاصل کی جائیں نیز بعض علاقوں کے مسلمانوں کی تعداد کونابود کر کے اُن کی جگہ غیر مسلم آباد کرنے کی کوشش کی جائے اور مسلمان مزارعان کی جگہ ہندو مزارعان رکھے جائیں۔"

راشٹریہ سیوک سنگ سکیم میں سکھ بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ مسلم کشی میں وہ سب سے زیادہ سرگرم عمل تھے۔ اس وقت ملتان اسلحہ سازی کا بہت بڑا مرکز تھا۔ سارا آتشیں اسلحہ گیان تھلہ جہاں اب مدرسہ خیرالمدارس قائم ہے، کے مندر کے تہ خانہ میں جمع تھا۔ اسی مندر کے قریب ہندوؤں کا بہت بڑا ماڈرن دنگل تھا جو متحدہ ہندوستان میں میسور کے دنگل کے بعد دوسرا بڑا دنگل تھا۔ اس میں ہندوؤں کو رائفل ٹریننگ دی جاتی تھی۔

بم سازی کے تمام مرکز شہر کی ہندو آبادی میں قائم تھے، ان میں سے پولیس کی رپورٹوں کے مطابق دس مقامات پر بم سازی کے دوران بم پھٹے، یہاں سے بم دوسری تحصیلوں میں بغرض استعمال بھیجے جاتے تھے، بوریوالہ میں صرف ایک شخص کے قبضہ سے ۲۹ زندہ بم پولیس نے برآمد کئے۔ ان کے علاوہ بندوقوں، رائفل اور کارتوسوں کی خاصی مقدار پولیس نے برآمد کی۔

انگریزوں کی شہہ پر ہندو اور سکھ مسلمانوں سے لڑتے رہتے تھے لیکن مسلمان انتہائی ناساعد حالات کے باوجود نہایت پامردی سے مقابلہ کرتے رہے اور انکے ناپاک عزائم خاک میں ملاتے رہے یہانتک کہ پاکستان معرضِ وجود میں آگیا اور ہندو ہندوستان چلے گئے۔

ملتان کا ایک تعزیہ
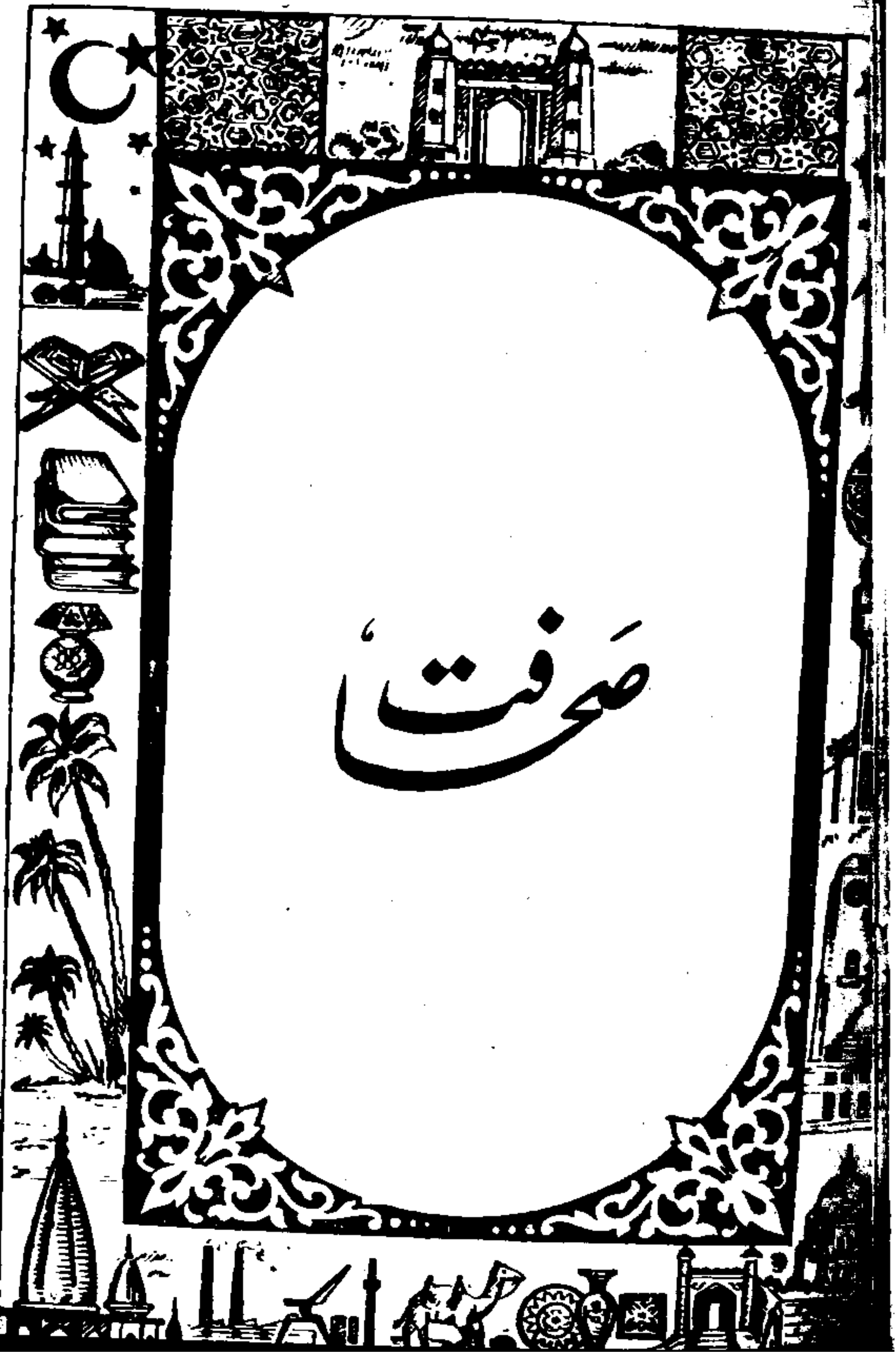
آغازِ صحافت

خبروں کی فراہمی اور اشاعت کا آغاز مصر کے عہد فراعنہ سے ہوا۔ اس وقت سرکاری احکام کی نقول پتھروں پر کندہ کر کے معبد خانوں کے دروازوں پر آویزاں کر دی جاتی تھیں، جو مقامی یا باہر کے لوگ عبادت کے لئے آتے وہ اُن کو پڑھ کر اُن تک پہنچا دیتے تھے۔ جو یہاں نہیں آتے تھے۔

دو ہزار سال قبل رُومی سلطنت میں پتھری اخباروں کی بجائے قلمی اخباروں کا رواج پڑا۔ اس وقت سرکاری خبریں اور جنگی اطلاعات سرکاری کاتب مرتب کرتے تھے، وہ تمام معلومات کی نقول تیار کر کے ہر روز بڑے بڑے بورڈوں پر چسپاں کر دیتے اور صُوبائی افسروں کو بھی بھیج دیتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی امرأ نے بھی نجی کاتب مقرر کرنے شروع کئے۔ اس طرح اخبار لکھنے اور پڑھنے والوں میں اضافہ ہونے لگا اس کے بعد باقاعدہ پہلا اخبار Acta Diurna مرتب ہوا۔ جس کے معنیٰ "روزانہ کارروائی" کے تھے۔

برعظیم پاک و ہند میں اشوک اور چندر گپت کے زمانہ میں بھی خبروں کی فراہمی اور اشاعت کا پرانا نظام موجود تھا۔ عہدِ مغلیہ میں اس نے زیادہ ترقی کی۔ جس کی یہاں انگریزوں کو بھی اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے تقلید کرنی پڑی۔ انگریزی دور کی اخباری تنظیم نے انگریزوں کو ہندوستان میں قدم جمانے اور دیسی ریاستوں کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں بڑی مدد دی۔

ملتان میں صحافت کی ابتداء اردو کے مایۂ ناز ادیب مہر مہدی مجروح نے کی۔ انہوں نے یہاں سے پہلا ہفتہ وار اخبار "ریاض نور" جاری کیا تھا۔ جو کچھ مدت چل کر بند ہو گیا۔ اردو اخبار کے ساتھ انگریزی کا پہلا ہفتہ وار اخبار "پیس" Peace ایک ہندو پروہت ملک رگھناتھ رائے نے ملتان سے جاری کیا۔ جو تبلیغی نوعیت کا تھا۔ یہ اخبار افریقہ، ملایا، برما اور جاپان تک جاتا تھا۔

اس کے بعد صحافت کا باقاعدہ آغاز ملتان کے مایۂ ناز شاعر جناب اسد ملتانی نے کیا۔ انہوں نے ۱۹۲۲ء میں ہفت روزہ "شمس" اور ماہنامہ "انعام" جاری کیا۔ جس کے آپ خود ہی طابع و ناشر تھے اور وہ خود ہی سارا اخبار بڑے سلیقہ سے مرتب کرتے تھے۔ گو اخبار کی پیشانی پر ضابطہ کے تحت بطور مدیر تہور حسین تہور لکھا جاتا تھا۔ ۱۹۳۳ء کی ہندو مسلم کشاکش میں یہ بند ہو گیا جسے اسد ملتانی کے بھائی محمد اکرم خان نے ۱۹۳۴ء میں بطور روزنامہ جاری کیا جو پورے بیس سال جاری رہا یعنی ۱۹۵۴ء تک پوری آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔

سیاسی بیداری کے زمانہ میں یہاں کی صحافت مسابقت میں بدل گئی اور دھڑا دھڑ ہندوؤں نے کانگرس کی اور مسلمانوں نے مسلم لیگ کی حمایت میں اخبار نکالنے شروع کئے۔ یہ دور ملتان کی صحافت کا زریں دور تھا جس کی وجہ سے ملتان اخبارات کی منڈی کہلاتا تھا۔ ڈیکلریشن پر آج کل طرح کوئی پابندیاں اور سختیاں نہ تھیں۔ وہ چٹکی بجاتے مل جاتا تھا۔ اس لئے یہاں سے بکثرت اخبار نکلتے رہے جن میں جاندار اداریئے پرمغز مراسلات، سیاسی مقالات اور علمی ادبی شہ پارے انگریزی فرانسیسی اور روسی زبان کے کلاسیکی ادب کے تراجم شائع ہوتے تھے۔

اخبارات ملتان

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں خبروں کی بہم رسانی کا بہترین انتظام تھا۔ ملکی اور غیر ملکی ہر قسم کی خبریں علاقہ وار مرتب ہوتی تھیں اور ہر خبر نامہ اس علاقہ کے نام سے موسوم ہوتا تھا جس علاقہ کی خبروں پر وہ مشتمل ہوتا تھا اور ہر علاقہ کے خبر نامے دارالحکومت کو بھیجے جاتے تھے جو اپنے ناموں سے پہچانے جاتے تھے، ان کے نام یہ تھے، پنجاب اخبار، لاہور اخبار، پشاور اخبار، ہندوستان اخبار، کابل اخبار، اسی زمرہ میں ایک ملتان اخبار بھی تھا جس میں صرف ملتان کے علاقہ کی خبریں مرتب کر کے مہاراجہ کو بھیجی جاتی تھیں۔ ان اخبارات کی حیثیت تمام تر سرکاری تھی۔ عوام ان سے استفادہ نہ کر سکتے تھے۔

ملتان سے سب سے پہلے باقاعدہ عوامی اخبار ۱۸۵۲ء میں منشی مہدی حسین خان نے "ریاض نور" کے نام سے جاری کیا۔ مدیر موصوف اس سے پہلے "دریائے نور" نامی اخبار میں کام کرتے تھے، مالکوں سے اختلاف کے باعث انہوں نے ملتان سے اپنا اخبار نکالا۔ ۱۸۵۶ء میں تحصیلدار کے خلاف ایک مضمون شائع کرنے کی پاداش میں مہدی حسین کو تو سات سال کیلئے جیل بھیج دیا گیا، مگر اخبار جاری رہا۔ جیل سے اسے جلد رہائی مل گئی اور وہ منشی نول کشور کے "اودھ اخبار" کا ایڈیٹر بن گیا۔

"ریاض نور" کے اجراء کے ڈیڑھ سال بعد فقیر غلام نصیر الدین نے ملتان سے اپنا اخبار "شعاع الشمس" جاری کیا۔ "ریاض نور" اور "شعاع شمس" دونوں ایک دوسرے

کے حریف و رقیب بن گئے۔ اور ان کی بدولت صحافتی چشمک کا آغاز بھی ملتان سے ہوا۔ جس کی تقلید میں قریباً اسّی سال بعد لاہور کے روزنامہ زمیندار اور روزنامہ انقلاب نے ایک دُوسرے کے خلاف ایسا معاندانہ اور رقیبانہ مورچہ لگایا۔ کہ لکھنؤ والے بھی کان پکڑنے لگے۔ مولانا غلام رسول مہر مدیر انقلاب کو جب اُن کی وفات سے صرف پانچ روز قبل راقم الحروف نے یہ اخباری محاذ یاد دلایا۔ تو فرمانے لگے "یہ ہمارے دورِ جاہلیت کی بات ہے"۔ بہرحال ملتان کی اس صحافتی معرکہ آرائی میں "ریاضِ نور" جیت گیا۔ اور "شعاعِ شمس" بند ہوگیا۔

فقیر غلام نصیر الدین نے اِس معرکہ کے بعد صحافتی زندگی ترک کر دی اور زاہدانہ زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ نواب بہاولپور نے اس کے زہد و تقویٰ سے متاثر ہو کر اُسے میر منشی کے عہدہ پر فائز کر دیا۔

"شعاعِ شمس" کے بند ہونے کے بعد ۱۹۲۲ء میں ملتان سے ہفت روزہ "شمس" جاری ہوا۔ یہ اخبار بھی حضرت اسد ملتانی کا تھا۔ جس کے ایڈیٹر اُن کے بھائی محمد اکرم خان تھے۔ یہ ملتان کا پہلا اخبار تھا۔ جو ہندوستان کے علاوہ عراق، مشرقی افریقہ اور جاوا تک جاتا تھا۔ ہفت روزہ "شمس" ۱۹۳۴ء میں روزانہ طلوع ہونے لگا۔

مُسلم اخبارات

انگریزی دور میں مکمل آزادی تحریر تھی، اخبارات کے ڈیکلریشن بغیر کسی تحقیق و تفتیش کے چٹکی بجاتے مل جاتے تھے۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۷ء تک ملتان سے مندرجہ ذیل اخبار شائع ہوتے رہے

	نام اخبار	نام ایڈیٹر		نام اخبار	نام ایڈیٹر
۱۔	اسلام	واحد بخش ندوی	۲۔	ترجمان	پیر زین العابدین شاہ
۳۔	استقلال	کریم داد اویسی	۴۔	آفتاب	ولایت حسین بخاری
۵۔	الشمس	حکیم محمد اکبر	۶۔	شمس	محمد اکرم خان
۷۔	صادق	لال دین عاصی	۸۔	دیہاتی	لال دین عاصی
۹۔	کعبہ	خلیفہ ممتاز حسین	۱۰۔	زمزم	کریم بخش بیدھڑک
۱۱۔	طوفان	غلام علی تشنی	۱۲۔	زلزلہ	نذر حسین نذر
۱۳۔	ساقی	مولوی خیر الدین	۱۴۔	نمائندہ	عبدالکریم قاصف
۱۵۔	ہمدرد	منظور احمد اختر	۱۶۔	سعادت	سیفی لائلپوری
۱۷۔	بیدھڑک	کریم بخش صدیقی	۱۸۔	ملتان پنچ	کشفی الاسدی
۱۹۔	ترجمانِ اسلام	سید ولایت حسین	۲۰۔	خادم اسلام	مہر حسین شاہ
۲۱۔	ندائے اسلام	الٰہی بخش	۲۲۔	ستارۂ اسلام	وزیر بخش
۲۳۔	مُجاہدِ اسلام	منشی عبدالرحمٰن خان	۲۴۔	نوائے امروز	نذر حسین نذر
۲۵۔	نیو لائٹ	فیروز احمد غوری	۲۶۔	وارڈن	عُمر حیات پروانہ

ہندو اخبارات

کانگرس کی تحریک آزادی اور ہندو سبھا کی چشمک کے دوران ملتان سے مندرجہ ذیل اخبارات شائع ہوتے رہے۔

نام اخبار	نام ایڈیٹر		نام اخبار	نام ایڈیٹر
۱۔ اقبال	لالہ بالکشن بترہ	۲۔	بیدار	دیوان الیشوردت
۳۔ ڈنڈا	سیوارام متانہ	۴۔	منہٹر	ہنسراج ناگیہ
۵۔ حقیقت	سکھانند چوپڑہ	۶۔	مسافر	لالہ ہمت رائے وکیل
۷۔ ہندو درد	پنڈت رگھناتھ رائے	۸۔	گھن چکر	دیویداس گاندھی
۹۔ ویر کیسری	پنڈت شیودت رنگا	۱۰۔	ویر پرتاپ	سیوارام متانہ
۱۱۔ شان ہند	ودیا پرکاش سرور	۱۲۔	دیش بھگت	منشی ہاڑی لعل وکیل
۱۳۔ پیس (Peace)	رگھناتھ رائے			

ہفت روزہ "بیدار" نوجوان بھارت سبھا کا نمائندہ تھا۔ "دیش بھگت" کانگرس کا نقیب تھا۔ "ویر کیسری" آریہ سماجیوں کا آرگن تھا۔ "ہندو درد" مہاسبھائیوں کا ترجمان تھا۔ "اقبال" کی نوعیت علمی ادبی تھی۔ باقی اخبارات مقامی سیاست دانوں کے بازیچے تھے۔ "پیس" ہندوازم کا پرچار کرتا رہتا تھا۔

ملتان کی فینسی جوتیاں

نشر و اشاعت

فنِ کتابت

خطاطی قدیم ترین فن ہے، جسے مختلف وقتوں میں عوام سے لے کر حکمران طبقہ تک نے اپنایا۔ اسے معراج تک پہنچایا۔ اور یہ پیشہ اختیار کرنے پر بڑا فخر محسوس کیا۔ سلطان محمود غزنوی کا پوتا سلطان ابراہیم غزنوی، سلطان ناصرالدین محمود، ظہیرالدین بابر خود بھی ماہر خطاط تھے۔ بلکہ بابر خود "خطِ بابری" کا موجد تھا۔ جس میں اُس نے قرآن شریف لکھ کر مکہ معظمہ بھیجا تھا۔ بہادر شاہ ظفر بھی بہت مشاق خوشنویس تھے۔

خوش نویسی اور خطاطی کے میدان میں مسلمانوں نے جو محنت اور کوشش کی اور جس طرح اُسے بامِ ترقی پر پہنچایا۔ اس کا مفصل تذکرہ اکبر شاہ کے زمانہ کے غلام محمد ہفت رقم نے اپنی کتاب "تذکرہ خوشنویسان" میں تحریر کیا ہے۔ ماہر خوشنویسوں نے بڑے بڑے مغل شہنشاہوں کے درباروں سے اپنی فن کاری کی بنا پر "یاقوت رقم" اور "جواہر رقم" تک کے خطابات حاصل کئے۔

ماہرِ فن مرزا احمد علی کاشمیری کا شاگرد رشید فتح علی ملتانی برسوں اپنے اُستاد کی خدمت میں رہ کر اصلاح لیتا رہا۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ لاہور آگیا جہاں وہ اپنے فن کی وجہ سے بہت مشہور ہوا۔ اسے کتھے کی سیاہی سے قطعات لکھنے کا بڑا شوق تھا۔ وہ بڑا متوکل انسان تھا۔ کام صرف اتنا کرتا تھا جس سے دال روٹی چل سکے، وہ تکیہ ننھے شاہ کے بالمقابل محلہ شیعان میں رہتا تھا۔ چند روز

کے لئے منشی عبدالمجید پروین رقم" کے پاس بھی رہا۔ ۱۹۱۹ء میں لاہور میں وفات پا کر مومن پورہ کے قبرستان میں دفن ہوا۔ اس کے تحریر کردہ قطعات آج تک لاہور میں اہلِ ذوق نے حرزِ جان بنا رکھے ہیں۔

ملتان میں جہاں حسنِ طباعت کی کمی تھی وہاں حسنِ کتابت کی بڑی فراوانی تھی۔ فنِ کتابت میں ملتان کسی شہر سے پیچھے نہیں رہا۔ ملتان میں اس فن کا آغاز منشی نورالدین انصاری ساکن بوہڑ دروازہ نے کیا۔

کرشنا سٹیم پریس کے قیام کے بعد منشی نکو منشی غلام جیلانی نے ملتان آکر فنِ خطاطی کو فروغ دیا۔ انہی کے وقت میں عاشق محمد بحیثیت خطاط و مصور نامور ہوئے۔ جن کے شاگردوں میں سے اُن کے برادران عبدالشکور، فدا حسین اور ان کے علاوہ نذر حسین، نذر محمد، خلیل الرحمٰن، شیخ گزبھر اور حبیب اللہ انصاری مشہور خطاط ہوئے۔ فدا حسین نے بھائی کی طرح مصوری کو اپنایا اور نام پایا۔ طفیل محمد سب سے زیادہ زود نویس خوشنویس نکلے

منشی نوردین انصاری کے شاگردوں میں مولوی عبداللہ نے برس ہا برس ملتان میں بیٹھ کر اس فن کو فروغ دیا۔ ان کا ہم عصر شیخ گزبھر کاتب بھی ملتان کی یادگاروں میں سے تھا۔ اس دور کی آخری نشانی منشی بشیر محمد ہیں۔ جنہوں نے اس فن کی نسبت سے بڑی خاموش طبیعت پائی ہے۔ آپ چالیس سال سے اس فن کی خدمت میں مصروف ہیں۔ راقم کی اولین دس بارہ تصنیفات انہی کی تحریر کردہ ہیں۔

طریق طباعت

زمانہ قدیم کی تاریخ سنگ و خشت سے معابد و منادر کی درو دیوار پر لکھی گئی۔ یہ ایسی تاریخ تھی جو اپنے دور کی حدود میں مقید ہو کر رہ گئی اور انسان کے ذہن میں وسعت اور آزادی پیدا نہ کر سکی۔

نوعِ انسانی پر ایک جرمن نژاد موجد گٹن برگ کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ اس نے چھاپہ خانہ ایجاد کر کے انسانی تہذیب و تمدن کی حفاظت کا سامان پیدا کر دیا۔ اس چھاپہ خانہ کے ذریعے جو پانچ ورقی چھوٹی سی کتاب سب سے پہلے چھپی وہ [illegible] تھی جسے دیکھ کر پیرس کے سب سے بڑے گرجا "نوتردیم" کے راہب اعظم ڈام کلاڈ نے جو پادری ہونے کے علاوہ ایک شاعر، ایک فلسفی اور ایک منجم بھی تھا۔ کہا کہ "یہ اسے فنا کر دے گی۔"

جس کا مطلب یہ تھا کہ نشر و اشاعت، سنگ و خشت کی تہذیب کے لئے پیغامِ فنا ثابت ہو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہو رہا ہے۔ آج اسی ایجاد کے ذریعہ ذہنوں سے خدا اور مذہب کا تصور کھرچ کھرچ کر نکالا جا رہا ہے۔ لادینی پھیلائی جا رہی ہے۔ اور معابد و منادر ویران ہو رہے ہیں۔

ملتان میں سب سے پہلا پریس ۱۹۲۰ء میں بلدیہ نے اپنی دفتری ضروریات کے لئے قائم کیا۔ جو ہاتھ سے چلتا تھا۔ پلیٹوں کی بجائے بڑے بھاری پتھر استعمال ہوتے تھے۔ اس کے بعد دوسرا پریس سونو رام نے پل شوالہ پر قائم کیا۔ جو دستی

پریس تھا۔ تیسرا دستی پریس مولچند مداں نے بوہڑ دروازہ کے باہر نوبہار پریس کے نام سے لگایا۔ چوتھا انگریزی کا دستی پریس ملتان چھاؤنی میں بدھورام نے ایڈورڈ پریس کے نام سے جاری کیا۔ یہ پریس بعدازاں ناپید ہو گئے۔ بھاپ سے چلنے والا سب سے پہلا کرشنا سٹیم پریس ملک رام کشن نے حسین آگاہی میں لگایا۔

۱۹۲۱ء میں مسلمانوں میں سب سے پہلا پریس مولوی فیض احمد اویسی نے فخرِ مجتبےٰ کے نام سے قائم کیا۔ یہ بھی دستی پریس تھا جو اسی حالت میں ختم ہوا۔

۱۹۲۲ء میں مولوی عبدالسلام قادری نے مسلم حمیدیہ پریس لگایا۔

۱۹۲۸ء میں مولوی محبوب احمد اویسی نے مسلم حمیدیہ پریس خرید کر اقبال پریس کے نام سے چلایا۔ اس میں ۲۰ × ۳۰ سائز کی کاپی چھپتی تھی۔ ہندو مسلم فساد کے دوران پریس ہذا بحق سرکار ہندوؤں نے ضبط کرا دیا۔

۱۹۳۵ء میں ملتان میں مطبع شمس قائم ہوا۔

قیامِ پاکستان سے قبل ریلوے روڈ پر ملتان الیکٹرک پریس بھی شروع ہوا تھا جس کا مالک ایک ہندو تھا۔ یہ پریس ہندو مسلم فسادات کی نذر ہو گیا۔ اس کے بعد شیخ مظفرالدین نے چوک شہیداں میں زمیندار سدھار پریس لگایا۔

پاکستان بننے کے بعد ملتان میں اُردو پریس تو بہت سے قائم ہوئے لیکن معیاری اور عمدہ طباعت کے لئے پھر بھی لاہور جانا پڑتا ہے۔

اشاعتی ادارے

کتابوں کی اشاعت و تجارت نے عہد اسلامی میں ایک خاص اہمیت اور شہرت حاصل کر لی تھی۔ کتابوں کی دکانیں عام طور پر مساجد کے قرب و جوار میں ہوتی تھیں اور اکثر کتابوں کے تاجر بڑے بڑے فضلا ادبا اور علما ہوتے تھے۔ تیسری صدی ہجری میں صرف بغداد میں کتابوں کی تین سو دکانیں تھیں اور کتابوں کے ایجنٹوں کو "دلال الکتب" کہا جاتا تھا۔

متحدہ ہندوستان میں بھی کتابوں کا کاروبار بڑے عروج پر رہا۔ انگریزوں کے آنے سے قبل صرف ملتان میں کاغذ کے ۵۲ کارخانے تھے جن میں ۳۱۷ کاریگر کام کرتے تھے۔ ان کا تیار کردہ کاغذ زیادہ تر ملتان میں ہی کھپ جاتا تھا۔ اور نشر و اشاعت کے کام آتا تھا۔

جہاں تک عربی کتب کا تعلق ہے متحدہ ہندوستان میں ان کے صرف دو قدیم اور عظیم کتب خانے تھے ایک مولوی شرف الدین قطبی کا بھنڈی بازار بمبئی میں اور دوسرا مولانا عبدالتواب مرحوم کا کتب خانہ سلفیہ قدیر آباد ملتان میں واقع تھا۔ اس میں تمام تر عربی کتب کا کاروبار ہوتا تھا جو ممالک عرب، مصر، شام، عراق اور ایران سے منگائی جاتی تھیں، اور ملتان سے افغانستان، پشاور، کراچی، لاہور اور دہلی کے تاجر کتب یہ کتابیں خرید کر لے جاتے تھے۔ اسی کتب خانہ نے شاہ ولی اللہ کی حجۃ البالغہ قلمی اور امام نووی کی تہذیب الاسماء نامی لغات کا قلمی مسودہ مصر سے چھپوا کر ملتان سے

کیا تھا۔اِس کے علاوہ اِس کتب خانے نے قرآن کریم کے پہلے اور آخری پارہ کا ملتانی ترجمہ بھی شائع کیا تھا۔

قدیم ناشرین میں سے سرِ فہرست حافظ شمس الدین منور الدین کا کتب خانہ تھا۔ جو چالیس سال تک ملتانی ادب کی خدمت کرتا رہا۔

دُوسرے نمبر پر مولوی خدایار فیض احمد اور تیسرے نمبر پر حافظ نجم الدین تاجران وناشران کتب تھے، یہ صرف ملتانی زبان میں مذہبی لٹریچر شائع کرنے میں مشہُور تھے۔

علاوہ ازیں اندرون بوہڑ دروازہ مولوی خیر الدین صابر ملتانی کا بھی ایک اشاعتی ادارہ تھا جس سے علمی ادبی کتب شائع ہوتی تھیں۔ اُنہوں نے قرآن مجید کے پہلے پارہ کا ملتانی ترجمہ بھی شائع کیا تھا۔

چوک بازار میں بھی ایک کتب خانہ مولوی کاظم علی اصغر علی کا تھا یہ صرف اہلِ تشیع کا تھا۔اور شیعہ مذہب کا لٹریچر شائع کرنے میں شہرت رکھتا تھا ملتانی مرثیے بھی زیادہ تر یہی شائع کیا کرتے تھے۔

قیام پاکستان سے قبل بوہڑ دروازہ کے اندر کتب فروشوں کا بازار تھا۔ مگر پاکستان بننے کے بعد جب سے صدیقیہ کتب خانہ قائم ہوا ہے بوہڑ دروازہ کے باہر بھی مذہبی کتابوں کی منڈی بن گئی ہے۔ مگر قدیم دکانیں ابھی تک بوہڑ دروازہ کے اندر موجُود ہیں۔

Lahore.
6. 2. 1923.

مسٹر ہنری کریک ہوم سیکرٹری پنجاب کا خط

My dear Emerson,

You have doubtless noticed an announcement in the newspapers that Pandit Malaviya and M. Abul Kalam Azad intend to visit Multan this month with a view to the settlement of the Hindu-Moslem differences. Abul Kalam Azad is a dangerous man and bitterly anti-British. I enclose for your confidential information a short note on his career.

Yours sincerely,

H D Craik

To/

H.W. Emerson Esqr., C.B.E.,

Deputy Commr.

Multan.

-(S.A.Khan)-

تاریخی کارنامے

سرائے چہلیک

اسلامی دور میں رفاہِ عامہ کے جن کاموں کو اہمیت و فوقیت دی جاتی تھی، ان میں سے ایک اہم ترین کام جابجا خود کفیل سراؤں کا قیام تھا، تاکہ ہر مسافر قیام و آرام کر سکے۔

شیر شاہ سوری ہندوستان کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے پوری مملکت میں سڑکوں کا جال بچھایا۔ ہر سڑک پر دو، دو کوس کے فاصلے پر سرائیں بنوائیں، جو دو حصوں پر مشتمل ہوتی تھیں، ایک حصہ ہندوؤں کے لئے اور دوسرا حصہ مسلمانوں کیلئے مخصوص ہوتا تھا۔ ہر حصہ کیلئے الگ الگ باورچی مقرر تھے۔ ان سراؤں میں ہر مسافر ٹھہر سکتا تھا اور اسے سرکاری طور پر حسبِ حیثیت مفت کھانا اور بستر وغیرہ ملتا تھا۔ ہر سرائے کے درمیان کھلا میدان ہوتا تھا جس میں مسافر اپنے مویشی وغیرہ باندھتے تھے، اس کے علاوہ ان سراؤں میں ایک مسجد اور ایک کنواں ہوتا تھا۔ امام مسجد، مؤذن اور پانی کھینچنے والے سب کو سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملا کرتی تھی۔ اسی لئے پہلے زمانہ میں ہوٹلوں کا رواج نہ تھا۔ ہوٹلوں کی تجارت نے خدمتِ خلق کا یہ تصور بھی ختم کر دیا ہے۔

سرائے چہلیک (چہل بیک) اسی دور کی سرائے نمبر ۴۱ تھی۔ یہ اپنے عدد کیوجہ سے سرائے چہل یک مشہور ہو گئی۔ یہ سڑکِ روندہ از کچہری تالو ہاری دروازہ کے قریباً وسط میں بجانب شمال واقع ہے۔ یہ سرائے بڑی وسیع اور کشادہ تھی اس کے اندر چار دی

طرف بڑے وسیع مکانات بنے ہوئے تھے، درمیان میں کھلا میدان کنواں اور مسجد موجود تھی۔ مسجد کے ملحق کافی زمین وقف تھی، راقم جب ۱۹۳۵ء میں یہاں آ کر آباد ہوا تو اسی زمانہ میں اس مسجد اور اس کی ملحقہ اراضی پر گھوڑے باندھے جاتے تھے۔

راقم نے مسجد کا قبضہ حاصل کر کے اسے قابل استعمال بنایا۔ اس کے دونوں طرف مکان تعمیر کرائے اور یہ مسجد معہ جملہ جائیداد مدرسہ قاسم العلوم کے حوالے کر دی۔ تاکہ اس کی صحیح نگرانی ہو سکے اور جائیداد مسجد صحیح مصرف میں آئے، اس وقت یہ سرائے سابقہ شاہان کی متروکہ جائیداد کی وجہ سے سرکار انگریزی کے محکمۂ نزول کے قبضہ میں آ چکی تھی۔ انگریزوں کے آنے کے بعد ہندوؤں نے اس کے مکانات محکمۂ نزول سے خرید لئے کیونکہ ان مکانات میں شروع سے ان کے کابلی بیوپاری آ کر ٹھہرا کرتے تھے۔ اور یہاں سے مال تجارت افغانستان وغیرہ لے جاتے تھے۔

بعد ازاں ہندوؤں نے یہ مکانات مسلمانوں کے پاس بیچ دیئے اور سرکاری میدان محکمہ نزول نے نیلام عام میں فروخت کر دیا۔ یہ محلہ اب تک سرائے نمبر ۴۱ کی وجہ سے چہل یک ہی کہلاتا ہے اور یہ اکٹھا لکھا جاتا ہے کیونکہ چہلیک اکٹھا لکھنے سے زیادہ خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔ چہلیک کی پرانی مسجد ۱۲۸۱ھ میں سمندخان زکوری نے از سر نو تعمیر کرائی جس پر یہ کتبہ تا دم تحریر موجود ہے۔

چوں سمندخاں زکوری بہر رضائے حق
کرد مسجد خوش بنا آراستہ در چہل یک
سال تاریخش در آوردم بہ ذی الحج در شمار
بعد ہجرت یکہزار و دو صد و ہشتاد و یک

رسالہ نمبر ۱۵

انگریزی فوج میں پٹھانوں کا ایک رسالہ نمبر ۱۵ بھی فوجی خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ اس میں زیادہ تر ملتان کے اور کچھ ڈیرہ اسمٰعیل خان میانوالی اور بہاولپور کے پٹھان شامل تھے پہلی جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء میں رسالہ نمبر ۱۵ کو فرانس کے محاذ پر بھیج دیا گیا۔ جو وہاں ڈیڑھ سال تک کارہائے نمایاں انجام دیتا رہا۔ مگر وہاں کی آب وہوا اُسے راس نہ آئی۔ جس پر اُسے فرانس سے مشرقِ وسطیٰ میں بمقام بصرہ بھیج دیا گیا۔ جہاں اسکو مقاماتِ مقدسہ پر مسلمانوں اور خصوصاً ترکوں کے خلاف لڑانے کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ اس امر کی خبر جب کیمپ میں پہنچی تو اس رسالہ میں موجود چھ سو فوجیوں نے بذریعہ تحریری درخواست اپنے مسلمان بھائیوں کے سینے اپنی گولیوں سے چھلنی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس انکار کی بنا پر اس رسالہ کا فوراً کورٹ مارشل کیا گیا۔ اور حسبِ منصب و مرتبہ ان غیور فوجیوں کو سات سال سے عمر قید تک کی سزا دے کر کالا پانی یعنی جزائر انڈیمان بھیج دیا گیا۔ ان کی سزا معاف کرانے کے لئے کافی تگ و دو ہوئی۔ تب جا کر ۱۴ ماہ بعد ان کو رہائی ملی۔

اس کے بعد انگریزوں نے ملتان کے پٹھانوں کو حتی الوسع فوج میں بھرتی کرنے سے احتراز کیا۔ اور ریکروٹنگ آفیسرز کی رہنمائی کے لئے جو کتاب Pathan in the British Army کے نام سے شائع کی۔ اس میں ملتانی پٹھانوں کا الگ باب باندھا۔

وکٹوریہ سرائے

عہدِ انگریزی میں ملتان میں پہلی سرائے قائم کرنے کا سہرا اسیٹھ سید خدا بخش بخاری کے سر رہا جنہوں نے ملتان شہر کے سٹیشن کے قریب مسافروں کے لئے ایک سرائے بنوائی تھی۔ دوسری سرائے ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان نے ملکہ وکٹوریہ کے جشن کی یاد میں ۱۹۰۴ء میں سٹرک روندہ از حسین آگاہی تا دولت گیٹ پر بجانب جنوب عوامی چندہ سے تعمیر کرائی۔ اس کے لئے اراضی تخمانیہ موازی ۱۱۰۰ مربعہ گز بروئے چٹھی نمبر ۲-۳۴۸-۱۹۵۹ مورخہ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۰۳ء منجانب سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا بنام فنانشل سیکرٹری گورنمنٹ پنجاب وکٹوریہ میموریل کمیٹی ملتان کو تحفتہً مفت عطا کی گئی۔ اس پر دو منزلہ عمارت تعمیر کی گئی۔ اوپر نیچے بہت سے کمرے تھے۔ سٹرک کی جانب دکانیں تھیں جن میں مسافروں کی ضرورت کی ہر چیز مل جاتی تھی۔ مسافروں یا باہر سے آنے والوں کے لئے بڑی آرام دہ جگہ تھی۔ یہ سرائے ۵۰ سال تک ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کے قبضہ میں رہی اور باہر سے آنیوالے لوگ اس سے استفادہ کرتے رہے۔ ۱۹۵۹ء کے اوائل میں صحیح نگہداشت نہ ہونے کی وجہ سے یہ گر گئی۔ جس کے ملبہ کو مئی ۱۹۵۹ء میں -/۱۶۰۰ میں نیلام کر دیا گیا تب سے یہ زمین تا دمِ تحریر خالی پڑی ہے اور ساڑھے بارہ سال سے اس سے کوئی مفید کام نہیں لیا گیا۔

سنٹرل کواپریٹو بنک

عہدِ انگلشیہ میں ہندوؤں کا سُودی کاروبار عروج پر تھا۔ جن کے زیادہ دیہی مسلمان شکار تھے۔ ان کو ہندوؤں کے سُودی شکنجوں سے آزاد کرانے کے لئے حکومتِ پنجاب نے محکمہ امدادِ باہمی قائم کیا۔ اس کے تحت قائم ہونے والی انجمنوں کو سنٹرل کواپریٹو بنک زرعی ضروریات کیلئے قرض دیتا جو حسبِ ضرورت اپنے ممبران کو روپیہ تقسیم کر دیتیں۔ اور آسان قسطوں میں اُن سے واپس لیتیں۔

دی ملتان سنٹرل کواپریٹو بنک لمیٹڈ بھی اسی ضرورت کے تحت ۱۹۲۶ء میں قائم ہوا۔ اس کے مقاصد میں دوسرے بنکوں کی طرح صرف سرمایہ داری کو فروغ دینا ہی نہیں تھا بلکہ متوسط طبقہ کا شتکاروں اور زمینداروں کی خدمت کرنا بھی شامل تھا۔ بسا اوقات عوامی، سماجی اور ثقافتی تنظیموں اور اداروں کو بھی یہ مالی امداد دیتا۔

اِس بنک نے اپنا کاروبار ۱۱۲/-، ۳۶، ۳ روپیہ سے شروع کیا۔ جبکہ حسن کارکردگی کی بدولت ۱۹۷۱ء کے آخر میں اس کا سرمایہ ۴۸۹، ۴۰، ۸۹، ۱ تک پہنچ گیا۔ اِس کی ۴۸۵ انجمنیں مقروض ہیں۔ ممبر انجمن کو بنک ۲۲۵/-، ۵۵، ۶۵ روپے قرضہ دے چکا ہے۔ آٹھ فی صد منافع یہ اپنے حصہ داران میں تقسیم کرتا ہے۔ اِس کے شخصی ممبران کی تعداد ۳۳۲ ہے۔ ہیڈ آفس کے علاوہ اِس بنک کی ۹ شاخیں ملتان چھاؤنی، پاک گیٹ، چک نمبر ۵ فیض، شجاع آباد، عبدالحکیم، کبیر والہ، قادر پور راں، مخدوم پور پہوڑاں اور ٹیکسٹائل ملز خانیوال کہنہ میں کام کر رہی ہیں۔ جن میں ۴۸

آفیسر اور ۴۰ ملازم کام کرتے تھے۔

اِس بنک کا نظم و نسق بورڈ آف ڈائریکٹرز کے ہاتھ میں ہے محکمانہ کنٹرول رجسٹرار محکمہ امداد باہمی کے پاس ہے۔ روزمرہ کے فرائض ۱۹۵۵ء سے موجودہ منیجر میاں افتخار احمد اور سیکرٹری پیر خورشید احمد قریشی سرانجام دے رہے ہیں۔ ۱۹۷۱ء سے پہلے اِس کا صدر ڈپٹی کمشنر ہوا کرتا تھا جو اب صدارت کے منصب سے ہٹا دیا گیا ہے تاکہ یہ سرکاری اثر و رسوخ سے آزاد ہو کر خود ترقی کی منازل طے کرے۔

اِس بنک کی کارکردگی کی شاہکار وہ عظیم بلڈنگ ہے۔ جو اِس بنک نے ۲۵ لاکھ روپے کی لاگت سے تیار کرائی ہے۔ اِس میں ایک سینما، ایک عظیم ہوٹل اور کئی اہم کاروباری کمپنیوں کے دفتر ہیں۔ جن میں سے ہزاروں روپے کی آمدنی ہوتی ہے۔ اِس بلڈنگ سے شہر کی خوبصورتی اور رونق میں بڑا اضافہ ہوا ہے۔

۳۰ جون ۱۹۷۱ء تک بنک کا ادا شدہ سرمایہ ۵ لاکھ، فنڈز ۳۲ لاکھ، امانت ہائے ۱۴۰ لاکھ اور سرمایہ زر کار ۱۸۹ لاکھ تھا۔ ضلع ملتان کے تمام سرکاری خزانوں کا ٹھیکہ بھی اسی بنک کے پاس ہے۔ اِس بنک کی انتظامیہ میں اس کی مقروض انجمنوں کے نمائندے بھی شامل ہوتے ہیں۔

انجمن فدایانِ اسلام

فدایان کی ایک فوج حشیشی جنت کے بانی حسن بن صباح نے تیار کی تھی۔ جس کا کام دنیا کے نامور علمائے حق کو ٹھکانے لگانا تھا۔ فدایان کی دُوسری فوج ملتان کے بے تاج بادشاہ سید زین العابدین شاہ گیلانی نے ۱۹۳۰ء میں تیار کی۔ جس کا مقصد مسلمانوں کو ہندوؤں کے ظلم وستم سے بچانا تھا۔ اس فدائی سردار کے باقاعدہ وزیر تھے، فوج تھی۔ ملتان میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ گو یہ سردار عبدالرب نشتر کے مقابلے میں دُبلے پتلے تھے مگر ان کا قد اور مونچھیں ان کی طرح لمبی تھیں۔ جس طرح نشتر مرحوم کے مونچھوں پر تاؤ دینے سے ۱۹۴۷ء میں وزیر داخلہ مسٹر پٹیل کی رُوح پھڑپھڑانے لگتی تھی، اسی طرح جب فدائیوں کا یہ سردار بازاروں سے اپنی فوج ظفر موج کیساتھ مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا گزرتا تھا تو ہندو کانپ اُٹھتے تھے۔ یہ غریبوں کی جماعت تھی۔ مرنے مارنے سے نہ ڈرتی تھی۔ جہاں بھی ہندو ذرا شرارت کرتا تھا یہ وہاں پہنچ کر جھنڈے گاڑ دیتی اور اس وقت تک وہاں سے نہ ہٹتی۔ جب تک کہ اپنی بات منوا نہ لیتی، حالانکہ اسے ملتان کے امراء و رؤسا یا اکابرین کی حمایت و سرپرستی حاصل نہ تھی۔ مگر اس حقیقت سے بھی وہ انکار نہ کرتے تھے کہ اس مکار اور عیار قوم کا جواب یہی جماعت ہی ہو سکتی ہے۔

اِس جماعت کی بنیاد ہی ہندوؤں کو مسلم آزاری اور مسلم کشی سے باز رکھنے کے لئے ۱۹۳۱ء میں رکھی گئی۔ اُس وقت تک مسلم خوابیدہ میں ابھی سیاسی شعور اور عسکری

صلاحیت پیدا نہ ہوئی تھی۔ اِس انجمن کو معرضِ وجود میں آئے ہوئے ابھی ڈ وڑھائی ماہ گزرے تھے کہ موسمِ بہار میں فتنہ پرور ہندوؤں نے پاک دروازہ کے اندر مسجد پیپل والی کے دروازہ پر ایک مندر بنا ڈالا۔ اِس انجمن کے کارپرداز خبر ملتے ہی پہنچ گئے۔ اور اسوقت تک وہاں سے نہ ہٹے جب تک کہ ہندوؤں نے خود اپنے ہاتھوں سے وہ تو تعمیر مندر مسمار نہ کر دیا۔ اس کے بعد اسی انجمن نے شہر میں یہ کامیاب تحریک چلائی کہ مسلم مستورات مردوں کے بغیر اکیلی بازاروں میں نہ جائیں کیونکہ ہندو غنڈہ عنصر ان سے چھیڑ چھاڑ کرتا تھا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد مغلپورہ کالج لاہو کے ایک انگریز پرنسپل نے مسلمان طلباء سے نہایت توہین آمیز سلوک کیا۔ اور وہاں سخت ہیجان پیدا ہوگیا۔ اس کا گھراؤ کرنے کے لئے فدایانِ اسلام کا ایک دستہ فوراً ملتان سے لاہور پہنچ گیا۔ معاملہ نے طول کھینچا۔ مگر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ بعد میں جب کشمیر کی وادیوں میں طبلِ جنگ بجا تو ملتان سے پانچ سو فدائیوں کا ایک جیش مارچ کرتا ہوا وہاں پہنچا۔ اور کامیاب واپس لوٹا۔ شہر کے مختلف گوشوں میں ہندوؤں نے مسلمانوں کی مسجدوں، مزاروں اور گورستان پر ناجائز قبضہ کرنے اور وہاں مندر وغیرہ بنانے کی شرارتیں شروع کر دیں۔ اس انجمن کے فدائیوں نے ہر محاذ پر ان سے اپنی زمینیں واگزار کرائیں۔ کانپور کی مسجد کے واقعہ کے بعد دوسرا بڑا مورچہ ملتان میں بیرون بوہڑ دروازہ نالہ ولی محمد کی پٹری پر واقعہ ایک مسجد کے انہدام کے سلسلہ میں لگا جو اس جماعت نے جیتا۔ ۱۹ ؍جون ۱۹۳۲ء کو جب ڈیرہ سینا دل، سیوادل، گاندھی دل، کانگرس دل اور مہا سبھا دل نے اسلامی ریاست بہاولپور کے خلاف محاذ قائم کرکے وہاں مارچ کرنا چاہا تو اس جماعت نے ان کے ارادے خاک میں ملا دیئے۔

انگریزی اثرات

انگریزی دور میں پہلی دفعہ برِعظیم ہند و پاک ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک ایک ہی حکومت کے تحت آیا۔ سیاسی وحدت کے ساتھ انگریزی زبان نے بھی لسانی وحدت قائم کی جس کی بدولت مختلف زبانیں بولنے والے ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھنے لگے۔ اس عہد میں رسل و رسائل اور آبپاشی کے وسائل نے بڑی ترقی کی اور سارے ملک میں سڑکوں، ریلوں، نہروں، تاروں، ٹیلیفونوں کے جال بچھ گئے اور ڈاک کا نظام قائم ہو گیا۔ مغربی تہذیب و تمدن، علوم و افکار اور لادینی تعلیم نے علمی، فکری، مذہبی اور معاشرتی انقلاب برپا کیا۔ مشنری سکولوں نے بچوں کو عیسائیت سے مانوس اور اسلام سے بیزار کر دیا۔ کالجوں کی تعلیم نے نئی نسل کو مغربی سانچے میں ڈھالا اور جو کالجوں کی مسموم آب و ہوا سے بچے رہے انہوں نے آخر تک انگریزی تہذیب و تمدن کو قبول نہ کیا بلکہ دیہاتی آبادی نے تو جدید وسائل سے بھی استفادہ کو گناہ سمجھا۔ اسی لئے ملتان کے نہری علاقوں میں باہر سے آدمی لا کر بسائے گئے جو اب تک آبادکار کہلاتے ہیں۔ انگریزوں نے ہماری صنعت و حرفت کو تباہ کر کے اس برِعظیم کو اپنے مال کی منڈی بنایا اور نسلِ نو کو ایسی تعلیم دی کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی بجائے نوکر اور غلام بننے کو ترجیح دینے لگی۔

انگریزی دور میں مذہبی آزادی اور عیسائیت کی سرپرستی کی وجہ سے ہندوؤں میں برہمو سماج، پرارتھنا سماج، دیو سماج، آریہ سماج ایسے فرقوں کا اضافہ ہوا۔ اور

اسلام میں جدید علم الکلام، قادیانیت، پرویزیت کی بنیاد پڑی۔ اُردو ادب حسن و عشق کے دائرے سے نکل کر سیاسی، ملکی، اخلاقی اور تاریخی میدان میں جولانیاں دکھانے لگا۔ شاعری نے بھی اپنے رنگ ڈھنگ بدلے، نئی طرحیں ڈالیں، نئے موضوعات تلاش کئے، تنقیدی ادب کی بنیاد پڑی۔ سیاسی شعور پیدا ہوا۔ اور ہندو مسلمان اپنے اپنے حقوق کے لئے جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔ بعض گوشوں سے احیاء الاسلام کیلئے بھی کوششیں شروع ہوئیں جو مطالبہ پاکستان پر منتج ہوئیں۔

برطانوی عہد میں گو ہم انگریزوں کے محکوم اور غلام تھے۔ مگر زندگی بسر کرنے میں آزاد تھے۔ قانون کی حکومت تھی ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل تھی۔ اندرونی تجارت پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ قدم قدم پر پرمٹوں اور لائسنسوں کی ضرورت نہ تھی۔ ہر طرف امن و امان تھا کسی کو غنڈہ گردی کی جرأت نہ تھی۔ کبھی ریل گاڑیاں ٹرک اور بسیں نہ لوٹی گئیں۔ راہ چلتی عورتوں کی طرف کسی کو نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ بدکاری، بدقماشی، بدمعاشی اور بدکرداری کا دور دورہ نہ تھا۔ نہ رشوت خوری کا زور تھا نہ اقربا پروری اور نہ راتوں رات امیر بننے کا خبط تھا نہ انصاف بکتا تھا۔ نہ سفارش چلتی تھی نہ افسر خریدے جاتے تھے نہ لال پری ہر جگہ جلوہ فگن نظر آتی تھی، ہر شخص سکون و اطمینان اور صبر و قناعت سے زندگی بسر کرتا تھا۔ زندگی کے ہر امتحان میں اہلیت صلاحیت اور قابلیت کو اولیت حاصل تھی۔ ناجائز منافع خوری، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، سمگلنگ اور بلیک مارکیٹ کا رواج عام نہ تھا۔ غرض کہ جو آرام و اطمینان دورِ غلامی میسر آیا، وہ عہدِ آزادی میں نصیب نہ ہو سکا۔

ملتان سنٹرل کوآپریٹو بنک بلڈنگ
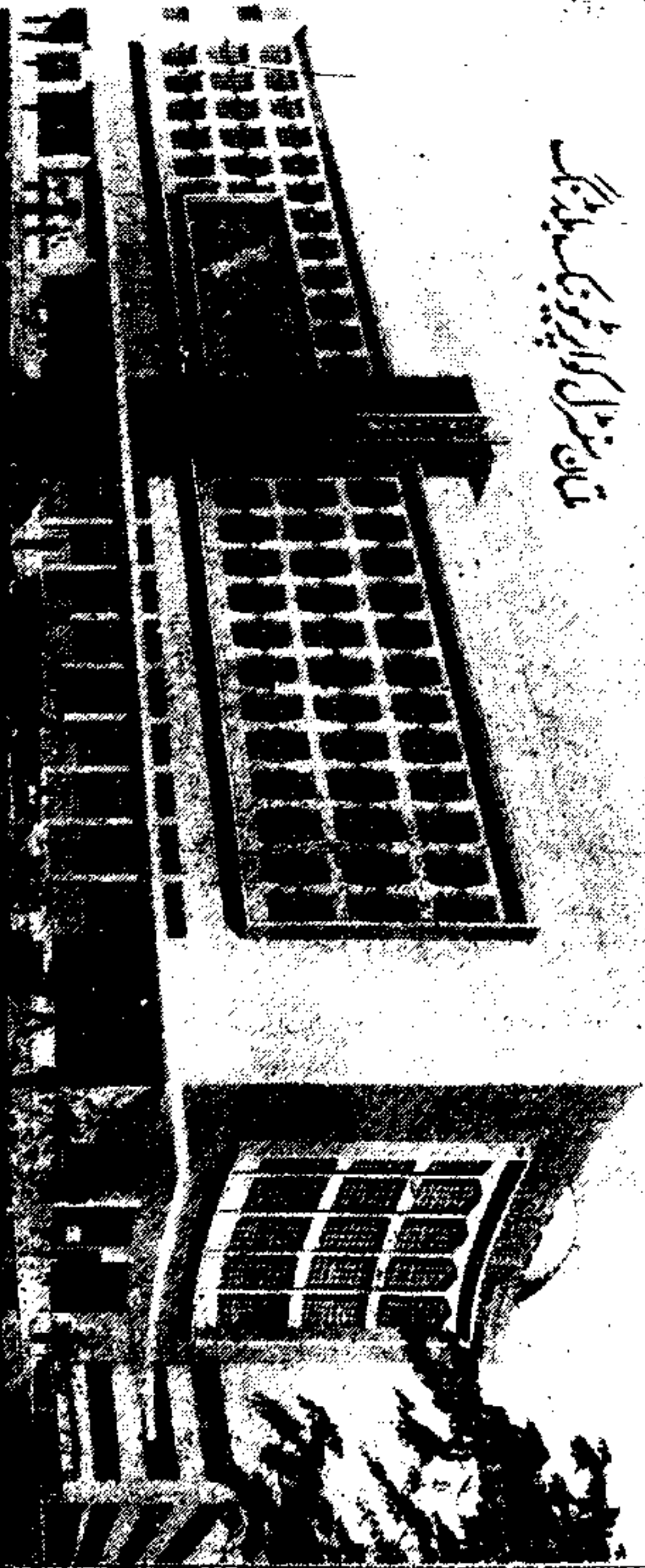
پاکستانی دور

غوری کا مطالبۂ پاکستان

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ اپنوں کی غداری اور آپس کے اختلاف کی وجہ سے کفار کے مقابلہ میں شکست ہوتی۔ سقوطِ ترائن، سقوطِ بغداد اور سقوطِ ڈھاکہ اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ ترائن کے میدان میں سلطان محمد غوری کو خلجیوں اور افغان امراء کی غداری کی بدولت جس شکست کا سامنا ہوا اس کا اس پر جو اثر ہوا اس کے متعلق خود اس کا بیان مورخ فرشتہ نے یوں نقل کیا ہے:۔

"جب (دوسرے سال سلطان محمد غوری) کا عظیم الشان لشکر پشاور کے قریب پہنچا تو ایک بوڑھے امیر نے جسے بادشاہ کی خدمت میں اثر و رسوخ حاصل تھا۔ یہ درخواست کی کہ اب تک آپ کے جانثاروں کو یہ علم نہیں ہو سکا کہ جہاں پناہ کا ارادہ کیا ہے اور کس دشمن کی تباہی و بربادی کے لئے اتنے عظیم الشان لشکر کے ساتھ سفر کی زحمت گوارا فرمائی"۔ شہاب الدین نے جواب دیا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ جس دن سے میں نے ہندوؤں سے شکست کھائی ہے۔ اُس دن سے میں نے اپنی بیوی کا مُنہ نہیں دیکھا اور نہ ہی لباس تبدیل کیا ہے۔ یہ سارا سال میں نے انتہائی رنج و غم میں بسر کیا ہے۔ جن خلجی اور غوری امیروں نے میرے حقوقِ خدمت کو نظر انداز کر کے مجھے تنہا میدانِ جنگ میں چھوڑا تھا میں نے اُن سے سلام دعا تک روا نہیں رکھی۔ ان نمک حراموں سے مجھے کوئی امید نہیں ہے لیکن خداوند تعالےٰ کے بھروسہ پر میں اس لشکر کو لے کر ہندوستان پر حملہ کرنے جا رہا ہوں"۔

سلطان محمد غوری جب دوبارہ ترائن کے میدان میں خیمہ زن ہوا تو ہندو راجوں نے محمد غوری کو لکھا کہ:-

"ہم ہندو راجاؤں کے لشکر کی اہمیت تو تمہیں معلوم ہو ہی گئی ہوگی ہمارے ساتھ جس قدر لشکر ہے وہ تمہیں اور تمہاری فوج کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہے اور ابھی مختلف افواج کی آمد جاری ہے جن کے قدموں سے زمین کا سینہ کانپ رہا ہے۔ اگر تمہیں جان عزیز ہے تو اپنے سپاہیوں کی غربت پر رحم کھاؤ اور واپس چلے جاؤ۔ ورنہ ہماری سپاہ میدانِ جنگ کو میدانِ حشر کا نمونہ بنا دے گی۔"

ہندو راجاؤں کا یہ پیغام وصول کرنے کے بعد سلطان محمد غوری نے سوچا کہ مسلمانوں کا ہندوستان میں ہندوؤں سے نبھانہ ہو سکے گا۔ اس لئے اس نے آئے دن کے جھگڑوں کو نپٹانے کے لئے ۱۱۹۲ء میں ہندوؤں کو جواب لکھا کہ ہم تمہارے ساتھ اس بات پر صلح کرتے ہیں کہ سرہند پنجاب اور ملتان کے علاقے ہمیں دے دو۔ اور باقی ہندوستان تم خود رکھو۔ اس کے لئے سلطان محمد غوری نے جو الفاظ استعمال کئے وہ یہ تھے:-

باشما صلح کنیم کہ سرہند و پنجاب و ملتان با ما باشد و باقی
ممالک ہندوستان از شما (فرشتہ ص۱۰۱)

اس طرح سب سے پہلے سلطان محمد غوری نے پاکستان بننے سے قریباً ساڑھے سات سو سال پہلے پاکستان کا مطالبہ کیا۔ جسے ہندو راجاؤں نے مسلمانوں کی کمزوری پر محمول کر کے مسترد کر دیا۔ اس کے بعد طبل جنگ بجا اور ہندوؤں نے محمد غوری کے ہاتھوں شکست فاش کھائی۔ جس کے بعد سلطان محمد غوری نے ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی

بنیاد رکھی

تحریکِ پاکستان

سلطان محمد غوری نے اپنی بصیرت و فراست سے ہندو طینت و ذہنیت کا جو اندازہ لگایا تھا وہ بالکل صحیح نکلا اور سیواجی مرہٹہ کے وقت سے مسلم کش تحریکوں نے سر اُٹھانا شروع کر دیا۔ ہندوستان سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے اور یہاں رام راجیہ قائم کرنے کے لئے کانگرس کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۸۹۵ء میں مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کے لئے پونا میں باقاعدہ ایک انجمن قائم ہوئی جس کی کارروائی کانگرسی لیڈر تلک جی مہاراج کے اخبار کیسری میں شائع ہوئی۔ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ۱۹۲۵ء میں راشٹریہ سیوک سنگھ قائم ہوا۔ اس نے ہندوؤں کو مسلمانوں کے خاتمہ کیلئے لاٹھیوں، برچھیوں اور تلواروں سے لڑنے کی باقاعدہ تربیت دی۔ چونکہ سب مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتارنا ممکن نہ تھا اس لئے متبادل پروگرام یہ بنایا گیا کہ مسلمانوں کو شدھ یعنی ہندو بنایا جائے اس کے بعد افغانستان اور مشرقی افریقہ پر قبضہ جمایا جائے۔ یہ منصوبہ ۱۳ جون ۱۹۲۵ء کو روزنامہ ملاپ لاہور نے شائع کیا جس پر سوامی دیانند نے شدھی کی تحریک چلائی جسے ہندو پریس نے خوب ہوا دی۔ ۱۹۲۶ء میں دہلی میں سوراج یعنی آزادی کے لئے ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا گیا اور اتحاد کی صورت یہ پیش کی گئی کہ مسلمان ہندو بن کر اتحاد کا ثبوت دیں۔

۱۹۲۷ء میں سب سے پہلے روزنامہ پرتاپ نے مسلمانوں کو پاکستان کا تصور دیا۔ ۲۰ اگست کی اشاعت میں لکھا کہ "اگر شدھی کی تحریک کو کامیاب نہ بنایا گیا تو ایک

دن کوئی ہندو ہندوستان میں نہیں ملے گا اور ہندوستان مسلم استھان یا عیسائی استھان بن جائے گا"۔ چنانچہ مسلمانوں کو بہ جبر ہندو بنانے کے لئے گائے کشی کی آڑ لے کر یہ اعلان کیا گیا کہ گنور کھشا کے لئے اگر تم ایک گائے کی جان بچانے کے لئے کراچی سے لے کر مکہ تک کے تمام مسلمانوں کو ختم کردو تو تھوڑا ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ کرکے اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ تاکہ بہ مجبور ہو کر اسلام سے منحرف ہو جائیں اور خود بخود ہندو بن جائیں۔

جون ۱۹۲۸ء میں مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی نے اس "مسلم استھان" کے لئے اسلامی آئین کا خاکہ تیار کیا جو ان الفاظ میں مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر صدق جدید کے سامنے پیش کیا کہ "سارے قوانین تعزیرات وغیرہ کا اجراء احکامِ شریعت کے مطابق ہو۔ بیت المال ہو۔ نظام زکوٰۃ ہو۔ شرعی عدالتیں قائم ہوں"۔

ستمبر ۱۹۳۰ء میں لندن میں چند نوجوانوں نے شمالی ہند کے ایک حصہ کو ہندوستان سے الگ کرنے کی تجویز پیش کی۔ جس کا چوہدری رحمت علی نے پاکستان نام رکھا۔

۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو علامہ اقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الٰہ آباد میں مذکورہ بالا تجویز کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کے لئے ہندوستان میں ایک علیحدہ منظم اسلامی ریاست قائم کی جائے"۔ اسے عملی جامہ پہنانے کیلئے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو یادگار پاکستان کے تاریخی میدان میں ایک قرارداد کے ذریعے باقاعدہ مطالبہ کیا گیا اور اسے عملی جامہ پہنانے کیلئے مہم شروع کرنے کا فیصلہ ہوا جس کی انگریزوں ہندوؤں احراریوں کانگرسی اور نیشنلسٹ مسلمانوں نے شدید مخالفت کی۔ آخر قائد اعظم کی کوشش سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آگیا۔

مہاجرین کی آمد

تقسیم ہند سے قبل ملازمت اور تجارت کے میدان ہندوؤں کے ہاتھ میں تھے ملتان کی صنعت و حرفت پر بھی وہی مسلط تھے دیہاتوں میں بھی وہی مسلمانوں کا خون چوسنے کے لئے پھیلے ہوئے تھے۔ انگریزی راج میں مسلمانوں کو ان کی دست برد سے بچانے کے لئے متعدد قوانین نافذ کئے گئے جن کو وہ اپنے ہتھکنڈوں سے ناکام بناتے رہے اور مسلمانوں کو برابر ستاتے رہے۔ تحریک پاکستان کے دوران وہ اعلانیہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے چلے جانے کے بعد آپ کا اقتصادی اور معاشی مستقبل تاریک ہو جائیگا۔ آپ یہاں کے صنعتی اور تجارتی میدان کو سنبھال سکیں گے۔

پاکستان بننے کے بعد حق تعالٰی نے جن مہاجرین کو ہندوؤں کی دست برد سے بچا کر یہاں بھیجا۔ اور جن کو زندگی کی آزمائشوں میں دوبارہ ڈالا گیا۔ وہ سب پاکستان میں قریباً قریباً خالی ہاتھ آئے۔ کیونکہ ان کا سب کچھ ہندوؤں اور سکھوں نے چھین لیا تھا۔ ملتان کے حصہ میں روہتک، حصار کے مہاجرین بکثرت آئے۔ یہاں سے جانے والے ہندوؤں کے مقابلہ میں وہ چار گنا آئے اور سارے ضلع میں پھیل گئے۔

ملتان میں وارد ہونے والے مہاجرین کی اکثریت کے آبائی پیشے یہاں سے جانے والے ہندوؤں کے پیشیوں سے گو مختلف تھے۔ مگر انہوں نے آتے ہی ہندوؤں کا سارا کاروبار سنبھالا اور بہت جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر اس خلا کو پر کر دیا جو ہندوؤں کے جانے سے پیدا ہو گیا تھا اور جس کے پر ہونے کی بہت کم توقع تھی۔

مہاجرین نے یہاں آنے کے بعد صرف تجارت کی باگ ڈور ہی نہ سنبھالی صنعت وحرفت کے میدان میں بھی سبقت حاصل کی اور ملتان میں بڑی بڑی صنعتیں قائم کیں۔ علمی ادبی سرگرمیوں میں اضافہ کیا۔ نئے نئے تعلیمی ادارے قائم کئے۔ زرعی پیداوار بڑھانے میں سرگرمی دکھلائی۔ زندگی کے ہر میدان میں مقامی باشندوں کا انہیں پورا پورا تعاون حاصل رہا۔ یہ بہت جلد آپس میں گھل مل گئے اور جدید ملتان کی تعمیر و ترقی میں انہوں نے بھرپور حصہ لیا۔ کیونکہ اب یہی ان کا وطن بن چکا تھا۔

اس دور آزمائش میں کوئی بھی پورا نہ اترا مقامی اور مہاجر سب اس مقصد کو بھول گئے جس کے لئے پاکستان طلب کیا گیا تھا یا بنایا گیا تھا۔ حرص و ہوس اور خود غرضی کی کچھ ایسی ہوا چلی کہ ذاتی مفاد قومی مفاد پر غالب آگیا۔ ہر دماغ میں امیر بننے کا خبط سما گیا۔ انا کی اور بےراہ روی عام ہوگئی۔ سیرت و کردار کے سانچے بدل گئے۔ ہم سب اس وعدہ کو بھول گئے جس کی ضمانت پر ہمیں پاکستان ملا تھا۔ جس کی وجہ سے پاکستان گوناگوں مصائب و مشکلات میں مبتلا ہوگیا۔ قدرت نے ہماری نافرمانیوں کی بدولت نصف پاکستان ہم سے چھین لیا۔ اور باقی نصف کے مستقبل کا خدا ہی حافظ ہے۔

رقبہ و آبادی

پاکستان بننے کے بعد اب تک صرف ۱۹۵۱ء اور ۱۹۶۱ء میں مردم شماری ہوئی ہے ۱۹۷۱ء میں ہونے والی مردم شماری ملکی بحران کی وجہ سے ملتوی کر دی گئی پہلی دو مردم شماریوں کی رُو سے ملتان کے جو اعداد و شمار اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ اِن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

رقبہ

ضلع ملتان ۵۶۳۰ مربعہ میل شہر ملتان ۱۳ مربعہ میل

۱۹۶۱ء میں تحصیل وار رقبہ ایکڑوں میں

ملتان	۴۹۷۱۳۶	خانیوال	۶۲۸۷۶۷
کبیر والہ	۴۲۸۱۹۸	لودھراں	۶۹۱۱۱۵
شجاعباد	۴۳۸۷۳۱	دہاڑی	۵۱۵۱۱
میلسی	۴۰۴۴۸۲		

آبادی

سال	۱۹۵۱	۱۹۶۱
کل آبادی ضلع	۲۱۰۸۰۰۰	۲۷۰۲۰۰۰
کل شہری آبادی	۳۴۱۰۰۰	۵۷۷۰۰۰
کل دیہی آبادی	۱۷۶۶۰۰۰	۱۸۹۵۰۰۰
کل آبادی شہر		۳۴۰۰۰۰

تحصیل وار آبادی ۱۹۶۱ء میں

ملتان	۷۲۰۵۶۹	خانیوال	۴۶۳۱۰۸
کبیروالہ	۴۲۸۱۹۸	لودھراں	۳۶۳۳۰۲
شجاع آباد	۲۶۲۷۸۳	وہاڑی	۳۵۴۲۱۱

میلسی ۲۲۵۷۶۷

آبادی فی مربع میل

	۱۹۵۱	۱۹۶۱
ضلع ملتان	۳۷۴	۴۸۰
شہر ملتان	-	۲۷۵۵۴

عورتیں بمقابلہ فی ہزار مرد

۱۹۵۱	۱۹۶۱
۸۶۹	۸۶۱

ہر سال ملتان میں تقریباً ساٹھ ہزار کی آبادی کا اضافہ ہو رہا ہے۔

تھانے

۳۱ دسمبر ۱۹۶۲ء کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۶۱ میں ضلع ملتان میں کل تھانے ۴۲ تھے۔

ہر تھانے کے زیر انتظام ۲۳۵ مربعہ میل رقبہ اور ۰۰ ۱۱۳۰ کی آبادی تھی۔

کمیٹیاں

ضلع ملتان میں چار میونسپل کمیٹیاں، دس ٹاؤن کمیٹیاں اور ۲۲۵۵ دیہات ہیں۔

درجۂ حرارت

ملتان میں سنہ ۱۹۵۱ء سے لے کر سنہ ۱۹۶۲ء تک کے عرصہ میں درجۂ حرارت درج ذیل رہا۔

نام مہینہ	کم سے کم	زیادہ سے زیادہ
جنوری	۴۲ – ۴۹	۶۵ – ۷۲
فروری	۴۶ – ۵۲	۷۰ – ۸۲
مارچ	۵۷ – ۶۳	۸۰ – ۹۳
اپریل	۶۳ – ۷۵	۹۰ – ۱۰۳
مئی	۷۱ – ۸۱	۹۹ – ۱۱۳
جون	۷۹ – ۸۷	۱۰۶ – ۱۱۱
جولائی	۸۲ – ۸۷	۹۹ – ۱۰۷
اگست	۸۰ – ۸۶	۹۷ – ۱۰۴
ستمبر	۷۸ – ۸۲	۹۷ – ۱۰۳
اکتوبر	۶۴ – ۷۳	۹۱ – ۱۰۱
نومبر	۵۲ – ۵۷	۸۰ – ۸۶
دسمبر	۴۳ – ۵۰	۶۹ – ۷۷

بارانِ رحمت

ملتان گرم اور خشک علاقہ ہے، اس میں دوسرے شہروں کی نسبت بہت کم بارش ہوتی ہے اور پرانا شہر ہونے کی وجہ سے اس کی قدیم عمارات زیادہ بارش کی متحمل بھی نہیں ہو سکتیں۔ گورنمنٹ مغربی پاکستان کے شائع کردہ گوشواروں کے مطابق سہ سالہ رپورٹ بارانِ رحمت درج ذیل ہے۔

نام مہینہ	۱۹۶۵-۶۶	۱۹۶۶-۶۷	۱۹۶۷-۶۸
جولائی سنہ ۱۹۶۵ء	۲٫۰۷	۱٫۵۸	۱٫۹۱
اگست 〃	۱٫۱۸	۰٫۳۴	۳٫۱۸
ستمبر 〃	۰٫۰۱	۱٫۰۴	۰٫۰۵
اکتوبر 〃	۰٫۰۹	-	۰٫۱۸
نومبر 〃	-	-	۰٫۰۶
دسمبر 〃	-	-	۱٫۹۸
جنوری سنہ ۱۹۶۶ء	-	-	۰٫۴۵
فروری 〃	۱٫--	۰٫۰۵	۰٫۸۳
مارچ 〃	۰٫۱۷	۲٫۱۴	۰٫۳۲
اپریل 〃	۲٫۰۲	۰٫۰۵	-
مئی 〃	-	-	۰٫۰۸
جون 〃	۱٫۱	۰٫۸۳	۰٫۱۲

کالج	۱۴	۶۵۰۹	۳۲۵	۲۳۱۸۰۰۰ روپے

ہر دور میں اربابِ اقتدار نے عوام کی جہالت سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ اِسلئے صدر ایوب ذاتی طور پر اعلیٰ طبقہ تک تعلیم کو محدود رکھنے کے آرزومند تھے۔ اِسکے باوجود اس کے دس سالہ دور میں اُس کے قائم کردہ بنیادی جمہوری نظام کی بدولت تعلیمی اداروں کی تعداد دُگنی ہوگئی جیسا کہ نقشہ ذیل سے ظاہر ہے۔

ڈسٹرکٹ کونسل ملتان کے سکول

سال	مکتب	پرائمری	مڈل	ہائی	کالج	کل سکول	کل طلباء
۱۹۵۸	-	۶۶۰	۵۲	۳۹	۴	۷۵۵	۹۹۹۷۶
۱۹۶۸	۱۵۵	۱۲۱۷	۱۰۳	۶۱	۸	۱۵۴۴	۲۱۹۲۸۳

میونسپل کمیٹی ملتان کے سکول

سال	مردانہ پرائمری	زنانہ پرائمری	مردانہ مڈل	زنانہ مڈل	مردانہ ہائی	کل سکول	کل طلباء
۱۹۵۸	۲۳	۲۰	۲	۱	۱	۴۷	۸۰۰۰۰ قریباً
۱۹۶۸	۴۳	۴۶	۳	۴	۱	۱۰۰	۴۲۷۷۵

اِن کے علاوہ اعلیٰ التعلیم کیلئے ڈگری کالجوں میں اضافہ کیا گیا۔ زنانہ ڈگری کالج اور سپیریئر سائینس کالج کھولا گیا۔ گورنمنٹ کالج میں ایم۔اے کی کلاسیں جاری کی گئیں۔ ثانوی سکولوں میں انڈسٹریل ورکشاپ کھولے گئے۔ زراعت و باغبانی کی تعلیم کے لئے ضلع بھر کے ۵۶ مڈل سکولوں میں بچوں کی عملی تربیت، تجربات اور مشاہدات کے لئے زرعی پلاٹ قائم کئے گئے۔ ٹیکسٹائل اور کامرس کی ابتدائی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ بچوں کی ذہنی نشوونما اور فنی تربیت کیلئے گشتی لائبریریاں اور ٹول بکس ہر سکول میں بھیجے جانے لگے۔

دس سالہ موازنہ

۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۸ء تک کے دس سالہ ایوبی عہد میں ضلع ملتان میں جو تعلیمی ترقی ہوئی۔ اس کا گوشوارہ درج ذیل ہے۔

تحصیل ملتان

	۱۹۵۸ء	۱۹۶۸ء
پرائمری سکول	۵۷	۲۰۸
مڈل سکول	۹	۲۰
ہائی سکول	۱۳	۲۰
کالج	۳	۴

تحصیل کبیروالہ

	۱۹۵۸ء	۱۹۶۸ء
پرائمری سکول	۹۲	۱۴۸
مڈل سکول	۸	۱۹
ہائی سکول	۲	۵
کالج	-	-

تحصیل خانیوال

	۱۹۵۸ء	۱۹۶۸ء
پرائمری سکول	۱۴۸	۲۵۱
مڈل سکول	۷	۲۴
ہائی سکول	۷	۱۴
کالج	۱	۲

تحصیل وہاڑی

پرائمری سکول	۶۶	۱۵۰
مڈل سکول	۹	۱۲
ہائی سکول	۵	۵
کالج	۱	۱

تحصیل میلسی

پرائمری سکول	۴۲	۱۲۱
مڈل سکول	۴	۶
ہائی سکول	۲	۴
کالج	-	-

شجاع باد

پرائمری سکول	۶۴	۱۴۸
مڈل سکول	۶	۱۱
ہائی سکول	۴	۵
کالج	-	-

تحصیل لودھراں

پرائمری سکول	۹۶	۱۹۶
مڈل سکول	۹	۱۱
ہائی سکول	۴	۶

ضلع ملتان
ضلع مظفرگڑھ
دریائے چناب
ضلع جھنگ
دس سالہ
تعلیمی ترقی
ضلع لائلپور
دریائے راوی
کبیروالہ
ملتان
خانیوال
میاں چنوں
ضلع ساہیوال
وہاڑی
دریائے ستلج
ضلع بہاولپور
میلسی
لودھراں
شجاع آباد
پرائمری
مڈل
ہائی
کالج
آبادی

زراعت کاری

زرعی ترقی

زرعی اعتبار سے ملتان مغربی پاکستان کا زرخیز ترین اور ترقی یافتہ ضلع شمار ہوتا ہے۔ ملتان کے اطراف و اکناف کافی آباد و شاداب ہیں۔ چاہات کے علاوہ انہار اور ٹیوب ویلوں سے بھی آبپاشی ہوتی ہے۔ بقول ملک خدا بخش بچہ "زیر زراعت، حصولِ آزادی کے بعد گرد و گرما گدا و گورستان کی اس سرزمین میں نقاشِ فطرت نے انسانی دست و بازو کو حرکت میں لا کر تین رنگوں کو خوب اُجاگر کیا ہے۔ نارنج اور آم کے باغات، روپہلی کپاس کے میلوں دُور تک پھیلے ہوئے کھیت اور تا حدِ نظر سُنہری گندم کے وسیع و عریض قطعات، یہ ہیں اس ضلع کی تصویر کے تین رنگ، خوشنما دیدہ زیب اور دلربا و دلفریب!! غرض کہ جب جنت کے تمام مناظر یہاں نظر آتے ہیں تو دل بے اختیار دل پکار اُٹھتا ہے کہ ملتان واقعی اس دُنیا کی ایک جنت سے کم نہیں"۔

اس ضلع کا کل جغرافیائی رقبہ ۳۴۰۴،۵۴۱-ایکڑ ہے۔ اس میں سے تقریباً ۲۸۱۵،۰۴۳-ایکڑ زیر کاشت ہے اور صرف ۴۱۹۵۹۳-ایکڑ رقبہ محدود آبپاشی کی وجہ سے زیر کاشت نہیں آسکا۔ ۱۹۵۵ء سے قبل ضلع ملتان کا ۹۲۰۰۰-ایکڑ رقبہ سیم اور تھور نے ناکارہ کر دیا تھا۔ جدید سائنٹفک طریقوں سے اس کے انسداد کی مساعی کا نتیجہ حوصلہ افزا نکلا اور ۱۹۶۸ء میں صرف ۴۶۹۵۷-ایکڑ رقبہ زیرِ سیم رہ گیا۔

اِس ضلع کی زمین زرعی لحاظ سے مختلف نوعیت کی ہے۔ ملتان، شجاع آباد، وہاڑی میلسی اور لودھراں کی تحصیلوں کی کچھ اراضیات کمزور طبیعت کی اور باڑہ ہیں۔ خانے وال اور کبیر والہ کی تحصیلوں میں چکنی مٹی ملتی ہے، سال ہا سال کی کاشت برداشت کی وجہ سے نباتاتی مادہ نائٹروجن اور فاسفورس کی دن بدن کمی محسوس کی جارہی ہے جس کی وجہ سے کھاد کی زیادہ ضرورت پیدا ہوگئی ہے۔ اِسی لئے ۱۹۵۸ء میں جہاں ملتان میں ۶۲۹۶ ٹن کھاد فروخت ہوئی۔ وہاں ۱۹۶۹ء میں اس کی فروخت ۹۰۱۵۷ ٹن تک پہنچ گئی۔ دوسری طرف تین دریا ہندوستان کی بھینٹ چڑھ گئے جن کی وجہ سے پانی کی شدید قلت پیدا ہوگئی ہے۔ اِس قلت کو دور کرنے کے لئے ڈیموں کی تعمیر اور ٹیوب ویلوں کی تنصیب پر زور دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ۱۹۶۸ء میں ۱۲۲۴۸ ٹیوب ویل کام کر رہے تھے۔ سائنٹیفک طریق پر کاشت کی طرف بھی اب رجحان بڑھتا جارہا ہے اسلئے ٹریکٹروں کی خریداری بڑھ گئی ہے۔ ۱۹۶۸ء میں ملتان میں ۱۴۶۵ ٹریکٹر کام کر رہے تھے۔

فی ایکڑ پیداوار بڑھانے کے لئے نئے نئے تجربات کئے جا رہے ہیں اور باشعور زمیندار جدید طریقوں کو اپنا رہے ہیں۔ ضلع ملتان میں فی ایکڑ شرح پیداوار یہ ہے۔

گندم	۱۴۹ من	چاول	۱۴۸ من
کپاس	۳۰ من	مکئی	۸۰ من

خوردنی اجناس، نقد آور فصلات، باغات اور سبزیوں کے لحاظ سے سرزمین ملتان خصوصی کردار ادا کر رہی ہے۔

گندم

ملتان میں گندم زیادہ کاشت ہوتی ہے دُوسرے پنجسالہ منصوبہ کے اختتام پر ۴۰۰، ۱۱، ۱۰ لاکھ ایکڑ پر گندم کاشت کی گئی تھی لیکن تیسرے منصوبہ کی آخری ششماہی میں بدوران ربیع ۶۹-۶۸ سنہء گندم کا زیر کاشت رقبہ ۱۱۹۲۰۰ ایکڑ تک پہنچ گیا جس سے ۹۴۰۰۰ ٹن پیداوار ہوئی۔

فی ایکڑ پیداوار بڑھانے کے لئے میکسیکو (امریکہ) سے بنجا موا اور سرمارا جرو قسم کے گندمی بیج منگا کر ان کو سفید میکسی پاک اور سُرخ میکسی پاک کے نام سے رواج دیا گیا ابتداً ۸۶ من سفید میکسی پاک گندم کا بیج دس سیر فی ایکڑ کے حساب سے تقریباً ۳۰ ایکڑ رقبہ میں کاشت کرایا گیا جس سے ۱۰۰۰ من بیج پیدا ہوا۔ اور اوسط پیداوار ۳۸ من فی ایکڑ رہی اِس سے زمینداروں میں اِس بیج کی کاشت کا شوق بڑھا جس کے نتیجہ کے طور پر سنہ ۱۹۶۹ء میں

میکسی پاک سفید ۵۵۰۰ من

میکسی پاک سُرخ ۱۵۹۰۰۰ من

چار لاکھ ایکڑ میں کاشت ہوئی اور اس میں پھر بیجوں کے میل ملاپ سے اچھی اقسام پیدا کرنے کے لئے تجربات ہونے لگے۔ اب گندم کی پیداوار میں معتدبہ اضافہ ہو رہا ہے سنہ ۶۹-۱۹۶۸ء میں جہاں گندم کے زیر کاشت رقبہ میں ۱۸۰۶۰۰ ایکڑ کا اضافہ ہوا۔ وہاں پیداوار بھی ۲۴۰۶۰۴۵ ٹن تک بڑھ گئی۔ سنہ ۱۹۷۱ء میں زیادہ گندم اُگانے کے لئے انعامی مقابلے شروع کرا دیئے گئے۔ اور ملتان نے کئی انعامات حاصل کئے۔

کپاس

گندم کے بعد ملتان میں سب سے زیادہ زرآور فصل کپاس کی ہے۔ جو گندم سے زیادہ کاشت ہوتی ہے۔ گرم و خشک آب و ہوا کی وجہ سے ملتان نقرئی ریشہ دار کپاس کی کاشت کے لئے بہت مشہور ہے۔ ملتان کی عمدہ کپاس اور لمبے ریشہ والی اقسام کی بیرونی ممالک میں زیادہ مانگ ہے۔ دوسرے پنجسالہ منصوبہ کے آخر میں کپاس کی پیداوار کیلئے ۲۲۰۹،۳۹ رقبہ زیر کاشت لایا گیا۔ جس سے ۴۳۶،۳۳۴ لاکھ گانٹھ کپاس پیدا ہوئی۔ جو تیسرے پنجسالہ منصوبہ میں ۴۲ لاکھ اور ۸۰ ہزار گانٹھ تک پہنچ گئی۔ کپاس کی کاشت کیلئے زیادہ سے زیادہ جدید وسائل کو بروئے کار لایا گیا۔ اُسے نالیوں میں کاشت کرنے کے لئے ایک خاص قسم کا آلہ ایورین منگا کر اسے رواج دیا گیا۔ جس سے کپاس کی فصل بہتر طریق سے قطاروں میں تیار ہونے لگی۔ زرعی آلات درآمد کرنے کی بجائے اب مشیاں چنیوں اور ملتان میں بننے شروع ہو گئے ہیں۔

کپاس کی پیداوار کو بڑھانے اور اس کی نئی اقسام پیدا کرنے کے لئے پاکستان سنٹرل کاٹن کمیٹی کے زیر اہتمام ملتان میں ایک اعلیٰ درجہ کا جدید نوعیت کا تحقیقاتی ادارہ قائم کیا گیا جس کی عظیم و جدید بلڈنگ تیار ہو چکی ہے۔ یہ ادارہ گورنمنٹ کے مخصوص کردہ ۱۱۵ ایکڑ رقبہ میں اس جنس کی بہتری کے لئے تحقیقات یا ریسرچ میں مصروف ہے۔ جس کی بدولت لمبے ریشے والی کپاس کی دو اقسام ایم۔ ایس ۳۹۔ اور ایم۔ ایس ۴۰ معرضِ وجود میں آچکی ہیں۔ جو زرمبادلہ کمانے میں اضافہ کا باعث بن رہی ہیں۔

دھان

دھان ملتان ضلع کی تیسری بڑی فصل ہے۔ قبل ازیں ۱۹۶۹ء تک ضلع بھر میں ۵۲۰۰۰ ایکڑ رقبہ پر چاول کی کاشت ہوتی رہی۔ جس سے ۲۱۳۵۷ ٹن پیداوار ہوتی رہی۔ اری پاک دھان کی کاشت پر زیادہ توجہ دی گئی۔ ۱۹۶۷ء میں ۴۱ من اری پاک چاول ۲۰۷ ایکڑ اراضی میں کاشت کیا گیا۔ جس سے اوسطاً فی ایکڑ ۵۰ من پیداوار ہوئی۔ تحصیل کبیر والہ میں قتال پور نے اری پاک چاول کی فی ایکڑ ۱۴۸ من پیداوار کر کے پاکستان بھر میں ریکارڈ قائم کیا ہے۔ اس کی کاشت بڑھانے کے ساتھ ساتھ باسمتی اور عمدہ چاول کی کاشت کو فروغ دینے کی مساعی بھی جاری ہے۔

مکئی

چوتھے درجہ پر ملتان میں مکئی کاشت ہوتی ہے۔ چند سال قبل اس کا بطور چارہ کاشت و استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن خوراک کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بے دن عمدہ مکئی کی کاشت کو رواج دیا گیا۔ اور یہ بطور غلہ کاشت کی جانے لگی۔ ۱۹۶۷ء میں تجرباتی طور پر ۱۱۲½ من مکئی قسم بے دن کا بیج ۲۵۰ ایکڑ رقبہ میں کاشت ہوا۔ جس کی تحصیل ملتان میں نانڈلہ کے مقام پر ۸۰ من فی ایکڑ پیداوار ہوئی۔ ۱۹۶۹ء میں مکئی کا زیر کاشت رقبہ ۴۷۰۵۰ ایکڑ تک پہنچ گیا۔ اس میں بھی اب روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

زیر کاشت رقبہ

ملتان نے سنہ ۱۹۵۸ء سے سنہ ۱۹۶۸ء تک زیر کاشت رقبہ اور پیداوار میں بشرح ذیل ترقی کی۔

	نام فصل	سنہ ۱۹۵۸ء تک	سنہ ۱۹۶۸ء تک
۱۔	گندم	۱۰۴۴۸۴۳- ایکڑ	۱۰۷۶۰۰۰- ایکڑ
۲۔	کپاس	۶۰۳۶۶۱ "	۸۳۹۵۵۹ "
۳۔	نیشکر	۵۹،۳۴۵ "	۸۳۴۵۳ "
۴۔	نخود	۳۴۹۱۵ "	۳۹۳۸۰ "
۵۔	دھان	۳۱۸۷۵ "	۳۲۸۰۱ "
۶۔	مکئی	۲۵۸۹۸ "	۴۸۰۰۰ "

نام فصل	اوسط پیداوار فی ایکڑ		کل پیداوار بحساب ٹن	
	سنہ ۵۷-۵۸ء	سنہ ۶۶-۶۷ء	سنہ ۵۷-۵۸ء	سنہ ۶۶-۶۷ء
گندم	۵۰٫۱۱ فیصد	۱۴٫۷۴	۴۰۲۰۰۰	۵۷۳۳۰۰
کپاس	۷٫۰۹ "	۱۱٫۷۵	۲۹۴۰۰	۷۲۲۰۶۸
چاول	۵٫۹۴ "	۹٫۲۱	۷۱۰۰	۸۵۰۰
مکئی	۹٫۴۲ "	۱۳٫۷۷	۹۱۰۰	۹۱۸۰۰
گنا	۳۴٫۴۶ "	۳۹٫۹۵	۷۵۳۰	۱۳۱۶۳

زراعتی فارم

زرعی پیداوار کی ترقی کے لئے ملتان میں چار زراعتی مثالی فارم قائم ہیں۔

۱۔ گورنمنٹ زراعتی فارم ملتان

۲۔ گورنمنٹ زراعتی فارم وہاڑی۔

۳۔ زراعتی فارم ترقیاتی کارپوریشن خانیوال۔

۴۔ زراعتی فارم زرعی ترقیاتی کارپوریشن درکھانہ تحصیل کبیر والہ۔

فارم نمبر ۱ و ۲ محکمہ زراعت مغربی پاکستان کے زیر اہتمام ہیں۔ ان میں عمدہ بیج کی پیداوار کے ساتھ ساتھ مختلف اقسام کے نئے بیجوں پر تحقیقات کا کام جاری رہتا ہے۔

فارم نمبر ۳، ۴ زرعی ترقیاتی کارپوریشن کے تحت ہیں۔ جو ہر سال عمدہ قسم کے بیج پیداوار بڑھانے کے لئے زمینداروں میں تقسیم کرتے ہیں۔

حکومت مغربی پاکستان اور مغربی جرمنی کے تعاون سے پاک جرمن تجرباتی فارم چک ۵ فیض تحصیل ملتان میں قائم کیا گیا ہے جو ۵۶ ۔ ایکڑ رقبہ پر پھیلا ہوا ہے۔ اسمیں زرعی ترقی کے لئے۔

۱۔ فیلڈ اسسٹنٹ کے معیار تک یکسالہ تربیتی کلاسیں لگائی جاتی ہیں۔ جن کو زرعی یونیورسٹی لائلپور کے معیار کے مطابق امتحان پاس کرنا ہوتا ہے۔

۲۔ دو سال کے لئے زرعی مشینری کی فنی تعلیم دی جاتی ہے۔

۳۔ بڑھئی اور زرعی آلات کی مرمت و درستی وغیرہ کی تربیت کا کورس مکمل کرایا

جاتا ہے۔

۴۔ زراعت کاروں کو رغبت دلانے کے لئے ترقی یافتہ آلات کشاورزی کی عملی نمائش کی جاتی ہے تاکہ زیادہ اور بہتر پیداوار کے لئے کاشت کاروں کو ترغیب ملے۔

۵۔ مویشیوں کا ایک ایسا فارم بھی اس کے ساتھ قائم کیا گیا ہے جس میں خوراک کی تیاری اور زیادہ دودھ حاصل کرنے کے لئے تجربات کئے جاتے ہیں۔

۶۔ پانی کی بچت کے لئے مصنوعی بارش کیلئے بھی تجربات ہوتے رہتے ہیں۔

باغبانی
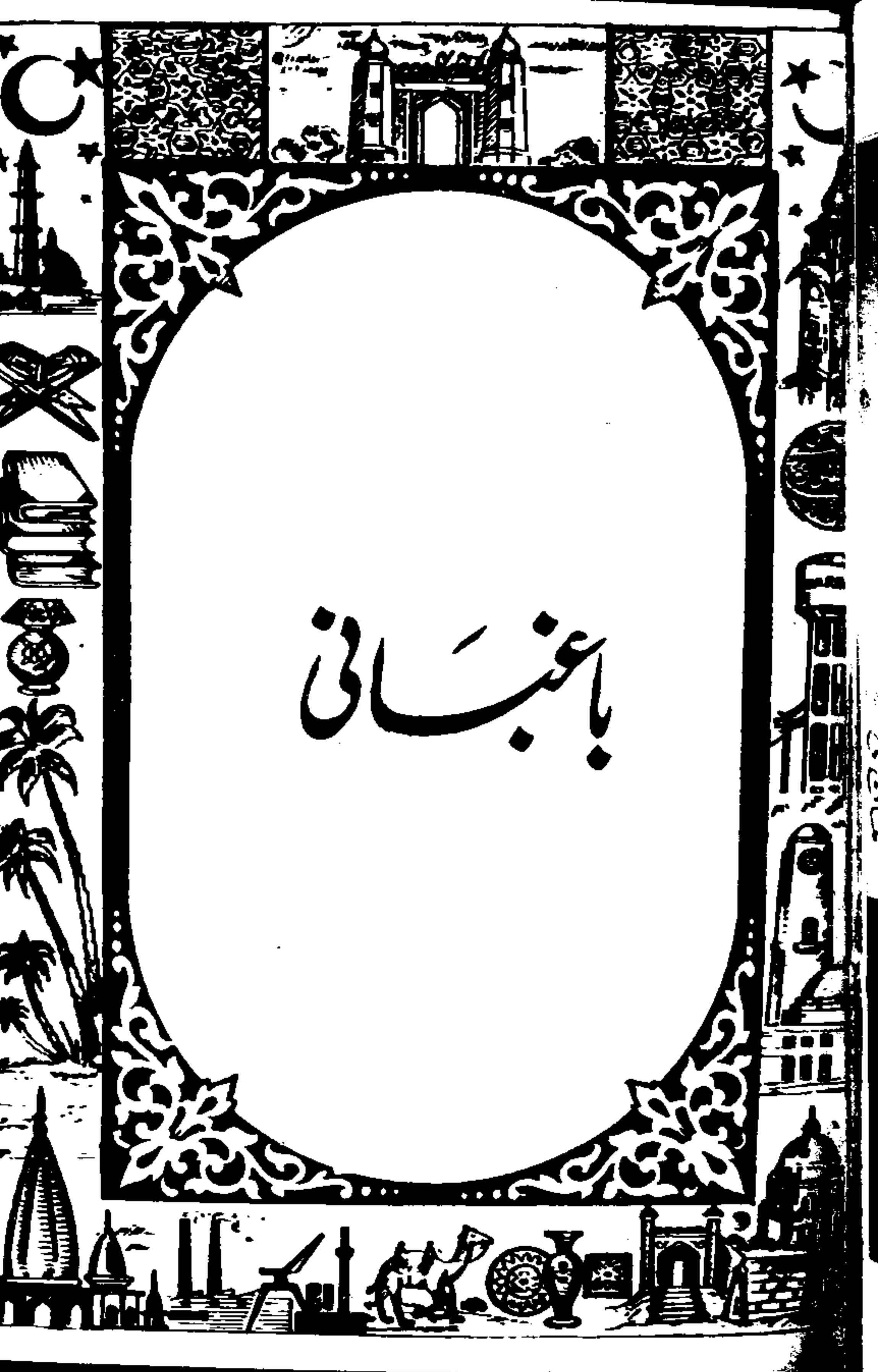
ثمردار درخت

سرزمینِ ملتان ثمردار درختوں کے لئے بہت موزوں ہے۔ شروع شروع میں یہاں آم، انار اور کھجور کی پیداوار ہوتی تھی۔ ملتان کا انار بہت مشہور تھا۔ ہر سال لاکھوں روپے کا انار صرف ہندوستان کے مختلف شہروں میں جاتا تھا اور ملتان ہی پورے برعظیم ہند و پاک کی انار کی ضرورت پوری کرتا تھا۔ ۱۹۶۰ئہ کے بعد باغبانی کی طرف خصوصی توجہ دی جانے لگی جس کے نتیجہ کے طور پر ملتان میں کنوں اور سنگتروں کی پیداوار میں اضافہ ہونے لگا۔ نواح ملتان کے مواضعات قاسم بیلہ، مخدوم رشید اور بھینی کے علاقہ میں کیلے کے باغات بہار دکھانے لگے بچ خسرو آباد، جھوک افضل نزد میاں چنوں میں الیچی پیدا ہونے لگی۔ حالانکہ ان پھلوں کی ملتان میں پیداوار ناممکن تصور کی جاتی تھی حکومت نے باغبانی کے فروغ کی خاطر، باغوں کے لئے زائد پانی دینا منظور کر لیا۔ اس کے علاوہ بھی باغبانی کے لئے زمینداروں کو بہت سی رعایات دی گئیں جن کی وجہ سے ثمردار درخت لگانے اور اگانے کا شوق فزوں تر ہوتا گیا۔ اس صنعت کو فروغ دینے کے لئے بہت سی نرسریاں قائم ہوگئیں۔ فروٹ اور سبزیوں کی برآمد شروع ہوگئی اور ان کے ذریعے زرمبادلہ کی آمدنی میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔

اس صنعت کے زرآور بن جانے سے اسکی قدر و قیمت بڑھ گئی۔ باغوں کا رقبہ روز بروز بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۱ئہ کے اخیر میں قریباً ۴۵ ہزار ایکڑ رقبہ میں باغ پھیل گئے۔ اور دن بدن اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔

آم کے باغات

ملتان مغربی پاکستان کا پہلا ضلع ہے۔ جس میں حفیظ اللہ خان سدوزئی نے ادھر سے قلمی آم منگا کر ان سے اہلِ ملتان کو روشناس کرایا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں انہوں نے ان کا ملتان میں ایک باغ قائم کیا۔ جس کا نام "ماشاءاللہ" رکھا۔ یہ قلمی آموں کیلئے مشہور تھا۔ اس باغ میں ساٹھ قسم کے بہترین آم موجود تھے۔ ان کی مساعی سے ملتان بہت جلد آموں کی منڈی بن گیا اور اس پر شہرِ ملیح آباد کا ہونے لگا۔ آموں کی ساٹھ اقسام بڑھتے بڑھتے چار سو تک پہنچ گئیں۔ آموں کے باغوں کو وسعت دینے میں نواب احمد یار خان خاکوانی اور ملک پیر بخش بچہ کا خصوصی حصہ ہے۔ پاکستان میں آموں کے سب سے زیادہ باغات ملتان میں ہیں۔ پاکستان کی کل پیداوار کا چالیس فیصد آم ملتان میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ زیادہ تر مشرقِ بعید، مشرقِ وسطیٰ اور مغربی ممالک کو برآمد کیا جاتا ہے۔ ملتان کی صرف ایک فرم ہر سال دو لاکھ پونڈ آم برآمد کر کے سولہ سے اٹھارہ لاکھ روپے تک زرِ مبادلہ کماتی ہے۔

ملتان میں ہر سال پچاس لاکھ من آم پیدا ہوتا ہے جس سے مالکان کو سالانہ بارہ کروڑ کی آمدنی ہوتی ہے۔ آموں کو برآمد کرنے کے لئے بعض فرموں نے نہایت خوبصورت گتے کے ہلکے پھلکے ڈبے تیار کر کے ان کی برآمد کو آسان بنا دیا ہے۔ اب آم زر آور فصل میں شمار ہوتا ہے۔

اقسامِ آم

آموں کی سرزمینِ ملتان میں جہاں قلمی آموں کی بدیسی اقسام بھی پہنچ کر پہلے کی نسبت زیادہ لذیذ اور خوش ذائقہ ہوگئی ہیں وہاں باغات کے لحاظ سے ملتان مغربی پاکستان کے تمام اضلاع میں سرِفہرست ہے۔ آموں کے بادشاہ ملک خدابخش بچہ نے اُن کی مندرجہ ذیل اقسام گنائی ہیں:۔

"راہبر دراہِ خلد کا توشہ اور طوبیٰ وسدرہ کا جگر گوشہ آم سرزمینِ ملتان میں خُوب پھلا پھولا ہے۔ اِس کی بہار دیدنی ہے کہیں سلطان الاثمار، تاج الاثمار، مقصود الثمر، محمود الثمر اور ممتاز الثمر دامن نگاہ کو کھینچتے ہیں اور کہیں صدقہ پنجتن پاک، ثمر بہشت، فردوسیہ، فردوس بریں اور نور الہدیٰ رونق افروز ہیں۔ کہیں رشکِ گلستان، ماہ بوستان، حُسن آرا، زلفِ بنگال اپنے جوبن پر ہیں اور کہیں سُندر جبین، عروس، رس رس، سبز پری، دل آرام اور شہباز اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ شاخوں سے کہیں شیرِ حیات اور آبِ حیات کے سربمُہر گلاس لٹک رہے ہیں اور کہیں زمینی جواہرات کوہِ نور، الماس اور زمرّد کو آم کے پیڑوں نے زمین سے کھینچ باہر نکالا ہے۔ کہیں درختوں کی سرسبز و شاداب شاخوں میں قوسِ قزح نظر آتی ہے اور کہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ پروین و ثریا فلک سے اُتر کر ان شاخوں میں لگے ہیں۔ غرضیکہ آموں کے باغات نے ملتان کو جنت نشان بنا دیا ہے۔"

صنعت کاری

جدید صنعتیں

انگریزی عہد کے اوائل میں ملتان ایک صنعتی مرکز تھا جس میں چھوٹے بڑے ۶۴۷ ۱۲ کارخانے اور فیکٹریاں کام کر رہی تھیں۔ انگریزوں نے اپنی مصنوعات کے فروغ کے لئے اُن کا نام ونشان تک مٹا دیا۔ پاکستان بننے کے بعد ملتان پھر صنعتی میدان میں گامزن ہوا۔ اور اختتامِ سال ۱۹۷۰ء تک یہاں مندرجہ ذیل کارخانے اور فیکٹریاں رجسٹرڈ ہوئیں۔

نمبر شمار	نام صنعت	تعداد کارخانہ	نمبر شمار	نام صنعت	تعداد کارخانہ
۱	کاٹن ٹیکسٹائل ملز	۷	۲	سپیشلائزڈ ٹیکسٹائل ملز	۴
۳	وولن ٹیکسٹائل مل	۱	۴	آرٹ سلک فیبرکس	۴
۵	ہینڈ لومز یونٹ	۲۰	۶	دری و کمبل ساز فیکٹریاں	۷
۷	ہوزری یونٹ	۱	۸	کاٹن جیننگ پراسیسنگ فیکٹریاں	۲
۹	ویجی ٹیبل گھی ملز	۳	۱۰	آئل ملز	۲۵
۱۱	تیل خوردنی کے یونٹ	۴	۱۲	سلائی کی مشین کی فیکٹریاں	۲
۱۳	گلاس فیکٹریاں	۴	۱۴	چمڑے کے کارخانے	۸
۱۵	سٹیل رولنگ ملز	۳	۱۶	فونڈریاں اور ورکشاپ	۱۰
۱۷	سکرین پرنٹنگ یونٹ	۵	۱۸	ساجن وبیلنگ یونٹ	۳
۱۹	الیکٹرک جنریٹرز	۲	۲۰	المونیم کے کارخانے	۲
۲۱	زرعی آلات کے کارخانے	۱۳	۲۲	کھاد فیکٹری	۱
۲۳	فلور مل	۱	۲۴	ٹین کا ڈبہ ساز کارخانہ	۱
۲۵	فارمیسوٹیکل یونٹ	۱			

گل ٹیکس

بستروں کی خوبصورت چادریں، دروازوں اور کھڑکیوں کے خوشنما پردے اور اعلیٰ قسم کی دریاں بنانے کا یہ کارخانہ ملتان کے نامور صنعت کار گل محمد خان ترین نے ۱۹۲۶ء میں قائم کیا۔ جو ایشیا میں ہینڈلومز کا سب سے بڑا یونٹ ہے۔ آپ نے پوری جانفشانی اور تندہی سے اس صنعت کو بام ترقی پر پہنچایا۔

دورِ حاضرہ کے تقاضوں کیمطابق آئے دن نئے قسم کے دلکش ڈیزائن تیار کر کے عوام و خواص میں مقبول بنایا۔ اس کی شہرت یورپ اور امریکہ تک پہنچی اور وہ اسکے اتنے گرویدہ ہوئے کہ اس کارخانے کا تیار کردہ مال زیادہ تر امریکہ، برطانیہ اور مشرقِ وسطیٰ میں جانے لگا۔ امریکہ ملتان کے اس نامور کارخانے کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ جو ہر سال پچیس چھبیس لاکھ کا زرمبادلہ کماتا ہے۔ اس نے بین الاقوامی نمائشوں میں نہ صرف ملتان اور پاکستان کا نام روشن کیا۔ بلکہ بہترین قسم کے گولڈن میڈل اور سندات حاصل کیں۔ حکومت پاکستان نے بھی آپ کی صنعتی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو ستارۂ خدمت کا اعزاز بخشا۔ ۳۵۰ کاریگر تو کارخانہ کے اندر کام کرتے ہیں اور ۳۰۰ کے قریب بیوائیں اپنے گھروں پر اس کے مال کی سلائی سے باعزت روزگار کماتی ہیں اور اس کارخانے کے بانی کو دعا دیتی ہیں۔ اس کی دیکھا دیکھی اور بھی بہت سے لوگوں نے یہ کاروبار شروع کر دیا ہے۔ اور ملتان ان چیزوں کی منڈی بن گیا ہے۔

بلینکاری

بلینکاری اِس دور کی اقتصادیات کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ یہ صنعت اتنی ترقی کر چکی ہے کہ موجودہ معاشرہ میں اس کے بغیر نظامِ زندگی چلانا قریباً قریباً ناممکن ہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت ملتان میں صرف ایک سرکاری اور دوسرا غیر سرکاری بنک تھا۔ سرکاری امپیریل بنک آف انڈیا قائم تھا نام نیشنل بنک آف پاکستان بن گیا۔ ہندوؤں کے غیر سرکاری پنجاب نیشنل بنک کی جگہ اس وقت ملتان میں بارہ بنک مصروفِ کار ہیں۔ ان میں سے سنٹرل کوآپریٹو بنک صرف امداد باہمی کی تحریک میں ممد و معاون ہے۔ صنعتی ترقیاتی بنک صنعتی اداروں کو سرمایہ مہیا کرتا ہے اور زرعی بنک زرعی ترقی کے لئے قرضے دیتا ہے۔ ان کے علاوہ باقی درج ذیل کمرشل بنک ہیں۔

۱۔ یونائیٹڈ بنک۔ ۲۔ حبیب بنک۔ ۳۔ مسلم کمرشل بنک۔ ۴۔ کامرس بنک (۵) سٹینڈرڈ بنک۔ ۶۔ آسٹریلیشیا بنک۔ ۷۔ بہاولپور بنک۔ ۸۔ یونین بنک۔ ۹۔ لاہور کمرشل بنک۔

غیر سرکاری بنکوں نے صنعتی، زراعتی اور تجارتی میدان میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ یہ منجمد سرمایہ کو حرکت میں لائے۔ عوامی سرمایہ اور سونے کے زیورات کے تحفظ کا انتظام کیا۔ نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے باعزت روزگار کے مواقع فراہم کئے۔ صنعت و تجارت کے لئے قرضوں کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ اندرونِ ملک اور بیرونی ممالک کا کاروبار کے لین دین میں آسانیاں پیدا کیں اور زرِ مبادلہ کی آمدنی بڑھائی۔ انتہائی پسماندہ، ناقابلِ توجہ اور دور دراز کے دیہی علاقوں میں اپنی برانچیں قائم کر کے دیہی آبادی کو بھی بنیکاری سے مستفید کیا۔ ان بنکوں

کا عملہ تمام سرکاری دفتروں کے بمقابلہ زیادہ محنتی اور فرض شناس واقع ہوا ہے۔

ضلع ملتان میں بڑے پیمانہ پر کام کرنے والے کمرشل بنکوں کی کارکردگی کے اعداد وشمار درج ذیل ہیں۔ جن کی صرف شہر میں کئی کئی شاخیں ہیں۔

نام بنک	ضلعی شاخیں	افسر	ملازم	اسامیاں	سالانہ آمدنی زرمبادلہ
نیشنل بنک	۲۱	۱۲۰	۳۰۰	اڑھائی لاکھ	چھ لاکھ
حبیب بنک	۳۳	۹۹	۲۵۰	زائدازایک لاکھ	اڑھائی لاکھ
یونائیٹڈ بنک	۲۱	۸۰	۲۵۰	ایک لاکھ	اڑھائی کروڑ
مسلم کمرشل بنک	۱۲	۶۰	۱۵۰	پچیس ہزار	پندرہ لاکھ
کامرس بنک	۵	۱۵	۴۲	اڑھائی ہزار	تیئیس لاکھ

ان بنکوں کے ذریعے ملتان سے بیلی کی کھالیں، اُون، قالین، چمڑا، سُوت، تازہ پھل، اُونٹ کی کھال کے فینسی لیمپ، سُوتی مصنوعات، دستی مصنوعات، ملوں کا کپڑا، نبولہ، کھڈی کا کپڑا، پردوں کا کپڑا، دریاں، کھیس، بناسپتی گھی اور ہوزری کا سامان بیرونِ ملک بھیجا جاتا ہے۔

انڈسٹریل اسٹیٹ

ملتان انگریزوں کی آمد سے قبل بہت بڑا صنعتی مرکز تھا۔ جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ پاکستان بننے کے بعد اس کی صنعتی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے کے لئے حکومت نے تاجروں کو صنعتی ترقی کی طرف راغب کرنے کے لئے ملک کو "ترقی یافتہ" "کم ترقی یافتہ" اور "غیر ترقی یافتہ" طبقوں میں تقسیم کر دیا اور اُن کو خاص مراعات دینے کا فیصلہ کیا۔ جس کی رُو سے دُوسرے پنجسالہ منصوبہ کے دوران قائم ہونے والی صنعتوں کو علی الترتیب ۴ سال، ۶ سال اور ۸ سال کے لئے انکم ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا۔ تیسرے پنجسالہ منصوبہ میں اس رعایت میں علی الترتیب ۲ سال کی کمی کر دی گئی۔ جولائی ۱۹۷۰ء میں شروع ہونے والے چوتھے پنجسالہ منصوبہ میں "ترقی یافتہ" علاقہ کو اس رعایت سے محروم کر دیا گیا۔ کم ترقی یافتہ علاقہ کو چار سال کی بجائے دو سال کی رعایت دی گئی اور غیر ترقی یافتہ علاقہ کو چھ سال کی چھوٹ انکم ٹیکس میں دے دی گئی۔ اس رعایتی عرصہ میں ملتان میں سب سے کم صنعتیں قائم ہوئیں۔ حکومت کی شائع کردہ صنعتی ڈائریکٹری مارچ ۱۹۶۹ء کی رُو سے جہاں کراچی میں ۲۰۸۷، لاہور میں ۱۳۵۱، گوجرانوالہ میں ۴۳۱۔ لائلپور میں ۳۱۲، حیدرآباد میں ۱۸۸۔ سیالکوٹ میں ۱۵۷ صنعتیں قائم ہوئیں۔ وہاں ملتان میں صرف ۹۰ صنعتیں قائم ہو سکیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ دُوسرے ترقی یافتہ شہروں کے مقابلہ میں ملتان ہنوز غیر ترقی یافتہ شہر رہا۔

اِس کے بعد حکومت نے صنعتوں کو فروغ دینے کے لئے ۱۹۶۶ء میں یہ ترمیم کر دی

کہ انکم ٹیکس کی صرف اِن صنعتوں پر چھوٹ ملے گی جو انڈسٹریل اسٹیٹ کے اندر قائم کی جائیں گی۔ یہ اسٹیٹیں صرف پشاور، سکھر اور ملتان میں قائم کی گئیں۔ مگر حکومت کے متعلقہ محکمے نے مذکورہ بالا اعداد و شمار کو نظر انداز کر دیا۔ پشاور تحصیل کو جہاں ۱۱۰ چھوٹے بڑے کارخانے قائم ہو چکے تھے چوتھے پنجسالہ منصوبہ میں ۳ سال اور انڈسٹریل اسٹیٹ بن جانے کے بعد مزید ۲ سال کے لئے انکم ٹیکس سے مستثنٰے کر دیا گیا۔ وہاں ملتان کو ترقی یافتہ علاقہ قرار دے کر انکم ٹیکس کی رعایت سے محروم کر دیا۔ حالانکہ ملتان میں پشاور سے بھی کم یعنی صرف ۹۰ صنعتیں قائم ہوئیں۔ اِس طرح مشرقی اور مغربی پاکستان میں صرف ملتان کی واحد انڈسٹریل اسٹیٹ کو انکم ٹیکس کی چھوٹ سے محروم کر دیا گیا۔ اِس زیادتی، حق تلفی اور بے انصافی کا یہ نتیجہ نکلا کہ ملتان کی انڈسٹریل اسٹیٹ جو ۱۴۱۰ ایکڑ کے یک صد پلاٹوں پر مشتمل تھی۔ اِس میں سے ۱۹۷۱ء کے اختتام تک صرف ۱۶-۷ پلاٹ صنعتکاروں نے با دلِ نخواستہ حاصل کئے جن میں سے صرف ایک ہلال فلور مل۔ ایک ہلال فیبرکس مل، چار پانچ پولٹری فارم قائم ہوئے البتہ چوتھی کالونی ٹیکسٹائل مل زیر تعمیر ہے اور باقی ساری اسٹیٹ غیر آباد پڑی ہے۔ چونکہ اس اسٹیٹ سے صرف ۷-۸ میل کے فاصلہ پر مظفر گڑھ کے غیر ترقی یافتہ علاقہ میں چار سال کے لئے انکم ٹیکس کی چھوٹ ہے اِس لئے صنعتکاروں نے حکومت کی غلط پالیسی سے متاثر ہو کر ملتان کی بجائے مظفر گڑھ میں نئی صنعتیں قائم کرنی شروع کر دی ہیں جس سے ملتان کی صنعتی ترقی رُک گئی ہے اور اس کا صنعتی اور معاشی مستقبل تاریک ہو گیا ہے۔ اور مشرقی پاکستان کے کٹ جانے کے بعد یہاں مزید کارخانوں کا قیام اشد ضروری ہو گیا ہے۔

ملتانی تحفے

ملتان میں کئی ایسی چیزیں بھی تیار ہوتی ہیں۔ جو دُوسرے شہروں میں نہیں ہوتیں۔ اس لئے وہ بطور تحفہ ہدیہ اور سوغات دُور دراز تک بھیجی جاتی ہیں۔ اور ان کی باہر کی منڈیوں میں تجارتی اغراض کے لئے بھی خصُوصی مانگ ہے۔ مثلاً

۱۔ ملتانی آم
۲۔ ملتانی سوہن حلوہ
۳۔ ملتانی کھیس
۴۔ بستر کی چادریں۔
۵۔ کاشی کی اینٹیں
۶۔ کاشی کا زیباشی سامان
۷۔ پلاسٹر آف پیرس کے منقش پھولدان
۸۔ مجسمے
۹۔ اُونٹ کی کھال کے لیمپ اور شیڈ
۱۰۔ سنٹرل جیل کی پھولدار دریاں
۱۱۔ اجرک "اوڑھنے کی چادریں"
۱۲۔ تلے دار کھسّے اور منقش جوتیاں
۱۳۔ ریشمی لنگیاں
۱۴۔ سُوئی سے کڑھے ہوئے کُرتے
۱۵۔ تیل دھنیاں۔

برآمدات

قدرتی وسائل کی بنا پر ملتان بنیادی طور پر ایک زرعی علاقہ ہے۔ آبادی کے دباؤ، خود کفیل بننے کے احساس اور روزگار کے مسائل نے اسے صنعتی شہر بنانا شروع کر دیا ہے۔ جس کے لئے تمام تر مشینری برآمد کرنی پڑتی ہے اور اسکے لئے زرِ مبادلہ کی ضرورت رہتی ہے۔ تجارتی رشتہ صرف زرِ مبادلہ کی کمائی سے ہی برقرار رہ سکتا ہے۔ اسی لئے پاکستان کے پہلے دس سالوں میں صنعتی ترقی پر زیادہ توجہ دی گئی اور ملک کی تمام اہم صنعتیں ان ہی دس سالوں میں معرضِ وجود میں آئیں۔ ۱۹۵۶ء کے آئین میں متعدد بنیادی اور اہم صنعتوں کو فیڈرل لسٹ میں رکھ کر صنعتی پالیسی کے فروغ اور زرِ مبادلہ کمانے کی طرف خصوصی توجہ دی گئی اور ملتان سے یہ اشیاء برآمد ہونے لگیں:۔ ۱۔ ملوں کا سوتی کپڑا ۲۔ بیلی کی کھالیں ۳۔ چمڑا ۴۔ سوت ۵۔ قالین۔ ۶۔ بنولے کا تیل۔ ۷۔ ہینڈ لومز۔ ۸۔ ہینڈی کرافٹس۔ ۹۔ ریڈی میڈ پارچات۔ ۱۰۔ بھیڑوں کی اُون۔ ۱۱۔ بھیڑ بکریوں کی انتڑیاں۔ ۱۲۔ انسانی بال ۱۳۔ بسکٹ ۱۴۔ کنفکشنریز ۱۵۔ تازہ پھل ۱۶۔ ٹن فروٹ۔ ۱۷۔ فروٹ جیوس۔ ۱۸۔ ہوزری کا سامان۔ ۱۹۔ اُونٹ کے چمڑے کا آرائشی سامان از قسم پھولدان لیمپ شیڈ وغیرہ۔

اس سامان کی برآمد سے ۱۹۷۰ء۔۷۱ء میں ملتان نے ۳۷۔۸۳۶، ۲۔۰۸۹ ، ۱۰ کروڑ روپے کا زرِ مبادلہ کمایا۔ برآمدات کی آمدنی میں بفضلہ تعالےٰ دن بدن اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے
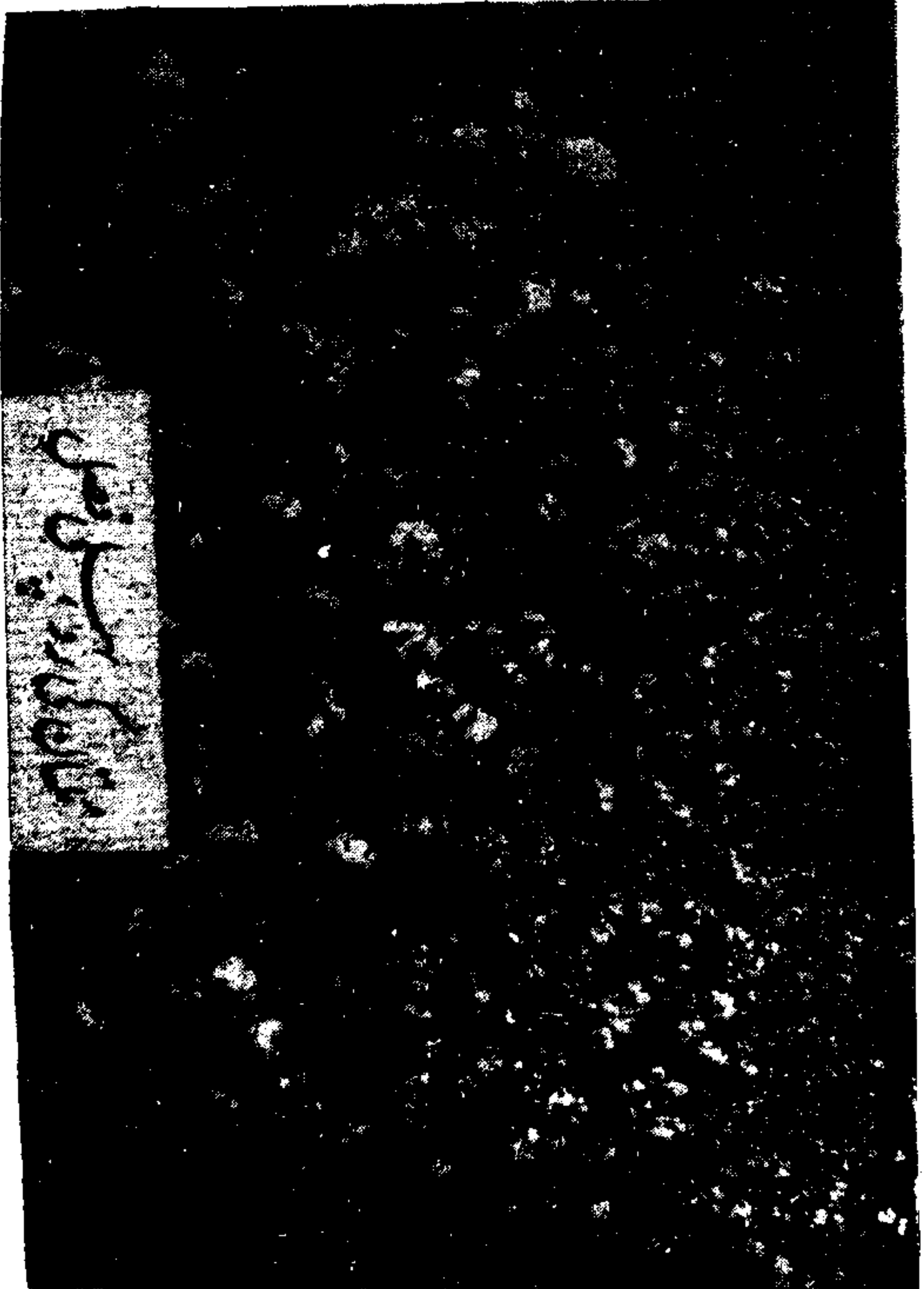
دینی ادارے

مدرسہ خیر المدارس

یہ مدرسہ زیر سرپرستی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ مولانا خیر محمد جالندھری نے ۹ مارچ ۱۹۳۱ء کو جالندھر میں قائم کیا۔ تقسیم ہند کے بعد اکتوبر ۱۹۴۷ء میں آپ ملتان تشریف لائے اور بے سرو سامانی کے عالم میں آپ نے توکلاً علی اللہ حسین آگاہی روڈ پر یہ مدرسہ از سرِ نو جاری کیا جو جگہ شروع میں آپ کو الاٹ ہوئی وہ مدرسہ کے لئے بالکل ناکافی تھی کہ حق تعالےٰ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے غیب سے ایسے اسباب پیدا کئے کہ قاضی عبد الرحمٰن انسپکٹر آف سکولز ملتان نے از خود مدرسہ کے لئے گیان تھلہ کی وسیع و عریض عمارت الاٹ کرائی اور اس کی چابی لا کر مولانا کی خدمت میں پیش کر دی جس پر یہ مدرسہ وہاں منتقل ہو گیا۔ اس مدرسہ میں علوم و فنونِ اسلامیہ عربیہ کی تعلیم درسِ نظامی کے مطابق دی جاتی ہے اسکے علاوہ اس کے زیر اہتمام ایک زنانہ دینی مدرسہ اور ایک پرائمری سکول بھی جاری ہے جس میں نصابی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اس مدرسہ میں پنجاب کے علاوہ صوبہ سرحد، بلوچستان، افغانستان، مکران، برما اور بنگال تک کے طلبا تعلیم پاتے ہیں۔ چار سو کے قریب طلبا زیر تعلیم رہتے ہیں۔ ان کی تعلیم، کتب، قیام اور طعام مفت ہے سالانہ بجٹ زائد از ایک لاکھ روپیہ کا ہے تین لاکھ روپے کی لاگت سے اپنی زمین پر مدرسہ کی جدید عمارات تعمیر کی گئی ہیں اور اڑھائی لاکھ روپے کے خرچ سے ایک وسیع جامع مسجد تعمیر کی گئی ہے جس میں بیک وقت تین ہزار کے قریب افراد نماز پڑھ سکتے ہیں۔

مدرسہ قاسم العلوم

علامہ اقبال نے قوم کے نام ایک پیغام میں فرمایا تھا کہ اگر یہ مُلّا اور درویش نہ رہے تو آگرے کے تاج محل اور دہلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور تہذیب کا کوئی بھی نشان باقی نہ ملے گا اس لئے تعلیم دین ہی ملک و ملت کی خدمت کی بہترین صورت ہے۔

مدرسہ عربیہ قاسم العلوم اسی احساس کی پیداوار ہے جو مولانا مفتی محمد شفیع ملتانی نے اکتوبر ۱۹۴۶ء میں قائم کیا۔ پہلے یہ مدرسہ ایک مسجد میں تھا۔ اب یہ کچہری روڈ پر اپنی عمارت میں منتقل ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ایک وسیع مسجد اور اس کے زیر اہتمام ایک پرائمری سکول بھی جاری ہے، یہ مدرسہ دینی اور سیاسی حیثیت سے دیوبندی مسلک کا ہے۔ اربابِ مدرسہ اور اس کے طلبا سیاسی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے ہیں لیکن خیر المدارس سیاست سے بالکل الگ تھلگ رہتا ہے۔ اس میں بھی درسِ نظامی کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔ دو صد کے قریب طلبا زیر تعلیم رہتے ہیں جو زیادہ تر صوبہ سرحد بلوچستان اور افغانستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں بھی تعلیم، قیام، طعام مفت ہے حفظ و ناظرہ تعلیم قرآن کا بھی انتظام ہے مشہور سیاسی لیڈر مولانا مفتی محمود اسی مدرسہ سے منسلک ہیں۔ اس مدرسہ کے مہتمم مولانا محمد شفیع ملتانی عرصہ ۲۵ سال تک مسلسل صبح کو درس قرآن دیتے رہے ہیں۔ ایک درس قرآن مجید پانچ سال میں ختم ہوتا تھا جس سے سینکڑوں مسلمان مستفید ہوتے رہے۔

مدرسہ انوار العلوم

نفس پرستی، مادیت پرستی اور لادینی کے اس دور میں دینی مدارس ہی اسلام کی ڈھال بنے ہوئے ہیں جنہیں اسلامی تہذیب و ثقافت کی آخری نشانی سمجھنا چاہیئے۔ انہی نشانیوں میں ملتان کا یہ تیسرا بڑا مدرسہ بھی ہے جو زیر سرپرستی مخدوم المخادیم حضرت سید صدرالدین شاہ جیلانی سجادہ نشین دربار پیر پیران حضرت موسلے پاک شہید رحمۃ اللہ علیہ منشی اللہ بخش ٹین ساز نے بماہ شوال المکرم سنہ ۱۳۶۳ھ مطابق سنہ ۱۹۴۴ء ملتان میں قائم کیا۔ یہ مدرسہ بریلوی مسلک سے تعلق رکھتا ہے اور سیاسیات میں بھی حصہ لیتا ہے۔ مدرسہ عربیہ انوار العلوم کی بھی اپنی عمارت و مسجد ہے۔ اس میں بھی درس نظامی پڑھایا جاتا ہے۔ اس مدرسہ کا قیام مولانا سید احمد سعید شاہ کاظمی امروہوی کی تحریک پر عمل میں آیا۔ وہی عرصہ تک بذات خود اس میں درس نظامی اور عربی تعلیم دیتے رہے جس کے انوار اس کے فارغ التحصیل علماء نے بہاولپور، سندھ، ڈیرہ غازی خان، صوبہ سرحد بلوچستان اور مکران تک علوم دینیہ کے ذریعہ پہنچائے اور پھیلائے۔ اس کے مرکزی مدرسہ اور چار شاخوں میں مجموعی طور پر تقریباً چار سو طلباء تعلیم دین حاصل کرتے ہیں۔ جن کی تعلیم، کتب، خوراک، پوشاک اور قیام کا بار مرکزی مدرسہ پر رہتا ہے۔ سالانہ بجٹ اسی ہزار کے قریب ہے جو زیادہ تر زکوٰۃ، خیرات، عطیات اور قیمت چرم ہائے قربانی سے پورا کیا جاتا ہے۔

دارالعلوم کبیر والہ

اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق علوم دینیہ و شرعیہ کی یہ ممتاز درس گاہ ۱۹۵۴ء میں دارالعلوم دیوبند جامعہ عباسیہ بہاولپور اور مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے نامور استاد مولانا عبدالخالق مرحوم نے قائم کی۔ اس کا آغاز بھی توکلاً علی اللہ بے سروسامانی کے عالم میں عیدگاہ کے احاطہ سے کیا گیا۔

یہ مدرسہ چالیس کنال کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے۔ سات لاکھ کی لاگت سے اس کی متعدد درس گاہیں، خوبصورت دارالحدیث وسیع و عریض دارالقرآن دیدہ زیب دارالمطالعہ، دارالاقامہ مطبخ، مڈل سکول، مدرستہ البنات اور دیگر شعبہ جات کے لئے عمارتیں تعمیر ہو چکی ہیں۔ بجلی اور واٹر ورکس کا اس کا اپنا انتظام ہے، بارہ سو کے قریب طلباء پڑھتے ہیں۔ مشرقی پاکستان، افغانستان، ایران اور برما تک کے طالبانِ علم یہاں تعلیم دین حاصل کرنے آتے ہیں تین سو پچیس طلباء دارالاقامہ میں رہتے ہیں۔

درس و تدریس پر ۲۹ ماہر اساتذہ مامور ہیں۔ اس میں درجہ عربی درسِ نظامی دورۂ حدیث کی تکمیل کے علاوہ طلباء اور طالبات کے لئے مڈل اور پرائمری تعلیم کا بھی انتظام ہے جن میں سرکاری نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔ حفظ و ناظرہ معہ تجوید و قرأت سبعہ و عشرہ کا بھی خاطر خواہ انتظام ہے۔ سالانہ بجٹ دو لاکھ کے قریب ہے۔

دیگر دینی مدارس

اسلامی عہد میں ملتان کے گلی کوچوں میں اسلامی مدارس و مکاتب قائم تھے
ان کی وجہ سے اخلاقی معیار بہت بلند تھا۔ جس کا دشمنانِ اسلام کو بھی اعتراف ہے
انگریزی عہد میں دینی تعلیم پر دنیوی تعلیم کو ترجیح دی گئی۔ دینی تعلیم کے فقدان کی وجہ
قوم کا اخلاقی معیار روز بروز گرتا چلا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد بعض مخلصین کی مساعی
سے اگرچہ غیر سرکاری سطح پر اسلامی علوم و فنون اور تعلیم و تربیت کے متعدد دینی مدارس
قائم ہوئے اور دینی تعلیم کا اہتمام ہوا مگر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت میں بھی ان
کوئی پُرسانِ حال نہ رہا۔ اس کس مپرسی کے عالم میں بھی مندرجہ ذیل دینی ادارے ملک
ملت کی دینی خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں۔

۱۔ انظہر العلوم شجاعباد۔ ۲۔ احیاءُ العلوم بوریوالہ۔ ۳۔ ملتان شہر میں جامع محمدیہ اہلحد
باغ عام خاص۔ ۴۔ رحمانیہ دار الحدیث چونگی نمبر ۱۴۔ ۵۔ مدرسہ حنفیہ سورج میانی۔ ۶
بابُ العلوم ابدالی روڈ۔ ۷۔ مدرسہ خیر المعاد چوڑی سرائے۔ ۸۔ جامع العلوم معصوم شاہ
روڈ۔ ۹۔ رمضانیہ ریاض العلوم گرمنڈی۔ ۱۰۔ منظہر العلوم دولت گیٹ۔ ۱۱۔ مدرسہ
نعمانیہ قدیر آباد۔ ۱۲۔ مدرسہ تعلیم الابرار عید گاہ روڈ۔ ۱۳۔ مدرسہ دعوت الحق حسین آگاہی
و معصوم شاہ روڈ۔ ۱۴۔ مدرسہ خیر العلوم۔

مجلس تحفظ ختم نبوت

جہاد نے مسلمانوں کے لئے موت کو بازیچہ اطفال بنادیا تھا۔ جذبہ جہاد کو مٹانے
لئے انگریزوں نے اپنے عہد حکومت میں قادیان کے
ساختہ نبی سے انگریزی سلطنت کے استحکام کے لئے جہاد کی منسوخی کا اعلان کرایا۔
دین محمدی میں رخنہ اندازی شروع کی۔ مجلس احرار نے تحفظ ختم نبوت کے لئے اس
نہ ساز نبوت کے خلاف باقاعدہ تحریک چلائی جس کے دوران اس تحریک کے سب
اور اکابر جیل بھیج دیئے گئے اور شمع نبوت کے پروانوں کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا
مجلس احرار چونکہ ایک سیاسی جماعت تھی۔ اس لئے انٹی قادیانی تحریک کو خالص
بنیادوں پر چلانے کے لئے علیحدہ مجلس ختم نبوت قائم کی گئی جس کا سیاسیات سے
تعلق نہ رہا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اس کے پہلے امیر اور مولانا محمد علی جالندھری
کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ڈیڑھ لاکھ کی لاگت سے تغلق روڈ پر اس کا مرکزی دفتر
قائم کیا گیا۔ ساٹھ ہزار کی لاگت سے انگلینڈ میں دفتر کے لئے فلیٹ خریدا گیا۔ جزائر فجی میں
جہاں قادیانیت فروغ پا رہی تھی اس مجلس کی طرف سے مدرسہ قائم کیا گیا۔ اس کے ذیلی دفاتر
کراچی ڈھاکہ اور چاٹگام میں قائم کئے گئے۔ ہر ضلع میں اس کی شاخیں قائم کرکے پشتو
سندھی بلوچی اور بنگالی میں قادیانی فتنہ کے استیصال کے لئے مبلغ تیار کرکے ملک کے
طول وعرض میں پھیلائے گئے۔ چونکہ قادیانیوں کی طرح یہ جماعت وسیع پیمانہ پر نشر و
اشاعت سے کام نہیں لے رہی اس لئے تو تعلیم یافتہ طبقہ قادیانی فتنہ کا زیادہ شکار ہو رہا ہے۔

نقشہ
ضلع ملتان
تحصیلیں ۔ حدود اربعہ
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
۴۷۸
تحصیل میلسی
تحصیل خانیوال
تحصیل ملتان
تحصیل شجاع آباد
تحصیل لودھراں
تحصیل میلسی
تحصیل وہاڑی
ضلع جھنگ
ضلع لائلپور
ضلع ساہیوال
ضلع بہاولنگر
ضلع بہاولپور
مظفر گڑھ
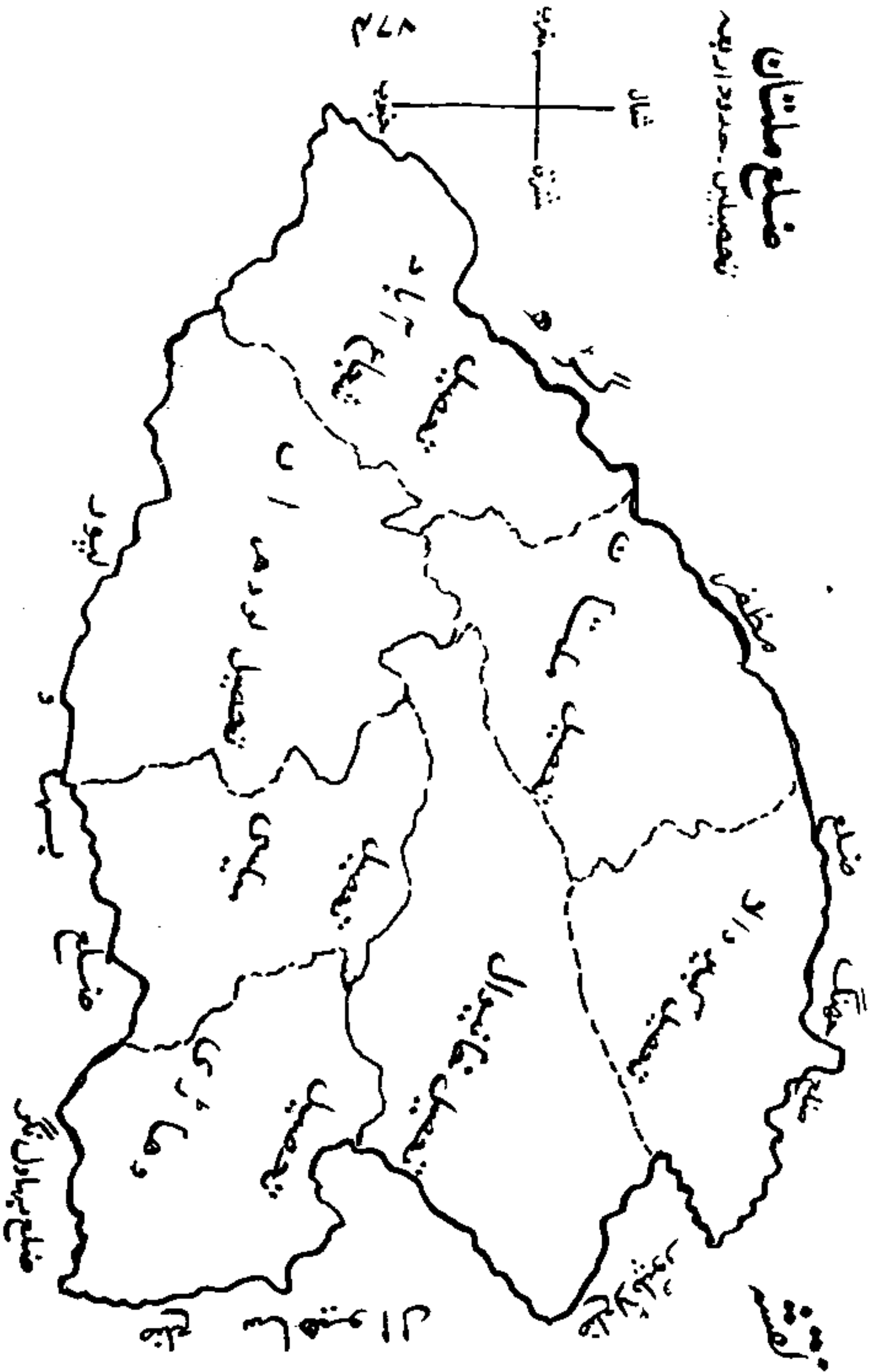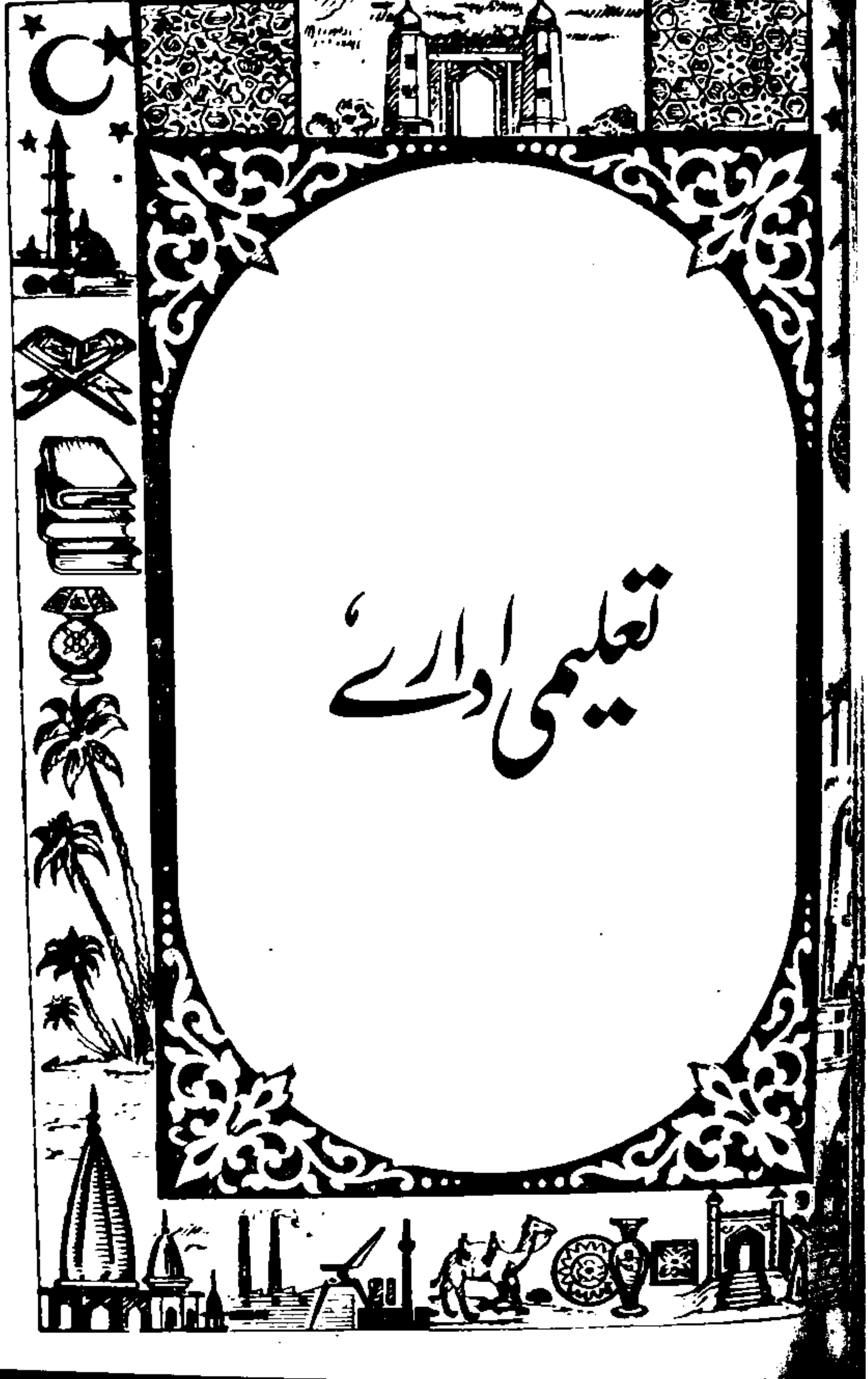
تعلیمی ادارے

انجمن اسلامیہ ملتان

۱۸۸۴ء میں چند درد مندوں نے اس کی بنیاد رکھی ۱۹۱۴ء میں اس نے دولتدر دازہ میں پہلا مسلم ہائی سکول قائم کیا۔ اس سے قبل یہاں سب ہندوؤں کے تعلیمی ادارے تھے، اور مسلمانوں کو مجبوراً ان میں داخلہ لینا پڑتا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد حکومت پاکستان نے سناتن دھرم ہائی سکول اور سناتن دھرم مڈل سکول کی متروکہ عمارات ۱۹۴۷ء میں انجمن کے سپرد کردیں۔ ان میں اسلامیہ ہائی سکول عام خاص باغ اور اسلامیہ ہائی سکول حرم گیٹ قائم کیے گئے ۱۹۴۸ء میں ایک پرائمری سکول بھی کھولا گیا۔ ستمبر ۱۹۵۳ء میں انجمن کا انٹر کالج قائم ہوا ۱۹۵۹ء میں اسلامیہ ڈگری کالج معرض وجود میں آیا ۱۹۶۰ء میں ولایت حسین اسلامیہ کالج کی دو منزلہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ جو پندرہ لاکھ روپے کے خرچ سے سات سال میں مکمل ہوئی ۱۹۶۲ء میں اسلامیہ گرلز کالج کھولا گیا ۱۹۶۵ء میں اسلامیہ گرلز ہائی سکول کی بنیاد رکھی گئی ۱۹۷۰ء میں علمدار حسین اسلامیہ انٹرمیڈیٹ کالج اور گیلانی اسلامیہ کالج کا قیام عمل میں آیا۔ اس طرح اس وقت انجمن اسلامیہ کے زیر اہتمام ایک لا کالج، ایک ڈگری کالج، ایک انٹرمیڈیٹ کالج، ایک گرلز ہائی سکول تین بوائز ہائی سکول اور متعدد پرائمری سکول اسلامیان ملتان کی تعلیمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں جس کی بدولت یہاں ناخواندگی کی شرح بہت کم ہوگئی ہے۔ انجمن کا نظام مجلس منتظمہ کے ذمہ ہے اور تعلیمی اداروں کا اہتمام سید فیض مصطفٰے شاہ گیلانی کے سپرد ہے۔

انجمن نصرت الاسلام

یہ ملتان چھاؤنی کے مسلمانوں کی واحد تعلیمی اور دینی تنظیم ہے۔ سید میر حسن بخاری نے ۱۹۱۰ء میں اس کی بنیاد رکھی جن کے خلوص کی بدولت یہ اس وقت تک مسلمانوں کی علمی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ انجمن کے قیام کے ساتھ ہی میر حسن بخاری نے اپنی ذاتی جائیداد پر محمڈن لائبریری قائم کی۔ جس کا ۱۹۱۰ء میں مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی نے افتتاح کیا۔ جو قدیم و جدید لٹریچر کی امین چلی آتی ہے۔ ۱۹۱۳ء میں انہوں نے اپنی اراضی پر لڑکوں کے لئے انجمن کے زیر اہتمام پرائمری سکول جاری کیا جو ۱۹۵۲ء میں ہائی سکول بنا دیا گیا۔ اور انجمن کے نام کی نسبت سے نصرت الاسلام ہائی سکول کہلایا۔ انجمن نے ۱۹۴۳ء میں لڑکیوں کے لئے بھی ایک پرائمری سکول جاری کیا جو ۱۹۵۵ء میں ہائی سکول بنا دیا۔ یہ سکول بھی انجمن کے نام سے موسوم ہے۔ چھاؤنی میں اگرچہ سرکاری سکول بھی ہیں۔ مگر اسلامی تعلیم کے خصوصی انتظام کی وجہ سے انجمن کے سکولوں میں لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اڑھائی ہزار کے قریب طلبا انجمن کے زیر اہتمام تعلیم حاصل کر رہے ہیں یہ انجمن مسلمانوں کی قابل قدر خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ اس کے زنانہ سکولوں کی انتظامیہ مستورات پر ہی مشتمل ہے۔ اس میں کوئی مرد شامل نہیں۔

انجمن اسلامیہ دسوہہ

یہ فعال انجمن ۳۶ سال سے دسوہہ ضلع ہشیار پور میں تعلیمی خدمات سرانجام دیتے دیتے تقسیم ہند کے بعد ملتان پہنچی۔ ارباب انجمن کے ارادے چونکہ نیک تھے اور دلوں میں خلوص تھا اس لئے انہیں اپنی سرگرمیاں دکھانے کے لئے ملتان میں ایک وسیع اور پُر فضا مقام عطا ہُوا۔ اِس مقام کی اہمیت و افادیت نے اُن کے ارادے میں ہمت و وسعت پیدا کی۔ اُنہوں نے شبانہ روز محنت شاقہ سے ملتان میں مسلم ہائی سکول کی بنیاد رکھی جس پر ہر شہری کو بجا طور پر فخر و ناز ہے سکول کی عمارات سات ایکڑ اراضی پر پھیلی ہوئی ہیں۔

چودھری عبدالرحمٰن ہیڈ ماسٹر نے اپنی زندگی ہی مسلم ہائی سکول کی توسیع و ترقی کے لئے وقف کر دی اور دیکھتے دیکھتے انہوں نے سولہ لاکھ کی لاگت سے سکول کی عمارات میں ایسا حسین و نفیس اضافہ کیا کہ ہر شخص انگشت بدنداں رہ گیا۔ اور ان کی بدولت یہ تعلیمی ادارہ عظیم قومی تقریبات کا مرکز بن گیا۔ امتحانی نتائج کے لحاظ سے بھی اس نے عوام و خواص میں قابل قدر مقام پیدا کیا۔ اور اس کے ساتھ اس انجمن اور سکول نے شاندار طریق پر قومی تقریبات کو نبھایا۔ اس کا یوم تاثیر یوم قائداعظم، یوم اقبال، سفینۂ غزل، یوم استقلال، آتش رفتہ، یوم غالب، یوم والدین اور ذکر فرید کی مجالس بڑی سلیقہ مندی، خوش ذوقی اور جدت پسندی کے ساتھ ترتیب دی جاتی ہیں۔ اس انجمن کے زیر اہتمام زنانہ و مردانہ تین سکول چل رہے ہیں۔

مجلسِ ملّی ملتان

یہ مجلس ایک تعلیمی مشنری ادارہ کے فرائض انجام دے رہی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد مسترت مرزا ایم اے نے چند احباب کے تعاون سے اس کی بنیاد رکھی ایک طالب علم اور دو استادوں سے ملت سکول کا آغاز کیا اور مخیر حضرات کی اعانت سے اس مہم کو آگے بڑھایا جس کے نتیجہ کے طور پر اس وقت ملتان شہر اور اس کے ذیل قصبہ ممتاز آباد میں دو ملت جونیئر ماڈل سکول، دو ملت ہائی سکول اور ایک ملت انٹر کالج بہ احسن طریق معیاری تعلیمی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ نتائج کے لحاظ سے بھی یہ تعلیمی ادارے صفِ اوّل میں جا رہے ہیں، اس ادارہ کا خصوصی صباحی خطاب سیرت پراجیکٹ، نماز پراجیکٹ، رمضان پراجیکٹ، جہاد پراجیکٹ طلبا کی سیرت سازی میں بڑا مفید ثابت ہو رہا ہے۔ عربی تعلیم کو ان مدارس میں لازمی مضمون کی حیثیت حاصل ہے تاکہ اس کے طلبا بآسانی اپنی مقدس دینی کتب یعنی قرآن و حدیث کا خود براہِ راست مطالعہ کر سکیں اور مطلب و معنی سمجھ سکیں۔

نفسیاتی طور پر بچوں میں اعتماد اور بھروسہ، دیانت و امانت کا جذبہ پیدا کرنے کیلئے ہر سال ایک یا دو جماعتوں کا امتحان بغیر کسی نگرانی کے لیا جاتا ہے جس کے پچھتر فیصد نتائج حوصلہ افزا برآمد ہوئے ہیں۔ ان سکولوں میں زجر و توبیخ یا جسمانی سزا سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ انفرادی توجہ سے ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ اس سکول کے طالب علم، پروفیسر، لیکچرار اور ہیڈ ماسٹر یا ٹیچر کی حیثیت سے تعلیمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

سرکاری تعلیمی ادارے

ملتان میں سرکاری تعلیمی اداروں میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے ۱۹۷۱ء کے اختتام تک ملتان میں مندرجہ ذیل کالج اور سکولوں کا اجراء ہوا۔

۱۔ نشتر میڈیکل کالج
۲۔ سپیریئر سائنس کالج
۳۔ گورنمنٹ ڈگری کالج بوسن روڈ
۴۔ گورنمنٹ ڈگری کالج سول لائنز
۵۔ گورنمنٹ زنانہ ڈگری کالج
۶۔ گورنمنٹ ٹیچرز ٹریننگ کالج
۷۔ گورنمنٹ پولی ٹیکنک انسٹی ٹیوٹ
۸۔ گورنمنٹ کمرشل انسٹی ٹیوٹ
۹۔ ٹیکنیکل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ
۱۰۔ گورنمنٹ پائیلٹ ہائی سکول۔
۱۱۔ گورنمنٹ کمپری ہن سیو ہائی سکول۔
۱۲۔ گورنمنٹ ہائی سکول گل گشت
۱۳۔ میونسپل ہائی سکول رشید آباد۔
۱۴۔ گورنمنٹ انڈسٹریل سکول۔
۱۵۔ زنانہ گورنمنٹ سکول
۱۶۔ مردانہ گورنمنٹ نارمل سکول

چند ایک کے سوا باقی تمام تعلیمی ادارے اپنی نو تعمیر عالی شان عمارات میں جدید ساز و سامان کے ساتھ مصروف کار ہیں۔ ان کے اپنے کھیلوں کے وسیع میدان ہیں۔ ان میں دینی اور اخلاقی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے طلباء کا اخلاقی معیار روز بروز گرتا جارہا ہے۔ اس اخلاقی گراوٹ کی وجہ سے اساتذہ کرام کا وہ احترام باقی نہیں رہا جو ماضی میں طرۂ امتیاز تھا۔

غیر سرکاری تعلیمی ادارے

سرکاری تعلیمی اداروں کے علاوہ شہر میں مندرجہ ذیل نجی تعلیمی ادارے بھی مصروف کار ہیں۔ سرکاری تعلیمی ادارے چونکہ روز افزوں آبادی کا بارِ گراں برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں۔ اسی لئے آئے دن کے بڑھتے ہوئے تعلیمی تقاضوں کی تکمیل کے لئے ناسازگار اور نامساعد حالات میں یہ ادارے تعلیمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

۱۔ گیلانی اسلامیہ لاء کالج
۲۔ ولایت حسین اسلامیہ ڈگری کالج۔
۳۔ علمدار حسین اسلامیہ انٹر کالج
۴۔ جامع العلوم ڈگری کالج
۵۔ ملت انٹر کالج
۶۔ مسلم ہائی سکول۔
۷۔ ملت ہائی سکول (شہر)
۸۔ ملت ہائی سکول (ممتاز آباد)
۹۔ اسلامیہ ہائی سکول حرم گیٹ
۱۰۔ اسلامیہ ہائی سکول دولت گیٹ
۱۱۔ اسلامیہ ہائی سکول عام خاص باغ
۱۲۔ ماڈل ہائی سکول
۱۳۔ سمرا پبلک ہائی سکول
۱۴۔ نصرت اسلام ہائی سکول
۱۵۔ جامع العلوم ہائی سکول
۱۶۔ بخاری پبلک ہائی سکول
۱۷۔ جوہر ہائی سکول
۱۸۔ فیض عام ہائی سکول
۱۹۔ سی۔ ٹی۔ ایم۔ ہائی سکول
۲۰۔ پاکستان ہائی سکول
۲۱۔ قائد پبلک سکول۔
۲۲۔ علی گڑھ ماڈل سکول۔

مشنری سکول

انگریزوں نے فتح ملتان کے بعد سب سے پہلے یہاں عیسائیت کے فروغ کیلئے چاروں انجیلوں کا ملتانی میں ترجمہ کرا کر گھر گھر مفت تقسیم کیا۔ نسل نو کو عیسائیت سے مانوس کرنے کے لئے جگہ جگہ مشنری سکول قائم کئے جہاں تعلیم و تربیت کے ذریعہ اسے انگریزی سانچوں میں ڈھالا۔ امراء و روساء نے بھی خالص انگریزی مشنری سکولوں میں بچوں کو داخل کرنے میں فخر محسوس کیا۔

پاکستان بننے کے بعد بھی ان مشنریوں کے اداروں پر کوئی قدغن نہ لگائی گئی۔ بلکہ اُن کی ہر طرح کی سرپرستی ہوتی رہی۔ اور انہیں سرکاری امداد ملتی رہی۔ اِس طرح پاکستان میں بھی عیسائیت کے فروغ کا سلسلہ جاری رہا ۱۹۷۱ء تک ملتان میں مندرجہ ذیل ادارے خواص کے بچوں کو انگریزی سانچوں میں ڈھالنے کے لئے اور اسلام سے دور رکھنے میں مصروف تھے۔

نمبر شمار	نام سکول	تعداد طلباء
۱۔	لاسال ہائی سکول ملتان	۴۹۵
۲۔	سینٹ میری کانونٹ سکول ملتان	۳۹۵
۳۔	سالویشن آرمی ہائی سکول شانتی نگر	۲۹۸
۴۔	سینٹ ونسنٹ ہائی سکول چک ۱۳۳/۱۴۔ ایل	۲۷۶

گونگے بہروں کا سکول

۱۹۵۸ء میں سید نصرت حسن ڈپٹی کمشنر نے ڈیف اینڈ ڈمب ویلفیر سوسائٹی کی بنیاد رکھی ۱۹۵۹ء میں اس سوسائٹی کے زیر اہتمام مسٹر مختار مسعود ڈپٹی کمشنر نے قلعہ کہنہ کے دامن میں یہ سکول جاری کیا ۱۹۶۰ء میں راقم الحروف نے اپنی قائم کردہ رائیٹرز کالونی میں سکول اور ہوسٹل کی تعمیر کے لئے تین کنال اراضی سوسائٹی مذکورہ کے حوالے کی ۱۹۶۱ء میں ملک کرم داد خان ڈپٹی کمشنر نے ارباب خیر سے قریباً ۵۰ ہزار روپیہ جمع کرکے راقم کی معرفت گونگے بہروں کا موجودہ سکول تعمیر کرایا۔ اور قلعہ کہنہ سے سکول اپنی عمارت میں منتقل ہو گیا۔ ان کے جانے کے بعد شیخ اظہار الحق ڈپٹی کمشنر نے قریباً ۶۶ ہزار روپیہ مخیر حضرات سے جمع کرکے میری ہی معرفت شاندار ہوسٹل تعمیر کرایا۔ ڈاکٹر اقبال احمد خان ڈپٹی کمشنر کے زمانہ میں مسلم کمرشل بنک سے چار لاکھ روپیہ پیشگی کرایہ وصول کرکے حسین آگاہی روڈ پر مدرسہ کی کفالت کے لئے دار الفلاح نامی بلڈنگ راقم کی زیر نگرانی تیار ہوئی۔

پہلے یہ پرائمری سکول تھا اب مڈل ہے چونکہ حیدر آباد اور لاہور کے درمیان اور کہیں گونگے بہروں کا سکول نہ تھا۔ اس لئے دور دور کے بچے اس سکول میں داخلہ لیتے رہے تعلیم کتابیں اور ہوسٹل کا قیام مفت ہے تعلیم دینے والی استانیاں تربیت یافتہ ہیں۔ جو لب خوانی ایر ایڈز۔ ہیڈ فونز اور میگا فونز کی مدد سے بچوں کو لکھنا پڑھنا اور سلائی کا کام سکھاتی ہیں۔ نصاب تعلیم سارا وہی ہے جو سرکاری مدارس کا ہے۔ انڈور

گیمز کا مکمل انتظام ہے۔ شہر کے بچوں کو سکول لانے اور واپس لے جانے کے لئے تانگوں کا باقاعدہ انتظام ہے۔

یہ سکول محکمہ تعلیم کی طرف سے منظور شدہ ہے جس کے متعلق امریکہ اور جاپان کی سروے پارٹی نے لکھا تھا کہ اس نے مشرقی اور مغربی پاکستان میں ملتان جیسا گونگے بہروں کا عمدہ سکول اور کہیں نہیں دیکھا اور سوشل ویلفیئر کونسل کے چیئرمین نے اس کو ملک کا بہترین سکول قرار دیا۔

اس سکول کا انتظام ڈیف اینڈ ڈمب ویلفیئر سوسائٹی کی انتظامیہ چلاتی ہے پہلے اس کا صدر ڈپٹی کمشنر ہوتا تھا۔ دس سال تک اس کا صدر ڈپٹی کمشنر سیکرٹری ڈاکٹر عبدالغنی ڈاکٹر اسد اللہ لون اور جائنٹ سیکرٹری راقم رہا حکیم محمد سعید قریشی بھی دس سال تک اس ادارہ کے اعزازی خزانچی رہے ۔ اور انہی دس سالوں میں سکول نے ترقی کی منازل طے کیں۔ اس کے بعد ڈپٹی کمشنروں کو رفاہی اداروں کی صدارت سے حکومت نے سبکدوش کر دیا۔ سوسائٹی اور سکول پر اس کے ایک عہدیدار نے اپنی اجارہ داری قائم کرلی اور من مانی کرنے لگے اور اسے اپنی پبلسٹی کا ذریعہ بنا لیا جس پر بعض اہل خیر مدرسہ کی اعانت و سرپرستی سے دستکش ہو گئے۔ مدرسہ سوشل ویلفیئر کونسل، محکمہ تعلیم کی گرانٹ اور دارالفلاح کے کرایہ کی آمدنی سے چلتا ہے اس کی دیکھا دیکھی اب بہاولپور اور ساہیوال میں بھی گونگے بہروں کے سکول جاری ہو گئے ہیں۔ اس سکول میں اسی کے قریب معذور بچے اور بچیاں زیر تعلیم ہیں۔

رائٹرز کالونی میں گونگے بہروں کا سکول جو زیر اہتمام منشی عبدالرحمٰن خاں تعمیر ہوا،

نابینوں کا سکول

ابتدا" یہ سکول ۱۹۶۴ء میں ایک رفاہی ادارہ نے نابینوں کی آبادکاری اور تعلیم و تربیت کے لئے قلعہ کہنہ کے غربی دامن میں قائم کیا تھا۔ اس کے لئے کراچی سے تربیت یافتہ اُستاد منگائے گئے تھے۔ جوان معذورین کو اُبھرے ہوئے حروف کے ذریعہ لکھنا پڑھنا سکھاتے تھے۔ کرسیاں، پیڑھیاں بننا، چکیں اور ٹوکریاں بنانا بھی سکھایا جاتا تھا مگر سرکاری عدم سرپرستی، خواص کی بے توجہی بدانتظامی اور مالی مشکلات کی وجہ سے وہ سکول بند ہو گیا۔ اس کے بعد محکمہ اوقاف نے نابینوں کی فلاح و بہبود اور تعلیم و تربیت کے لئے پشاور، لاہور اور ملتان میں تین سکول قائم کئے۔ ملتان کا سکول خانقاہ حضرت بہاء الحق پر کھولا گیا۔ اسی دوران سابقہ پرائیویٹ سکول بھی پھر سے جاری کر دیا گیا۔ ۱۹۷۱ء میں گورنر پنجاب نے اپنے دورۂ ملتان کے دوران دونوں سکولوں کا معائنہ کیا اور کہا کہ اوقاف کا سکول پرائیویٹ سکول میں مدغم کر دیا جائے چنانچہ محکمہ اوقاف نے اپنا سکول بند کر دیا۔ اب صرف پرائیویٹ سکول ہی کس مپرسی کے عالم میں چل رہا ہے۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی ورکشاپ اور ہوسٹل ہے۔ دو استاد تعلیم و تربیت پر مامور ہیں۔ پندرہ کے قریب معذور زیر تعلیم ہیں۔ سکول کو محکمہ اوقاف کی طرف سے کوئی امداد نہیں ملتی۔ گونگے بہرے اور نابینوں کے دونوں سکولوں کو سرکاری تحویل میں لینے کی ضرورت ہے۔

دیہات و یونین کونسلیں
ضلع ملتان
ضلع مظفرگڑھ
دریائے چناب
ضلع جھنگ
کبیروالہ
یونین کونسل ۲۳
دیہات ۲۳۱
ملتان
یونین کونسل ۴۲
دیہات ۳۴۴
شجاع آباد
یونین کونسل ۲۹
دیہات ۱۸۱
خانیوال
یونین کونسل ۵۶ دیہات ۳۹۲
لودھراں
یونین کونسل ۳۹
دیہات ۴۳۶
میلسی
یونین کونسل ۲۵
دیہات ۳۰۹
وہاڑی
یونین کونسل ۳۹
دیہات ۳۹۶
ضلع ساہیوال
ضلع بہاولپور
دریائے ستلج

ادبی ادارے
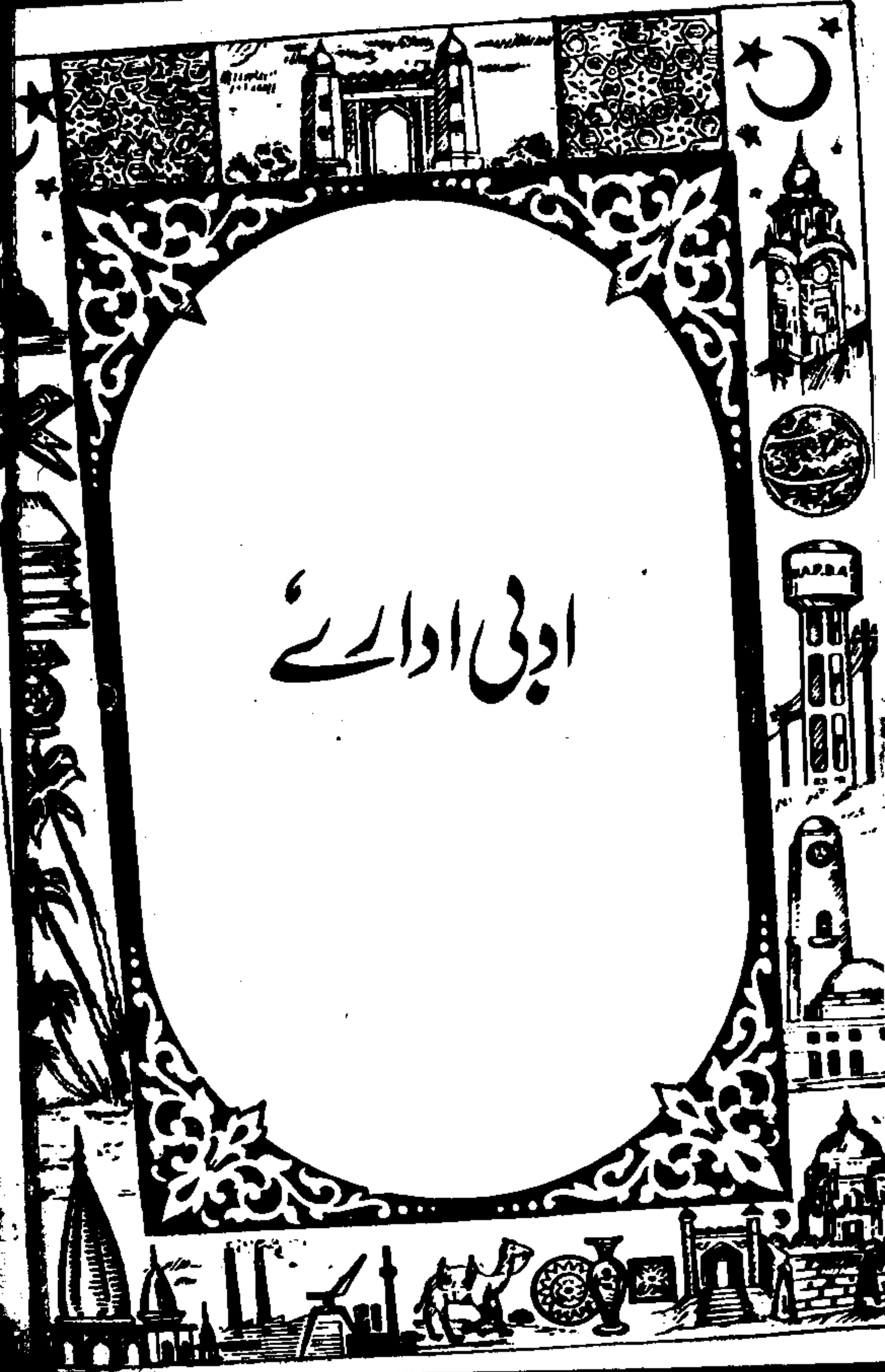
ملتان اکادمی

اس کی بنیاد سید محمد قاسم رضوی سی ایس پی نے جنوری ۱۹۵۴ء میں رکھی جب کہ وہ ملتان میں تعینات تھے۔ اس کی باگ ڈور آغا شیر احمد خان خاموش کے سپرد کی گئی۔ اس لئے جب بھی کوئی صاحب ذوق افسر ملتان آتا یا یہاں سے جاتا جس کی خاطر مطلوب ہوتی تو اس کے اعزاز میں ملتان اکادمی کوئی نہ کوئی تقریب کر ڈالتی یا اگر باہر سے کوئی نامور دانشور آجاتا تو اس وقت حرکت میں آجاتی۔ آغا شیر احمد خاموش کے عہد میں ملتان اکادمی کے جتنے بھی جلسے ہوئے وہ اپنی اہمیت وافادیت کے لحاظ سے یادگار حیثیت کے حامل تھے۔ اور ان ہی کی دیکھا دیکھی دوسری علمی ادبی انجمنیں وجود میں آئیں لیکن ارباب ذوق کو ملتان اکادمی سے یہ ضرور شکوہ رہا۔ کہ یہ خواص کا ادارہ ہے۔ عوام کا نہیں۔ اس لئے اس کی سرگرمیاں محدود اور مفلوج ہو کر رہ گئیں۔ چنانچہ جب سید قاسم رضوی کمشنر بن کر ۱۹۷۰ء میں ملتان آئے تو انہوں نے ملتان اکادمی کو بے روح پاکر اس کی عنان نظامت آغا خاموش سے لے کر ان کے تجویز کردہ نئے ناظم کے سپرد کر دی۔ جو اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کی وجہ سے اتنا کام بھی نہ کر سکا جتنا آغا خاموش کر گزرتے تھے یہاں تک کہ وہ نئی انتظامیہ کے ممبروں کو ان کی نامزدگی کی اطلاع بھی نہ دے سکے ان کے وقت میں اکادمی کے جو دو تین اجلاس ہوئے۔ وہ بھی آغا شیر احمد خان کی بدولت ہوئے۔ اس طرح ملتان اکادمی آثار قدیمہ میں شمار ہونے لگی۔

کاشی کی پلیٹ

رائٹرز گلڈ

انگریزی دور میں جس طرح ان کا خود کاشتہ قادیانی اور پرویزی پودا پروان چڑھا اسی طرح محمد ایوب خان نے بھی برسر اقتدار آتے ہی اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے دیرِ مفکروں، دانشوروں اور شاعروں کا یہ طائفہ تیار کیا اور انہیں خوش آیند اعلانات کے ذریعے بڑے سبز باغ دکھائے گئے جن کی بنا پر یہ سب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ ملتان نے گلڈ کو بام شہرت پر پہنچانے میں بڑا کردار ادا کیا۔ راقم ملتان سب ریجن کا پہلا سیکرٹری تھا۔ راقم کے وقت میں یہاں گلڈ ہوٹل گلڈ ہاؤس، گلڈ لائبریری اور رائٹرز کالونی قائم ہوئی۔ ملتان میں گلڈ نے باقاعدہ ماہانہ علمی ادبی اجلاسوں کو رواج دیا۔ اور اس نے بہت جلد قابلِ رشک حیثیت حاصل کر لی۔ یہ سعادت ملتان کے سوا اور کسی شہر کے حصہ میں نہ آئی لیکن گلڈ کی ذات سے ایک مخصوص طبقہ کے سوا نہ عام ادیب کو کوئی فائدہ پہنچا اور نہ یہ علم و ادب کی اتنی خدمت کر سکا جتنے اس نے دعوے کئے۔ بلکہ اس کی بدولت ملک کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا کیونکہ کمیونسٹ عنصر جو خلافِ قانون قرار دیا جا چکا تھا۔ ادب کا لبادہ اوڑھ کر رائٹرز گلڈ میں داخل گیا۔ اُس نے مارِ آستین بن کر ملک میں لسانی اور علاقائی عصبیت کی ایسی آگ بھڑکائی کہ پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ صدر ایوب کے زوال کے ساتھ گلڈ کے اقبال کا ستارہ بھی غروب ہو گیا۔ اور یہ ادارہ ایک تاریخی یادگار بن کر رہ گیا۔

خانقاہ شاہ رکن عالم کا پیمائشی نقشہ

ادب پرور

قیام پاکستان کے بعد جہاں مہاجرین نے شہر کی رونق اور تجارت بڑھائی وہاں انہوں نے علم و ادب کے میدان میں بھی نئی بساط بچھائی اور مقامی ارباب علم و ذوق کے تعاون و اشتراک سے مندرجہ ذیل مفید ادارے قائم کئے۔ مگر یہ ارباب ثروت کی کم ذوقی اور عشرت کوشی کی بدولت اپنی خواہشات کے مطابق علم و ادب کی پوری خدمت نہ کر سکے، زر پرستی اور خود غرضی کے اس دور میں لے دے کے میاں مختار احمد شیخ منیجنگ ڈائریکٹر یونائیٹڈ ٹیکسٹائل ملز کا دم غنیمت رہا۔ جن کی مالی اعانت سے ملتان کے متعدد علمی، ادبی، ثقافتی ادارے چل رہے ہیں۔ اس میں قلیل حصہ شیخ مقبول احمد ڈائریکٹر اللہ وسایا ٹیکسٹائل ملز کا بھی رہا۔ ارباب ثروت کی عدم توجہی عدم سرپرستی اور کم ذوقی کے باوجود یہ ادارے کس مپرسی کے عالم میں بھی علم و ادب کی خدمت کرتے رہے۔

۱۔ بزم اقبال ۲۔ بزم سیماب ۳۔ بزم فرید ۴۔ بزم عیش
۵۔ بزم داغ ۶۔ بزم حسان ۷۔ بزم احباب ۸۔ بزم طلوع ادب
۹۔ بزم ترقی ادب ۱۰۔ بزم اہل سخن ۱۱۔ گوشۂ ادب ۱۲۔ حریم فن
۱۳۔ اردو اکادمی ۱۴۔ پنجابی اکادمی ۱۵۔ سرائیکی اکادمی ۱۶۔ ادارہ فکر و فن۔
۱۷۔ مجلس فکر و نظر ۱۸۔ مجلس وارث شاہ ۱۹۔ پنجابی ادبی سنگت ۲۰۔ مجلس اقبال

نقش کاری کا بہترین نمونہ

ادباء و شعراء
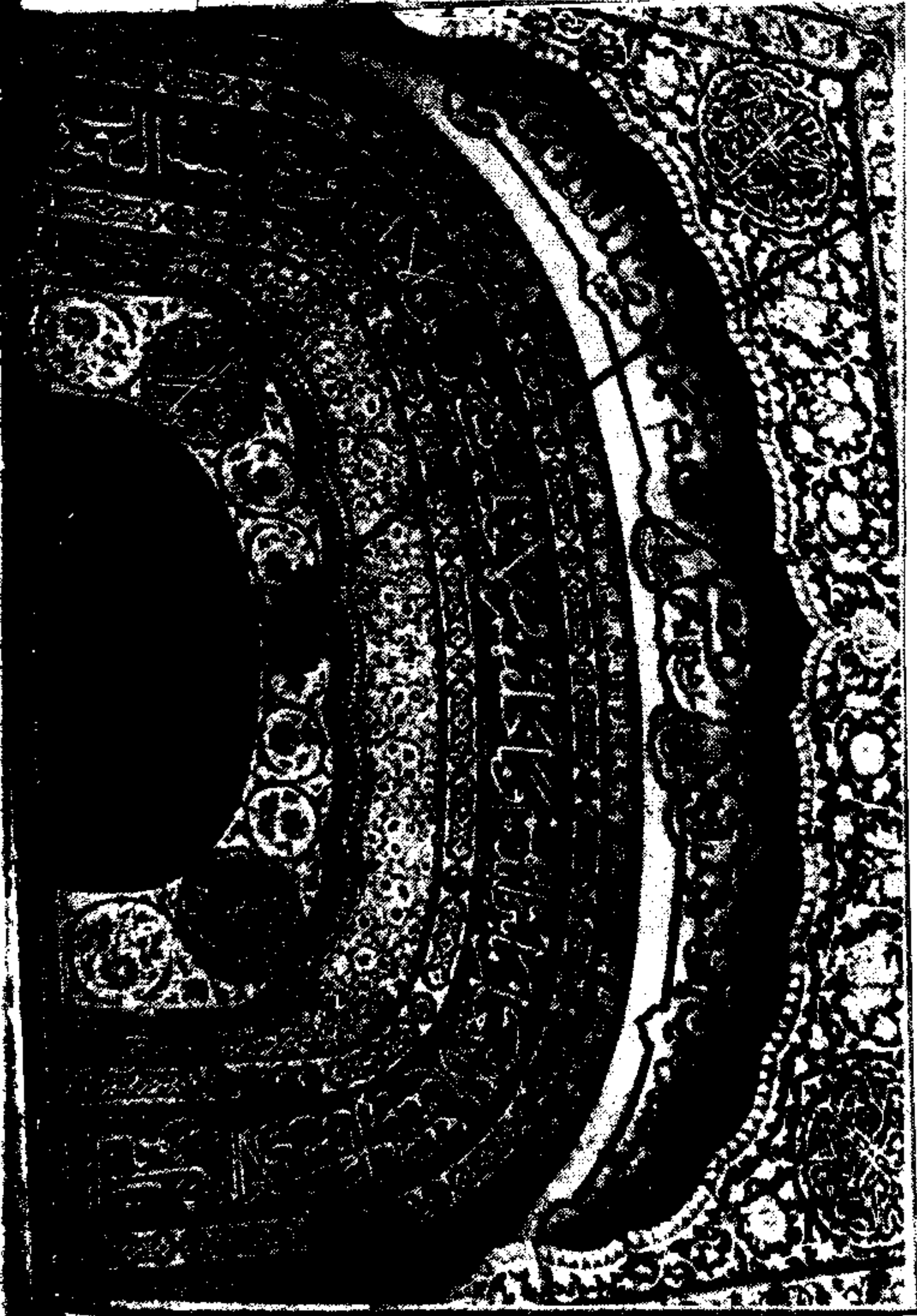
ملتان کی علمی ادبی مجالس کی رونق بڑھانے میں مندرجہ ذیل ارباب فکر و نظر کا خصوصی حصہ رہا ہے۔

ھم قلم

۱۔ شیخ اکرام الحق انصاری ایم اے، ۲۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق پی، ایچ، ڈی
۳۔ آغا صادق حسین ۴۔ گل چین کرنالی۔
۵۔ مسعود اشعر ۶۔ ساغر صدیقی۔
۷۔ ڈاکٹر مقصود زاہدی ۸۔ عتیق فکری
۹۔ محمد طاہر خان غنی۔ ۱۰۔ ابن حنیف۔ ۱۱۔ شبیر حسن اختر

ھم سخن

۱۔ ضیاء صدیقی ۲۔ آغا شیر احمد خان خاموش ۳۔ کیفی جامپوری
۴۔ عاصی کرنالی ۵۔ عزیز حاصل پوری ۶۔ اطہر سلیم مسعودی
۷۔ اسلم انصاری ۸۔ فرخ درانی ۹۔ عرش صدیقی
۱۰۔ ارشد ملتانی ۱۱۔ صادق مصور ۱۲۔ کشفی الاسدی
۱۳۔ پرواز جالندھری ۱۴۔ قمر لکھنوی ۱۵۔ ریاض انور
۱۶۔ مذاق العیشی ۱۷۔ شمیم شمسی ۱۸۔ حیدر گردیزی
۱۹۔ صادق قمر ۲۰۔ سحر رومانی ۲۱۔ اقبال ارشد

خانقاہ رکن عالم کا نمونہ کاشی کاری سنہ ۱۳۲۰ء
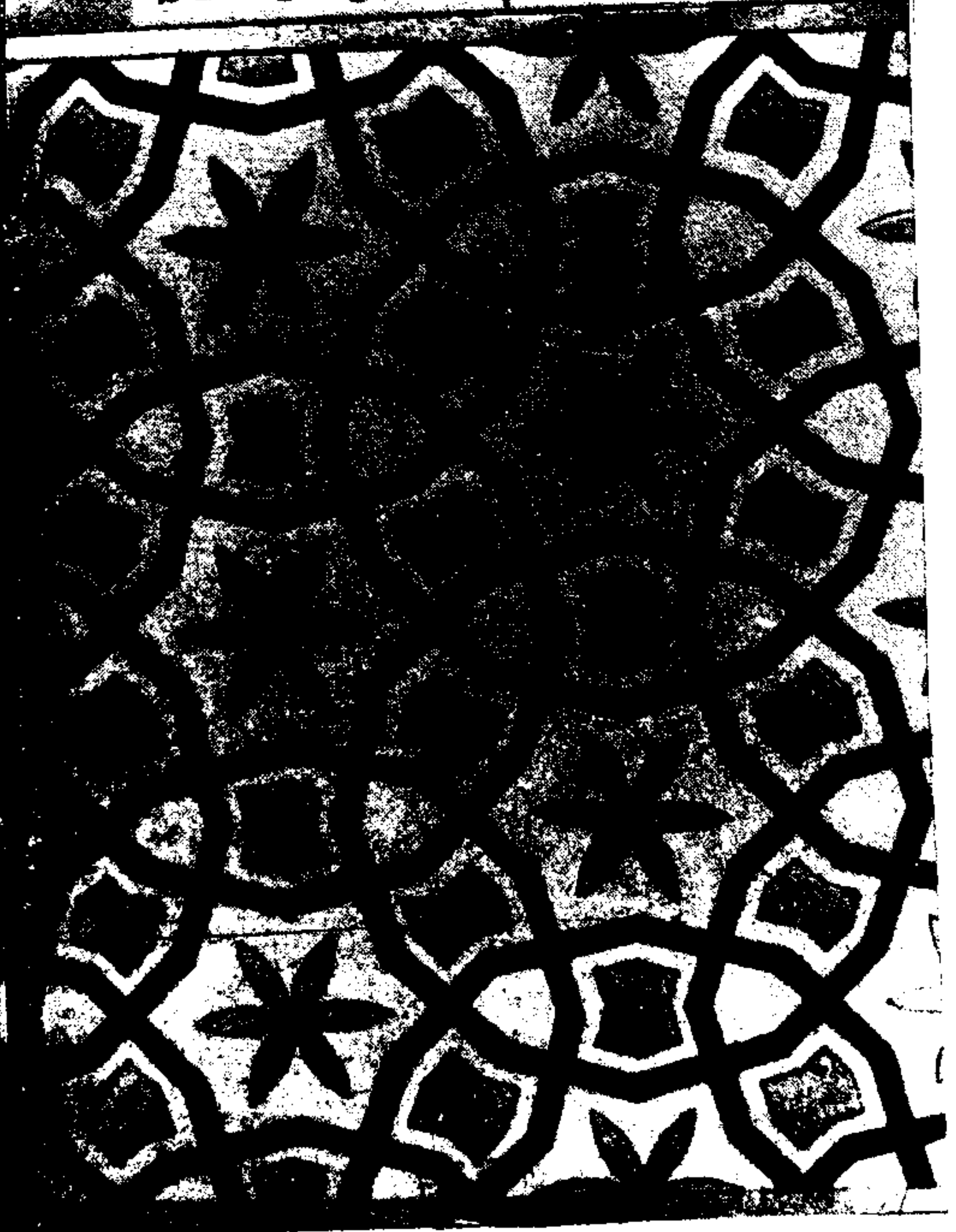
ثقافتی ادارے

مؤتمر العالم الاسلامی

یہ اس صدائے اتحاد کی بازگشت ہے جو انڈونیشیا سے عمر تسوکر وملینو نے ہندوستان سے مولانا محمد علی جوہر نے پاکستان سے علامہ اقبال نے افغانستان سے جمال الدین افغانی نے، مصر سے محمد عبدہٗ اور علامہ رشید رضا نے مراکش سے مجاہد ریف عبدالکریم خطابی نے بلند کی جس کی بنا پر دنیا میں پہلی مرتبہ ۱۹۲۶ء میں اسلامیان عالم کی مؤتمر، مرحوم شاہ عبدالعزیز ابن سعود نے مکہ معظمہ میں منعقد کی۔ اس کا دوسرا عالمی اجتماع ۱۹۳۱ء میں بیت المقدس میں ہوا جس میں پاکستان سے علامہ اقبال اور مولانا غلام رسول مہر نے شرکت کی۔ مسلمانانِ عالم کے اتحاد کو عملی جامہ پہنانے کیلئے بیت المقدس میں مؤتمر کا باقاعدہ سیکرٹریٹ قائم کیا گیا جس کے سیکرٹری ایران کے ضیاالدین طباطبائی مقرر ہوئے۔ فروری ۱۹۴۹ء میں مؤتمر عالم اسلامی کے تیسرے اجلاس کراچی میں اس کا نام مؤتمر العالم الاسلامی قرار پایا جس کا افتتاح پاکستان کے گورنر جنرل جناب خواجہ ناظم الدین نے کیا۔ اس کی چوتھی کانفرنس کا افتتاح ۱۹۵۱ء میں شہیدِ ملت نوابزادہ لیاقت علی خان نے کراچی میں کیا۔ پانچویں اجلاس منعقدہ ۱۹۶۲ء بغداد میں اس کا باقاعدہ دستور منظور ہوا۔ اس نے عالم اسلام کی یکجہتی اور اسے صیہونی اور استعماری ہتھکنڈوں سے بچانے کے لئے عظیم کام کیا۔ اِس کی ایک شاخ ملتان میں بھی قائم ہوئی جس کے کئی عوامی اجلاس ہوئے جن میں اس کے سیکرٹری جنرل انعام اللہ خان نے بھی شرکت کی۔

یوتھ مومنٹ

محبانِ پاکستان کی اس تحریک کا مقصد نوجوان طبقہ میں لیڈر شپ، محنت کشی، انسانی ہمدردی اور خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا کرنا۔ انہیں عسکری تربیت دینا، تعلیمِ بالغان کا اہتمام کرنا اور ایسے منصوبوں کو بروئے کار لانا ہے جن کے ذریعہ نوجوانوں کو روزگار مہیا ہو سکے۔ اس کا آغاز ملتان میں ۱۹ر جولائی ۱۹۵۹ء کو ہوا۔ ۶۳-۱۹۶۲ء میں ایک وسیع سرکاری ٹکڑا اراضی پر اس کا یوتھ سنٹر قائم ہوا۔ اس کی نہ عمارت ڈھنگ کی بنی۔ نہ اس سے وہ توقعات پوری ہوئیں۔ جو ابتدا میں اس سے وابستہ کی گئیں۔

اس تحریک کی طرف سے ایک ورک کیمپ قائم کیا گیا جس میں یک صد کے قریب نوجوانوں نے کام کیا۔ اس کے بعد اس نے نوجوانوں کو ملٹری ٹریننگ دینی شروع کی ۱۹۶۵ء کی جنگ میں عسکری تربیت زیادہ زور پکڑ گئی۔ اس نظام کے تحت ایک یوتھ رائفل کلب قائم کی گئی جسے گورنمنٹ نے ۲۲ بور بندوق کے پانچ فری لائسنس عطا کئے تاکہ لوگوں کو ملٹری ٹریننگ دی جائے۔

یوتھ سنٹر اب زیادہ تر دنگل کا کام دے رہا ہے۔ جس میں ہر جمعہ کو ٹھیکیدار پہلوانوں کی کشتیاں کراتے ہیں۔ اس سنٹر کی طرف سے ایک چودہ روزہ پرچہ افراد بھی کبھی کبھی اس کی موجودگی کا احساس دلاتا رہتا ہے۔

مجلسِ حُسنِ قرأت

۸ر اکتوبر ۱۹۵۹ء کو موسم سرما کے تفریحی پروگرام مرتب کرنے کے لئے مسٹر مختار مسعود ڈپٹی کمشنر ملتان نے مختلف اداروں کے سربراہوں کی ایک میٹنگ بلائی۔ جب ثقافتی پروگرام کی باری آئی تو انہوں نے تجویز پیش کی کہ اس پروگرام میں گانوں کی بجائے قرآن سنا جائے اور اس کا اہتمام راقم کے سپرد کیا۔ جس پر راقم نے اس مجلس کی بنیاد ڈالی ڈپٹی کمشنر اس کا صدر اور نوابزادہ ذوالفقار محمد خان، نوابزادہ غلام قاسم خان، مخدوم سجاد حسین قریشی اور میاں مختار اے شیخ اس کے نائب صدر رہے۔ راقم ناظم کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ پانچ سال تک متواتر اس کے معرکۃ الآرا اجلاس ہوتے رہے۔ جن میں پاکستان کے علاوہ مصری اور افریقی قرا بھی شرکت کرتے رہے۔ جن سے سامعین اتنے محظوظ و مسرور ہوئے کہ انہیں راگ و رنگ بھول گئے۔ حکام، علماً، فضلاً، وکلاً، امرآ اور غرباً پانچ پانچ گھنٹوں کے مسلسل اجلاس میں انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ بیٹھے قرآن سنتے رہتے۔ ملتان کی تاریخ میں نہ کبھی اتنے طویل اجلاس ہوئے اور نہ کسی دوسری دینی تقریب میں اس طرح ہر فرقہ، ہر طبقہ اور ہر جماعت کے افراد شریک ہوتے دیکھے۔ اس مجلس کی بدولت قرآن کریم سننے کا شوق اتنا عام ہوا کہ امرا و غربا سب کے ہاں سماع قرآن کی محفلیں منعقد ہونے لگیں اور دیکھتے دیکھتے یہ روح پرور تحریک قریہ قریہ، قصبہ قصبہ، شہر شہر اور ملک ملک پھیلتی پھیلتی عالمگیر تحریک بن گئی اور اب خود بخود رواں دواں ہے۔

بزمِ ثقافت

صدر ایوب کے ایما پر سرکاری محکمۂ تعمیر نو نے لوگوں کو سیاست سے دور رکھنے راگ و رنگ کا خوگر بنانے، چنگ و رباب اوّل کا سبق پڑھانے اور اُن میں "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اس کی داغ بیل ڈالی۔ اس غرض کے لئے ملتان میں بھی ۱۹۶۰ء میں مرکزی حکومت کا ایک ذمہ دار افسر آیا۔ اس نے چند ترقی پسند، اور آزاد منش نوجوانوں کو جمع کر کے اس کی بنیاد ڈالی۔ مالی اعانت کا یقین دلایا۔ ساری مقامی سرکاری مشینری کو اس کی امداد اور پشت پناہی پر مامور کیا اور اس کی بدولت ملتان میں جشنِ موسیقی منائے جانے لگے۔ اس کی سرگرمیوں کا آغاز جشنِ فریدسے ہوا۔ اس کی سرپرستی خود صدرِ مملکت کے نامور سیکرٹری قدرت اللہ شہاب نے کی۔ بی۔ اے قریشی کمشنر ملتان کی دستگیری سے ڈسٹرکٹ کونسل ملتان اور میونسپل کمیٹی ملتان نے دل کھول کر اس کی مالی مدد کی محکمۂ اطلاعات نے اس جشن کو کامیاب بنانے پر اپنی پوری توجہ، تمام وسائل اور مشینری لگادی، ملک کے نامور ادیبوں، شاعروں، موسیقاروں، مغنیوں اور سازندوں نے اس جشن کو رونق بخشی، اس طرح ملتان میں سرکاری طور پر رقص و سرود کا دروازہ کھول دیا گیا۔ جو لوگ بالاخانوں پر جا کر گانا سُن سکتے تھے۔ اُن کے لئے یہ بزم نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ اس نے رقص و سرود کے دلدادہ شرفا کیلئے ایک عوامی پلیٹ فارم مہیا کر کے ان کی مشکل آسان کر دی، وہ کُھل کر ایسی مجلسوں کو رونق بخشتے اور لطف اُٹھاتے اس کی بدولت طاؤس و رباب بھی اسلامی ثقافت کی نمائندگی کرنے لگے۔

انجمن اتحادِ ثلاثہ

دُنیا میں جس تیزی سے اقتصادی اور معاشرتی زندگی کا ڈھانچہ بدل رہا ہے زراعتی ملکوں میں جو صنعتی اور سائنسی انقلاب آرہا ہے۔ مواصلات و انتقالات میں جو حیرت انگیز تبدیلیاں آرہی ہیں۔ ان کی موجودگی میں کم از کم ایسے ممالک کا باہمی اشتراک و تعاون اشد ضروری ہوگیا تھا۔ جن کے سیاسی تعلقات، تاریخی روایات، جغرافیائی حدود اور ثقافتی رشتے آپس میں ملتے تھے مغرب و مشرق کے درمیان مشرقِ وسطیٰ کے اسلامی ممالک کو ایک دُوسرے سے جُدا رکھنے میں ابتدا سے استعماری طاقتیں مصروفِ عمل ہیں کیونکہ عالمِ اسلام کے اتحاد میں ان کی موت یقینی ہے۔ اِس لئے وہ اپنی بقا کے لئے ہمارے اتحاد میں سنگِ گراں بنی ہوئی ہیں۔

علاقائی سطح پر اقتصادی اور معاشرتی مسائل کو مشترکہ مساعی سے حل کرنے کا جذبہ ایران، پاکستان اور ترکی کے اربابِ اقتدار کے دلوں میں پیدا ہوا۔ جن کے سربراہوں نے ۲۱ جولائی ۱۹۶۱ء کو استنبول میں ایک چوٹی کانفرنس منعقد کر کے باہمی تعاون و ترقی کے لئے آر۔سی۔ڈی کے نظام کی بنیاد رکھی جس کے تقاضوں کو عوامی سطح پر پورا کرنے کیلئے ملتان میں بھی انجمن اتحادِ ثلاثہ قائم کی گئی۔ جو ہر سہ ممالک کی تاریخی اور قومی تقاریب کے موقع پر باقاعدگی سے اپنے اجلاس منعقد کرتی چلی آرہی ہے۔

انجمن پاک ایران دوستی

ایران کا پاکستان سے عہد قدیم سے تعلق وابستہ ہے ان دونوں ملکوں کا تاریخی تہذیبی ثقافتی، فکری اور لسانی رشتہ بھی دیرینہ ہے معاشرتی ہم رنگی اور ادبی ہم آہنگی بھی قریباً یکساں ہے۔ ان کے محبت و اخوت کے رشتوں میں جغرافیائی حدود کبھی حائل نہیں رہیں۔

دیرینہ تعلق اور جدید وابستگی کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ملتان میں انجمن پاک ایران دوستی کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کی تقاریب میں ایرانی دانشور مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوتے رہے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ اسلامی تقاضوں کے خلاف پاکستان میں انہی تعلقات کی بنا پر سرکاری طور پر بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ایران کا پچیس ہزار سالہ جشن شہنشاہیت منایا گیا۔ اس میں اس انجمن نے بھی سرگرمی سے حصہ لیا۔

اس کے فوراً بعد ۱۹۷۱ء کے اواخر میں جب ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کیا تو ایران کی یاد دلوں میں تازہ تھی اور ہر ایک نے اس سے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں مگر اس آزمائش و امتحان کے وقت ایران کی خاموشی باعث حیرت تھی۔ اس انجمن کے صدر میاں مختار اے شیخ اور سیکرٹری مسٹر غضنفر مہدی ہیں۔

سپورٹس
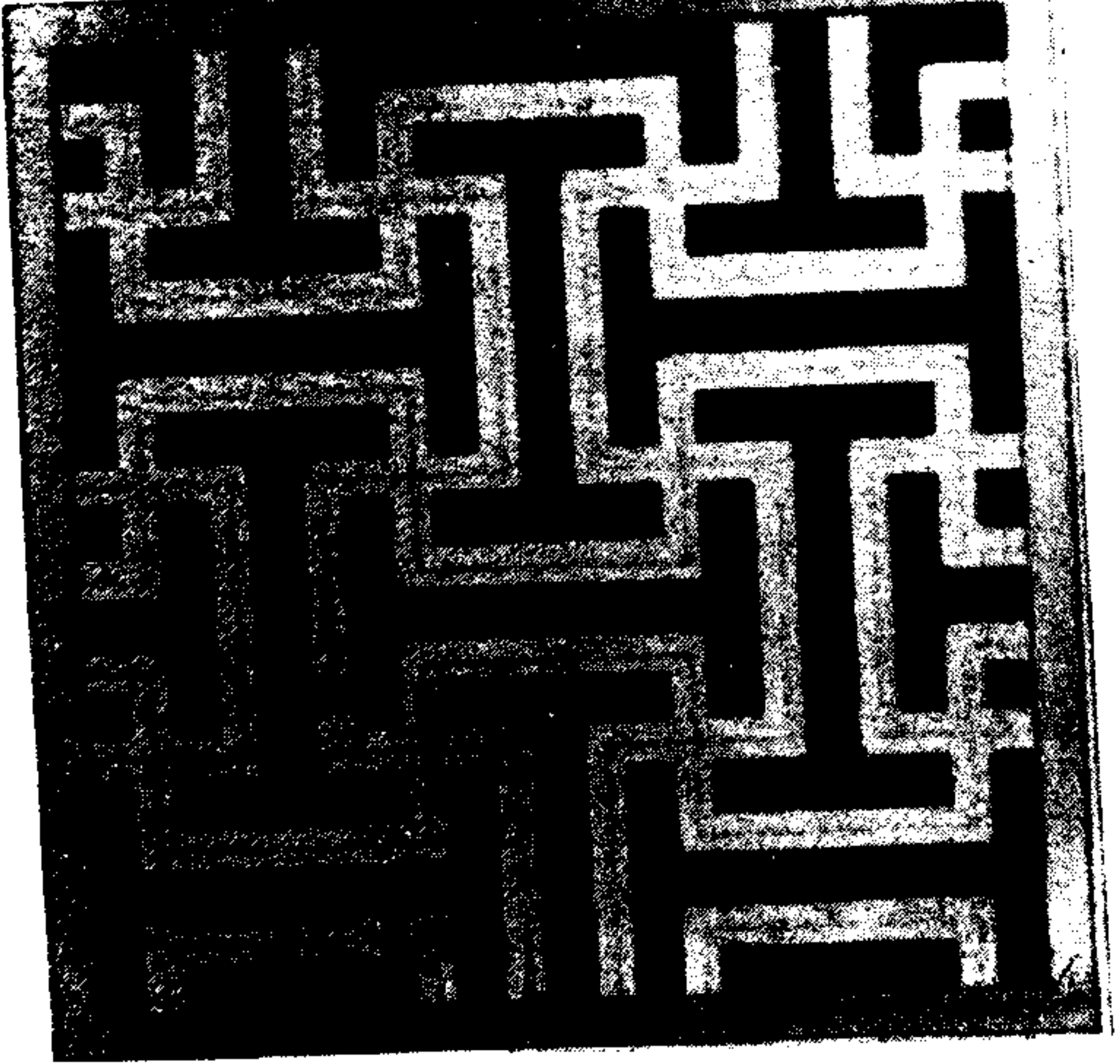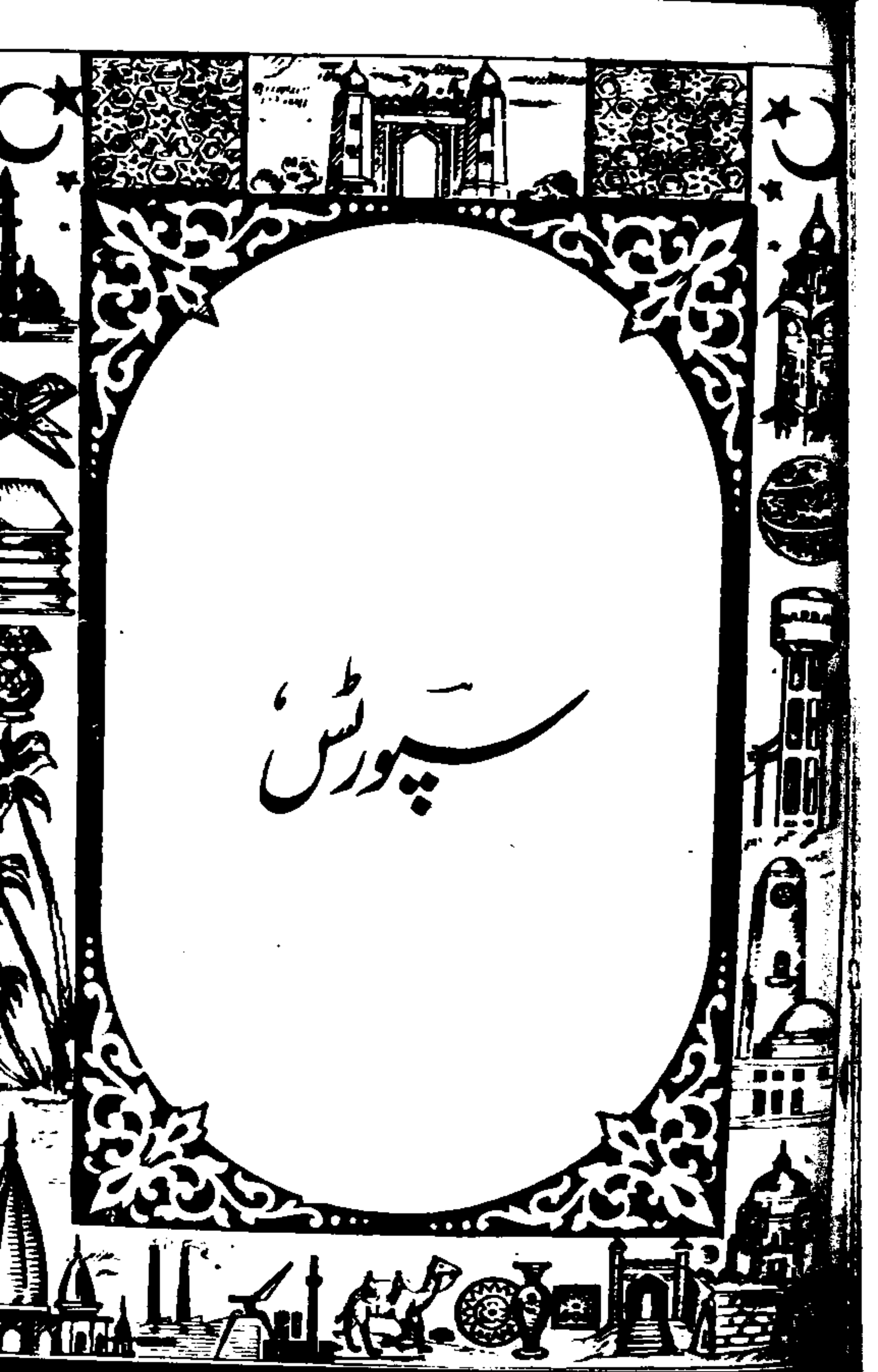
ورزشی ادارے

کھیل اور ورزش صحت کے لئے اشد ضروری ہے سکولوں اور کالجوں میں ان کا باقاعدہ اہتمام ہوتا ہے لیکن تقسیم ہند کے بعد اس کا عوامی سطح پر بھی انتظام ہونے لگا۔ اب انکی امداد کیلئے باقاعدہ سرکاری سطح پر ایک ڈویژنل انسپکٹر مقرر ہے۔ مندرجہ ذیل ایسوسی ایشنز مختلف کھیلوں کا اہتمام کرتی رہتی ہیں:۔

۱۔ ڈویژنل فٹ بال ایسوسی ایشن
۲۔ ڈویژنل ہاکی ایسوسی ایشن
۳۔ ڈویژنل باسکٹ بال ایسوسی ایشن
۴۔ ڈویژنل کرکٹ ایسوسی ایشن
۵۔ ڈویژنل ریسلنگ ایسوسی ایشن
۶۔ ڈویژنل والی بال ایسوسی ایشن
۷۔ ڈویژنل ایتھلیٹک ایسوسی ایشن
۸۔ ڈسٹرکٹ فٹ بال ایسوسی ایشن
۹۔ ڈویژنل ٹیبل ٹینس ایسوسی ایشن
۱۰۔ ڈویژنل سکواش ریکٹ ایسوسی ایشن
۱۱۔ ڈویژنل بیڈمنٹن ایسوسی ایشن
۱۲۔ ڈویژنل لان ٹینس ایسوسی ایشن
۱۳۔ ڈویژنل کبڈی ایسوسی ایشن
۱۴۔ ڈویژنل باڈی بلڈنگ ایسوسی ایشن
۱۵۔ ڈویژنل ویمن سپورٹس ایسوسی ایشن

ان کے لئے باقاعدہ ایک وسیع و عریض اور خوشنما ڈویژنل ٹریننگ سنٹر موجود ہے۔ جس میں وقتاً فوقتاً ان کھیلوں کا اعلےٰ سطح پر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔

ملتان کرکٹ کلب

تقسیم ہند سے قبل ملتان کرکٹ کے مہنگے کھیل کا شائق نہ تھا۔ پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں چوہدری عبداللطیف امرتسری ملک محمد صدیق اور مولوی عرفان احمد انصاری نے اس کلب کی بنیاد رکھی ۱۹۶۸ء میں اس کی سلور جوبلی منائی گئی یہ اب تک سترہ آل پاکستان کرکٹ ٹورنامنٹ دو ہاف دیدر ٹورنامنٹ اور ایک سنگل وکٹ ٹورنامنٹ کرا چکی ہے۔ تین ٹیسٹ کرکٹر اسمی ڈنکن شارپ ممتاز الرحمن اور اعجاز حسین اسی کلب نے پیدا کئے ہیں۔ اگرچہ اسے اعلےٰ سرکاری حکام کی سرپرستی حاصل رہی ہے اور اس کے ممبران میں بھی مسٹر جسٹس نذیر احمد محمود میاں بدیع الزمان ایڈووکیٹ جنرل میجر فضل حق رجسٹرار ہائی کورٹ اور کئی ڈپٹی کمشنر اور کمشنر شامل رہے مگر یہ سرکاری مالی امداد و اعانت سے بے نیاز رہی اور اپنے اخراجات اس کے شائقین خود برداشت کرتے رہے ۱۹۵۴ء میں اُس نے نواں شہر میں ایک وسیع پلاٹ کرکٹ کے کھیل کے لئے حاصل کیا اور کافی روپیہ خرچ کر کے اسے کارآمد بنایا۔ اس میں اپنا ٹیوب ویل لگوایا اور پویلین بنوایا ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۰ء تک چوہدری عبداللطیف اس کے سیکرٹری اور سردار عبدالجبار خان اس کے صدر رہے۔ اب چوہدری عبداللطیف اس کے صدر بنائے گئے ہیں۔ آغا محمد حسین ملک بشیر ملک صدیق اور بشیر کاردار اس کے نامور کھلاڑی ہیں۔

فٹ بال ایسوسی ایشن

اس ایسوسی ایشن کی بنیاد ۱۹۴۹ء میں سردار عبدالجبار خان، نوابزادہ غلام قاسم خان اور فیض محمد خان دُرّانی نے ضلعی سطح پر رکھی اور آل پاکستان قائداعظم فٹ بال ٹورنامنٹ شروع کیا۔ ۱۹۵۵ء میں یہ ڈسٹرکٹ سے ڈویژنل ایسوسی ایشن بن گئی۔ میاں مغیث اے شیخ اور فیض محمد خان، ان کے بعد غلام قاسم خان اس کے صدر بنے۔ سیکرٹری کے فرائض سلیم اللہ خان انجام دیتے رہے۔ یہ ایسوسی ایشن ۱۸ سال تک کے نوجوانوں کو اس کھیل کی تربیت دیتی ہے۔ اس کھیل کی ترقی و ترویج کے لئے کوشاں رہتی ہے۔ اور بین الاضلاعی ٹیموں میں میچ کا اہتمام کرتی ہے۔ اس میں جو ٹیم منتخب ہوتی ہے۔ وہ نیشنل فٹ بال چیمپئن شپ میں شرکت کرتی ہے۔ اس ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ہر سال ماہ جولائی میں آل پاکستان قائداعظم فٹ بال ٹورنامنٹ قلعہ کہنہ کے سٹیڈیم میں ہوتا ہے۔ جو ایک مہینہ تک رہتا ہے۔ اس میں مغربی پاکستان کی ۲۵ ٹیمیں حصہ لیتی ہیں۔ اس کی تقاریب تقسیم اسناد کو محترمہ فاطمہ جناح، سردار عبدالرب نشتر اور جنرل موسیٰ خان نے شرفِ صدارت بخشا۔ کرنل محمود خان، کریم نواز خان، نعمت اللہ خان، اللہ نواز خان ترین، عطا محمد خان آفریدی، فیض محمد خان، سلیم اللہ خان، شرف الدین اور شیخ اقبال ملتان کے مشہور فٹ بالر رہے۔ کریم نواز خان ملتان کا واحد کھلاڑی تھا۔ جس نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ جس کی بنا پر محمڈن سپورٹنگ کلب اسے ملتان سے کلکتہ لے گئی اور اسے ٹیم کا کپتان بنا کر دو سال کلکتہ میں رکھا۔

باڈی بلڈرز

انسانی جسم کی نشو ونما ۱۷سے ۲۱سال کے درمیانی عرصہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے اس عرصہ میں مختلف ورزشوں کے ذریعے جسم کی ساخت میں ردو بدل ممکن ہوتا ہے۔ یہ ورزش باڈی بلڈر کراتے ہیں۔ جن کے ملتان میں مندرجہ ذیل ورزشی ادارے قائم ہیں۔

۱۔ پاک عابد ہیلتھ کلب
۲۔ شاہین ہیلتھ کلب
۳۔ ملتان ہیلتھ کلب
۴۔ پاک ہیلتھ کلب
۵۔ قاسم ہیلتھ کلب
۶۔ المتاز ہیلتھ کلب
۷۔ قریشی ہیلتھ کلب
۸۔ مسلم ہیلتھ کلب
۹۔ حسین ہیلتھ کلب
۱۰۔ رضا کار ہیلتھ کلب
۱۱۔ یونیورسل ہیلتھ کلب
۱۲۔ سینڈوز ہیلتھ کلب
۱۳۔ یونائیٹڈ ہیلتھ کلب
۱۴۔ اسلام ہیلتھ کلب

ایسے تمام کلب پاکستان باڈی بلڈرز ایسوسی ایشن لاہور میں رجسٹرڈ ہوتے ہیں ان کلبوں کی بدولت مسٹر عابد حسین بٹ نے مسٹر پاکستان اور مسٹر یونیورس کمپی ٹیٹر کا اعزاز حاصل کیا۔ ڈاکٹر محمد عمر خان مسٹر ملتان اور پاکستان کے کلاس ونر ٹھہرے۔ ظفر اقبال مسٹر ملتان ڈویژن اور وکیل الدین مسٹر ملتان قرار پائے۔ عابد حسین بٹ نے لندن اور بلغراد کے مقابلوں میں اور محمد عمر خان نے لندن کے مقابلوں میں ملتان کی نمائندگی کی۔
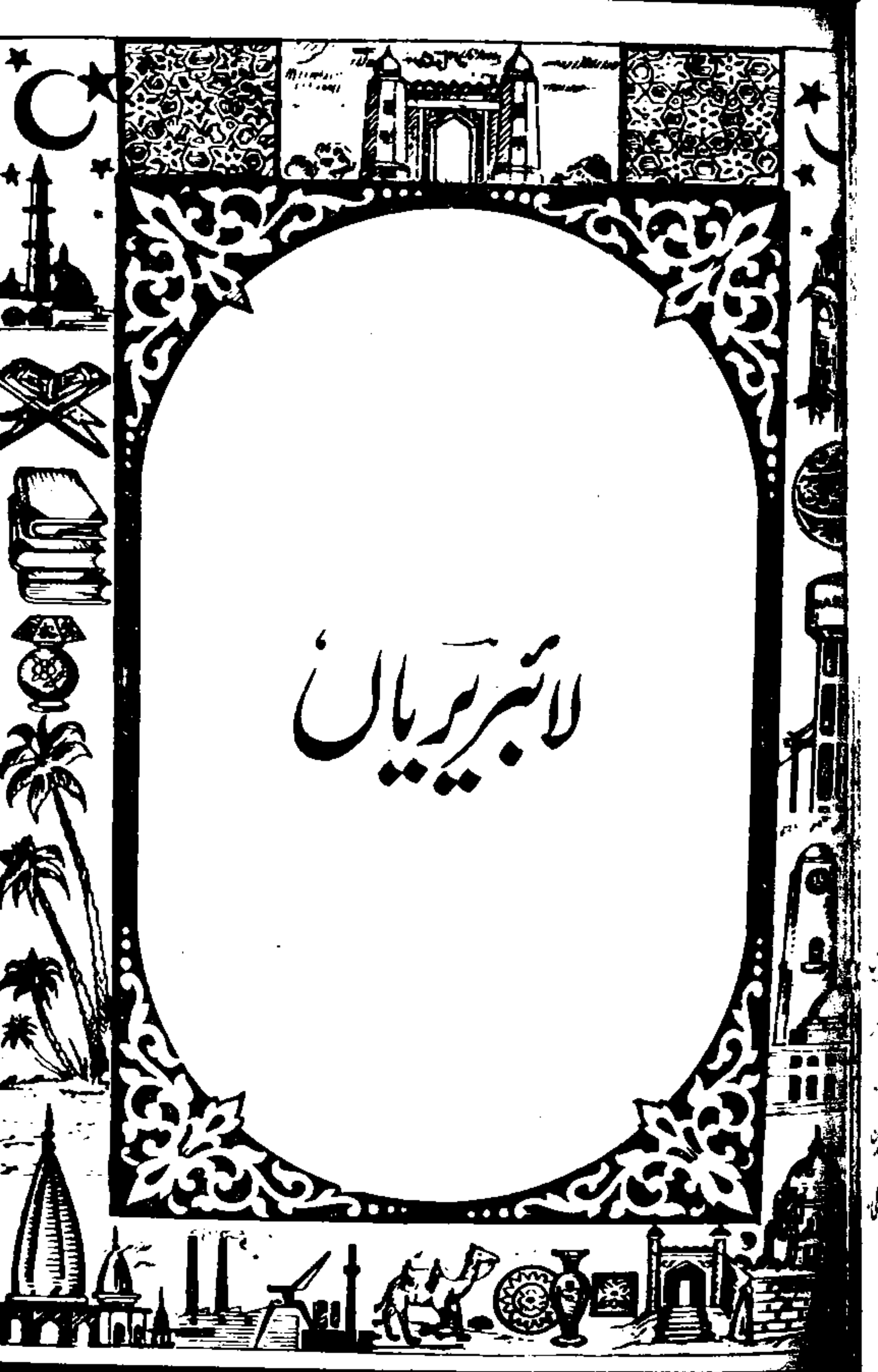
لائبریریاں
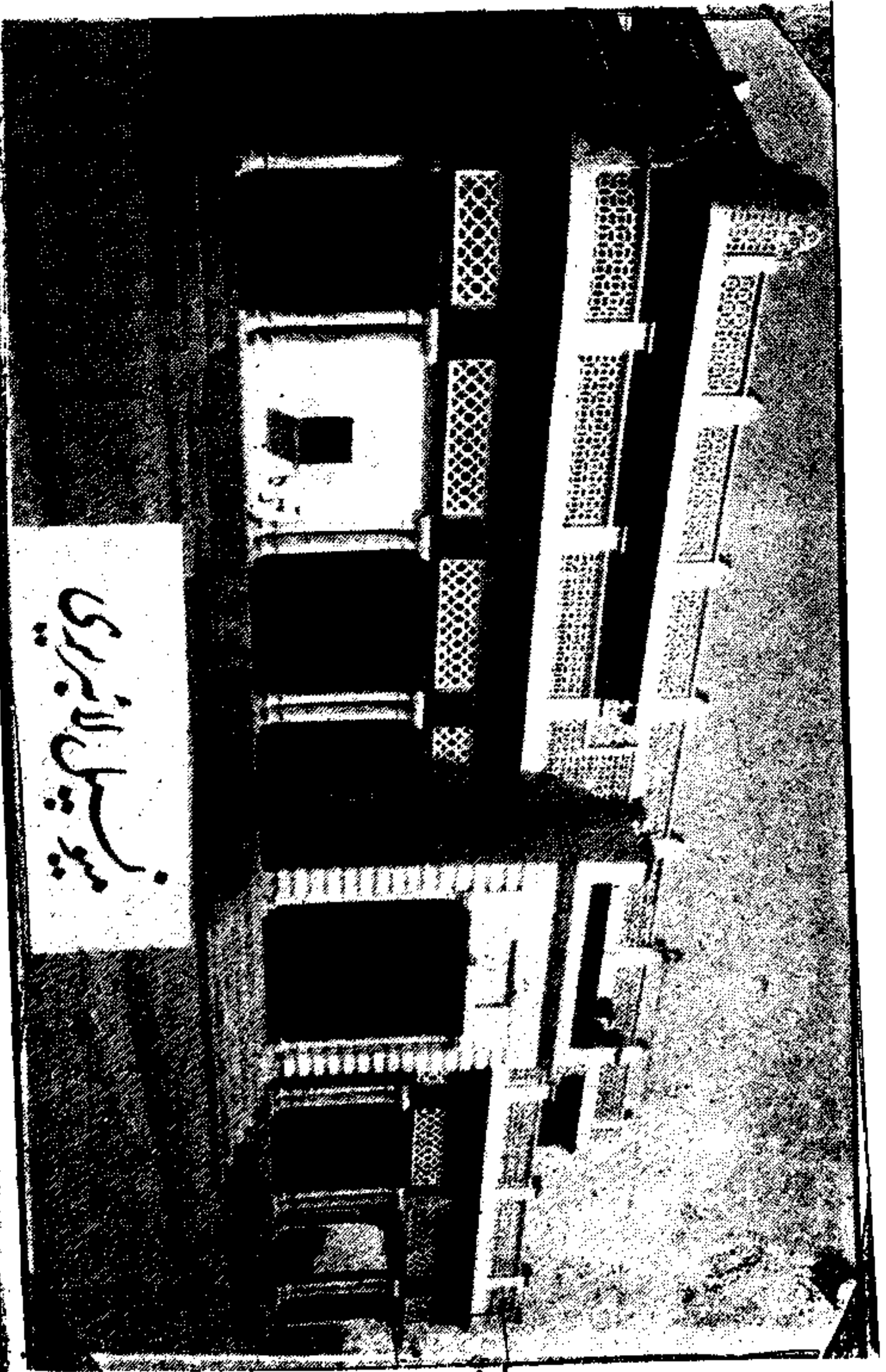
پبلک لائبریری

اس لائبریری کی بنیاد ۱۹۰۸ء کے اس زمانہ میں باغ لانگے خان میں رکھی گئی۔ جب مشرقی تہذیب و تمدن اپنی کہن سالی کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ مغربی تہذیب اپنے پاؤں پھیلا رہی تھی اور اہل ملتان نئے مسائل نئے حالات اور نئے تقاضوں سے دوچار ہو رہے تھے۔ ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے سلف کے علمی ادبی تاریخی کارناموں کو محفوظ کرنے اور نئی نسل کو ان سے آگاہ و آشنا کرنے کے لئے ملتان میں یہ پہلی پبلک لائبریری قائم کی گئی۔ اس لائبریری میں ہر علم و فن کی قریباً بیس ہزار کتابیں موجود ہیں، ان میں قابل قدر اور نایاب قلمی کتابیں بھی شامل ہیں جن میں سے مراۃ الافاغنہ مصنفہ خان جہاں لودھی یکے از وزرائے جہانگیری، بازار حسن کے متعلق کامل النصاب زنانہ بازار، کنز الدقائق، تحفۃ القادریہ، دیوان مغربی، اقوال حکماء، انواع العلوم ملتان، مجموعہ وظائف چشتیہ عربی فارسی مؤلفہ نواب عبدالقادر خان بادوزئی تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس لائبریری کو ایک انتظامیہ چلاتی ہے چونکہ اس میں بارہ سال سے شیخ جمال الدین مستقل طور پر بطور لائبریرین کام کر رہے ہیں۔ اس لئے اس کا انتظام میونسپل لائبریری سے بدرجہا بہتر ہے۔ اسے ہر کتاب کا علم ہے کہ وہ کہاں رکھی ہے۔ اس کی موضوع وار فہرست لائبریری میں موجودہ کتب کی آئینہ دار ہے۔ یہ ارباب علم و فضل کیلئے ایک بہترین خزینہ ہے۔

میونسپل لائبریری

یہ لائبریری قلعہ کہنہ کے دامن میں ایک پُر فضا مقام پر واقع ہے۔ اس کا سنگ بنیاد ۱۵ فروری ۱۹۵۴ء کو سید علمدار حسین شاہ گیلانی وزیر صحت مغربی پاکستان نے رکھا۔ یہ مغربی پاکستان کی چند بہترین لائبریریوں میں سے ہے۔ اس کے بیرونی عمارتی حسن کو اس کے اندر کے بڑے موٹے اور غیر موزوں ستونوں نے نہ صرف داغدار کر دیا ہے بلکہ اس کی کشادگی کو بھی بُری طرح متاثر کیا ہے۔ ورنہ اس کا ہال پبلک لائبریری کے ہال سے بہتر ہوتا۔

اس لائبریری میں دس ہزار کے قریب قدیم و جدید کتب موجود ہیں۔ افسانوی لٹریچر ضرورت سے زیادہ ہے اور معیاری کم! کتابوں کے علاوہ یہاں پبلک لائبریری کی طرح باقاعدہ اُردو، انگریزی کے روزنامے، ہفت روزے، ماہنامے اور زود ہضم ڈائجسٹ بھی منگائے جاتے ہیں۔ جن سے روزانہ بیسیوں اہل ذوق مستفید ہوتے ہیں، قارئین کی نشست و برخاست کا مناسب انتظام ہے۔ اس لائبریری میں کوئی تجربہ کار یا سند یافتہ لائبریرین متعین نہ ہونے کی وجہ سے اس کا انتظام محل نظر ہے۔ بلدیہ کے دوسرے شعبوں کی طرح یہ بھی بلدیہ کے کلرکوں کے سپرد ہے۔ جن کا وقتاً فوقتاً تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ تبادلوں میں ایسے کلرک لائبریری کے انچارج بنائے جاتے ہیں۔ جن کو علم و ادب سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ نہ انہیں لائبریری کی کتب کا پورا پتہ ہوتا ہے۔ اس کا ناظم اس فن کا ماہر ہونا چاہئے۔

مخطوطات
و
نوادرات

گھنٹہ گھر
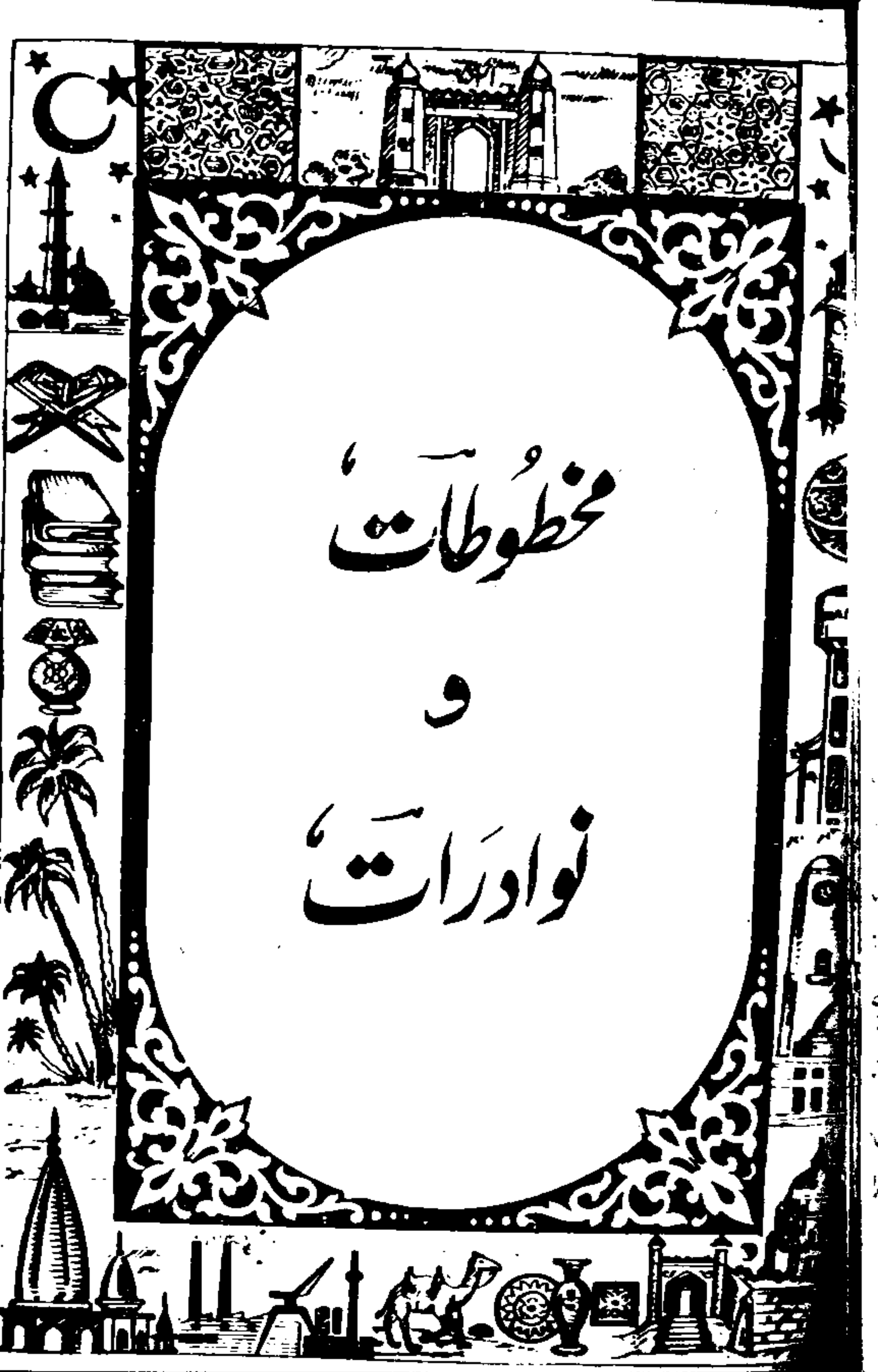
قلمی کتابیں

ملتان جس قدر قدیم ہے اسی قدر اس کے سینے میں نوادرات اور مخطوطات کے خزینے موجود ہیں۔ ملتان میں جن خاندانوں کے پاس علمی نوادرات محفوظ ہیں۔ ان میں سر فہرست تین کتب خانے ہیں پہلا سب سے بڑا کتب خانہ سید محمد رمضان شاہ گردیزی کا ہے اس میں ہزاروں کتب کے علاوہ چالیس کے قریب نادر مخطوطات محفوظ ہیں جن میں تزکِ جہانگیری کا وہ اوّلین نسخہ بھی شامل ہے جو بعد اختتام کتابت جہانگیر کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کے پہلے صفحہ پر جہانگیر، شاہ جہان اور اورنگ زیب عالم گیر کی قلمی تحریریں اور متن میں شاہ جہان کی اصلاح موجود ہے۔

دُوسرا کتب خانہ عبدالحلیم خان خویشگی کا ہے۔ اس میں زیادہ تر تاریخی مخطوطات ہیں جن میں سے سُلطان التمش کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید، دارا شکوہ کی تصنیف التوحید، مولانا جامی کی تصنیف نفحات الانس اور مغل بادشاہوں، شاہزادوں اور ایرانی فرمانرواؤں کے خطوط و فرامین کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

تیسرا کتب خانہ سید عباس حسین گردیزی کا ہے اس میں نادر مخطوطات کا مجموعہ سب سے زیادہ ہے۔ جن کی تعداد اسّی کے قریب ہے۔ ان میں مغل بادشاہوں کے فرامین واسناد، عربی، فارسی کی قلمی کتابیں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان اسناد میں سے چند کے فوٹو اس کتاب میں شامل ہیں۔

قدیم سکّے

قدیم سکے اگرچہ زیادہ تر عجائب خانوں کی زینت ہوتے ہیں لیکن ملتان میں بھی چند اہلِ ذوق کے پاس یہ کافی تعداد میں موجود ہیں۔ لکڑ منڈی ملتان کے چوہدری علم الدین کے پاس عباسی خلیفہ المنصور، والیٔ سپین عبدالرحمٰن اموی، ناصر الدین محمود، شیر شاہ سوری، فیروز شاہ تغلق، احمد شاہ ابدالی اور مغل شہنشاہوں کے سکے موجود ہیں۔

رائیٹرز کالونی ملتان کے محمد اسلم خان نے بیشتر ممالک کے نادر سکے جمع کئے ہوئے ہیں۔ ان میں بعض سکے اسلامی عہد سے بھی پہلے زمانہ کے ہندوستانی فرمانرواؤں کے ہیں انکے پاس شہاب الدین غوری سے لے کر مغل شہنشاہوں تک کے سکے موجود ہیں۔ ایران کے جشن شہنشاہیت کے موقعہ پر انہوں نے پاکستان کے سکوں کا ایک سیٹ ولی عہد ایران کو بھیجا تھا جس کے جواب میں ملکہ فرح پہلوی کی طرف سے انہیں ایک سند خوشنودی معہ ایک طلائی تمغہ اور مصور کتاب "دی لینڈ آف کنگسز" موصول ہوئی۔ یہ دونوں تحفے جشن کے موقعہ پر سربراہان مملکت میں تقسیم کئے گئے تھے۔ جو بڑی تاریخی اہمیت کے حامل ہیں، اس پروانہ خوشنودی کا فوٹو شامل کتاب ہے۔

ان کے علاوہ خدکہ ہاؤس ملتان کے ایڈوکیٹ محمد عمر کمال خان کے پاس بھی سمندر گپت قبل از اسلام کے فرمانرواؤں، فیروز شاہ تغلق، شاہ جہان، سکندر، شیر شاہ سوری، احمد شاہ ابدالی، تیمور شاہ درانی، احمد شاہ مغل، زمان خان سدوزئی، رنجیت سنگھ اور شاہ عالم کے وقت کے سکے محفوظ ہیں۔ سید عباس حسین گردیزی کے پاس بھی بارہ سو قدیم سکے موجود ہیں۔

باب الداخلہ ابن قاسم باغ

نادر اشیاء

قلمی کتب اور قدیم سکوں کے علاوہ ملتان میں بعض حضرات کے پاس تاریخی نوادرات بھی محفوظ ہیں۔ مثلاً دانش کدہ ملتان کے ابنِ حنیف کے پاس چار ہزار سال قبل مسیح کی وادی کوئٹہ کی بستی کلی گل محمد اڑھائی ہزار سال قبل مسیح کی بستی دمب سادات اور دو ہزار سال قبل مسیح کی بستی مرو اور تین بڑے شہروں موہنجوڈارو، ہڑپہ اور ملتان کی مختلف چیزیں محفوظ ہیں۔ جن میں پتھر اور ہڈی کے اوزار، سنگِ جراحت اور مٹی کے برتن، ہڈی، سیپ اور نیم قیمتی رنگین پتھروں از قسم عقیق، لاجورد، فیروزہ اور یشب وغیرہ کے زیورات کی باقیات، مصور، منقش اور اقلیدسی اشکال والے رنگین سفالی برتن، مجسمے، برانز کی بالیاں اور انگشتریاں شامل ہیں۔

ڈاکٹر ایس ایم ذکی لوہاری گیٹ ملتان کے پاس فراعنہ مصر کے اٹھارویں خاندان کے بارھویں فرعون توت آنخ آمون ۱۳۵۲ تا ۱۳۴۴ ق م کا مجسمہ (چربہ) موحد فرعون اخناتون کی ملکہ نفرتتی کا مجسمہ (چربہ) ہے۔ اخناتون نے ۱۳۶۹ ق م سے ۱۳۵۲ ق م تک حکومت کی۔ اس مجسمہ کو قدیم عالمی آرٹ کے بہترین شاہکاروں میں شمار کیا گیا ہے اصل مجسمہ برلن کے میوزیم کی زینت ہے۔

مصر کے پانچویں یا چھٹے خاندان کے نامعلوم فرعون کا پیتل کا مجسمہ بھی ان کے پاس محفوظ ہے۔

قلعہ کہنہ کا دمدمہ تعمیرِ نو کے بعد

مُحافظینِ مخطوطات

۱۔جن حضرات کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ان کے علاوہ آنسہ عقیلہ خانم پرنسپل انٹرمیڈیٹ کالج خانیوال کے پاس حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے تبرکات کے علاوہ سولہ قابلِ دید مخطوطات ہیں۔

۲۔نوابزادہ احسن علی خان (آف کنجپورہ) خانیوال کے پاس تین سو سال قبل کا ایران میں لکھا ہوا قرآن کریم کا نسخہ موجود ہے جو باریک خطاطی کا بہترین نمونہ ہے۔اس کے علاوہ مہابھارت کی مطلا و مذہب کہانی "نل دمن" بھی ان کے پاس محفوظ ہے۔
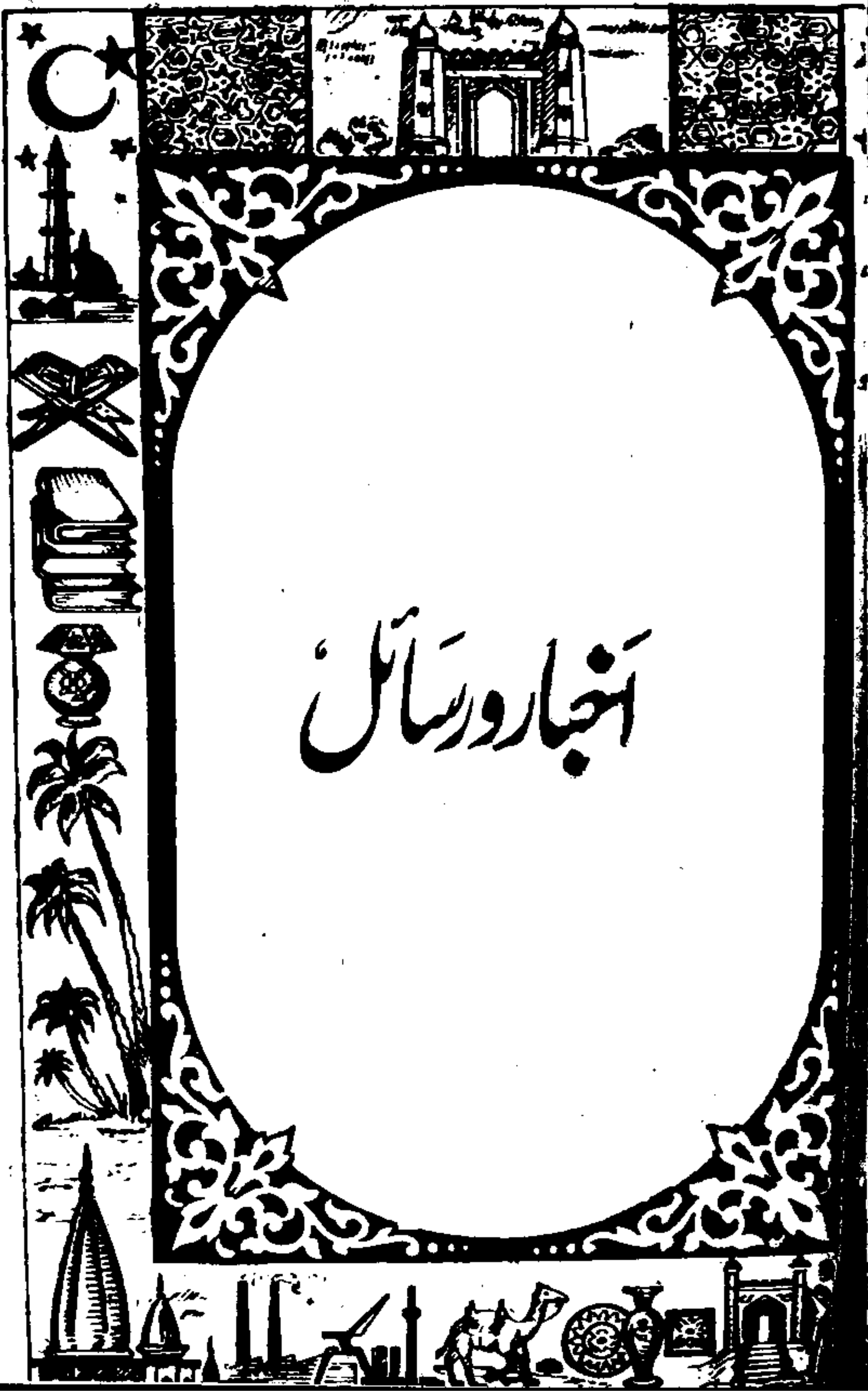
۳۔قاضی اللہ بخش قریشی ساکن جلالپور پیروالہ کے ہاں قرآن مجید، مشکوٰۃ شریف، لغت عربی، ادب فارسی اور فلسفہ پر نادر کتابیں موجود ہیں۔

۴۔مولانا عبدالکریم سجادہ نشین خانقاہ حضرت عبید اللہ ملتانی کے پاس تاریخی مخطوطات کے علاوہ حضرت موصوف کی قلمی تصانیف کا ذخیرہ ہے جو مختلف علوم سے تعلق رکھتا ہے۔

ان کے علاوہ سید مختار حسین مزار شاہ شمس سبزواری۔ دیوان غلام عباس بخاری جلالپور پیروالہ۔مولوی محمد صدیق سہیل ٹبی شیر خان۔آغا صادق حسن گل گشت کالونی۔ ملک اللہ بخش ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول۔ماسٹر محمد طاہر خان غنی رائیٹرز کالونی۔رحمت اللہ طارق ملتان جیولرز۔محمد عظیم خان سدوزئی طارق روڈ ملتان کے پاس بھی بے نظیر مخطوطات موجود ہیں۔

چوک بازار میں انگریزوں کا داخلہ

اخبار و رسائل

روزنامے

پاکستان بننے کے بعد ملتان سے مندرجہ ذیل جرائد شائع ہوئے۔

۱۔ نوائے وقت ۲۔ امروز ۳۔ کوہستان

۴۔ جسارت ۵۔ نوائے ملتان

سہ روزہ

۱۔ کارزار ۲۔ زمیندار رُندھار

ہفت روزہ

۱۔ قائد ۲۔ رقاصہ ۳۔ ریاض

۴۔ اختر ۵۔ کھیڑا ۶۔ تحریک

۷۔ طلوع ۸۔ گریبان ۹۔ جرس

۱۰۔ تقاضے ۱۱۔ حاشیئے ۱۲۔ ملتان کرانیکل

۱۳۔ کالج گزٹ ۱۴۔ پاک کھلاڑی ۱۵۔ رہبر دیہات

۱۶۔ ٹرانسپورٹ سروس ۱۷۔ طوفان ۱۸۔ نئی دُنیا

پندرہ روزہ

۱۔ سیر و سفر ۲۔ ندائے افغان

ماہنامہ

۱۔ آستانہ زکریا۔ ۲۔ صدائے حق۔ ۳۔ سرائیکی ادب۔ ۴۔ بلوچی دُنیا۔ ۵۔ قانون۔ ۶۔ مجلہ۔

چوکبازار میں سکھوں کی گرفتاریاں

نمایاں
شخصیات

میاں مغیث اے شیخ

آپ ۳۰ جون ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۲ء میں آپ نے ملتان میں کالونی ٹیکسٹائل مل قائم کی جو پونے دو سو ایکڑ اراضی پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں زائد از آٹھ ہزار افراد کام کرتے ہیں اور چودہ لاکھ روپیہ ماہانہ تنخواہ پاتے ہیں۔ سالانہ قریب" دو کروڑ روپیہ کا زر مبادلہ کماتی ہے اور ایک کروڑ ۲۶ لاکھ ایکسائز ڈیوٹی ادا کرتی ہے۔ لیبر کے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ہائی سکول قائم ہیں جن میں میٹرک تک مفت تعلیم دیجاتی ہے۔ دو سو روپیہ ماہانہ تنخواہ پانے والوں کے بچوں کو کتابیں اور کاپیاں بھی مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ ہر سال اوّل، دوم، سوم آنیوالوں کو وظیفہ دیا جاتا ہے اور پانچ وظائف ان طلباء کے لئے مخصوص ہیں جو زیادہ سے زیادہ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ۱۲ کے سلسلہ میں یورپ، افریقہ، امریکہ، جاپان اور جنوب مشرقی ایشیا کے دورے کئے اور بعض ممالک میں پاکستان کی نمائندگی کی سماجی بہبود، پبلک ہیلتھ، تعلیم، علم و ادب، سپورٹس اور گیمز کی سرپرستی میں پیش پیش رہے اور ان پر لاکھوں روپے خرچ کئے۔ ملت انٹر کالج کی تعمیر کے لئے آپ نے پچاس ہزار روپے کا گرانقدر عطیہ دیا۔ آپ روٹری کلب کے ڈائریکٹر، چیئرمین، پریذیڈنٹ، نشتر ہسپتال ملتان کی سوشل ویلفیئر سوسائٹی، ڈسٹرکٹ ٹی بی ایسوسی ایشن، شیخ اسمٰعیل اینٹی ٹی بی ٹرسٹ ملتان، اسمٰعیل گولڈ شیلڈ فلڈ لائٹ فٹ بال ٹورنامنٹ ملتان، ملتان چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری، ڈسٹرکٹ اینڈ ڈویژنل ہاکی ایسوسی ایشن اور ڈویژنل فٹبال ایسوسی ایشن کے صدر رہے

شیخ ریحان الدین صدّیقی

تقسیم ہند کے بعد آپ ۱۹۴۷ء کے آخر میں ملتان آئے۔ رہتک میں آپ ہریانہ یونائیٹڈ ٹرانسپورٹ بس سروس کے منیجنگ ڈائریکٹر تھے۔ جس کی بنا پر آپ کو ملتان میں کیپور بس سروس الاٹ کی گئی جس کی بسیں ملتان سے لاہور تک چلتی تھیں۔ آپ نے اس بس سروس کو معراج ترقی پر پہنچایا۔ اس کی بسوں کی تعداد ۴۳ تک پہنچ گئی۔ اور مدتوں اس بس سروس کو اِس لائن پر فوقیت حاصل رہی۔

آپ اپنے حسن اخلاق اور سماجی خدمات کی وجہ سے بہت جلد ہر دلعزیز ہوگئے مقامی حضرات کا آپ کو بھرپور تعاون حاصل رہا جس کی بنا پر آپ ۱۹۵۰ء میں حلقہ ملتان کی طرف سے صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور ۱۹۵۵ء تک اسمبلی میں ملتان کی احسن طریق سے نمائندگی کی ۱۹۵۱ء میں آپ بلدیہ کے ممبر منتخب ہوئے اور اس کے صدر چنے گئے۔ بحیثیت صدر بلدیہ آپ آٹھ سال تک اپنے فرائض منصبی خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہے۔

آپ سٹی مسلم لیگ اور علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے قائم کردہ علی گڑھ ماڈل سکول کی منیجنگ کمیٹی کے صدر اور نشتر کالج کی سوشل ویلفیئر سوسائٹی کے نائب صدر رہے۔ اس کے علاوہ ہر سرکاری غیر سرکاری سماجی اداروں اور ان کی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے رہے اور مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلہ میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔

شیخ امداد احمدؒ

آپ ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ ملازمت کا آغاز امپیریل سکرٹریٹ گورنمنٹ آف انڈیا سے کیا۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں پریذیڈنٹ سیکرٹریٹ کیبنٹ ڈویژن میں ۱۰ سال تک نمایاں خدمات سرانجام دیں اور تمغۂ قائداعظم کا اعزاز پایا۔ ۱۹۶۵ء میں آپ ملتان آگئے اور ملتان کی معروف اللہ وسایا ٹیکسٹائل ملز میں منیجنگ ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ جس کے حاجی احمد حسین چیئرمین اور شیخ مقبول احمد ورکنگ ڈائریکٹر ہیں۔ ان ہر سہ حضرات کی انتظامی صلاحیتوں اور صنعتی دلچسپیوں کی بدولت اس مل نے بڑی ترقی کی۔ آپ ملتان چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری اور سوشل سروس سوسائٹی کے صدر رہے۔ پنجاب لیبر ایڈوائزری بورڈ، ایگزیکٹو کمیٹی آل پاکستان ٹیکسٹائل ملز ایسوسی ایشن پنجاب بورڈ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن، ملتان فلائنگ کلب، شیش محل کلب اور روٹری کلب ملتان کے سرکردہ ممبر ہیں۔

اللہ وسایا ٹیکسٹائل ملز کے علاوہ آپ ہلال فلور اینڈ جنرل ملز لمیٹڈ اور ہلال فیبرکس لمیٹڈ کے بھی منیجنگ ڈائریکٹر ہیں۔ اپنے کاروبار کے سلسلہ میں یورپی ممالک مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کا سفر کر چکے ہیں۔ سماجی، فلاحی کاموں اور اداروں میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور ان کی ہر طرح کی اخلاقی اور مالی مدد بھی کرتے ہیں۔ صنعتی حلقوں میں اونچا مقام رکھتے ہیں۔

سید حامد رضا گیلانی

آپ ملتان کے معزز اور نامور گیلانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ بڑی شاندار اور باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے اور لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے بعد ہیگ سے بین الاقوامی قانون کا ڈپلوما حاصل کیا۔ اعلیٰ تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے طالب علمانہ حیثیت میں بطور سفیر ریاستہائے متحدہ امریکہ کا دورہ کیا۔ ۱۹۶۲ء میں آپ نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کی نمائندگی کے فرائض ادا کئے اور ارجنٹائن کے بین الاقوامی مباحثہ میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ ۱۹۶۴ء میں آپ نے یروشلم میں مسجد اقصیٰ کی افتتاحی تقریب میں پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت سے شرکت کی۔ آپ مشرق وسطیٰ یورپ، شمالی افریقہ، امریکہ، کینیڈا، جنوبی امریکہ، ویسٹ انڈیز، جنوب مشرقی ایشیا اور چین کا دورہ کر چکے ہیں۔ اس لئے آپ سب سے زیادہ جہاندیدہ ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں آپ شجاع آباد اور لودھراں کے حلقہ سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں آپ دوبارہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر بلامقابلہ اسمبلی کے ممبر چنے گئے اور ہر دو مرتبہ پارلیمنٹری سیکرٹری مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں آپ کو ملتان ڈویژن میں پاکستان مسلم لیگ کا کنوینر مقرر کیا گیا۔ سماجی اور سیاسی میدان میں آپ نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔

مخدوم سجاد حسین قریشی

آپ نواب مخدوم مرید حسین قریشی کے اکلوتے فرزند صالح ہیں ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئے ۱۹۴۴ء میں منشی فاضل کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۴۵ء میں پنجاب یونیورسٹی کے گریجویٹ بنے۔ والد کی وفات کے بعد آپ خانقاہ حضرت غوث بہاؤالحق زکریا حضرت شاہ رکن عالم اور حضرت بی بی پاک دامن کی خانقاہ کے سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کے عقیدت مندوں کا حلقہ صوبہ سندھ، صوبہ بلوچستان شمال مغربی سرحدی صوبہ۔ کشمیر اور افغانستان تک پھیلا ہوا ہے۔ خاندانی خدمات کے علاوہ آپ کی ذاتی سماجی اور سیاسی خدمات بھی بڑی قابل قدر ہیں۔ آپ آل پاکستان مسلم لیگ کے ممبر رہے۔ مہاجرین کو آباد کرنے میں بڑی مدد دی۔ ایک مربعہ اراضی نشتر میڈیکل کالج کے نام وقف کی؛ مدرسہ عربیہ خیر المدارس اور عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ کے خصوصی مالی معاون رہے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں آپ نے مبلغ ایک لاکھ روپیہ ڈیفنس فنڈ میں چندہ دیا۔ علمی، ادبی اور مذہبی مجالس کی مالی اعانت میں بھی پیش پیش رہے۔ آپ کی سرپرستی میں ملتان سے ماہانہ رسالہ "آستانہ زکریا" مدتوں جاری رہا۔ آپ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۸ء تک قومی اسمبلی کے ممبر رہے۔ زائد از دس سال آپ بلدیہ کے نائب صدر اور قائد ایوان رہے۔ اور شہر کی تعمیر نو اور ترقی کے لئے کوشاں رہے۔ آپ نے تہذیب جدید کے طوفان میں اسلامی تہذیب و تمدن کا چراغ روشن رکھا۔ اور ہمیشہ مغربی لباس پر اسلامی لباس و شعار کو ترجیح دی۔ آپ کا شمار ملتان کے باقیات الصالحات میں ہوتا ہے۔

پیر خورشید احمد قریشی

آپ ملتان کے نامور قریشی خاندان کے سب سے زیادہ دیدہ ور، فرق فہم سیاست دان ہیں ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ ایچیسن کالج لاہور اور کارپس کرسٹی کالج کیمرج میں تعلیم پائی۔ مگر پرانی مشرقی وضعداری کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آپ بڑے خوش ذوق خوش پوش خوش نوش اور خوش گوش ہیں۔ مدتوں بلدیہ ملتان کے ممبر رہنے کی وجہ سے آپ پارلیمنٹری رکھ رکھاؤ کے بڑے ماہر ہیں۔ اپنے والد ماجد پیر احمد کبیر کی طرح طبیعت بڑی مرنجا مرنج پائی ہے۔ ذہن کرشل ہے۔ مدتوں سنٹرل کواپریٹو بنک لمیٹڈ ملتان کے سیکرٹری کے فرائض اعزازی طور پر سرانجام دیتے رہے ہیں مشینی ذرائع سے کاشتکاری میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ملتان میں سب سے پہلے آپ نے ٹریکٹر درآمد کیا۔ سیر و سیاحت، علم و ادب کا بڑا ذوق رکھتے ہیں۔ علمی اور فلمی مطالعہ وسیع ہے۔ مہاجرین کی آبادکاری میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ امارت کے باوجود شہر کی فلاح و بہبود اور سماجی مسائل میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ خاندانی خدمات کی وجہ سے دربار سرکار میں بڑی رسائی ہے۔ پیر خورشید کالونی آپ کی قائم کردہ ہے۔ آپ کافی عرصہ آنریری مجسٹریٹ اور سب رجسٹرار رہے۔ مریدوں کا حلقہ بھی وسیع ہے۔ آپ ملتان فلائنگ کلب اور دیگر سماجی، ثقافتی، دفاعی اداروں کے سرگرم رکن ہے۔

نوابزادہ صادق حسین قریشی

آپ ملتان کے ہر دلعزیز نواب عاشق حسین قریشی مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے ایچیسن کالج لاہور میں تکمیل تعلیم کی۔ آپ کے دوسرے بھائی نے تو لاہور میں مستقل مستقر بنایا۔ ملک لائف میں قدم رکھتے ہی۔ آپ بلدیہ ملتان کے ممبر منتخب ہوئے۔ بلدیہ ملتان نے آپ کو امپرو ومنٹ ٹرسٹ کیلئے اپنا نمائندہ منتخب کیا۔ صدر ایوب کے زمانہ میں آپ ڈسٹرکٹ کونسل ملتان کے ممبر منتخب ہوئے اور بعد ازاں اس کے وائس چیئرمین چنے گئے۔ یہ عہدہ قوم کی عظیم اقدار ملکی فلاح اور عوام کے درمیان ایک اہم رابطہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس منصب کے متعلق بعض کا یہ خیال صحیح تھا کہ "جس شخص پر اگر خدا خوش ہو اور ضلع کونسل کا وائس چیئرمین ناراض نہ ہو تو اس کے وارے نیارے ہیں اور ضلع کے تمام وسائل اور نعمتیں اس کی جیب میں ہیں"۔ یہاں تک کہ بعض مفاد پرست ممبر بھی وائس چیئرمین کو اپنا کارساز اور ان داتا بنا لیتے تھے اور خوب ہاتھ رنگتے رہتے تھے۔ مگر اس نوجوان چیئرمین نے ماضی کی ان تمام روایات کو غلط کر دکھایا۔ اور خود اپنا دامن بھی ایسی آلائشوں سے پاک رکھ کر داغدار ماضی کو دھو دیا۔ ۱۹۷۲ء میں آپ گورنر پنجاب کے مشیر بنائے گئے۔ جب عارضی دستور کے تحت جمہوریت کا دور شروع ہوا۔ تو آپ کو وزیر زراعت بنا دیا گیا اور اس طرح آپ اپنے والد مرحوم کے نقش قدم پر چل کر ان کی طرح مسند وزارت تک جا پہنچے۔

سید عباس حسین شاہ گردیزی

آپ ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے بی۔اے کے بعد سول سروس میں شامل ہو گئے اور بطور ڈپٹی کمشنر ریٹائر ہوئے۔ آپ نے بدو فطرت سے سیاسی ذہن پایا تھا۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہی آپ نے ہم عقیدہ نوجوانوں کی کانفرنس منعقد کی ۱۹۳۰ء میں لندن سے چوہدری رحمت علی کا مرسلہ پاکستانی لٹریچر تقسیم کیا۔ ۱۹۴۳ء میں آپ نے شہنشاہ ایران کی نیابت میں آستان قدس مشہد کی خدامی کا اعزازی شرف حاصل کیا اور سند پائی جس میں تحریر ہے کہ آپ "در نجابت ولیاقت و شرافت و شائستگی" مشہور ہیں۔ تحریک احرار، خاکسار، مسلم لیگ میں سرگرم حصہ لیتے رہے۔ آٹھویں پنجاب رجمنٹ میں آپ نے فوجی تربیت حاصل کی۔ پاکستان نیشنل گارڈ کے پچاس سواروں کا ایک دستہ تیار کر کے اسے فوجی تربیت دی اور اس کے لئے چندہ جمع کر کے نیشنل گارڈ کے ڈائریکٹر جنرل شاہد حامد کو ایک لاکھ روپے کی تھیلی پیش کی ۱۹۶۵ء کی جنگ میں شمولیت کیلئے آپ نے خود کو پیش کیا۔ کمانڈر انچیف نے اس پیش کش کو بنظر استحسان دیکھتے ہوئے بوقت ضرورت طلب کرنے کا وعدہ کیا۔ آپ کا پنجاب کے شہسواروں میں شمار ہوتا ہے۔ پابند صوم وصلوٰۃ ہیں۔ دست سخاوت دراز ہے۔ قانونی واقفیت، عدالتی تجربہ، علمی ادبی ذوق، سیاسی شعور اور سماجی خدمات کی بنا پر ملتان بار ایسوسی ایشن نے آپ کو اپنا اعزازی ممبر بنایا۔ آپ پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔

سید علی حسین شاہ گردیزی

آپ ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج ملتان سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور اپنی اراضیات پر چلے گئے۔ سیاسی شعور کی بنا پر آپ سید زین العابدین شاہ گیلانی کے ہمراہ ۱۹۴۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں شریک ہوئے آپ مسلم لیگ کے ملتان ڈویژن کے آرگنائزر مقرر ہوئے اور تمام ڈویژن میں مسلم لیگ کی تنظیم کی۔ اس کے بعد پراونشل مسلم لیگ کے ممبر چنے گئے پھر آل پاکستان مسلم لیگ کے کونسلر نامزد ہوئے۔ کرپس تجاویز پر غور کرنے کے لئے بمبئی اور دہلی میں لیگ کے جو تاریخی اجلاس ہوئے ان میں شرکت کی۔ آل پاکستان مسلم لیگ کی دہلی کنونشن میں ملتان کی نمائندگی کی۔ مسلم لیگ کے دو ٹکڑے ہونے پر آپ قائد اعظم کی کونسل مسلم لیگ سے ہی وابستہ چلے آتے ہیں۔ آپ آل پاکستان مسلم لیگ کے رکن، پراونشل مسلم لیگ کے نائب صدر اور ڈسٹرکٹ مسلم لیگ اور پی، ڈی، ایم کے صدر بنے۔ ۱۹۴۶ء میں آپ صوبائی اسمبلی کے ملتان سے رکن منتخب ہوئے اور وزارت کے منصب جلیلہ تک پہنچے۔ آپ کے حکم سے خانیوال، بوریوالہ، جہلم، تھل، لارنس پور میں ٹیکسٹائل ملیں قائم ہوئیں۔ ایکیفے کے اجلاس برما میں شرکت کرنے والے پاکستانی وفد میں شریک رہے۔ آپ قومی خدمات کیلئے وقف رہے۔

میاں مختار اے شیخ

آپ ملتان کے ممتاز صنعتکار ہیں۔ آپ کی یونائیٹڈ ٹیکسٹائل ملز میں سولہ سو افراد کام کرتے ہیں اور قریباً تین لاکھ روپیہ ماہانہ تنخواہ پاتے ہیں۔ آپ ملتان کی علمی ادبی ثقافتی سماجی اور سیاسی مجلسوں کے روحِ رواں ہیں۔ جن پر ۱۹۵۴ء سے ۱۹۷۱ء تک لاکھوں روپیہ خرچ کر چکے ہیں اور ۱۹۶۵ء و ۱۹۷۱ء کی جنگ میں آپ نے پونے تین لاکھ روپیہ ڈیفنس فنڈ میں دیا۔ آپ کو اعزازی شہری نمبر ا کے طور پر حکومت کی طرف سے ایک بندوق بلا لائسنس عطا کی گئی ہے۔ آپ پاکستان جنرل ایسوسی ایشن ملتان سرکٹ، ملتان کی انجمن پاک ایران دوستی، موتمر عالم الاسلامی، ڈسٹرکٹ میٹرنٹی اینڈ سوشل ویلفیئر سوسائٹی، سرائیکی اکادمی، رائل انٹرنیشنل اور ڈسٹرکٹ ہاکی ایسوسی ایشن کے صدر ہیں۔ مجلس حسن قرات ڈیف اینڈ ڈمب ویلفیئر سوسائٹی، پاکستان جنرز ایسوسی ایشن، ڈویژنل ہاکی ایسوسی ایشن، ڈویژنل اور ڈسٹرکٹ فٹ بال ایسوسی ایشن کے نائب صدر رہے ہیں۔ انجمن رفاہِ نابینگان کے سرپرست ہیں۔ ملتان چیمبر آف کامرس، انجمن بہبودئ قیدیاں، سٹی ریڈنگ روم اور ملتان اکیڈیمی کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں۔ پنجاب مسلم لیگ کے خزانچی اور قیوم سٹی مسلم لیگ کے کنوینر ہیں۔ ڈسٹرکٹ اور سنٹرل جیل کے انڈی پنڈنٹ وزیٹر ہیں۔ ڈسٹرکٹ الاٹمنٹ کمیٹی کے ممبر ہیں۔ بلدیہ ملتان کے بھی ممبر رہے ہیں۔ عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ کے ڈائریکٹر ہیں۔ ہر ماہ اس کا شائع کردہ لٹریچر کثیر تعداد میں مختلف اداروں کو مفت بھجواتے ہیں۔

نوابزادہ غلام قاسم خاں خاکوانی

آپ ۲ جون ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ ایف ایس سی پاس کرنے کے بعد ۱۹۳۸ء میں ریلوے انجینئرنگ سروس میں شامل ہوئے ۱۹۴۲ء میں والد کی وفات کے بعد استعفیٰ دے کر اپنی اراضیات پر چلے گئے ۱۹۴۴ء میں آپ نے میدانِ سیاست میں قدم رکھا اور اُس وقت سے لے کر اِس وقت تک مسلم لیگ سے وابستہ ہیں۔ بالغ رائے دہی کی بنا پر ۱۹۵۲ء تا ۱۹۵۷ء بلدیہ ملتان کے اور امپرومنٹ ٹرسٹ کے ممبر منتخب ہوئے ۱۹۵۹ء میں اور دوسری بار ۱۹۶۵ء میں یونین کمیٹی نمبر ۱۹ اور نمبر ۱۷ کے بلا مقابلہ رکن اور چیئرمین منتخب ہوئے۔ اس طرح آپ ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۷۰ء تک بلدیہ ملتان میں اہلِ شہر کی بحیثیت قائدِ حزبِ اختلاف نمائندگی کرتے رہے ۱۹۶۵ء سے ۱۹۶۸ء تک آپ صوبائی اسمبلی کے رکن رہے۔ ممبر اسمبلی کی حیثیت سے آپ اسمبلی میں سٹینڈنگ کمیٹی، زرعی کمیٹی اور ریلوے کمیٹی کے ممبر رہے آپنے ہی ملتان میں یونیورسٹی بنانے کا بل پیش کیا جس کی ۱۹۶۲ء میں منظوری ہوئی۔ غیر شرعی عائلی قوانین کے خلاف قرار داد مذمت پیش کی جو منظور ہوئی۔ ملتان میں سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ کا قیام منظور کرایا۔ ہاؤس ٹیکس میں رعایت دلائی۔ وراثتی انتقالات پر ڈسٹرکٹ کونسل ٹیکس معاف کرایا۔ بچوں کے سکولوں میں گانے اور فحاشی کے پروگرام بند کرائے۔ ملتان کی منتظمہ کے خلاف ملتان بار ایسوسی ایشن کے ریزولیوشن کی بنا پر تحریک التوا منظور کرائی۔ اور بڑی ہمت جرات اور دیانت سے اپنے فرائض انجام دیئے، اب سوشل ویلفیر کے کمیونٹی سنٹر نمبر ۱ کے صدر ہیں۔ یورپ اور مشرق وسطیٰ کی سیر کر چکے ہیں۔

نامور شخصیتیں

گزشتہ صفحات میں جن حضرات کا ذکر آچکا ہے۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات بھی مختلف تحاریک میں سرگرم عمل رہے۔

مخادیم

مخدوم شوکت حسین شاہ گیلانی — مخدوم سید محمد راجو گردیزی

تحریکِ مجاہدین

مولانا عبدالغفار — مولانا عبدالتواب

تحریکِ خلافت

شیخ عبدالرزاق بیرسٹر • شیخ محمد صدیق بابر بیرسٹر • مولانا غلام رسول مہر قند
قاضی عبدالواحد فطرت ندوی • شیخ عبدالرشید صدیقی • قاضی مسعود احمد انصاری

تحریک فدایان

حکیم محمد اکبر — عبدالکریم قاصف
کپتان محمد بخش — سالار امیر بخش

تحریکِ احرار

نواب شیر محمد خان بادوزئی — منظہر نواز خان خدکہ
حافظ محمد یار صدیقی — خواجہ غلام حسن صدیقی

تحریک خاکسار

نور محمد کربلائی • عبدالحمید غازی • شیخ عبدالرحمٰن • چوہدری بشیر احمد

مُسلِم لیگ

سیّد علمدار حسین شاہ گیلانی — سیّد رحمت حسین شاہ گیلانی

خواجہ عبدالحکیم صدیقی — مولوی عرفان احمد انصاری

جماعت اسلامی

محمد باقر خان — شیخ عبدالحمید

شیخ عبدالمالک — محمد اسلم خان

نظام اسلام پارٹی

خان صادق محمد احسن — مولانا ابوالحسن قاسمی — خواجہ عبدالغفور

کسان تحریک

سیّد محمد قسور گردیزی — حبیبُ الرحمٰن پاسلوی

مَلِک عطاءاللہ — چوہدری نور محمد چوہان

صنعتکار

سیٹھ علی بھائی ولی جی — خواجہ محمد عبدالودود

فاروق اے شیخ — میاں مغیث اے شیخ

آرٹسٹ

اُستاد خدا بخش — مسٹر زوار حسین

اولڈ آرٹ سٹوڈیو — پاکستان آرٹ سنٹر

نامور حکماً

علم الادیان کے بعد علم الابدان کا درجہ ہے پرانے زمانے کے طبیب یا حکیم جتنے نیک سیرت ہوتے تھے اُتنے صاحب بصیرت و فراست بھی ہوتے تھے جس کی وجہ سے وہ مریض کی صرف آواز سُن کر شکل دیکھ اور زیادہ سے زیادہ نبض ٹٹول کر اُس کی مرض کی تشخیص کر لیتے تھے، وہ مرض کی تشخیص کے لئے موجودہ دور کے ڈاکٹروں کی طرح آلات کی زبان سے تشخیص کرنے کے محتاج نہ تھے ملتان میں ایسے حکماء کی کمی نہ تھی۔ ماضی قریب اور حال کے نامور حکماً درج ذیل ہیں۔

۱۔ حکیم محمد اسمٰعیل مرحوم پاک دروازہ
۲۔ حکیم محمد فیروزالدین پاک دروازہ
۳۔ حکیم بشیر محمد مرحوم قدیر آباد
۴۔ حکیم شاہ بخش مرحوم حرم گیٹ
۵۔ حکیم غلام محی الدین مرحوم حرم گیٹ
۶۔ حکیم سربلند خان مرحوم حسین آگاہی
۷۔ حکیم خلیل احمد حرم گیٹ
۸۔ حکیم غلام محبوب سبحانی مرحوم حرم گیٹ
۹۔ حکیم عطا اللہ خان محلہ درکھاناں
۱۰۔ حکیم امین اللہ خان ملتان چھاؤنی
۱۱۔ حکیم خدا بخش خان ظارانی مرحوم حسین آگاہی
۱۲۔ حکیم انور علی شاہ محلہ کنگران
۱۳۔ حکیم شمس الاسلام مرحوم ہنوں کا چھجہ
۱۴۔ حکیم سید محمد کامل حسین جعفری حسین آگاہی
۱۵۔ حکیم محمد حنیف اللہ چہلیک
۱۶۔ حکیم عبدالحیٔ خان ظارانی حسین آگاہی
۱۷۔ حکیم ننھے خان مرحوم اندرون پاک دروازہ

مشہور ڈاکٹر

پاکستان بننے سے قبل ہر شعبہ حیات پر ہندو قابض تھے مسلمانوں کو اہم تعلیمی اداروں میں داخلہ تک مشکل سے ملتا تھا۔ اس زمانہ میں ہندو حکیموں اور ڈاکٹروں کی ملتان میں کثرت تھی۔ مسلمان ڈاکٹر آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھے اُس زمانہ میں ڈاکٹر خدمتِ خلق کے جذبہ سے سرشار ہوتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ معاشرہ میں بہت معزز تھے، ان کی گھر پر آنے کی فیس اور دوائی کی قیمت برائے نام ہوتی تھی۔ آج کل کے مقابلہ میں ناقابلِ برداشت نہ ہوتی تھی۔ اُس وقت خدا ترسی عام تھی، اب زرپرستی عام ہے۔ تقسیم ہند سے قبل ملتان میں صرف بوہڑ دروازہ میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن خان ایم بی بی ایس، حرم گیٹ میں ڈاکٹر مقبول احمد ایم بی بی ایس اور لوہاری گیٹ میں ڈاکٹر عزیز رسول ایل ایم ایس پریکٹیس کرتے تھے۔ پارسیوں میں ڈاکٹر رستم جی جے ایچ وانیا بی، ایچ وانیا۔ ہندوؤں میں ڈاکٹر ولی رام، ڈاکٹر کے۔ کے مہتہ اور ڈاکٹر ادم چند گھنسہ علتیانی مشہور تھے، پاکستان بننے کے بعد ملتان میں ڈاکٹر عون محمد خان، ڈاکٹر سلیم اللہ خان۔ ڈاکٹر مظفر ڈاکٹر نثار الشیخ ڈاکٹر محمد شریف اور ڈاکٹر محمد فاضل، ڈاکٹر رشید سیال نے شہرت پائی۔ ہومیوپیتھی میں ڈاکٹر نثار احمد، ڈاکٹر بشیر احمد شیرازی اور ڈاکٹر مقصود زاہدی قابل ذکر ہیں۔ ہومیوپیتھی علاج سب سے سستا ثابت ہوا۔

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ
وحدہٗ لا شریک لہٗ واشہد
ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ شہادت نواب شیر محمد خان بہادر

[illegible]

تفریح گاہیں

کمپنی باغ

ملتان کی بہترین اور صحت مند تفریح گاہیں باغات ہیں۔ قدیم تاریخی عوامی باغات میں سے باغ لانگے خان اور باغ عام خاص کا ذکر گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ باغ لانگے خان اب اپنی اہمیت کھو رہا ہے، البتہ باغ عام خاص ابھی تک تفریحی مقاصد کے لئے کام آرہا ہے۔

اسلامی دور کے بعد ملتان میں پہلی عوامی تفریح گاہ کمپنی باغ کے نام سے انگریزوں نے ملتان چھاؤنی میں قائم کی۔ یہ پُر فضا، خوشنما، وسیع اور عریض سرسبز و شاداب باغ عہدِ انگلیشیہ کی یادگار ہے، یہ اس وقت قائم کیا گیا جب عید گاہ کی چھاؤنی موجودہ مقام پر منتقل کی گئی۔

یہ باغ کنٹونمنٹ بورڈ کے زیرِ اہتمام ہے۔ چھاؤنی کی مثالی صفائی کی طرح یہ باغ بھی بڑا صاف ستھرا ہے۔ میوہ دار درختوں، پھولدار پودوں اور خوشنما جھاڑیوں سے لدا رہتا ہے۔ اس سے صرف اہلِ چھاؤنی ہی لطف اندوز نہیں ہوتے، اہلِ شہر بھی اس کے پُرسکون اور نظر افروز ماحول سے لطف اٹھانے کے لئے اکثر فرصت کے اوقات وہاں جاتے ہیں۔

غرض کہ چھاؤنی اور ملتان کی یہ بہترین تفریح گاہ ہے۔ اس میں شہر کے باغات کی طرح جلسے وغیرہ نہیں ہوتے کیونکہ چھاؤنی کی حدود کے اندر سیاسی جلسہ منعقد کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

سپننگ سیکشن اللہ وسایا ٹیکسٹائل اینڈ فنشنگ ملز ملتان
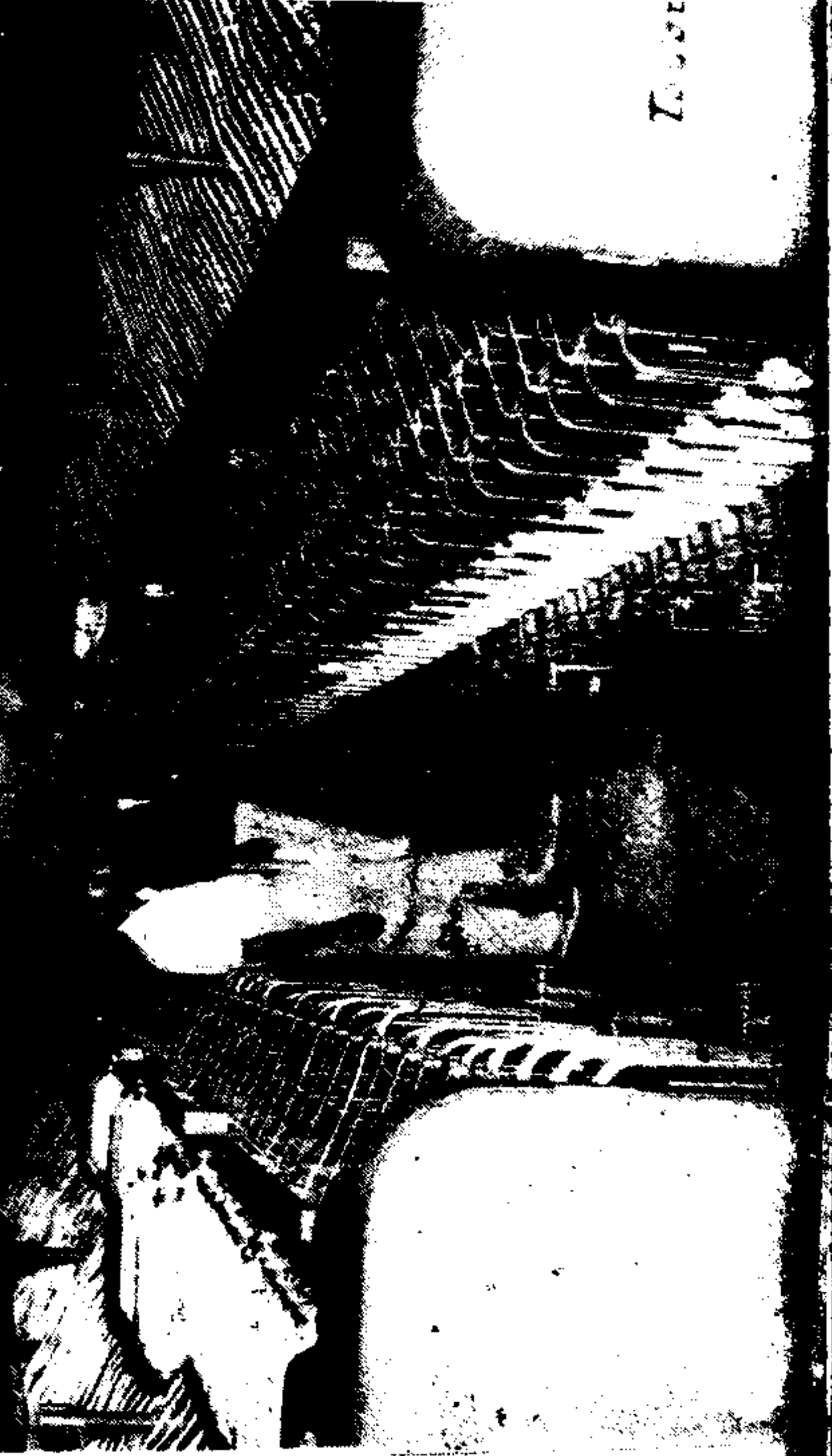
ابنِ قاسم باغ

یہ بلند باغ قلعہ کہنہ کے سو سالہ پرانے ڈراؤنے اور بھیانک کھنڈرات کو ہموار کر کے ۱۹۵۰ء میں قائم کیا گیا۔ اس کا آغاز مولوی محمد فاروق ناظم بلدیہ نے کیا اور میاں محمد شفیع ناظم بلدیہ نے اسے تکمیل تک پہنچایا ان کھنڈرات کو پلاٹوں میں تبدیل کرنے میں میونسپل انجینئر بابو عبدالمجید نے بڑی مستعدی سے کام کیا۔ اس ویرانے کو گلستان میں تبدیل کرنے پر بلدیہ ملتان کا کثیر خرچ آیا۔ یہ باغ اپنی بلندی اور وسعت کے لحاظ سے ملتان کا مثالی باغ ہے اس کے نشیب و فراز کے سبزہ زار اس کے حسن کو دوبالا کر رہے ہیں یہ پلاٹ سوا میل کے رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے وسط میں ملتان کا شاندار سٹیڈیم ہے۔ شرقی جانب ہیلتھ سنٹر ہے جس میں باڈی بلڈر ورزش کرتے ہیں۔ غربی جانب دمدمہ کی بہترین اور بلند ترین سیر گاہ ہے جہاں سے پورا شہر نظر آتا ہے۔ اس باغ کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ایک ہی لائن میں بزرگانِ دین کے مزارات ہیں جن پر ہر وقت زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ گرمیوں میں لوگ سرِ شام سستانے اور ہوا کھانے کے لئے اس باغ میں جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ شام کے قریب یہاں میلہ کا سا گمان ہوتا ہے۔ ویسے بھی ہر وقت اس سیر گاہ میں چہل پہل رہتی ہے۔ مذہبی سیاسی اور ثقافتی جلسے اب زیادہ تر اسی باغ میں ہوتے ہیں۔

ولی عہد ایران جنہیں جشنِ ایران کے موقعہ پر محمد اسلم خان نے پاکستانی سکوں کا سیٹ بھیجا!

ملکہ ایران کا مرسلہ خوشنودی نامہ و طلائی تمغہ و کتاب کنگز لینڈ جو شرکیہ جشن سربراہان مملکت میں تقسیم ہوئی

گلستانِ فرح پہلوی

ملتان کا ایران سے اس وقت سے رشتہ چلا آتا ہے جب کسرائے اعظم نے ۵۵۹ ق-م میں ایران کی اخامنشی سلطنت کی بنیاد ڈالی اور ملتان پر اس کی حکمرانی رہی۔ پاکستان بننے کے بعد ایران سے ہمارے برادرانہ تعلقات اور بھی وسیع اور گہرے ہو گئے اور دنیا ہمیں ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک سمجھنے لگی۔

ایران کو اپنی آریہ نسل پر ناز ہے۔ اسی لئے شہنشاہ ایران آریہ مہر کہلاتے ہیں لیکن ہمیں ایران مسلمان ہونے کی وجہ سے عزیز ہے یہ اسی اسلامی اخوت کا اعجاز ہے کہ پاکستان نے بشمول ملتان اسلامی تقاضوں کے خلاف ایران کا پچیس ہزار سالہ جشن شہنشاہیت شاندار طریق پر منایا بلکہ اسکی ملتان میں ایک مستقل یادگار بھی قائم کردی سنہ ۱۹۷۰ء میں قریباً ستر ہزار کی لاگت سے ہمایوں فیض رسول ڈپٹی کمشنر ملتان نے عین چوک نواں شہر پر ایک حسین و بہترین پبلک پارک بنوایا۔ جس نے شہر کے اس حصہ کا حسن دو بالا کر دیا۔ ایران کے مذکورہ بالا جشن کی یاد میں اس پارک کو ملکہ ایران کے نام سے منسوب کر کے اس کا نام "گلستانِ فرح پہلوی" رکھا گیا۔ نامزدگی کی اس پاک ایران دوستی کی یادگار تقریب کا سید اسد علی شاہ کمشنر ملتان نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو افتتاح کیا لیکن جب اس سال کے اخیر میں ہندوستان نے پاکستان پر جارحانہ حملہ کیا تو ایران خاموش رہا اور لوگ بجا طور پر یہ کہنے لگے ؎

ہم سے تو اپنے جشن کی رونق بنا گئے   لیکن ہمارے درد سے دامن بچا گئے

مسٹر مختار مسعود ڈپٹی کمشنر کا اضافہ کردہ صحن عیدگاہ

سینما

یہ بھی تفریح اور آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں جو فلم جتنی زیادہ فحش اور عریاں ہوتی ہے اُتنی زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ اگر سنسر بورڈ کوئی زیادہ فحش یا عریاں حصہ کاٹ بھی دیتا ہے تو فلمساز فلم پاس کرانے کے بعد اسے پھر فلم میں جوڑ کر وارے نیارے کرتے ہیں۔ فحش ترین اشتہارات در و دیوار پر چسپاں کر کے لوگوں کو سینما بینی کی دعوت دیجاتی ہے' ان سینماؤں سے ہی قوم اخلاق سوزی' نفس پرستی' فسق نوازی' فحش نگاری' غارت گری' مہذب بیسوائی' جنسی عیاشی' شہوت انگیزی' ہیجان خیزی۔ بے راہ روی' حسن نمائی' شائستہ درندگی اور شہوانی انار کی کی بصری تعلیم حاصل کرتی ہے۔ چونکہ یہ سینما حکومت کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ اس لئے وہ چشم پوشی سے کام لیتی ہے۔ ریڈیو سٹیشن فحش فلمی گیت نشر کر کے ان لوگوں کی تفریح طبع اور اُن کے سفلی جذبات اُبھارنے میں ممد و معاون رہتے ہیں جو سینما تک نہیں پہنچ سکتے۔ ملتان میں تا دم تحریر اٹھارہ کے قریب سینما ہیں۔ اوسطاً ہر سینما میں قریباً ۶ سو نشستیں ہیں جو ہفتہ میں بائیس شو چلاتے ہیں۔ اس طرح ہر ہفتے سوا دو لاکھ کے قریب مرد عورتیں اور بچے ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس لئے قوم کا اخلاق تباہ کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ عریاں تصاویر دیکھنے کا شوق روز افزوں ہے۔ جس کی بنا پر خفیہ مقامات پر بدترین قسم کی ننگی تصاویر دکھائی جاتی ہیں بعض رؤسا نے اس مقصد کے لئے اپنے ذاتی پروجیکٹر رکھے ہوئے ہیں۔

پنڈت مدن موہن مالویہ کا خط مسٹر ایمرسن ڈپٹی کمشنر ملتان کے نام

Multan
30-9-22

Dear Sir,

I acknowledge with thanks your letter of yesterday. Hakim Ajmal Khan Sahib and I came to Multan with the sole object of trying to remove the bitterness of feelings excited by the recent deplorable occurrences here. We were told by several Moslem and Hindu gentlemen on the occasion of our first visit that it did soften the public feelings a good deal and we have returned to Multan as early as we could in compliance with the request of leading men of both the communities to finish the work we had begun. But we regret to find that owing to the [illegible] of the angle of vision which has unfortunately been adopted by some official and non-official gentlemen who have it in their power to help

اِنقلاباتؔ

جمہوری آمریت

پاکستان بننے کے بعد ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو فیلڈ مارشل محمد ایوب خان برسر اقتدار آئے اور مارشل لاء ہمراہ لائے۔ انہوں نے آتے ہی اپنے اقتدار کے تحفظ و بقا کے لئے قوانین نافذ کرنے شروع کر دیئے اور مندرجہ ذیل انقلابات لائے۔

۱۔ زرعی اصلاحات نافذ کر کے بڑے بڑے زمینداروں کے دم خم توڑ دیئے۔
۲۔ اوقاف ایکٹ نافذ کر کے پیروں اور سجادہ نشینوں کا اثر و رسوخ کم کر دیا۔
۳۔ رائے عامہ کو متاثر کرنے کے لئے بڑی بڑی مساجد پر سرکاری مولوی مسلط کر دیئے۔
۴۔ ایبڈو لگا کر عوامی رہنماؤں کی آواز عوام کے کانوں تک پہنچنے سے روک دی۔
۵۔ بی ڈی سسٹم نافذ کر کے سلطانیٔ جمہور کا دروازہ بند کر دیا۔
۶۔ پریس ٹرسٹ قائم کر کے اخباروں کو اپنا نقیب بنالیا۔
۷۔ پریس آرڈیننس اور پبلک سیفٹی ایکٹ کے ذریعہ آزادیٔ تحریر و تقریر سلب کر لی۔
۸۔ حریت پسند اور آزاد خیال اخبارات پر عرصہ حیات تنگ کرنے کے لئے انہیں سرکاری اشتہارات سے محروم کر دیا۔
۹۔ وزراء، امراء اور نوکر شاہی کے تحفظ کے لئے ازالہ حیثیت عرفی کے جرم کو قابل دست اندازیٔ پولیس بنا دیا۔
۱۰۔ نیم سرکاری اداروں میں سرکاری افسر تعینات کر کے ان کی آزادی ختم کر دی۔
۱۱۔ عوامی لیڈروں کی زبان بندی کر کے لیڈر شپ سرکاری افسران کو سونپ دی۔

۱۲۔ قبائلی علاقہ میں مروجہ انگریزی دور کا کالا قانون یعنی جرگہ سسٹم پورے مغربی پاکستان میں نافذ کر کے عوام کو جائز قانونی حقوق سے محروم کر دیا۔

۱۳۔ صنعتکاروں اور سرمایہ داروں سے بھاری چندے وصول کر کے انہیں مزدوروں کا خون چوسنے کی آزادی بخش دی۔

۱۴۔ نصاب تعلیم میں جہاد کی بجائے موسیقی کو شامل کر کے "بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کا سبق پڑھایا جانے لگا۔

۱۵۔ فلمی ایوارڈ کے ذریعہ بھانڈوں اور کنجریوں کو عوام کی نظروں میں معزز بنایا گیا۔

۱۶۔ رائیٹرز گلڈ قائم کر کے ادیبوں، شاعروں، مفکروں اور دانشوروں کو اپنا قصیدہ خواں بنا دیا۔

۱۷۔ عائلی قوانین نافذ کر کے مداخلت فی الدین کا دروازہ کھول دیا۔

۱۸۔ منصوبہ بندی کی اسرائیلی تحریک کو سرکاری طور پر اپنا کر ملک کی افرادی قوت کم کرنی شروع کر دی۔

اس طرح اس فوجی آمر نے آزاد پاکستان کے عوام کو ان بنیادی حقوق سے بھی محروم کر دیا جو انہیں انگریزوں کے دورِ غلامی میں حاصل تھے۔

پہلی زرعی اصلاحات

پاکستان بننے کے بعد پہلی زرعی اصلاحات صدر ایوب کے زمانہ میں نافذ ہوئیں ان اصلاحات کی رُو سے جس شخص کے پاس ملکیہ یا مقبوضہ پانچ سو ایکڑ نہری یا ایک ہزار ایکڑ غیر نہری رقبہ سے جس قدر زائد اراضی تھی وہ بذریعہ مارشل لا آرڈر نمبر ۶۴ سال ۱۹۵۹ء ان سے لے کر اُن بے زمین مزارعان میں تقسیم کر دی تھی جو اس رقبہ کو بطور مزارعہ کاشت کرتے تھے۔

اِس سکیم کے تحت ضلع ملتان میں کل ۳۶۴۵۲ ہزار ایکڑ رقبہ حاصل ہوا۔ جو حسبِ حیثیت ساڑھے بارہ ایکڑ سے لے کر دو مربعہ تک مستحقین میں تقسیم کیا جاتا تھا اِس قابلِ تقسیم اراضی کی قیمت دو سو روپیہ فی ایکڑ مقرر کی گئی۔ جو پچاس مساوی شش ماہی اقساط میں ۲۵ سالوں کے اندر واجب الادا تھی۔ اِس سکیم کے تحت دسمبر ۱۹۷۱ء تک ۲۵۳۸۰۔ ایکڑ اراضی تقسیم ہوئی اور ۱۰۷۲۔ ایکڑ اراضی ابھی قابلِ تقسیم تھی حالانکہ یہ تقسیم ۱۹۵۹ء سے شروع تھی جو بارہ سال تک بھی مکمل نہ ہو سکی۔ ان اصلاحات سے جن مزارعان کو کچھ فائدہ پہنچا۔ ان میں سے بعض نے تو یہ اراضی فروخت کر دی اور بعض اسے خود زیرِ کاشت لائے جس سے پیداوار میں کچھ اضافہ ہوا۔

ان اصلاحات کی رُو سے تمام جاگیرات بھی کسی معاوضہ کے بغیر ختم کر دی گئیں۔ اور اعلیٰ مالکیت اور اس کے ذیلی مفادات کسی معاوضہ کے بغیر ختم و معطل کر کے مزارعین کا بوجھ ہلکا کیا گیا۔

ان اصلاحات کے نفاذ سے قبل مزارعان بالکل مالکان کے رحم وکرم پر تھے جس کی جس وقت مرضی آتی تھی۔ قانونی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر مزارعان کو کان سے پکڑ کر بیدخل کر دیتا تھا۔ ان اصلاحات کی رُو سے مزارعان کو استحقاق قبضہ کی بنا پر تحفظ بخشا گیا اور قرار دیا گیا کہ آئندہ کسی مزارعہ کو اس وقت تک بیدخل نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک کہ کوئی عدالت یہ فیصلہ نہ دے کہ مزارعہ

۱۔ لگان ادا نہیں کر سکتا۔

۲۔ اس نے زمین کو ناکارہ بنا دیا ہے۔

۳۔ بلا معقول وجہ اراضی کاشت نہیں کرتا

۴۔ اپنے پٹہ کو آگے شکمی پٹہ پر دے دیا ہے۔

۵۔ جہاں لگان جنس میں ادا کیا جاتا ہے وہاں کے رواج کے مطابق وہ اراضی کو زیر کاشت نہیں لایا۔

اِس کے علاوہ اِس بات کی بھی ممانعت کر دی گئی کہ کوئی زمیندار اپنے مزارعین سے لگان کے علاوہ کوئی محصول وصول نہ کرے اور جب تک وہ زمیندار کا مزارعہ ہے وہ اسے مہیا کردہ مکان سے بے دخل نہ کر سکے گا۔

ان اصلاحات سے مزارعین کو بہت سی سہولتیں حاصل ہو گئیں اور وہ کچھ اطمینان کا سانس لینے لگے۔

اشتمالِ اراضی

اس منصوبہ پر جون ۱۹۶۰ء سے عمل شروع ہوا کیونکہ شرعی قانون کے نفاذ اور مہاجرین کی آمد سے زمین چھوٹے چھوٹے یونٹوں میں تقسیم ہو گئی تھی بعض مالکان کی ملکیہ اراضی مختلف مقامات پر بکھری ہوئی تھی جس سے کاشت برداشت میں بہت سی دقتیں پیدا ہو گئی تھیں اور پیداوار پر برا اثر پڑ رہا تھا۔ اس لئے اس سکیم کے تحت ہر موضع کے مالکانِ اراضی کی مرضی سے اُن کی منتشر اراضیات کو یکجا کرنا تھا تاکہ ہر ایک اسکی یکسانی کاشت برداشت اور دیکھ بھال کر سکے اور پیداوار میں اضافہ ہو۔

دسمبر ۱۹۷۱ء تک ضلع ملتان کے بیشتر حصہ کا اشتمال ہو چکا تھا اور کچھ علاقوں کا ابھی اشتمال جاری تھا۔ اس سکیم کو بروئے کار لانے کے لئے محکمۂ مال کا جو عملہ کام کر رہا ہے اسکی تنخواہ اس فیس سے پوری کی جاتی تھی جو اشتمالِ اراضی کے وقت مالکان سے بشرح چھ روپے فی ایکڑ مزروعہ اراضی پر اور ڈیڑھ روپیہ فی ایکڑ غیر مزروعہ اراضی پر وصول کی جاتی تھی۔ اس طرح اس سکیم کے اجرا کے اخراجات کا بوجھ سرکاری خزانہ پر نہیں پڑا۔

اشتمالِ اراضی کی اس سکیم سے بیشتر مالکان اراضی کی بہت سی مشکلات رفع ہو گئیں اور وہ اب بڑے اطمینان سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ توجہ اپنی کاشت برداشت پر دے کر ملک کو پیداوار کے معاملہ میں خود کفیل بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوئے

پندرہ سالہ سکیم

زوالِ ایوب کے بعد دوسرے فوجی آمر آغا محمد یحییٰ خان نے بالغ رائے دہی کی بنا پر پاکستان میں پہلا انتخاب کرایا۔ پیپلز پارٹی نے یہ الیکشن اس وعدے پر لڑا کہ وہ ہر کاشتکار کو ۱۲½ ایکڑ زمین ہر بے گھر کو مکان اور ہر بے روزگار کو روزگار دلائے گی ان وعدوں کی بنا پر پنجاب اور سندھ میں پیپلز پارٹی کی انتخاب میں جیت ہو گئی۔ مگر وہ حسب توقع فی الفور برسر اقتدار نہ آسکی لیکن کاشتکاروں نے موعودہ ۱۲½ ایکڑ کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔ آغا محمد یحییٰ خان نے پیپلز پارٹی کو عوام کی نظروں سے گرانے اور اپنی اہمیت بڑھانے کے لئے پندرہ سالہ پٹہ سکیم جاری کی اور پنجاب میں بے زمین کاشتکاروں کو ۱۲½ ایکڑ فی کس کے حساب سے پندرہ سالہ پٹہ پر سرکاری زمین تقسیم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان سے کاشتکاروں میں بڑھتی ہوئی بے چینی کچھ رک گئی۔ اس سکیم کے تحت ملتان میں ۸۲،۷۷۲ ایکڑ اراضی ۱۹۷۱ء میں بے زمین کاشتکاروں میں تقسیم کی گئی۔ اس اراضی کو آباد کرنے کے لئے پانچ سو روپے نقد بھی بطور تقاوی ہر مزارعہ کو دیئے گئے۔ اس سکیم کے تحت ۷،۱۷۹ کاشتکاروں کو اراضی ملی۔ جن کی تحصیل وار تفصیل درج ذیل ہے۔

خانیوال	۲،۷۱۴	لودھراں	۱،۹۷۲	شجاع آباد	۱۰۹۹	ملتان	۲۳
کبیروالہ	۷۰۹	وہاڑی	۴۴۹	میلسی	۲۱۳		

بُنیادی جمہوریت

مہابھارت کے وقت کا یہ نظام انگریزی دور میں مغربی پاکستان میں پنچایتوں کے نام سے اور مشرقی پاکستان میں یونین بورڈوں کے نام سے جاری تھا۔ صدر ایوب نے اسے یہ نیا نام دے کر پہلے سے زیادہ مؤثر بنا دیا اور اپنی ضرورت و سہولت کے لئے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبروں کے انتخاب کا حق بی۔ڈی ممبروں کو تفویض کر کے عوام کو ان اہم مجلسوں کے ممبروں کے انتخاب کے حق سے محروم کر دیا۔

عوام و حکام کے درمیانی فاصلہ کو کم کرنے کے لئے ادارہ میں سرکاری افسر تعینات کئے گئے تاکہ یہ باہمی میل ملاپ اور اشتراک عمل سے مقامی مسائل حل کریں۔ لیکن سول حکام نے اس متوازی نظام کو سوکن سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ اس کی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ بنے رہے اور رائے عامہ پر اپنی مصلحتوں کو ترجیح دیتے رہے۔ دوسری طرف نظام حکومت کو تو بدلا گیا مگر اس نظام کو چلانے والوں کی ذہنیتیں بدلنے کا کوئی انتظام نہ کیا گیا اس لئے اس سے حسب توقع زیادہ اچھے نتائج برآمد نہ ہوئے بلکہ سرکار پرستی، حکام پرستی، اغراض پرستی اور نفس پرستی میں اضافہ ہو گیا۔

بی۔ڈی سسٹم کے تحت ضلع ملتان میں

یونین کونسلیں	۲۱۶	یونین کمیٹیاں	۴۱
ٹاؤن کمیٹیاں	۹	میونسپل کمیٹیاں	۶
تحصیل کونسلیں	۷	ضلع کونسل	۱

دس سال تک رفاہِ عامہ اور ترقی کے کاموں میں مصروف رہیں جن کے کل ممبران کی تعداد ۵۲۱ تھی۔

ضلع ملتان کے پانچ ممبر برائے قومی اسمبلی، سات ممبر برائے صوبائی اسمبلی۔ پچیس ممبر برائے ڈویژنل کونسل، ساٹھ ممبر برائے ضلع کونسل اور دو ہزار پانچ سو اکیس ممبر بنیادی جمہوریت کے تھے۔ چونتیس لاکھ سے زائد آبادی ضلع کی نمائندگی کرتے تھے، یہ آبادی پانچ ہزار چھ سو تیس مربعہ میل میں پھیلی ہوئی تھی جو دو ہزار تین سو اکیس مواضعات، سات تحصیلوں اور چار سب ڈویژنوں پر مشتمل تھی۔

بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت مصالحتی عدالتیں قائم کی گئیں، ان کے ذریعہ صرف ۱۹۶۷-۶۸ء میں۔

دیوانی مقدمات	۲۱۶۱	فوجداری مقدمات	۲۳۰۸
دوسری شادی کی	۲۶۴۶	طلاق کی	۵۸۵۷
نان ونفقہ کی۔	۱۸۸۹		

درخواستوں کا فیصلہ کیا گیا اور اتنے لوگ کچہریوں کے چکر اور وکیلوں کی فیس سے بچ گئے ان کے علاوہ دیہاتوں اور قصبوں میں جو تعمیری کام ہوا وہ سوا ہے۔ یہ نظام صدر یحییٰ کے زمانہ میں ختم ہوا

مصالحتی عدالتیں

جس طرح الفنسٹن اور وارڈن کی تعلیمی رپورٹ ۱۹۱۳ء کے مطابق انگریزی طریقہ تعلیم نے ہندوستانیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کر دیئے۔ اور لارڈ میکالے کے الفاظ میں انگریزی نظام حکومت نے اہل ہند کو نکما اور بیکار بنا دیا۔ اسی طرح انگریزی ایکٹ شہادت نے دروغ سازی کی ٹکسالیں دروغ پروری کے مراکز، دروغ افزائی کے ایجنٹ پیدا کر دیئے اور جس طرح آٹے میں نمک ملائے بغیر لطف نہیں آتا اسی طرح ایکٹ شہادت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جب تک جھوٹ کی ملاوٹ نہ کی جائے۔ مقدمہ سرسبز نہیں ہوتا جس کی بدولت دروغ گوئی معاشرہ کا ایک لازمی جزو بن گئی۔ پاکستان بننے کے بعد بھی اسی نظام تعلیم، نظام حکومت اور نظام عدالت کو قائم و برقرار رکھا گیا۔ یہاں تک کہ عدلیہ کے فاضل ججان کی واضح خواہشات کے باوجود انتظامیہ کو عدلیہ سے الگ نہ کیا گیا۔ بنیادی جمہوریتوں کے نظام کو تقویت پہنچانے کے لئے چیئرمینوں کو محدود دیوانی اور فوجداری اختیارات دیئے گئے جن کو بروئے کار لانے کے لئے مصالحتی عدالتوں کا نظام قائم کیا گیا۔ تاکہ ایسے جھگڑے جن کا تعلق بڑے جرائم سے نہیں ہے اور جو محض ذاتی عداوت خاندانی رنجش اور پارٹی بازی کا نتیجہ ہیں۔ باہمی افہام و تفہیم سے ختم کئے جائیں۔ دلی کدورتیں رفع ہوں۔ خوشگوار فضا پیدا ہو۔ اور لوگ عدالتوں کے چکر کاٹنے، مقدمات کے اخراجات اور وکیلوں کی فیس برداشت کرنے کی بجائے اپنوں کے درمیان بیٹھ کر اپنے تنازعات کو حل کر سکیں ان عدالتوں

میں وکیلوں کو پیش ہونے کی اجازت نہیں تھی ضابطہ دیوانی ضابطہ فوجداری اور ضابطہ شہادت ان پر لاگو نہ تھا حلف پر فیصلہ ہو سکتا تھا یونین کونسلوں کو پانچسو روپے اور یونین کمیٹیوں کو ایک ہزار روپے تک کے دیوانی دعاوی سننے کا اختیار تھا اور پانچسو روپے کے نقصان کی حد تک چالیس جرائم کے فوجداری مقدمات بھی یہ سن سکتے تھے۔ ان کو ان اختیارات کی تفویض اور مصالحتی عدالتوں کے قیام سے عدالتی کام کا دباؤ بہت کچھ کم ہو گیا۔

ضلع ملتان میں مصالحتی عدالتوں کے قیام کے بعد ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۸ء تک مندرجہ ذیل مقدمات ان میں دائر ہو کر فیصلہ ہوئے۔

سال	دیوانی مقدمات		فوجداری مقدمات	
	درج شدہ	فیصلہ شدہ	دائر شدہ	فیصلہ شدہ
۱۹۶۱ - ۶۲	۱۱۴۶	۱۰۴۷	۲۰۶	۲۰۱
۱۹۶۲ - ۶۳	۲۸۳۶	۲۲۲۸	۵۶۱	۴۱۹
۱۹۶۳ - ۶۴	۲۲۴۶	۲۰۹۴	۴۴۳	۴۱۳
۱۹۶۴ - ۶۵	۱۲۲۹	۱۱۰۹	۳۱۶	۲۴۰
۱۹۶۵ - ۶۶	۲۰۲۶	۸۷۵	۲۴۵	۲۲۱
۱۹۶۶ - ۶۷	۲۴۰۶	۱۲۳۷	۳۳۳	۲۸۹
۱۹۶۷ - ۶۸	۱۸۰۷	۱۵۷۱	۶۰۰	۵۲۵
میزان	۱۳۱۹۶	۱۲۱۶۱	۲۷۱۷	۲۳۰۸

ان اعداد سے معلوم ہوا کہ لوگوں نے ان عدالتوں کی بدولت اپنا قیمتی وقت اور روپیہ بچایا۔

عائلی قوانین

اسلام کے بنیادی اصولوں سے انحراف اور مداخلت فی الدین کا جو باب انگریز اپنے صد سالہ دورِ حکومت میں نہ کھول سکے وہ دورِ ایوبی میں چوپٹ کھل گیا ان قوانین کا مقصد شادیوں کی رجسٹریشن ایک سے زیادہ شادیوں پر پابندیاں طلاق کے رجحانات کی حوصلہ شکنی۔ عورتوں کے مہر و نان و نفقہ کی ادائیگی کے مؤثر انتظام اور پوتوں کو دادا کی جائیداد میں حق وراثت دلاتا تھا۔ ان افراد کے لئے صدرِ مملکت نے خدائی قانون اپنے حکم سے بدل دیئے مثلاً ا۔ قرآن نے نکاح کے لئے عمر کا تعین نہیں کیا۔ کیونکہ مختلف ملکوں کی آب و ہوا کے تحت بلوغت کی عمریں مختلف ہوتی ہیں۔ پاکستان جیسے گرم ملک میں ۱۲۔۱۳ سال کی لڑکی کو ماہواری آنی شروع ہو جاتی ہے۔ اور وہ شادی کے قابل ہو جاتی ہے مگر اس قانون کی دفعہ ۱۲ کی رو سے شادی کی عمر سولہ سال کر دی گئی اور اسے انگلستان ایسے ٹھنڈے ملک کی شادی کی عمر کے برابر کر دیا۔ حالانکہ برطانیہ اور امریکہ میں بھی اب ۱۴ سال کی لڑکیاں سن بلوغ کو پہنچ کر ہر سال ہزاروں ناجائز بچے پیدا کر رہی ہیں۔ اس قانون نے یہاں بھی زنا، فرار، اغوا میں اضافہ کر دیا ہے۔

۲۔ اسلام نے تعداد ازدواج پر پابندی نہیں لگائی۔ مردوں پر عدل و انصاف کرنے کی پابندی لگائی ہے۔ مگر اس قانون نے مردوں پر عدل و انصاف کرنے کی پابندی لگانے کی بجائے تعدد ازدواج پر پابندی لگا دی جس نے داشتاؤں اور گرلز فرینڈ کے لئے دروازے کھول دیئے۔

۳۔ مطلقہ عورت کے لئے سابقہ خاوند سے دوبارہ شادی کرنے کے لئے اسلام

نے حلالہ کی شرط رکھی ہے جو اس خودساختہ قانون کی دفعہ ۷ ضمن ۶ کی رُو سے اُڑا دی گئی ہے۔

۴۔ حق تعالیٰ نے بحیثیت خالق جن جن کا مُورث کے ترکہ میں حق رکھا ہے ان کی نام بنام قرآن میں تفصیل موجود ہے اور اسی بناپر قریباً چودہ سو سال سے عمل ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس میں خدائی قانون کے تحت پوتے کو دادا کی جائیداد کا حقدار وراثت قرار نہیں دیا گیا۔ مگر اس قانون کی رُو سے اس خدائی قانون کو بدل کر پوتے کو بھی حق وراثت دلایا گیا ہے۔

مسلم عائلی قوانین کے تحت ۱۹۶۱ء سے لے کر ۱۹۶۸ء تک کے عرصہ میں مندرجہ ذیل مقدمات درج اور فیصلہ ہوئے۔

سال	دوسری شادی دفعہ ۶ درج شدہ	فیصلہ شدہ	(۲) طلاق دفعہ (۱) ضمن (۷) درج شدہ	فیصلہ شدہ	نان و نفقہ دفعہ (۱) ضمن ۹ درج شدہ	فیصلہ شدہ
۱۹۶۱	۲۴۳	۲۳۳	۴۴۹	۴۳۳	۱۸۸	۱۵۴
۱۹۶۲	۴۲۱	۴۰۶	۸۴۸	۷۶۷	۳۲۵	۲۹۱
۱۹۶۳	۴۱۸	۳۷۹	۱۱۲۵	۱۱۵۱	۳۴۵	۳۰۰
۱۹۶۴	۴۰۵	۳۹۲	۸۱۵	۷۵۶	۳۱۰	۲۷۸
۱۹۶۵	۴۳۹	۴۲۳	۹۲۸	۸۳۳	۳۴۵	۲۶۶
۱۹۶۶	۴۰۴	۳۹۲	۸۷۸	۸۰۴	۳۱۰	۲۷۸
۱۹۶۷	۴۲۸	۴۲۱	۱۱۸۴	۱۱۱۳	۳۲۰	۲۲۸
میزان	۲۷۵۸	۲۶۴۶	۶۲۳۷	۵۸۵۷	۲۲۵۰	۱۸۸۹

خاندانی منصوبہ بندی

عالم اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لئے یہودیوں نے رسوائے عالم پروٹوکول کے ذریعے جو منصوبہ تیار کیا تھا۔ اس کے تحت اسلامی دنیا کی افرادی قوت کم کرنے کے لئے خاندانی منصوبہ بندی کی سکیم تیار کی گئی۔ اس منصوبہ کے تحت یورپ، امریکہ، کینیڈا اور آسٹریلیا کی بجائے صرف ممالک اسلامیہ کو منتخب کیا گیا جن میں سرفہرست پاکستان تھا چنانچہ پاکستان کو اسلام آباد وغیرہ کی تعمیر کے لئے اس شرط پر قرضہ دیا گیا کہ وہاں نسل کشی کے لئے سرکاری طور پر مہم چلائی جائے۔

دور جاہلیت میں تو بچوں کو ماں کے پیٹ سے باہر نکلنے اور پانچ چھ سال تک دنیا کی ہوا کھانے دی جاتی تھی اور اس کے بعد انہیں زندہ درگور کیا جاتا تھا لیکن خاندانی منصوبہ بندی کے تحت انہیں ماں کے پیٹ سے نکلنے یا دنیا کی ہوا کھانے کی مہلت ہی نہیں دی جاتی بلکہ جدید ادویات و آلات کے ذریعہ انہیں ماں کے رحم میں ہی دفن کر دیا جاتا ہے حالانکہ اس مہم کو دنیا کی زیادہ آبادی والے ممالک روس، چین، اور ہندوستان میں چلانے کی ضرورت تھی مگر اسلامی بلاک کو کمزور کرنے کیلئے اس منصوبہ کو اسلامی ممالک میں فروغ دیا گیا تاکہ مغربی بلاک اسے بآسانی قابو میں رکھ سکے

اس مہم کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے یوں فریب دیا گیا کہ آبادی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور خوراک کی پیداوار میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ اگر آبادی فوری طور پر کم نہ کی گئی تو دنیا میں نہ کھانے کو اناج ملے گا اور رہنے کو جگہ اور

نہ زندگی پُر لطف رہے گی ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق یکم جولائی ۱۹۶۵ء کو پاکستان میں بعہد صدر ایوب یہ منصوبہ نافذ کیا گیا اس منصوبہ کو کامیابی سے چلانے کے لئے دسویں پاس لڑکیوں کو بھرتی کر کے ایک سال کی ٹریننگ دی گئی۔ اُن سے کام لینے کے لئے علیحدہ دفتر قائم کئے گئے اور اُن کے انتظام کے لئے نوجوان بھرتی کئے گئے اس طرح مخلوط تعلیم کی طرح ایک مخلوط محکمہ برتھ کنٹرول کیلئے قائم کیا گیا۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اس محکمہ کے ذریعہ جولائی ۱۹۶۵ء سے جون ۱۹۶۸ء تک کے تین سالوں میں صرف ضلع ملتان میں نس بندی کے ۵۸۰ مردانہ اور ۲۹۲ زنانہ اپریشن کئے گئے ضبط تولید کے لئے ۴۳۶۲۷-آئی-یو-ڈی-۱۳۹-۹۳،۰۲،۱ فرنچ لیدر فروخت کئے گئے۔ محفوظ مباشرت کے لئے ۱۲۸۲۸۸ رحم میں رکھنے کی جھاگ دار گولیاں تقسیم کی گئیں ان کے علاوہ ۲۶۱۷۴ ٹیوب رافورم ۱۰۹۸۵۱ ڈایافرام-۲۰۴۲۶۹ ایجل-۳۲۳- ایمکو-۲۶۲۱ ڈلیفن-۵۴۳۵۰ اور سل پر ضبط ولادت کے لئے فروخت کئے گئے۔ جن سے ۲۲۶۶۰۲ لاکھ جوڑے متاثر ہوئے ان تین سالوں میں ۲۵۵۶۹۸ لاکھ کے اخراجات سے تیس ہزار متوقع بچوں کی پیدائش پر قابو پا کر ملتان میں ریکارڈ قائم کیا گیا اس نسل کشی مُہم میں بھی ملتان مغربی پاکستان میں سرفہرست رہا۔

اس مُہم کو کامیابی سے چلانے کے لئے ضلع ملتان میں ۶۴ مرکز-۱۵ کل وقتی سنٹر قائم کئے گئے- پانچ سو بورڈ نصب کئے گئے ۴۰۰۰ ۵۳۴ پوسٹر اور ۴۰۰۰ ۴ پمفلٹ شائع کئے گئے- ان مانع حمل گولیوں نے زناکاری آسان کر دی اور برتھ کنٹرول نے عورتوں کو مراق، ہسٹیریا عصبی ناہمواری اور دیگر زنانہ امراض کا شکار بنا دیا۔

اہتمام اوقاف

اولیاء کرام اور بزرگانِ دین کی ساری زندگی تبلیغ دین میں گزری۔ ان کے بعد ان کی تعلیمات کو مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں نے جاری رکھا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد خانقاہیں غیر اسلامی روایات کا مرکز بن گئیں۔ ان کی آمدنی سے سجادہ نشین، متولی اور مجاور دادِ عیش دینے لگے، مدرسے بند ہوگئے اور مسجدیں غیر آباد نظر آنے لگیں۔ صدر ایوب نے اوقاف ایکٹ کے ذریعے کثیر آمدنی والی مساجد اور خانقاہیں محکمہ اوقاف کی تحویل میں دے دیں۔ جس کی بدولت اب اُن کی آمدنی خرافات و تفریحات کی بجائے اس محکمہ کے افسران، ملازمان اور دیگر تعمیری منصوبوں پر خرچ ہونے لگی۔ لیکن جن مقاصد کیلئے یہ وقف قائم کئے گئے تھے اُن پر اُن کی آمدنی خرچ ہوتی نظر نہ آئی۔ نہ اُن کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے دینی مدارس قائم کئے گئے اور نہ مساجد میں کوئی انقلابی تغیر رُو نما ہوا۔ جس کی وجہ سے اہل خیر نے جدید وقف قائم کرنے بند کر دیئے کیونکہ اوقاف کا اہتمام ایسے سرکاری ملازمین کے سپرد تھا جن کی دین سے زیادہ وابستگی نہ تھی۔ بلکہ بعض تو سرے سے لادینی خیالات سے متاثر تھے۔

حلقہ ملتان میں قریباً پچاس خانقاہیں یکصد مساجد، چار امام باڑے، سینکڑوں مکانات و دوکانات اور قریباً ۵۶۱۳ ایکڑ اراضی محکمہ اوقاف کی تحویل میں آئی لیکن ایسی مساجد اور خانقاہیں جو وسائل آمدنی سے محروم ہیں۔ ان سے محکمہ اوقاف نے کوئی سروکار نہ رکھا۔

ہوائی حملے

پاکستان بننے کے بعد ہندوستان نے سب سے پہلے رن کچھ کے پاکستانی علاقہ پر حملہ کیا، دوسری بار ستمبر ۱۹۶۵ء میں مغربی پاکستان پر حملہ آور ہوا تیسری مرتبہ اُس نے دسمبر ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے دونوں حصوں پر حملہ کیا۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں ملتان پر بمباری کرنے کے لئے ایر مارشل کری آپا کارٹ کا بڑے طمطراق سے بمبار طیارے لایا اس کا دعویٰ تھا کہ اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔ غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے وہ جب عین مدینۃ الاولیاء ملتان شہر کے اوپر پہنچا تو خدا کی قدرت سے اسے شہر سبزہ زار نظر آیا وہ شہر سے چار پانچ میل دور موضع محمد پور گھوٹہ تک نکل گیا۔ وہاں اُس نے روشنی کا بم مارا جس سے دن کا سا اُجالا ہو گیا اور اس روشنی میں اُسے کھیتوں کا یہ علاقہ شہر دکھائی دیا۔ اُس نے وہاں تقریباً چھ سات بم برسائے جن کا دھماکہ میلوں تک سنا گیا اور شہر کے در و دیوار ہل گئے۔ اِس بمباری سے کچھ بھینسیں مرگئیں، اور جو بم چھاؤنی میں بارود کے ذخیرہ کے قریب گرا وہ بفضلہ تعالیٰ نہ پھٹا۔ اِس طرح مولا کریم نے ملتان اور اہلِ شہر کو بچا لیا۔ اگرچہ انڈیا ریڈیو سے یہی اعلان ہوا کہ ملتان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی ہے۔ جنگ ۱۹۷۱ء میں بھارتی بمبار بلا روک ٹوک ملتان شہر پر دندناتے رہے لیکن بھارتی اطلاعات کے مطابق چونکہ شیخ مجیب الرحمٰن (وزیر اعظم مشرقی پاکستان) ملتان میں قید تھے۔ اِس لئے بھارتی بمبار شہر کی بجائے ارد گرد کے علاقوں پر بم برساتے رہے بفضلہ تعالیٰ اس مرتبہ بھی ملتان محفوظ رہا۔

زوالِ ایوبؒ

پاکستان مغرب زدہ طبقہ کی خواہشات کے خلاف وجود میں آیا اور بدقسمتی سے وہی طبقہ برسرِ اقتدار آیا۔ اس لیئے اُس نے یہاں نہ اسلامی آئین نافذ ہونے دیا۔ نہ بیرزگار پیدا کرنے والے انگریزی نصابِ تعلیم کو بدلا۔ ایوب خان کی خودغرضانہ پالیسیوں کے بدولت اربابِ اہلیت، صلاحیت اور قابلیت کی بجائے رشوت، سفارش اور اقربا پروری کے ذریعے نااہل، خودغرض اور مفاد پرست طبقہ حکومت پر مسلط ہو گیا۔ ملک کی دولت اور اس کے وسائل پر بیس خاندانوں نے قبضہ کر کے اپنے زیر دستوں، مزدوروں ملازموں اور کاشتکاروں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ علاقائی لسانی اکیڈیمیاں حکومت کی سرپرستی میں لسانی اور علاقائی عصبیت کی آگ بھڑکانے میں مصروف ہو گئیں، انارکسٹوں کیمونسٹوں اور سوشلسٹوں نے عوام کو زمین، روٹی، کپڑا اور مکان دلانے کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ جس پر لوگ دفتروں، فیکٹریوں اور کارخانوں سے سڑکوں پر نکل آئے۔ ملک گیر ہڑتالیں اور محلاتی سازشیں شروع ہو گئیں۔ ملک میں ایسی سیاسی، معاشی اور اخلاقی انارکی پھیلی کہ ایوانِ حکومت میں زلزلہ آ گیا۔ جس سے گھبرا کر صدر ایوب اپنی جان بچانے کے لئے قصرِ صدارت کے اسی چور دروازے سے فرار ہو گیا۔ جس کے ذریعے وہ اس میں داخل ہوا تھا۔ اس طرح اس کے دس سالہ بد حکومت کا عبرتناک انجام ہوا۔ اس کے بعد یحییٰ خان برسرِ اقتدار آیا۔ جو بدترین صدر

ثابت ہوا

پہلا اِنتخاب

محمدؐ ایوب خان قصرِ صدارت میں جس عقبی دروازے سے داخل ہوئے تھے آغا محمد یحییٰ خان نے بھی اُسی دروازے سے قصرِ صدارت میں قدم رکھا انہوں نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد مشرقی اور مغربی پاکستان کی پیریٹی یعنی مساویانہ حیثیت ختم کردی جس سے صوبائی توازن اور مزاج بگڑ گیا انہوں نے دوسری عظیم غلطی مغربی پاکستان کی وحدت کو توڑنے میں کی جس سے یہاں کے حالات دگرگوں ہو گئے نئے نئے مسائل اُبھر کر سامنے آگئے اور ہر شعبۂ حیات کی تقسیم در تقسیم ہونے لگی۔

ان نامساعد حالات میں دسمبر ۱۹۷۰ء میں پاکستان کا پہلا انتخاب بالغ رائے دہی کی بناء پر کرایا گیا جس میں مغربی پاکستان میں جزوی طور پر پیپلز پارٹی نے اکثریت حاصل کی اور مشرقی پاکستان پر عوامی لیگ چھا گئی۔ یہ انتخابات نئے انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئے اِس انتخاب میں قریباً تمام پُرانے سیاسی کھلاڑی چاروں شانے چت گرے ، بڑے بڑے خاندانی ستون اور امارتی مینار زمین بوس ہو گئے اور پاکستان میں ایک ایسا ذہنی انقلاب آیا کہ دُنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ ان غیر متوقع نتائج کے پیش نظر محمد یحییٰ خان نے اقتدار عوام کے حوالے کرنے سے گریز کیا جس سے مشرقی پاکستان میں انارکی پھیل گئی اور ہندوستان نے اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے رُوس کی مدد سے مشرقی پاکستان پر قبضہ کرکے ایک لاکھ کے قریب پاکستانی فوج کو قیدی بنالیا

تعمیرِ نو

نشتر میڈیکل کالج

پنجاب کے خدادوست گورنر سردار عبدالرب نشتر نے ڈاکٹروں کی کمی کو دور کرنے کے لئے اس شہر میں نیا میڈیکل کالج کھولنے کا فیصلہ کیا جواس کے لئے دس لاکھ روپے ادا کرے۔ کمشنر راولپنڈی کی معذرت پر ملتان کے نیک سیرت کمشنر مسٹر آئی یو۔ خان نے اس کی حامی بھرلی جس پر علم الادیان کے مرکز ملتان میں ہی علم الابدان کا مرکز کھولنے کا فیصلہ ہوا۔ جس کی کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کے پرنسپل لیفٹیننٹ کرنل الٰہی بخش اور ڈاکٹر ریاض علی شاہ وغیرہ نے سخت مخالفت کی۔ مگر لیفٹیننٹ کرنل شیر محمد خان ملک اور ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ نے تگ و دو کرکے ۲۲ دسمبر ۱۹۵۰ء کو ملتان میں سردار صاحب موصوف کے نام سے نشتر میڈیکل کالج کھولنے کی منظوری حاصل کرلی۔ اور ۳۱ دسمبر ۱۹۵۰ء کو لانگے خان باغ میں دس لاکھ کی بجائے ملتان نے سوا اٹھارہ لاکھ کی تھیلی سردار نشتر کو ملتان ڈویژن کی طرف سے پیش کردی۔ چونکہ اس کالج کے قیام کے سلسلہ میں ڈاکٹر بھٹہ بڑی دلچسپی اور سرگرمی سے مصروف عمل تھے اس لئے اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے انہیں آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی لگادیا گیا۔ جنہوں نے دن رات ایک کرکے بیس دن کے اندر کالج کے تمام نقشے تیار کرائے۔ دس دن کے اندر حکومت سے ابتدائی تخمینہ کے مطابق ایک کروڑ چوہتر لاکھ روپے کی منظوری حاصل کرلی۔ ۲۸ اپریل ۱۹۵۱ء کو سردار عبدالرب نشتر نے کالج کا سنگ بنیاد رکھا اور یکم اکتوبر ۵۱ء سے داخلہ کا اعلان کردیا گیا۔ اس کے پرنسپل کے لئے ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ کا نام تجویز ہوا۔ چونکہ وہ پرانی وضع اور سادہ طبع کے مخلص اور دیانتدار تھے

اس لئے سب نے بشمول وزیر صحت ملک عبدالحمید دستی ڈاکٹر بھٹہ کی مخالفت کی اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے پروفیسروں کو تین ہزار روپیہ ماہوار تک کی تنخواہ کی پیشکش کی چونکہ ڈاکٹر بھٹہ کی طرح برق رفتاری سے کام کرنا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لئے سب نے اس کالج کا پرنسپل بننے سے انکار کر دیا اور بالآخر چارو ناچار ڈاکٹر بھٹہ کو پرنسپل بنانا پڑا۔ سرخ فیتہ کے دور میں اس کالج کے منصوبہ کا چند ماہ میں مکمل ہو جانا ایک کرامت سے کم نہ تھا۔

۱۰ جولائی ۱۹۵۱ء کو کالج کی تعمیر شروع ہوئی اور یکم اکتوبر کو ڈاکٹر بھٹہ نے سول ہسپتال میں عارضی انتظام کر کے پڑھائی شروع کرا دی۔ پہلا داخلہ ۵۲ لڑکوں کا ہوا۔ نشتر میڈیکل کالج پنجاب میں تیسرا اور پاکستان کا چھٹا میڈیکل کالج بنا۔ اس کی منصوبہ بندی اور تعمیر و قیام تمام تر پاکستانیوں کے ہاتھوں ہوا۔ اس کالج میں لڑکوں کے تین ہوسٹل رازی ہال، ابن سینا ہال اور ابوالقاسم ہال ہیں۔ ہر ہوسٹل میں ۱۱۷ لڑکوں کی رہائش کا انتظام ہے، ۵۷ لڑکیوں کے لئے الگ ہوسٹل ہے اور ۱۲۰ نرسوں کا علیحدہ نرسز ہوم ہے۔

نشتر ہسپتال میں ۴۰۲ بستروں کا۔ اس کی تپدق کی شاخ سول ہسپتال میں ۶۰ بستروں کا اور اس کی زچہ بچہ کی شاخ فاطمہ جناح ہسپتال میں ۱۵ بستروں کا انتظام ہے۔

پہلے اس کالج میں مخلوط تعلیم تھی اس کے نتائج کے پیش نظر اب یہاں مخلوط تعلیم ختم کر دی گئی ہے صرف چار لڑکیوں کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ تادم تحریر اس کالج اور ہسپتال کی تعمیر پر اڑھائی کروڑ روپیہ اور ساز و سامان پر پچاس لاکھ روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ سات سو کے قریب طلبا زیر تعلیم ہیں۔ دسمبر ۱۹۷۱ء تک اس کالج سے ۱۴۲۷ لڑکے اور ۱۶۸ لڑکیاں ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کا امتحان پاس کر چکی ہیں۔ ان کے علاوہ ۲۷۵ نرسیں، ۳۱۶ نرس مڈوائف اور ۲۰۴ ڈسپنسر پاس ہوئے ہیں۔
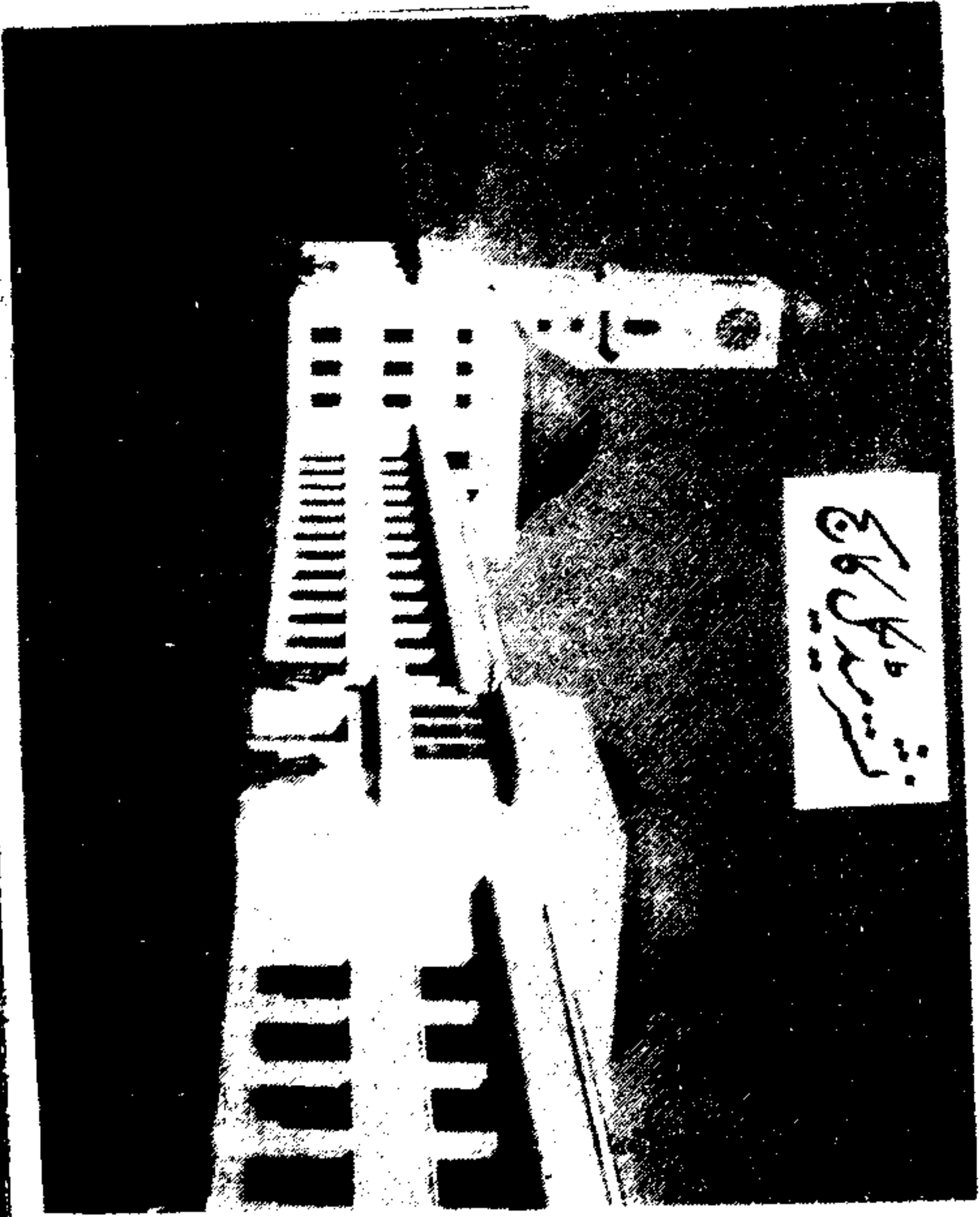
یورانیم

مغربی پاکستان قیمتی قدرتی انعامات سے مالامال ہے۔ جن میں سے پٹرول، کوئلہ، کرومائٹ، نمک، جپسم، چونے کا پتھر، گندھک، سوئی گیس اور یورانیم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ قیمتی اور اہم یورانیم ہے۔ جو ایٹمی ری ایکٹروں اور بموں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بھاری ذخائر ہمارے ملتان ڈویژن میں ڈیرہ غازی خان کے مقام پر پائے گئے ہیں اور پاکستانی انجینئروں اور ماہروں کے تیار کردہ پلانٹ کے ذریعے اسے پاکستان میں ہی صاف کیا جا رہا ہے۔ اس کی بدولت پاکستان کے لئے ایٹمی طاقتوں میں شامل ہونا آسان ہو گیا ہے۔

سوئی گیس

قدرت کی طرف سے پاکستان کو دوسری نعمت غیر مترقبہ سوئی گیس کی صورت میں ۱۹۵۳ء میں ملی جس سے پاکستان کی معاشی بہبودی میں قابلِ قدر اضافہ ہوا۔ اسے پہلی فرصت میں ستمبر ۱۹۵۵ء میں سوئی سے کراچی پہنچایا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۵۶ء میں اسے ملتان تک لانے کا کام شروع ہو گیا۔ جس کی بدولت سب سے پہلے ملتان میں کھاد فیکٹری اور پاور اسٹیشن قائم ہوئے اور بجلی شہروں سے دیہاتوں تک پہنچ گئی۔ ملتان کے ان عظیم منصوبوں کی تکمیل کے بعد ملتان کے صنعتی کارخانوں کو سوئی گیس سپلائی کی گئی جس سے مقامی صنعتی اداروں کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور اب گھر گھر سوئی گیس پہنچائی جا رہی ہے۔ جس سے بے انتہا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ جو زبانِ حال اس فرمانِ ربانی کی یاد دہانی کرا رہی ہے کہ تم اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

سُوئی گیس

کھاد فیکٹری

یہ فیکٹری ۱۹۵۷ء میں ملتان سے پانچ میل دور لاہور ملتان روڈ پر قائم کی گئی۔ یہ فیکٹری اور اس کی کالونی ۲۵۰ ایکڑ رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ جس کی تعمیر پر پچیس کروڑ روپیہ لاگت آئی جو اوائل ۱۹۶۲ء میں مکمل ہوئی۔ اس فیکٹری میں دو محلّ میڈیکل ہال دو بنک، ایک پوسٹ آفس ایک مارکیٹ کمیٹی، فیئر پرائس شاپ اور کینٹین موجود ہے ملازمین کی تفریح کے لئے پارک، ان کے بچوں کی تعلیم کے لئے زنانہ اور مردانہ دو مدرسے ہیں۔ ان کے جو بچے شہر میں پڑھتے ہیں ان کو پہنچانے اور واپس لے جانے کے لئے باقاعدہ دو بسیں چلتی ہیں۔ ویلفیئر سکیم کے تحت کارکنان کی مالی امداد کی جاتی ہے۔ اور ان کی رہائش کے لئے مستقل کالونی کا انتظام ہے تنخواہ کا پانچ فیصد اس کا کرایہ مقرر ہے۔

اس میں دو قسم کی کھاد یوریا اور امونیم نائٹریٹ تیار کی جاتی ہے جو اس ملک کی زمین کے لئے نہایت مفید ہے جس کی اسی فی صد آبادی کا زراعت کاری پر انحصار ہے۔ اس فیکٹری نے ملک کو کھاد درآمد کرنے سے بے نیاز کر دیا ہے۔ بلکہ اس کے قیام سے ۶۱-۱۴۵۸۰-۳۱۲۸۰ روپے زرمبادلہ کی بچت ہوئی ہے اور اس نے ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۸ء کے دس سال کے عرصہ میں ایک کروڑ بیس لاکھ اور اسی ہزار روپیہ کی کھاد برآمد کی ہے۔ یہ فیکٹری سالانہ ۶۸۵۸۱۹/۹۶۶ میٹرک ٹن کھاد تیار کرتی ہے۔

پاور اسٹیشن واپڈا
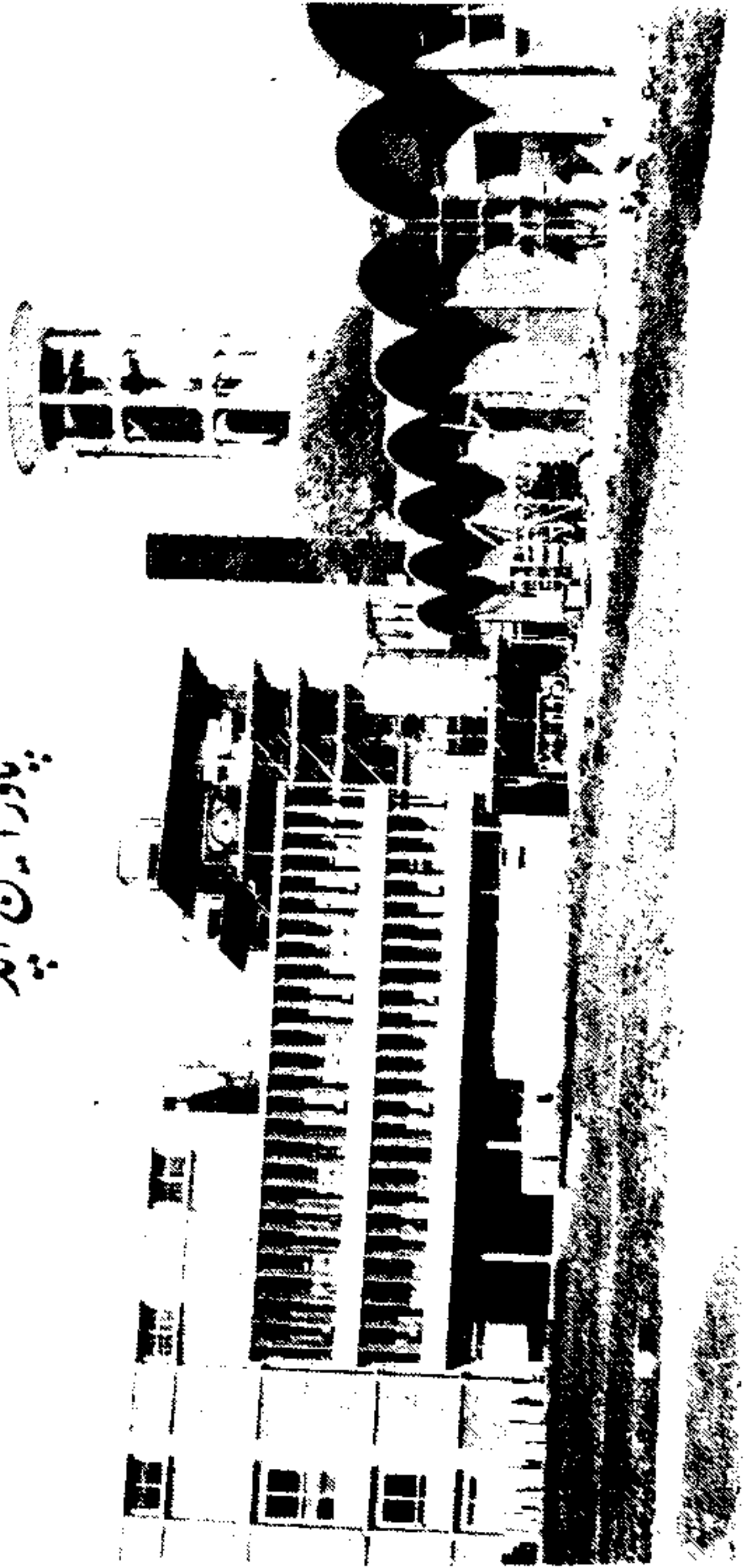
ریڈیو اسٹیشن

دہلی اسٹیشن قائم کرنے کے بعد حکومت ہند نے دُوسرے شہروں میں بھی ریڈیو سٹیشن قائم کرنے کے لئے چالیس لاکھ روپے منظور کئے۔ جس پر سب سے پہلے ملتان کے روزنامہ "شمس" نے اپنی اشاعت مورخہ ، دسمبر ۱۹۳۶ء کے مقالہ افتتاحیہ میں حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ ملتان کی مرکزیت اور ثقافت کے پیش نظر یہاں بھی ریڈیو سٹیشن قائم کیا جائے۔

۱۹۵۹ء میں بلدیہ ملتان نے ایک متفقہ قرارداد کے ذریعے اسکا حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا۔ ۱۹۶۶ء میں ملتان بہاولپور روڈ پر ریڈیو سٹیشن قائم کرنے کے لئے زمین حاصل کی گئی اور ہالینڈ سے اس کی مشینری منگائی گئی۔ ریڈیو ملتان کے ٹرانسمیٹر کو نصب کرنے، براڈ کاسٹنگ ہاؤس اور ریسیونگ سنٹر کی مشینیں لگانے اور جدید طرز کے سٹوڈیوز قائم کرنے کا سارا کام ریڈیو کے پاکستانی انجینئروں نے سرانجام دیا۔ پاکستان میں یہ سب سے زیادہ طاقتور ریڈیو سٹیشن ہے۔

۲۱ نومبر ۱۹۷۰ء کو نوابزادہ شیر علی خان وزیر اطلاعات و قومی امور حکومت پاکستان نے اس کا اِفتتاح کیا اور توقع ظاہر کی کہ اس ریڈیو اسٹیشن کو اپنے دین اپنی تاریخ اپنے تمدن اور نظریہ پاکستان کے تحفظ کے لئے استعمال کیا جائیگا جو اسلامیان پاکستان کی زندگی کا مقصد وحید ہے۔

ریڈیو اسٹیشن
ملتان
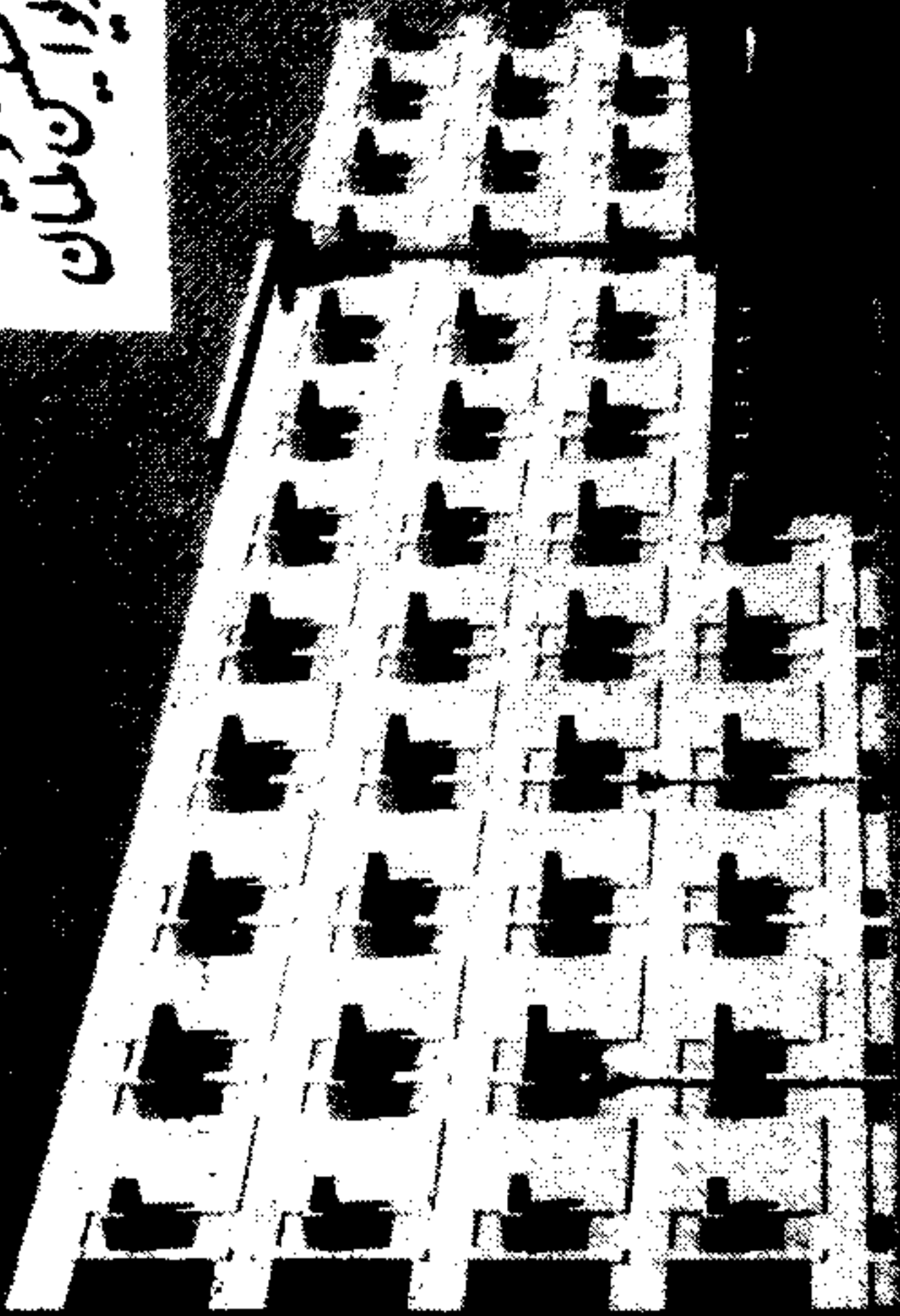
الیکٹرک پاور سٹیشن

ملتان کو پہلے ملتان الیکٹرک سپلائی کمپنی محدود پیمانہ پر بجلی مہیا کرتی تھی جس سے ٹیوب ویلوں اور صنعتی اداروں کی ضرورتیں پوری نہ ہوتی تھیں۔ اس لئے ۱۹۵۵ء میں ملتان میں سوئی گیس سے اعلیٰ پیمانہ پر بڑا تھرمل سٹیشن قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۲۴ اپریل ۱۹۵۵ء کو اس کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ ۱۹۵۹ء میں اس کی تعمیر شروع ہوئی فروری ۱۹۶۰ء میں ۶۵۰۰۰ کلوواٹ کی اور مئی ۱۹۶۱ء میں ۱۳۰۰۰۰ کلوواٹ کی مشینیں اس میں نصب کی گئیں۔ جن سے یہ وارسک کے پاور سٹیشن کے بعد مغربی پاکستان کا سب سے بڑا پاور سٹیشن بن گیا۔ مگر اس کے باوجود بھی یہ ملتان کی ضرورت پوری نہ کر سکا۔ ۱۹۶۳ء میں امریکہ سے دو اور مشینیں منگا کر لگائی گئیں۔ جن سے پیداوار دگنی ہو گئی۔ اس منصوبہ پر ۲۶ کروڑ روپیہ خرچ آیا۔ جس میں ۵۰ فیصد حصہ زرِ مبادلہ کا تھا۔ ملتان پاور سٹیشن اور وارسک ہائیڈل پاور سٹیشن میں مزید توسیع کیلئے امریکہ سے ۳۲ کروڑ روپے کا قرضہ حاصل کیا گیا۔ اس توسیعی منصوبہ کے تحت گرڈ سٹیشنوں کا ایک جال پھیلا دیا گیا اور ملتان پاور سٹیشن سے پورے ملتان ڈویژن، سرگودھا ڈویژن، بہاولپور ڈویژن اور کچھ لاہور ڈویژن کو بجلی پہنچائی گئی۔ جن سے ملتان، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان، ساہیوال، بہاولپور، رحیم یار خان، بہاولنگر، لائلپور، جھنگ اور سرگودھا مستفیض ہوئے۔ ان کو ملتان دو لاکھ کیلوواٹ بجلی سپلائی کر رہا ہے جو کل مغربی پاکستان کی پیداوار کا چالیس فی صد ہے۔

کاشی کا پھولدان

رائٹرز کالونی

یہ کالونی ۱۹۶۰ء میں خدمتِ خلق کی بنیاد پر راقم نے قائم کی جو قریباً ایک مربعہ اراضی پر پھیلی ہوئی ہے چونکہ ان دنوں راقم رائٹرز گلڈ سب ریجن ملتان کا پہلا سیکرٹری مقرر کیا گیا تھا اس لئے راقم نے اسے اپنے نام سے منسوب کرنے کی بجائے اپنی جماعت سے منسوب کر کے اس کا نام رائٹرز کالونی رکھا اور اس کی سڑکوں اور گلیوں کو مندرجہ ذیل نامور مفکروں اور ادیبوں سے موسوم کر کے اور بلدیہ ملتان سے اِن ناموں کی منظوری لے کر اسے اسم بامسمّٰے بنا دیا۔ بحیثیت بانی کالونی ایک سڑک راقم کے نام سے بھی منسوب کر دی گئی۔

۱۔ علامہ اقبال روڈ۔ ۲۔ اسد ملتانی روڈ۔ ۳۔ عطاء اللہ شاہ بخاری روڈ۔ ۴۔ منشی عبدالرحمٰن خان روڈ۔ ۵۔ خیابانِ سرسید۔ ۶۔ خیابانِ قدرت اللہ شہاب۔ ۷۔ خیابانِ مولوی عبدالحق۔ ۸۔ خیابان مولانا ظفر علی خان۔ ۹۔ خیابان مولوی شبلی۔ ۱۰۔ خیابان سید سلیمان ندوی۔ ۱۱۔ خیابان مولانا حالی۔ ۱۲۔ خیابانِ اکبر۔ ۱۳۔ خیابانِ پطرس۔ ۱۴۔ خیابانِ شرر۔ ۱۵۔ خیابانِ آغا حشر ۱۶۔ خیابانِ غالب۔ ۱۷۔ خیابانِ جگر۔ ۱۸۔ خیابانِ خواجہ غلام فرید ۱۹۔ خیابانِ عالی اور خیابانِ مختار مسعود۔

بلدیہ کی منظوری حاصل کرنے کے بعد ان ناموں کا اخبارات میں اعلان کر دیا گیا۔ اور مسجدِ اشرف کے صدر دروازہ کے غربی جانب کالونی کا ایک بہت بڑا سیمنٹی بورڈ بنوا کر یہ نام اُس پر سیمنٹ سے لکھوا دیئے تا کہ ان سڑکوں اور گلیوں کی تلاش میں کسی کو تکلف نہ ہو۔ راقم کے اِس اقدام کو اربابِ علم و فضل نے بہت سراہا۔

کیونکہ مصنفین کے نام پر پاکستان میں یہ پہلی کالونی قائم ہوئی تھی۔ اور اس کی وجہ سے رائٹرز گلڈ کی شہرت میں اضافہ ہوا تھا۔

کالونی میں شیخ خلیل احمد اور میاں عطا محمد وغیرہ بودلہ کی عطا کردہ اراضی پر ایک وسیع جامع مسجد امام مسجد کی رہائش گاہ اور مسجد کی کفالت کے لئے چند دکانوں کی چار دیواریاں مکمل کرادیں اور اس مسجد کو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے منسوب کر کے اس کا نام مسجد اشرف رکھا۔ اس کے پرشکوہ صدر دروازہ پر اس کالونی اور مسجد کے سنگِ بنیاد کی تاریخ ان الفاظ میں کندہ تھی جیسا کہ متعلقہ تصویر سے ظاہر ہے:۔

"منشی عبدالرحمٰن خان میونسپل کمشنر و سیکرٹری اوّل پاکستان رائٹرز گلڈ (ادارہ مصنفین) سب ریجن ملتان نے بتاریخ ۱۰ اپریل ۱۹۶۱ء اس کالونی اور مسجد کی کی بنا ڈالی"۔

اس کالونی کے ایک مکین اپنے قلمی خطوط کے ذریعہ (جن کے متعلقہ اقتباسات کے عکس شاملِ کتاب ہیں) اس امر کے خواہاں تھے کہ کالونی کی کوئی سڑک یا گلی اس کے نام منسوب کی جائے چونکہ وہ متذکرہ بالا مشاہیر کی صف میں نہ آتے تھے۔ اس لئے اس کی تحریری درخواستوں کو نظر انداز کر دیا گیا جس کا انتقام لینے کے لئے پہلے تو انہوں نے "امروز" میں راقم کے خلاف کیچڑ اچھالا۔ اور اس کے بعد راقم کے ایک دوسرے حاسد کی پشت پناہی سے کالونی کا نقشہ اور مسجد اشرف کا خوبصورت صدر دروازہ مسمار کر دیا تاکہ اس کالونی اور مسجد کی درو دیوار پر اس کے بانی کا نام بھی نظر نہ آئے۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل راقم کی تازہ تصنیف "نقوشِ زندگی"

سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ

لاہور بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن کام کی زیادتی کی وجہ سے پوری مستعدی سے اپنے فرائض کما حقہ سرانجام نہیں دے سکتا تھا اس لئے حکومت نے سرگودھا اور ملتان میں نئے بورڈوں کا اجرا کر کے تعلیمی ترقی کی طرف ایک اور قدم بڑھایا۔ اس سے نہ صرف لاہور بورڈ کا بوجھ ہلکا ہو گیا بلکہ متعلقہ علاقوں کو صحیح طور پر امتحانات پر کڑی نگرانی کے مواقع میسر آ گئے۔

ملتان بورڈ نے ستمبر ۱۹۶۸ء میں باقاعدہ کام کرنا شروع کیا یہ بورڈ کوئٹہ، قلات، بہاولپور اور ملتان ڈویژن کے انٹرمیڈیٹ اور سیکنڈری سکولوں کے طلباء کے امتحانات منعقد کرنے اور ان کے نتائج کے اعلانات کا بندوبست کرتا ہے۔ یہ بورڈ [illegible] سکولوں اور کالجوں کے [illegible] میٹرک کے طلبا اور [illegible] انٹرمیڈیٹ کے طلبا اور [illegible] علوم شرقیہ کے طلبا کے امتحانات کا انتظام کر رہا ہے اس کی منتظمہ ۱۵ افسران اور تقریباً دو صد پچیس ماتحت ملازمین پر مشتمل ہے۔

ملتان بورڈ کے قیام کے بعد اس کے زیر تحویل علاقوں کی تعلیمی سرگرمیوں میں اضافہ اور ترقی ہوئی ہے طلباء کے گوناگوں مسائل سلجھانے میں خاطر خواہ سہولتیں میسر ہوئی ہیں بورڈ کی طرف سے ہر سال میٹرک میں پہلی سولہ اور انٹر میں پہلی بارہ پوزیشنیں حاصل کرنے والے طلباء طالبات کو حوصلہ افزائی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے قومی وظائف دیئے جاتے ہیں۔

عالمی تبلیغی ادارہ

دہریت اور عیسائیت کے فروغ کے لئے جس طرح ہر سال سوشلسٹ اور کمیونسٹ حکومتیں یورپ امریکہ اور کینیڈا کے سرمایہ دار، کارخانہ دار، تاجر اور صنعتکار اربوں روپیہ خرچ کر کے سیلاب کی طرح اپنا لٹریچر اسلامی ممالک میں پھیلاتے ہیں۔ اسی طرح تبلیغِ دین کے لئے اسلامی حکومتیں اور جماعتیں اگر توجہ دیتیں تو آج عالمِ اسلام بالعموم اور پاکستان بالخصوص الحاد و انتشار کا شکار نہ ہوتا۔ اور دینِ اسلام کسمپرسی کی حالت میں نہ ہوتا۔ ہماری نسلِ نو اس لٹریچر کی بدولت جس طرح کفر و الحاد اور دہریت و مادیت کا شکار ہو رہی ہے۔ اس کی نظیر ہماری چودہ سوسالہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایک انگریز مبلغ نے سچ کہا تھا کہ یہ لوگ عیسائی تو نہ بن سکیں گے لیکن مسلمان بھی نہ رہیں گے۔

تبلیغِ دین اگرچہ ایک انتہائی مشن ہے اور ایک فرضِ کفایہ ہے لیکن جب شعائرِ اسلام کو اعلانیہ مٹایا جا رہا ہو۔ یہ فرضِ کفایہ فرضِ عین بن جاتا ہے اور بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ ایسے لادینی دور میں دین کو رواج دینے پر ایک کوڑی خرچ کرنا اللہ کی راہ میں لاکھوں خرچ کرنے کے برابر ہے۔ راقم نے اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے عالمی ادارہ اشاعتِ علومِ اسلامیہ مارچ ۱۹۶۵ء میں ملتان میں قائم کیا تاکہ جو حضرات دنیوی مصروفیات کی وجہ سے یہ فریضہ ادا نہیں کر سکتے۔ وہ اس ادارہ کے رکن بن کر گھر بیٹھے لٹریچر کے ذریعہ اندرون

اور بیرونِ ملک یہ دینی فریضہ ادا کر سکیں اور ان کی اعانت سے ہم ان حضرات تک ہلکا پھلکا دلکش و دلنشیں لٹریچر پہنچا سکیں جو دینی مدارس یا محراب و منبر تک نہیں پہنچ سکتے یا قیمتی دینی لٹریچر نہیں خرید سکتے یا ضخیم دینی لٹریچر پڑھنے کے لیے وقت نہیں نکال سکتے۔

اپنی نوعیت کے لحاظ سے پاکستان میں یہ پہلا ادارہ ہے جو سائنٹیفک انداز میں جدید تقاضوں کے مطابق اسلامی تعلیمات و روایات کو عام کرنے اور مغرب زدہ طبقہ میں دینی شعور پیدا کرنے کیلئے ہر ماہ باقاعدگی سے ایک بصیرت افروز مقالہ شائع کر کے دفتروں اور کالجوں اور غیر ممالک میں مفت تقسیم کرتا رہتا ہے اس ادارہ کا کسی سیاسی یا مذہبی جماعت یا سیاسی اور اختلافی مسائل سے کوئی تعلق یا واسطہ نہیں ہے، اس لئے پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ایس اے رحمٰن و جج جسٹس سجاد احمد جان اور پاکستان کے نامور مشاہیر مسٹر قدرت اللہ شہاب، ڈاکٹر انور اقبال قریشی اور مسٹر مختار مسعود ملتان کے اس مثالی ادارہ کی سرپرستی فرما رہے ہیں متعدد کالجوں کے پرنسپل اور یونیورسٹیوں کے پروفیسر اس کی مجلسِ ادارت میں شامل ہیں، اور ہر مکتبِ فکر کے لوگ اس کے شائع کردہ لٹریچر کو نہ صرف پسند کرتے ہیں بلکہ اس سے استفادہ بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ بقول اربابِ فکر و نظر موجودہ مذہبی انحراف اور بے دینی کے رجحانات کو ختم کرنے نوجوانوں کو با اخلاق اور دیندار بنانے، فرنگی اثرات کو زائل کرنے، ذہنی ارتداد کو دور کر کے انہیں اسلام کے قریب لانے میں یہ لٹریچر بڑا مفید ثابت ہو رہا ہے، یہ ادارہ گذشتہ سات سالوں میں یک صد اچھوتے موضوعات پر لاکھوں کی تعداد میں اردو و انگریزی رسائل تقسیم کر چکا ہے اور کر رہا ہے۔

ایوانِ ادب

ملتان ایسے قدیم اور عظیم شہر میں جہاں اربابِ دولت و ثروت کی کثرت تھی۔ وہاں ایک پبلک میٹنگ ہال کی کمی تھی جسے ہر حلقہ میں شدت سے محسوس کیا جاتا تھا۔ مگر کوئی اس کام کے لئے قدم نہ اٹھاتا تھا۔ اس لئے راقم الحروف نے ۱۹۵۸ء میں ایک ہال بنانے کا منصوبہ تیار کیا۔ جسے اس وقت کے ڈپٹی کمشنر مسٹر محمد مسعود نے منظور کر لیا۔ مگر اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے علم و ادب کے اس اجارہ دار نے میرا ساتھ نہ دیا۔ جسے میرے ساتھ شامل کیا گیا تھا اس لئے یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ ۱۹۶۱ء میں ایک ہال کا بڑے طمطراق سے سنگِ بنیاد رکھا گیا تھا مگر وہ بانیان کی خود غرضانہ مصلحتوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اس کے بعد ایم سی گراؤنڈ میں میٹنگ ہال تعمیر کرنے کے لئے ملتان اکیڈیمی کو پچاس ہزار روپیہ دیا گیا۔ مگر وہ اسے بنوانے میں ناکام رہی اور میونسپلٹی نے اپنا روپیہ واپس لے لیا۔ چوتھی مرتبہ رفعت پاشا کمشنر ملتان نے پل موج دریا کے قریب ہال بنانے کے لئے زمین دی۔ مگر اس سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔

حسنِ اتفاق سے گونگے بہروں کی معاون بلڈنگ "دار الفلاح" کی تعمیر کی نگرانی اور جزوی تعمیر راقم کے سپرد ہوئی۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے راقم نے مسلم کمرشل بنک اور متعلقہ ٹرسٹ کی منظوری سے بعد از خرابیٔ بسیار زائد از تین صد نشستوں کا ایک میٹنگ ہال موسومہ "ایوانِ ادب" نہایت خاموشی سے بنوا ڈالا۔ بنک مذکور

نے ٹرسٹ سے اس امر کی تحریری ضمانت لے لی کہ اس ہال میں سیاسی یا ثقافتی یعنی راگ ورنگ کے جلسے نہ ہوں گے اور نہ اسے تجارتی اغراض کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ اس ہال کے فرنیچر کے لئے راقم کی درخواست پر میاں مختار اے شیخ نے پانچ ہزار روپیہ کا عطیہ دیا۔ ہال اتنا خوبصورت بنا کہ جہاں گرد مختار مسعود اسے دیکھ کر بے اختیار کہہ اُٹھے کہ اُنہوں نے پیرس کے سوا اتنا خوبصورت ہال اور کہیں نہیں دیکھا۔ چونکہ یہ راقم کا منصوبہ تھا اور راقم نے ہی اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا تھا اسلئے ٹرسٹ نے راقم کو ہی اس کا مستقل نگران و مہتمم بنایا۔

۲۵ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو قاسم رضوی کمشنر ملتان نے اس کا افتتاح کیا۔ راقم کی اس کوشش اور کاوش کو ہر طرف سے بنظر استحسان دیکھا جانے لگا۔ سید ابن حسن برنی ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ یونائیٹڈ بنک نے تو کراچی سے یہاں تک لکھ کر بھیج دیا کہ "ایوانِ ادب کی تعمیر سے ملتان کی علمی، ادبی، ثقافتی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ ملتان آپ کا یہ احسان کبھی فراموش نہ کرے گا" (اندازِ سخن) اس سے ٹرسٹ ایک عہدہ دار کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اُٹھی اور اس نے ٹرسٹ کے صدر ڈاکٹر امتیاز احمد خان ڈپٹی کمشنر اور ٹرسٹ کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر اسد اللہ لون کے لاہور تبدیل ہو جانے پر نہایت مذموم طریقے سے ایوانِ ادب پر اپنی اجارہ داری قائم کر لی۔ پہلے ہال بند کر دیا گیا پھر ایک پی۔ سی۔ ایس   کو ہمنوا بنا کر نصف ہال ایک دوا فروش کمپنی کو کرایہ پر دے کر اس کی اہمیت ختم کر دی۔ اسکی تفصیل آپ کو میری تازہ تصنیف "نقوشِ زندگی" میں ملے گی۔

جو منشی عبدالرحمان
کی مساعی کی بدولت معرض
میں آیا
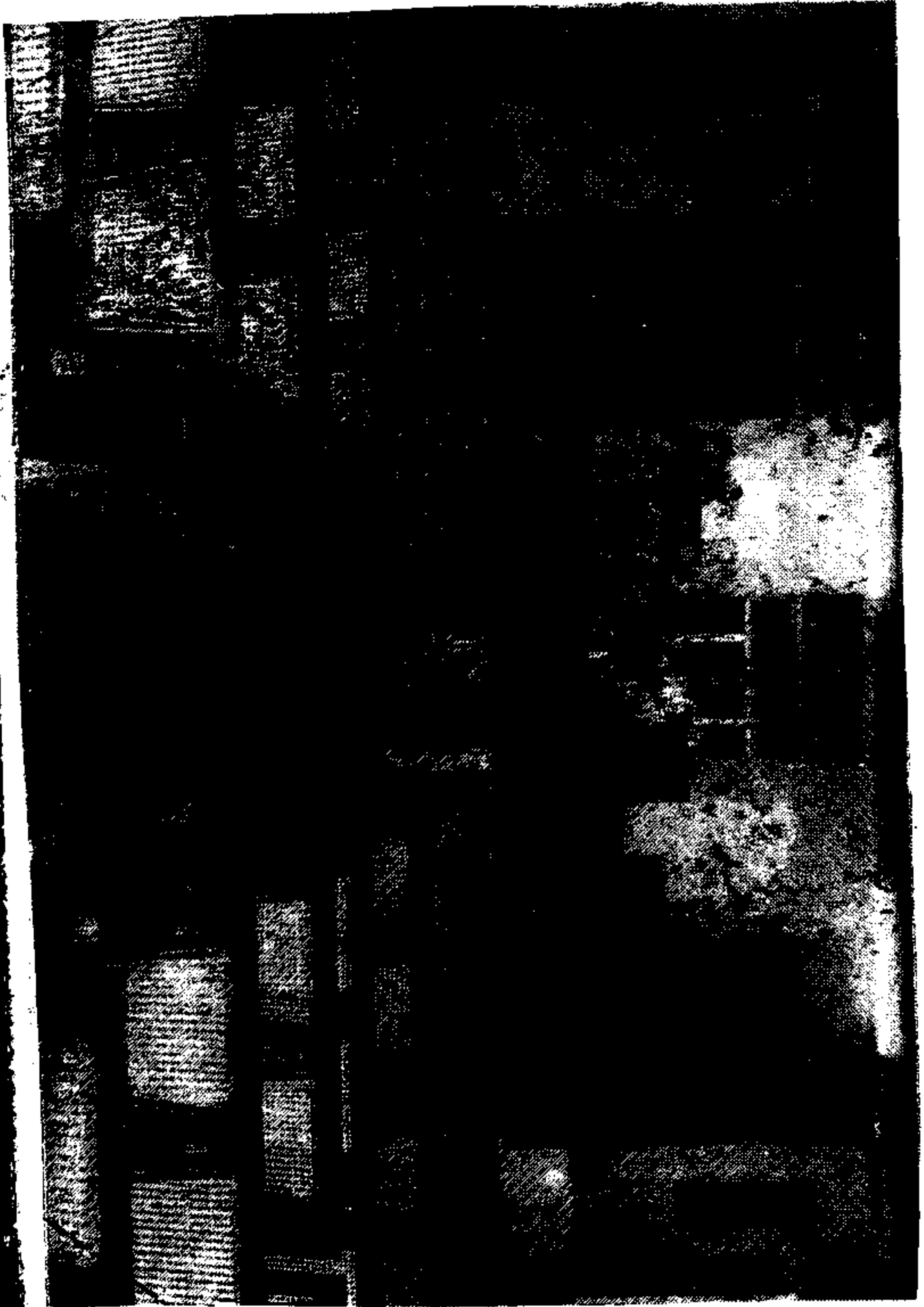
ایوانِ وکلاء

ملتان کچہری میں پہلے وکلاء کے خانہ بدوشوں کی مانند چھپر ہوا کرتے تھے جو بہت ہی بدصورت اور بدنما نظر آتے تھے۔ ذوقِ سلیم پر بارِ گراں گزرتے تھے اور غیر ملکی ان کے فوٹو لے جا کر اپنے ملک میں ان کی تشہیر کرتے تھے" اس لئے راقم کی تحریک پر ۱۹۵۵ء میں مسٹر محمد مسعود ڈپٹی کمشنر نے یہاں پختہ کیبن بنوانے کی سکیم بنائی مگر وکلاء نے پہلو تہی کیا۔ ان کی تبدیلی کے بعد ہر نئے آنے والے ڈپٹی کمشنر کے زمانہ میں راقم ہمیشہ اس داغ کو دھونے کے لئے اپنی تحریک چلاتا رہا۔ جس کے تحت بالآخر ۱۹۹۰ء میں ڈاکٹر امتیاز احمد خان ڈپٹی کمشنر نے اپنے خصوصی اختیارات سے چھٹی کے دن کچہری کے تمام چھپر گروا دیئے۔ تب جا کر وکلاء کے موجودہ باعزت بلاک تیار ہوئے۔ ایوانِ وکلاء کے لئے جو یادگاری پتھر تیار کرایا گیا وہ بھی منفرد اور مثالی حیثیت کا حامل رہا۔ اس کی مندرجہ ذیل عبارت نہ صرف پاکستان میں نئے دور کی آمد کی نشاندہی کرتی ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے نوشتۂ دیوار کی حیثیت رکھتی ہے

سب عظمتیں صرف اللہ کیلئے ہیں

ایوانِ وکلاء کی اس تعمیرِ نو کا

سنگِ بنیاد مجلس وکلاء کے دیرینہ اور فرض شناس چپڑاسی ملک محمد اسمٰعیل نے ۶ جولائی ۱۹۹۰ء بمطابق ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ بروز جمعہ اپنے محنت کش ہاتھوں سے رکھا۔

محمد اشرف خان سیکرٹری

یہ پتھر آج تک بار رُوم میں آنے والے ہر معزز مہمان کے لئے درسِ عبرت کا کام دے رہا ہے۔ اس کام میں دلچسپی لینے کی پاداش میں محمد اشرف خان سیکرٹری بار ایسوسی ایشن کا نام کسی حاسد نے اس پتھر سے کھُرچ دیا۔

اس افتتاح سے پہلے دس سالوں میں یعنی ۱۹۵۸ سے ۱۹۶۸ء تک عوامی قیادت افسر شاہی کے ہاتھ میں رہی۔ جس کی وجہ سے حکام پرستی عام ہو چکی تھی۔ ہر تقریب کا افتتاح افسران کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ جہاں اعلیٰ افسر دستیاب نہ ہوتے تھے۔ وہاں نائب تحصیلدار افتتاحی ٹیپ کاٹنے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ اس طرح اکابرین و معززین کا مذاق اُڑایا جاتا تھا۔ اس کے شدید ردِ عمل کا آغاز ملتان بار ایسوسی ایشن سے ہوا۔ اس نے اس دور کے اعلےٰ حکام کو نظر انداز کر کے ایوانِ وکلاء کے افتتاح کی سعادت اپنے دیرینہ خادم محمد اسمٰعیل چپڑاسی کو بخشی جسے اعلیٰ حکام نے اپنی توہین پر محمول کیا اور اس تقریب کے دعوت نامے وصول کرنیکے باوجود کسی نے بھی شرکت نہ کی۔ اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ ایک عبرت انگیز اور نظارہ افروز مظاہرہ تھا۔ اس تقریب کے مہمانِ خصوصی محمد اسمٰعیل چپڑاسی نے جب سٹیج پر قدم رکھا تو فضا بزبانِ حال پکار اُٹھی کہ اے چشمِ عدو! اسے حقارت سے نہ دیکھ!! یہ اس نبیؐ کی اُمت ہے جس کے بادشاہوں نے فقیری کی۔ یہ اس دین کا پیرو ہے۔ جس کے خلفائے راشدین اپنے شتر سوار غلاموں کی مہار تھام کر چلا کرتے تھے اور خدمت میں عظمت سمجھتے تھے۔ یہ نظارہ اس حقیقت پر دال تھا کہ بعض لوگ اعزاز کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور بعض کو اعزاز خود ڈھونڈ نکالتا ہے۔

تاریخی تقریب

ملتان بار ایسوسی ایشن کی تقریبِ افتتاحِ ایوانِ وکلاء اس لحاظ سے بڑی عبرت انگیز اور فکر انگیز تھی کہ جہاں ۱۸۵۸ء میں کچہری کی عمارت کا سنگِ بنیاد کمشنر ملتان نے رکھا۔ وہاں ایک سو دس سال بعد ۱۹۶۸ء میں ایک چپڑاسی ایوانِ وکلاء کا سنگِ بنیاد رکھتا نظر آیا۔ اس تاریخی تقریب کے مہمانِ خصوصی کو انتظامیہ کے ارکان ایک جلوس کی شکل میں جلسہ گاہ تک لائے۔ جہاں سب وکلاء و حاضرین نے کھڑے ہو کر مہمانِ خصوصی کا استقبال کیا۔ اولاً محمد اشرف خان سیکرٹری بار ایسوسی ایشن نے اپنی رپورٹ پڑھی۔ اس کے بعد مہمانِ خصوصی کی خدمت میں جو سپاسنامہ پیش کیا گیا اس کا ضروری حصہ درج ذیل ہے۔

"ہمارے لائقِ احترام مہمانِ خصوصی! سپاسنامہ اور حروفِ استقبالیہ کی تمام تاریخ میں سپاس گزار، سپاس گزاری کے جذبات کا اظہار سنبھل سنبھل کر اور رک رک کر بڑے ادب و احترام سے کرتے دیکھے جاتے ہیں، یہ ایک طرف حسنِ طلب کا عجز اور دوسری طرف چشمِ التفات و کرم کی بے نیازی کی ایک عبرتناک تصویر ہوتی ہے۔ اس لئے جب آج ہم نے اس قدیم ذہن کش رسم و راہ سے ہٹ کر اس تقریب کے لئے اپنی ہی مجلس کے قدیم اور فرض شناس ساتھی کو اس کے حسنِ عمل و حسنِ کردار کی بنا پر اس تعمیر کے سنگِ بنیاد کی تنصیب کے لئے پسند کیا تو صدیوں سے بے اختیار زبان پر آنے والے الفاظ سہم بھی گئے اور سنبھل بھی گئے کہ ہمارے جسموں سے درباری لباس کون اتار رہے ہیں اور ہمیں ایک مزدور کے پیش کیوں کیا جا رہا ہے۔

ہمارے معاشرہ کی اس منفرد اور تاریخی تقریب نے بعض کے دل و دماغ کو صرف چونکا ہی نہیں دیا۔ بلکہ یہ مجلس ایک نئی راہ کی نشاندہی بھی کر رہی ہے۔ سنگ مرمر کی دنیا میں جہاں عظیم سلاطین عظیم وزرار اور بلند شخصیتوں کے پتھر پڑے ہوئے ملیں گے وہاں ان کے دوش بدوش یہ پتھر بھی اپنی عظمت و خدمت کی علامت کی حیثیت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موجود رہے گا۔

اسلامی تصور حیات میں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ تاریخ اسلام کے اوراق میں ہمیں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں جہاں تقویٰ اور پرہیز گاری نے ایسی تقاریب کو زینت بخشی، حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں مدائن کی فتح کے بعد بصرہ کا سنگِ بنیاد راعی نے نہیں رعایا میں سے حضرت ابو درداؓ نے ۱۷-۱۸ھ میں رکھا۔ اسی طرح کوفہ شہر کی بنیاد بھی ایک مردِ غازی نے رکھی۔ دنیائے اسلام کی سب سے اوّل درسگاہ مدرسہ نظامیہ (بغداد) کا سنگِ بنیاد امام الحرمین نے نظام الملک وزیر کی موجودگی میں رکھا۔ شاہجہان نے مشہور زمانہ جامعہ مسجد دہلی کے سنگِ بنیاد کے لئے ایک گوشہ نشین بزرگ کو تلاش کیا۔ برعظیم ہند و پاک کی مشہور دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کا سنگِ بنیاد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا ہزار دو ہزار ایسی مثالیں اکٹھی کی جا سکتی ہیں۔ مگر اس دور کا مزاج ہی کچھ اور ہے کہ مناصب کے سایوں کے پیچھے دنیا دیوانہ وار دوڑ رہی ہے۔"

موجودہ بگڑے ہوئے معاشرہ میں صحیح اسلامی اقدار کے احیاء کی طرف یہ ایک ایسا مثبت قدم تھا۔ جس کی قدم قدم پر تقلید کی ضرورت ہے۔

جدید ریلوے پُل

برق رفتاری کے اِس زمانہ میں ٹریفک کا تھوڑی دیر کے لئے جام ہو جانا بڑی بے قراری اور پریشانی کا موجب ہوتا ہے۔ مُلتان چھاؤنی ریلوے سٹیشن کے پار جانے کے لئے ریلوے کے آغاز سے ڈبل پھاٹک کا سسٹم رائج چلا آرہا تھا آمدورفت کی اِس عظیم شاہراہ پر عوام کو گھنٹوں پھاٹک کھلنے کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھی دُور تک کے مُسافروں کو دو دو گھنٹے زحمت انتظار برداشت کرنی پڑتی تھی علاوہ ازیں ریلوے کے اِس پھاٹک کے ایک بارونق مصروف اور پُرہجوم راہ پر واقع ہونے کیوجہ سے کئی قسم کے حادثات پیش آتے رہتے تھے اور لبا اوقات کئی قیمتی جانیں اس بے موقع پھاٹک کی بھینٹ چڑھ جاتی تھیں۔ اِس لئے اس بے حد تکلیف دہ پھاٹک کو بند کرکے اس کی بجائے پختہ پل بنانے کی کئی عوامی اداروں نے تحریک کی۔ اور اس کی تعمیر کے لئے ڈسٹرکٹ کونسل ملتان نے دو لاکھ اور بلدیہ ملتان نے چار لاکھ روپیہ نقد محکمہ ریلوے کو پیش کئے۔ تب جا کر اس محکمہ کے کان پر جُوں رینگی۔ اور اس نے اس کی تعمیر شروع کرائی۔ یہ پل ۱۹۶۹ء میں مکمل ہوا اور ۱۹۶۹ء کے اواخر میں پبلک کے استعمال کے لئے کھول دیا گیا جس سے عوام کی ایک بہت بڑی اور دیرینہ تکلیف خدا خدا کرکے رفع ہوئی۔ اس شاہراہ پر اب بلا روک ٹوک پورے چوبیس گھنٹے ٹریفک رواں دواں رہتا ہے۔

قطعہ تاریخ ایوانِ ادب

ایوانِ ادب

نہ اہلِ طبل و علم کو ہوئی کبھی توفیق
نہ ملتفت ہوئے اربابِ دولت و جاگیر
قلندرانِ محبت نے ہی کیا تو کیا
میانِ شہرِ ادب کا حریمِ نو تعمیر
پئے عدد ہوئی "نذرِ قلندراں" تاریخ
دگر یہی ہے "کتابِ خلوص کی تفسیر"

منشی عبدالرحمٰن خان مہتمم ہال
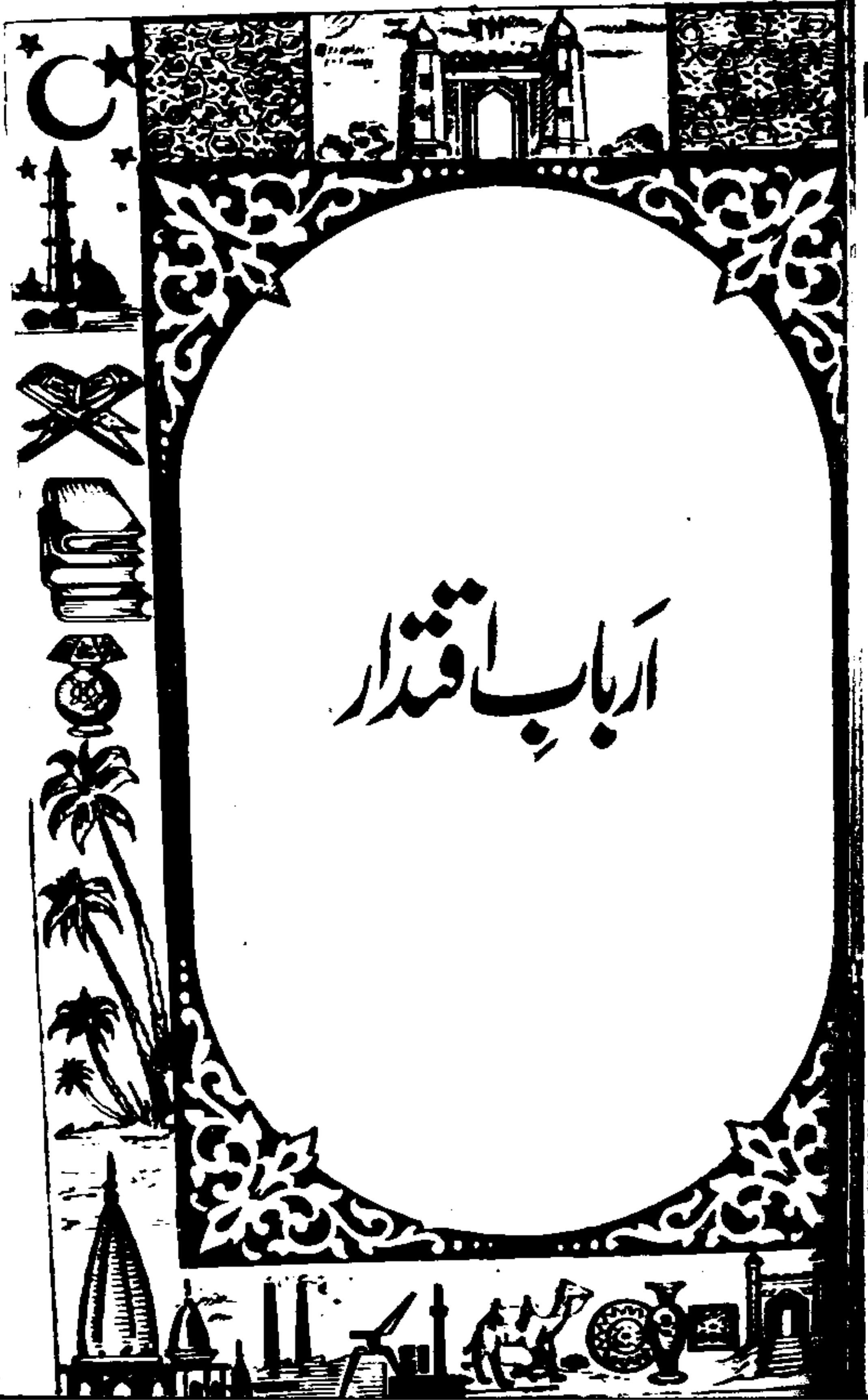
اربابِ اقتدار

مردم خیز خطّہ

صاحب طبقاتِ اکبری اور تاریخ فرشتہ دونوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ

"مملکتِ مالوہ، دکن، بنگالہ اور گجرات کی سرزمین اگر زرخیز ہے تو
مملکتِ ملتان کی زمین مردم خیز ہے۔"

اہلِ ملتان نے ہر دور میں اِس حقیقت کو برقرار رکھا اور تاریخ ان کی فہم
فراست اور قابلیت و اہلیت کا لوہا مانتی رہی۔ اسی کی بدولت تین ملتانیوں کے
تختِ دہلی کے قدم چومے بعض سے سلاطین نے اصلاح و تربیت پائی۔ بعض نے
شاہی درباروں کی رونق بڑھائی بعض نے ولایت ملتان پر حکمرانی کی۔

لاکھوں سال گزر جانے کے بعد بھی اس سرزمین کی مردم خیزی میں فرق نہ
انگریزوں کی غلامی کے زمانہ میں بھی اہلِ ملتان آسمانِ اقتدار پر درخشندہ ستاروں
طرح چمکتے رہے اور انہوں نے ملتان کی تاریخی عظمت کو برقرار رکھا مثلاً

بریگیڈیر

ملتان کے مندرجہ ذیل نوجوان فوج میں داخل ہو کر بریگیڈیر کے عہدے تک
پہنچے۔ ۱۔ بریگیڈیر سید علی شاہ ۲۔ بریگیڈیر عطا محمد ڈاہا
۳۔ بریگیڈیر حیدر علی گردیزی ۴۔ بریگیڈیر بوتراب علی
۵۔ بریگیڈیر ممتاز حسین ۶۔ بریگیڈیر عبدالبصیر شمسی

بج ہائیکورٹ

ملتان کی جن شخصیات نے عدالتِ عالیہ ہائیکورٹ مغربی پاکستان میں عدل پروری کے جوہر دکھلائے ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مسٹر جسٹس شیخ شبیر احمد ۲۔ مسٹر جسٹس ملک عبدالحمید

وزراء

ملتان کے اِن خوش بختوں نے اپنی حکمتِ عملی سے مسندِ وزارت کو شرف بخشا۔ ۱۔ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ۔ ۲۔ نواب عاشق حسین قریشی۔ ۳۔ سید محمد علمدار حسین شاہ گیلانی۔ ۴۔ سید علی حسین شاہ گردیزی۔ ۵۔ ملک خدا بخش بچہ۔

سیشن جج

عدلیہ میں جہاں ملتان کے کئی نوجوان بطور مجسٹریٹ، سول جج اور افسر مال کام کرتے رہے وہاں محلہ حمام کا مسعود احمد انصاری اسوقت بطور سیشن جج کام کر رہا ہے۔

ڈپٹی کمشنر

انگریزی راج میں اصل بادشاہی ڈپٹی کمشنر کی ہوتی تھی ملتان کے یہ نونہال اِس منصبِ جلیلہ تک پہنچے:۔

۱۔ سید غلام محی الدین ۲۔ شیخ علاؤ الدین ارشد
۳۔ سید صفدر علی شاہ گردیزی ۴۔ سید عباس حسین شاہ گردیزی
۵۔ احمد خان ترین۔ ۶۔ نیاز احمد خان
۷۔ امیر نواز خان بابر ۸۔ ملک نواز حسین کھوکھر

ملتان کا بہترین سٹوڈیو ہالی وڈ

آخری آرام گاہ

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

آپ ۱۸۹۱ء میں بمقام پٹنہ پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں نانا کے گھر پڑھیں، زبان و بیان بھی گھر ہی سے حاصل کئے۔ بڑی بوڑھیوں سے روزمرہ کے محاورے سیکھے، شاد عظیم آبادی اور اُن کے ہم نشینوں سے ادبی ذوق حاصل کیا۔ ماموں سے بیت بازی سیکھی، ۱۹۱۴ء میں آپ امرتسر آئے اور مرشدی مفتی محمد حسن نوراللہ مرقدہٗ سے علم حدیث حاصل کیا۔ عبدالمجید خان سلطان ترکی کی صاحبزادی کے بچوں کے اتالیق، عرب قاری سیّد عمر عاصم سے خوش الحانی سیکھی، رولٹ ایکٹ، جلیانوالہ باغ اور مارشل لاء سے متاثر ہو کر سیاست کی پرخارداری میں قدم رکھا۔ مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی نے آپ کو مسجد سے اٹھا کر اسٹیج پر کھڑا کر دیا "الہلال" اور "ستارۂ صبح" کے مطالعہ نے آپ کو ملک کا عظیم خطیب اور لسان بنا دیا۔ ان کا تنہا وجود کئی وجودوں کا مجسمہ تھا اور مجلس احرار ان کی معنوی اولاد تھی۔

آپ چالیس سال تک تنہا بدعات، رسومات اور خرافات کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ مدتوں قادیانیت کے بخیئے ادھیڑتے رہے مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کیا۔ برطانوی ملوکیت کے خلاف نوجوانوں کی صفیں آراستہ کیں عوام کو قربانی و ایثار کا سبق پڑھایا۔ خطابت میں نئی نئی راہیں پیدا کیں۔ قیادت کو کاسہ لیس آلودگیوں سے پاک کیا اور سیاست کو بازیچۂ امرا نہ بننے دیا۔ اشعار کو نگینوں کی طرح صحیح مقام پر چسپاں کرنا آپ پر ختم تھا۔

آپ جب قلندرانہ شان میں لحن داؤدی کے ساتھ شعر پڑھتے تو وہ سُننے والے کے سینے میں اُتر جاتے۔ خوراک، پوشاک میں انتہائی سادگی برتتے۔ عشق رسولؐ میں علامہ اقبالؒ سے کوسوں آگے نکل گئے۔ پہلے حضرت پیر مہر علی شاہؒ سے اُن کے وصال پر حضرت شیخ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے۔ مولانا ابوالکلام کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کی اور علامہ انور شاہ نوراللہ مرقدہ نے پانچ سو علماء کی معیت میں آپ کو امیر شریعت بنا دیا۔ علامہ اقبال نے کہا شاہ جی اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ہیں۔ مولانا ظفر علی خان بولے بُلبل چہک رہا ہے۔ ریاض رسولؐ میں مولانا محمد علی جوہر نے جوہر شناسی کی کہ یہ مقرر نہیں۔ ساحر ہیں۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ نے جو اُن کے آئینہ دل میں نگاہ ڈالی تو فرمایا۔ اُن کا دل صرف اسلام کیلئے دھڑکتا ہے۔ مولانا حسرت موہانی نے فتویٰ دیا کہ آپ خطابت کے شہسوار ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا کہ ملک وقوم کا ہر گوشہ ان سے متاثر ہے۔ سردار عبدالرب نشتر نے فرمایا میں نے انہیں باغ و چمن سے نکلتے اور دار و رسن سے گزرتے دیکھا۔ مولانا شوکت علی نے اسبات کی شہادت دی کہ وہ بولتے نہیں تھے۔ موتی رولتے تھے حضرت مولانا اشرف علیؒ نے فرمایا کہ آپ کی باتیں عطاء الٰہی ہوتی ہیں۔ خواجہ حسن نظامی نے سچ کہا کہ انہیں دیکھ کر قرون اولیٰ کے مسلمان یاد آتے ہیں۔ آپ کی نصف زندگی ریل میں اور نصف جیل میں گزری۔ عمر کا آخری حصہ ملتان میں گزرا۔ ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو بزبان حال یہ شکوہ کرتے ہوئے ہم سے رخصت ہو گئے کہ اس ناشکر گزار قوم نے پہلے اپنے خادموں سے کونسا اچھا سلوک کیا جو مجھ سے کرتی۔ جلال باقری کے قبرستان سے اب بھی یہ صدا آرہی ہے۔ ع گیا مہر تاباں امیر شریعت

۱۹۶۱ء

مولانا خیر محمدؒ جالندھریؒ

آپ ۱۸۹۵ء میں بمقام عمروال بلہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے سندِ فراغ حاصل کرنے کے بعد ۹ مارچ ۱۹۳۱ء کو مولانا محمد علی جالندھری کے مشورہ سے آٹاری بازار جالندھر شہر کی مسجد عالمگیر میں مدرسہ خیر المدارس کی بنیاد رکھی تقسیم ہند کے بعد ۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مدرسہ خیر المدارس کی نشاۃ ثانیہ کا ملتان میں آغاز کیا۔ سلسلہ بیعت مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے تھا بعد میں آپ ان کے خلیفہ ارشد ہوئے اخیر وقت تک ان کے مسلک و مشرب پر مستقیم رہے۔ ان کی طرح آپ بھی سیاسیات سے الگ تھلگ رہے۔ لیکن جب جہادِ پاکستان شروع ہوا تو آپ نے بھی مسلم لیگ کی حمایت کے اعلان پر دستخط فرمائے۔ جس کی تفصیل حضرت مولانا محمد شفیع کی تصنیف "مسلم لیگ اور کانگریس" میں موجود ہے۔

آپ کا شمار ان جامع الکمالات ہستیوں میں تھا جو قافلہ ہستی کے لئے مینارِ نور ہوتی ہیں۔ جن کے وجود مسعود سے علم و دانش، زہد و تقویٰ اور یقین معرفت کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں اور جن کے دم قدم سے علوم نبوت کا وقار قائم رہتا ہے۔ آپ نہ صرف اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم تھے بلکہ بڑے عاقل و متین اور مدبر و منتظم تھے علم و وقار کا مجسمہ اور خدا ترسی و للہیت کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ خفیف الجسم اور لطیف الروح تھے۔ چہرہ کی نورانیت بشرہ کی شگفتگی نظروں کی شفقت، لبوں کی مسکراہٹ اور اخلاق کی وسعت، اشرفی جمال کی زندہ تصویر تھی۔

آپ پاکستان بننے سے قبل وسط ۱۹۴۵ء میں ملتان چھاؤنی کی مسجد کی امامت کے قضیہ کے سلسلہ میں یادگارِ سلف حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم کی معیت میں جب ملتان تشریف لائے تو راقم کے غریب خانہ پر قیام فرمایا۔ حالانکہ پہلے کوئی جان پہچان نہ تھی محض روحانی تعلق کی وجہ سے راقم کے ہاں قیام کو ترجیح دی۔ آپ صاحب کشف بھی تھے جس کا راقم کی تربیت میں بہت بڑا دخل رہا۔ اس روز سے اخیر تک حضرت مرحوم راقم کے ساتھ نہایت شفقت و محبت سے پیش آتے رہے اور راقم کو اپنے مدرسہ کی مجلس شوریٰ و منتظمہ کا ممبر بنا کر اپنے زیادہ قریب کر لیا اپنی وصیت میں راقم نے یہ لکھ رکھا تھا کہ میرا جنازہ ان سے پڑھایا جائے مگر یہ پتہ نہ تھا کہ راقم کو اُن کا جنازہ پڑھنا پڑے گا۔

آپ کی وفات پر مولانا محمد یوسف بنوری نے بجا طور پر لکھا کہ "علم صحیح اور عمل صالح یہ دونوں چیزیں انسانیت کے بنیادی جوہر ہیں اور ان دونوں کی موت درحقیقت انسانیت کی موت ہے جو حضرات علم و عمل کے جامع اور انسانیت کے اعلےٰ نمونے ہیں' ان کے بتدریج اُٹھتے چلے جانے سے یہ دونوں چیزیں جا رہی ہیں اور انسانیت بتدریج دم توڑ رہی ہے"۔

آپ نے ۲۱ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۰ء بروز جمعرات ½ ۱۱ بجے دن اِس عالمِ فانی سے عالمِ آخرت کو رحلت فرمائی اور اپنے خرید کردہ قبرستان میں مدرسہ کے شرقی جانب دفن کئے گئے۔ ہزارہا سوگوار شاملِ جنازہ ہوئے۔ ع

ارضِ ملتان! تو شہیدوں کی امانتدار ہے — اور اہلِ اللہ کے انوار سے گلزار ہے

آج پھر پہلو میں تیرے آگیا اک مہ جبین! — وہ جو میرِ علم تھا "خیر محمد" کا امین

مولانا محمد علی جالندھریؒ

آپ ۱۸۹۵ء میں قصبہ رائے پور ارائیاں ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مدرسہ جامعہ رشیدیہ میں پائی۔ ابتدائی دینی کتابوں میں زیادہ تر استفادہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری بانی مدرسہ خیر المدارس سے کیا۔ پھر دیوبند چلے گئے بیس سال کی عمر میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ بعدۂ جالندھر واپس آئے اور تبلیغ دینِ متین میں مشغول ہو گئے۔

قلب و روح کی اُجڑی بستیوں کو اسلامی تعلیمات اور یادِ الٰہی سے آباد کرنے والے کسی عالمِ ربانی کی موت ایک انسان کی نہیں ایک جہان کی موت ہے اسی لئے کہا گیا ہے "موت العالم موت العالم" مولانا محمد علی انہی علمائے ربانی میں سے تھے۔ جن کی ساری زندگی خدمتِ دین اور تحفظِ ختمِ نبوت میں گزری مولانا بڑے زیرک، مدبّر، منتظم، مخلص اور محتاط طبع تھے' اسراف و تبذیر سے دلی نفرت تھی۔ ان کی فراست و بصیرت قابلِ رشک اور دیانت و امانت شک و شبہ سے بالا تھی۔ مولانا محمد علی امیرِ شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھیوں کی آخری نشانی تھے' انہوں نے تحریکِ آزادیٔ وطن کے سلسلہ میں کاروانِ احرار کے دوش بدوش لائقِ تحسین خدمات انجام دیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد سیاست سے کنارہ کش ہو کر اپنی تمام تر توجہ عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ اور تبلیغِ اسلام کے لئے وقف کر دی تھی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے جو شاندار خدمات سرانجام دیں'

وہ ہماری ملکی اور ملی تاریخ میں مثالی حیثیت رکھتی ہیں۔

آپ حضرت مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ کے شاگرد رشید، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے مُرید باصفا، حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے رفیق خاص تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مزاج شناس، حضرت مولانا محمد الیاس، بانی تبلیغی جماعت سے متاثر اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے ہم مشرب تھے۔ ۱۹۵۳ء میں خواجہ ناظم الدین کے عہد میں قادیانی فرقہ ضالہ کے خلاف ملک گیر تحریک چلائی۔ جس میں گرفتار ہو کر سخت اذیتیں پائیں۔

۵-۶، اپریل ۱۹۷۱ء کی درمیانی رات کو آپ کو سلاں والی ضلع سرگودھا میں تقریر کر رہے تھے تقریر کے دوران دل کی تکلیف شروع ہوئی۔ طبیعت سنبھلنے پر آپ کو ملتان لایا گیا۔ ۲۱ اپریل کا دورۂ دل جان لیوا ثابت ہوا۔ آپ کے جنازہ میں ملک کے دینی و روحانی پیشوا شریک ہوئے اور ہزاروں مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ آپ کو مدرسہ خیر المدارس کے قریب حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

ثبت بر لوح غلامانِ محمد نام او — آنکہ در نامش محمد آنکہ در نامش علی
فکر تاریخ وصالش بود کہ ہاتف گفت — بود صدرِ "مجلس ختم نبوت" ہم ولی

۱۹۷۱ء

کتبہ جائے شہادت جودت کامران

عبرت گاہیں
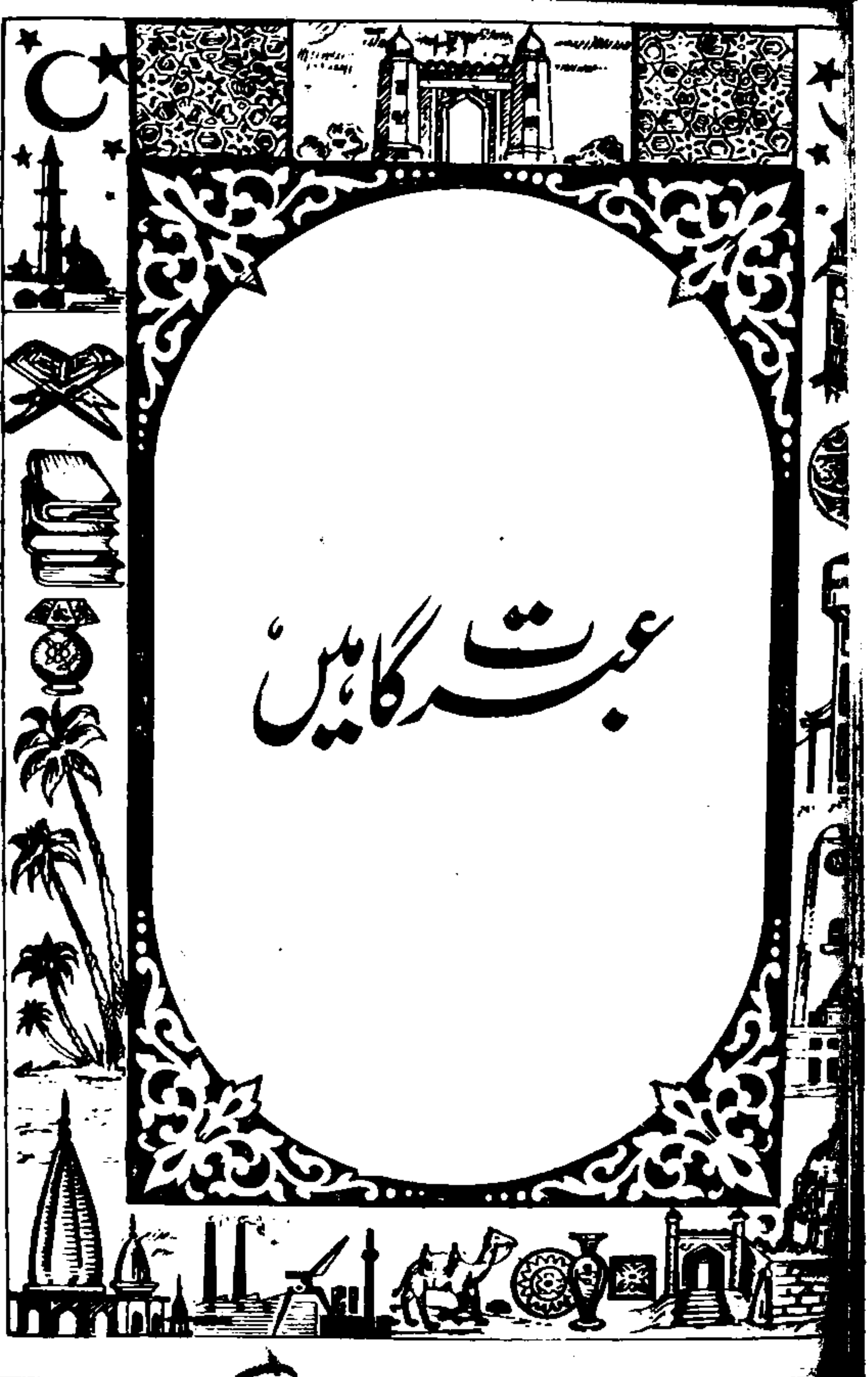
مشہور گورستان

ملتان جن گورستانوں کی وجہ سے بدنام ہے، وہ معدودے چند ہیں۔ مثلاً مائی پاکدامن والا، پیر عمر والا، شاہ حسن پروانہ والا، جوگ مایہ والا، پیر بُرہان والا، کلیان والا اور جلال باقری ۱۸۵۸ء کے سرسری بندوبست میں اُن کا جتنا رقبہ درج کاغذات مال ہے اس وقت موقعہ پر اتنا رقبہ موجود نہیں ہے کیونکہ اُن کا بہت سا رقبہ بااثر لوگوں نے بیچ ڈالا ہے یا اُس پر مکانات وغیرہ بنالئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آبادی بڑھتی رہی اور قبرستانوں کا رقبہ گھٹتا رہا۔

مہاجرین کی آمد کے بعد ملتان کی آبادی میں چار گنا اضافہ ہوگیا۔ جس کی بنا پر گورنمنٹ نے ملتان میں دو سیٹلائٹ ٹاؤن ممتاز آباد اور گلگشت کالونی قائم کئے۔ امپرو ومنٹ ٹرسٹ ملتان نے ۱۹۶۸ء تک ملتان میں ۲۵ نئی آبادیاں قائم کیں، مگر کہیں بھی نئے قبرستان قائم نہ کئے، ان نئی آبادیوں کے مسافرانِ ملکِ عدم کا بوجھ بھی پرانے قبرستانوں پر پڑا۔ اس لئے بلدیہ ملتان نے عوامی تحریک پر آئے دن کے ناجائز قبضوں کو روکنے کے لئے باقاعدہ سروے کرایا اور جملہ گورستانوں کی حد بندی کرا کر اُن کے گرد چار دیواری بنوادی۔ اس طرح ان کی حفاظت کا کچھ انتظام ہوگیا۔

جن لوگوں کی اراضیات پر یہ قبرستان قائم تھے، کاغذاتِ مال کے خانہ ملکیت میں اُن کا نام بطور مالک درج چلا آرہا تھا۔ اُن کے ورثاء نے قبرستانوں

کی اراضی پر اپنے مالکانہ حقوق جتانا اور انہیں فروخت کرنا شروع کر دیا۔ جس کے سدباب کے لئے بلدیہ ملتان نے ان کو اپنی تحویل میں لینے کی مہم شروع کی۔ جس کی بنا پر گورنمنٹ نے ملتان کے تمام چھوٹے بڑے گورستان بروئے نوٹیفکیشن نمبر بی ڈی ۶۷/۶۷/۴۶ مورخہ ۳۰ دسمبر ۶۷ء بلدیہ ملتان کی تحویل میں دے دیئے۔ خواہ وہ کسی کی ذاتی ملکیت پر قائم تھے یا کسی کے چاہ پر موجود تھے۔ ان جملہ قبرستانوں اور ان کے رقبہ کا جو بلدیہ کی تحویل میں دیئے گئے۔ ان کے ناموں وغیرہ کا بھی ۱۹۷۱ء کے پنجاب گورنمنٹ گزٹ میں اعلان کر دیا گیا۔

بلدیہ ملتان کے اندر اور اطراف میں اس وقت جتنے قدیم و جدید چھوٹے اور بڑے قبرستان جن جن چاہات اور قطعات اراضی پر موجود ہیں۔ بلدیہ کی سروے رپورٹ کے مطابق ان کا رقبہ درج ذیل ہے۔

نمبر شمار	طرف دائرہ	نمبر قطعات	تعداد قبرستان	مجموعی رقبہ	کیفیت
				کنال مرلہ	مائی پاکدامن کا گورستان
۱	طرف دائرہ	۷۵	۱	۴۴۹ - ۱۵	محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے
۲	طرف جمعہ خالصہ	۸۵	۱۴	۲۸۰ — ۰۰	بہ تحویل بلدیہ ملتان
۳	طرف اسمٰعیل	۵۷	۶	۳۶۰ — ۱۰	//
۴	طرف راوی	۸۰	۲۲	۲۹۱ — ۹	//
۵	طرف مبارک دوم	۸۱	۲۳	۲۴۵ - ۱۳	//
۶	طرف مبارک اوّل	۷۳	۲۵	۱۴۶ — ۱۱	//
۷	طرف دائرہ	۳۵	۲۰	۹۱ — ۱۱	//
۸	طرف جمعہ خالصہ	۷	۱	۶۶ — ۱۱	بہ قبرستان "شاہ شمس والہ" زیر تحویل محکمہ اوقاف ہے
۹	طرف قطب پور	۴	۲	۱۶ - ۱	زیر تحویل بلدیہ
۱۰	طرف سدِ حسام	۶	۵	۱۰ - ۱۳	//
	میزان	۵۰۳	۱۱۱۹	۲۰۵۸ - ۰۳	

اس رقبہ کا اندراج سنہ ۲۰-۱۹۱۹ء کے بندوبست میں موجود ہے۔

اہم کوتاہی

ملتان کے نئے سیٹلائٹ ٹاؤن اور امپرومنٹ ٹرسٹ کی قائم کردہ کالونیاں پرانے قبرستانوں سے بہت دور واقع ہیں اس لئے راقم الحروف نے بحیثیت ممبر بلدیہ ملتان اپریل ۱۹۶۴ء میں گل گشت کالونی، ممتاز آباد کالونی، رائیٹرز کالونی، رشید آباد کالونی اور چونگی نمبر ۱۴ کے کثیر آبادی کے علاقوں کے لئے جداگانہ قبرستان قائم کرنے کی بلدیہ میں تحریک کی جو منظور کر لی گئی۔ ان آبادیوں کے لئے گورستان کے رقبہ کا تعین کیا گیا اور ۱۰۔۴۔۲۲ کنال اراضی کے حصول کی کارروائی کے کاغذات مکمل ہو کر ۳-۹-۶۴ کو دوبارہ بغرض منظوری بلدیہ کے اجلاس میں پیش ہوئے جو فنڈز کا جائزہ لینے کیلئے مالی سب کمیٹی کے سپرد کر دیئے گئے۔ فنانس سب کمیٹی میں ایوان کے دونوں لیڈر اور چند دیگر معزز ممبر شامل تھے۔ فنانس کمیٹی نے اس معاملہ کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ لگائے بغیر یہ لکھ کر اس مسل کو کولڈ سٹوریج میں ڈال دیا کہ بلدیہ کے پاس اتنا رقبہ خریدنے کے لئے فنڈز موجود نہیں۔ حالانکہ اگر اس سب کمیٹی کو عوام اور ٹیکس دہندگان کی تکلیف کا کماحقہ احساس ہوتا تو وہ سالم رقبہ بیک وقت خریدنے کی بجائے ہر قبرستان کے لئے قسط وار رقبہ خریدنے کی سفارش کر سکتی تھی مگر اس نے اتنی تکلیف گوارا نہ کی۔ اس کے بعد راقم کی رکنیت ختم ہو گئی۔ ہم جو مسائل نامکمل چھوڑ آئے تھے اُن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا نئے ممبران بلدیہ کا فرض تھا۔ مگر کسی نے بھی ان مسائل کی طرف توجہ نہ دی۔

صفِ اول:- عبدالمجید خان، منشی عبدالرحمٰن خان، مسٹر قدرت اللہ شہاب، پروفیسر اشفاق احمد، شیخ مقبول احمد، مسرت مرزا
پچھلی صف:- علامہ شبیر احمد بخاری، شیخ خدا بخش ایڈووکیٹ، عبدالحمید خان نیازی پی سی ایس، نذیر احمد خان، ملک کریم بخش عالمی ادارہ میں

شہدائے سوات

سانحۂ سوات

پانچ جولائی ۱۹۷۰ء کو سیپیر ئر سائنس کالج ملتان کے بی، ایس، سی۔ فائنل ائر کے چودہ طلبا ایک لیبارٹری اسسٹنٹ اپنے دو پروفیسروں کے ہمراہ سیر و تفریح کے لئے نکلے۔ لاہور اور راولپنڈی ہوتے ہوئے یہ وادیٔ سوات میں پہنچے پروگرام کے مطابق انہوں نے ۱۴ر کو کالام سے واپس ہونا تھا مگر پروفیسروں نے انہیں ۱۳ر تاریخ کو ہی واپس چلنے کے لئے کہا۔ اس وقت بارش ہو رہی تھی۔ ادر کالام کے اڈہ پر صرف ایک بس موجود تھی جو مسافروں سے بھر چکی تھی، ملتان کے ان درخشندہ ستارں کو بھی اس میں ٹھونس دیا گیا۔ اندر جگہ نہ ملنے کی وجہ سے زبید اختر، سرفراز، عبد القیوم اور آفتاب قادر کو چھت پر بٹھایا گیا اور بس سوا سو کے قریب مسافروں کو لے کر عین بارش میں روانہ ہوئی۔ کالام سے سولہ میل کے فاصلہ پر جب چڑھائی شروع ہوئی تو بارش کی شدت اور سواریوں کی کثرت کے باعث یہ بس بے بس ہو کر چڑھائی چڑھنے کی بجائے پیچھے کو لڑھکنی شروع ہوئی۔ زبید اختر اور سرفراز نے تو چھت سے کود کر اپنی جان بچالی اور باقی سواریوں سمیت بس دریا میں جا گری۔ چوہدری محبوب احمد ایڈوکیٹ ملتان کے صاحبزادے سرفراز نے بڑی حاضر دماغی اور خود اعتمادی سے اپنی جان پر کھیل کر آٹھ افراد کو موت کے منہ سے بچایا اور باقی تمام ۱۱۴ کے قریب سواریاں دریائے سوات کی نذر ہو گئیں ؎ ۔۔ نازاں تھے جس پہ ہم وہ گلستاں اجڑ گیا۔

ملتان کے ان ۱۳ نوجوانوں کی غرقابی کی خبر جب ملتان پہنچی تو ایک کہرام مچ گیا۔

محمد الیاس اعوانؒ

یوں تو دُنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر اور شدید سے شدید تر سانحات و حادثات پیش آتے رہتے ہیں لیکن کالام کا حادثہ اِس لحاظ سے زیادہ المناک تھا کہ اس میں ایک ہی کالج اور ایک ہی کلاس کے ۱۳ ایسے ذہین ترین طلبا لقمۂ اجل بنے جن سے ملک و ملت کی بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں مگر اس سے بھی زیادہ اس کا کربناک پہلو یہ تھا کہ ملتان کے دو نوجوانوں کی نعشیں بھی نہ مل سکیں اور اُن کے بدنصیب والدین کو ؏

دیدارِ آخری بھی میسّر نہ آسکا

ان میں سے ایک ملتان کی ایک ممتاز کاروباری شخصیت ملک محمود اعوان آف ملتان آٹوز کا اکلوتا جگر پارہ قریبًا بیس سالہ محمد الیاس اعوان تھا جو

خوبصورت، خوب سیرت، خوب طینت، خوش خصال

ہونے کے علاوہ پابندِ صوم وصلوٰۃ اور فدائے ملک وملت بھی تھا۔ ذہانت و فطانت کی وجہ سے حلقۂ اساتذہ میں محبوب تھا۔ پیکرِ اخلاق وآداب ہونے کی وجہ سے اپنے ہمعصروں میں مقبول تھا۔ اس کو فطرت سے خدمتِ خلق کا جذبہ عطا ہوا تھا اسی لئے اس نے مستحق طلبا کی امداد کے لئے سٹوڈنٹس ویلفیئر سوسائٹی قائم کی۔ اسلامی جمعیتہ طلبا میں سرگرمی دکھلائی۔ گورنمنٹ ڈگری کالج کی یونین کے سالِ اوّل کا نمائندہ منتخب ہوا۔ اسپیریئر کالج یونین کا پہلا صدر چُنا گیا۔ البیرونی سائنس سوسائٹی کا صدر

بنایا گیا۔ تیرھویں جماعت کے سالانہ امتحان میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ کیمسٹری اس کا پسندیدہ مضمون تھا اور اس میں ڈاکٹریٹ کرنے کا خواہاں تھا۔ کتب بینی کا بھی بڑا شائق تھا۔ اسلامی لٹریچر کا بہت دلدادہ تھا اور اسی کی بدولت وہ لادینی تحریکات اور مغربی تہذیب کے مسموم اثرات سے محفوظ و مامون رہا۔

گھر کے پاکیزہ ماحول، والدین کی صحیح تعلیم و تربیت اور دین سے وابستگی نے اسے بڑا محتاط اور حسّاس بنا دیا تھا۔ اسی لئے وہ اپنے فرائض اور دُوسروں کے حقوق کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ اسے پاکستان سے بے پناہ محبت تھی، وہ اسے صحیح معنوں میں ایک مثالی اسلامی مملکت دیکھنا چاہتا تھا۔ خود غرضی اور نفس پرستی کے اس دور میں جہاں بڑے بڑے "محبانِ وطن" نظریہ پاکستان کو نظر انداز کر کے اسے ایک "سوشلسٹ سٹیٹ" بنانے کے لئے کوشاں تھے۔ وہاں یہ نوجوان خطوط کے ذریعے اپنے دوستوں کو نظریہ پاکستان کے تحفظ اور حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے وعدوں کی یاددہانی کراتا رہتا تھا جیسا کہ اس کے اس خط سے صاف عیاں ہے جو بمعہ ترجمہ اگلے صفحات پر زینت کتاب ہے۔

یہ قانونِ فطرت ہے کہ جب کوئی قوم بدعہدیوں اور بدکرداریوں پر اُتر آتی ہے تو بطور سزا و عذاب اس کو مخلص، نیک اور اہل افراد سے محروم کر کے نااہلوں، خود غرضوں اور مفاد پرستوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ محمد الیاس شہید کو بھی اسی ضمن میں ہم سے چھین کر ہمیں اسکی خداداد صلاحیتوں سے مستفید ہونے سے محروم کر دیا گیا۔ اس لئے یہ صرف شخصی یا خاندانی المیہ ہی نہ تھا قومی المیہ بھی تھا۔

ہائے گلچینِ اجل سے کیسی نادانی ہوئی
پھول وہ توڑا کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی

نشانِ راہ

الیاس شہید نے ۱۴ اگست ۱۹۶۹ء کو اپنے دوست عدیم کو جو خط لکھا وہ ہر پاکستانی کے لئے نشانِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"میرے پیارے عدیم السلام علیکم!

آج اگست کی ۱۴ تاریخ ہے۔ آج ہمارے پاکستان کی، اپنے پاکستان کی پیارے پاکستان کی، ہماری مادرِ وطن کی، ہماری پاک سرزمین کی اور ہماری ہر چیز کی بائیسویں سال گرہ ہے۔ ان وعدوں کو یاد کرنے کی کوشش کرو۔ جو ہم غیر منقسم ہندوستان کے مسلمانوں نے امدادِ الٰہی کے لئے بارگاہِ ربّ العزت میں کئے تھے۔ ہم نے وعدہ کیا تھا کہ ہم ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کریں گے، ہم نے سچا مسلمان بن کر رہنے کا اقرار کیا تھا ہم نے بھائیوں کی طرح مل کر رہنے کا وعدہ کیا تھا ہم نے ایک خاندان کے افراد کی طرح زندگی گزارنے کا عہد کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے اللہ جل شانہ کے نام کو سربلند رکھنے اور پھیلانے کا عزم بالجزم دکھلایا تھا لیکن ذرا سوچئے تو سہی! ہم نے کیا کیا؟ ہم نے اپنے قول و اقرار کا کس حد تک پاس کیا اور ہم نے اپنی زندگی کس طرح گزاری؟ آؤ آج ایک مرتبہ ہم پھر یہ عہد کریں کہ ہم اپنے وعدوں کو پورا کریں گے۔ اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے وعدوں کو پورا کرنے سچا مومن بننے اور پاکستان کو فلاحی ریاست بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

مخلص
محمد الیاس

شہید محمد الیاس اعوان کا قلمی خط عدیم کے نام

تاریخ [illegible]-8-1969

My dear Adeem السلام علیکم

To-day is the fourteenth of August. To-day is the twenty second birthday of our Pakistan, Of our own Pakistan, Of our dear and near Pakistan, of our motherland, of our native land and of our everything. Try to remember those promises which we, the Muslims of undivided India, made to the All Mighty God while praying to him for help. We promised to spend and lead our lives as "Momins". We promised to live like true Muslims. We promised to live like brothers. We promised to live as if members of the same family. And we also promised to spread the name of Allah. But try to remember what we have done. How we have acted and how we have lead our lives. Let us all promise today to fulfil all our previous promises. Let us all pray to God to help us to fulfil all our previous promises, to help us to become "Momins" and to help us to make Pakistan a welfare state.

Cordially
Mohammad Ilyas

محمد اسلم اختر قریشی

ملتان کا دوسرا نوجوان جس کی نعش دریائے سوات نے واپس نہ کی قاضی اختر علی قریشی گروپ انسپکٹر ٹکٹ ایگزامینر ریلوے کا سترہ سالہ فرزند اکبر محمد اسلم اختر قریشی تھا۔ اس نے مدرسہ خیر المعاد دہلی گیٹ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اسلامیہ ہائی سکول دولت گیٹ سے میٹرک اور گورنمنٹ ڈگری کالج ملتان سے ایف ایس سی کرنے کے بعد ملتان کے سپیریر سائنس کالج میں بی۔ ایس سی فائنل کر رہا تھا کہ اسے بھی قضا ملتان سے لے اڑی۔ سائنس کا طالب علم ہونے کے باوجود اسے دین سے بھی محبت تھی۔ پابند صوم وصلوٰۃ تھا اکثر دینی کتب زیر مطالعہ رکھتا۔ فن قرأت میں بھی پیش پیش تھا۔ اس نے نہ صرف حُسن قرأت کے مقابلوں میں کئی اوّل انعامات پائے بلکہ ذہین اور محنتی ہونے کی وجہ سے ہر کلاس میں اوّل آتا رہا اور پانچویں جماعت سے لے کر بی۔ ایس سی تک وظیفہ حاصل کرتا رہا تیسل نوکی ازارکی کے اس دور میں یہ نوجوان دین و دُنیا دونوں میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا اور ایسی خوبیوں کا مالک تھا جن کی اس دور میں کوئی قدر وقیمت نہیں رہی۔ اسی لئے اربابِ قضا و قدر نے اسے ناقدر شناس قوم کے حوالے کرنے کی بجائے عین عنفوانِ شباب میں اپنے ہم عصر محمد الیاس کے کے ہمراہ جامِ شہادت کی نعمت سے سرفراز کر کے باغِ جناں میں پہنچا دیا۔ ؎

ہر قلب ان کی قبر تھا۔ ہر دل مزار تھا ہر ایک نفس نالہ و شیون شعار تھا

شہید
محمد الیاس
اعوان

شہید
محمد اسلم اختر
قریشی

تعارف

رانا محمد رمضان جانباز

آپ متحدہ ہندوستان کے نامور بہادر اور بلند ہمت قبیلہ راجپوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپکے جد امجد رانا وزیر علی اورنگ زیب کے زمانہ میں مہاراجہ بھرت پور کی فوج میں ایک ممتاز عہدہ پر فائز تھے۔ بعد ازاں آپ کے دادا رانا محبوب علی بھرت پور سے ترک سکونت کر کے ریواڑی آگئے اور تا قیام پاکستان آپ کا خاندان وہیں آباد رہا اور تجارت و زراعت میں مشغول رہا۔

آپ کا خاندان انگریز دشمنی میں شروع سے پیش پیش رہا اور جب اُن کے علامہ عنایت اللہ مشرقی نے اپنی معروف عسکری تحریک خاکسار چلائی تو آپ اس سے بہت متاثر ہوئے۔ ابھی زندگی کی صرف اٹھارہ منزلیں ہی طے کی تھیں کہ ۵ مارچ ۱۹۴۰ء کو خاکسار تحریک سے صدق دل سے وابستہ ہو گئے اور اپنی ساری زندگی اسی تحریک کی نذر کر دی۔

۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں جب شہید گنج کے موقعہ پر گولی چلی تو آپ ریواڑی سے ۱۲ خاکساروں کا دستہ لے کر پہلی بار انگریز سامراج سے ٹکر لینے کیلئے لاہور روانہ ہوئے اور گوڑگاؤں میں گرفتار کر لئے گئے۔ مقدمہ چلا اور سات ماہ کے لئے جیل بھیج دیئے گئے۔ قید و بند کی صعوبتوں نے آپ کے عزم و استقلال کو زیادہ پختہ کر دیا۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد آپ نے اپنے خون سے ایک عہد نامہ لکھ کر غلبۂ اسلام کے لئے ہندوؤں اور انگریزوں کے لئے مصروف

جدوجہد رہنے کی قسم کھائی اپنی پوری زندگی اس تحریک کے لئے وقف کردی جس پر آپ کو "جانباز" کا اعزاز بخشا گیا۔

ہندوؤں نے جب متھرا کی مسجد پر قبضہ کرنا چاہا تو اس کے تحفظ کے لئے آپ سوا سو کا دستہ لے کر متھرا پہنچ گئے۔ وہاں آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور باقاعدہ مقدمہ چلانے کے بعد اڑھائی سال کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔

میرٹھ سے بائیس میل دور گڑھ گنگا کے مقام پر جب ہندو مسلم فساد ہوا۔ تو وہاں بھی آپ ۲۵۰ نوجوانوں کا ایک جیش لے کر پہنچ گئے اور ہفتہ بھر وہاں کیمپ لگا کر مظلوم مسلمانوں کی امداد و اعانت کرتے رہے۔ جب واپس گھر پہنچے تو گرفتار کر لئے گئے۔ ساڑھے تین سال کے لئے قید کر دیئے گئے۔ غرض کہ اس تحریک سے وابستگی کی پاداش میں آپ کو پورے نو سال جیل میں رہنا پڑا۔ تقسیم ہند کے وقت آپ دہلی جیل میں تھے اور قیدیوں کے تبادلہ کے سلسلہ میں آپ بطور قیدی پاکستان لائے گئے۔ اس آخری قید سے رہائی کے بعد آپ نے ملتان میں سکونت اختیار کی اور اپنا آبائی تجارتی کاروبار کپ بازار میں شروع کیا۔ آپ ملتان میں بھی خاکسار تحریک سے منسلک رہے۔ اور حسب استطاعت اس کی مالی اعانت بھی کرتے رہے۔ حسن کارکردگی کی بنا پر آپ کو مرکز نے ملتان ڈویژن کا ناظم بنا دیا۔ اور اب تک اسی تحریک سے وابستہ چلے آتے ہیں۔

آپکو علامہ مشرقی سے بے پناہ محبت و عقیدت تھی جو اُن کی وفات کے بعد بھی قائم رہی۔ یہ ان کے عسکری مشن کی تکمیل میں تن من دھن سے مصروف رہے۔ اور اب اپنے اکلوتے بیٹے کو بھی اس تحریک میں شریک کر کے جماعت سے دلی وابستگی کا ثبوت دیا۔

دو بھائیوں کی دکان

خوشبو لگانا سنت ہے اس کے لئے عہد قدیم سے زیادہ تر عطر استعمال ہوتا چلا آتا ہے جو سینڈل پر پھولوں کی کشید یا بھٹی میں مصالحہ جات سے تیار کیا جاتا ہے۔ یہ زیادہ قیمتی اور دیرپا ہوتا ہے۔ اس کی خوشبو ہلکی اور بھینی ہوتی ہے۔ بعد ازاں عطر کے مقابلہ میں سینٹ تیار ہونے لگے جو مصنوعی ہوتے ہیں اور پھولوں کے کیمیکلز سے تیار کئے جاتے ہیں۔ یہ عطر کے مقابلہ میں سستے ہوتے ہیں۔ ان کی خوشبو تیز ہوتی ہے مگر دیرپا نہیں ہوتی۔ مشرقی وضع کے لوگ اب تک عطریات کو ترجیح دیتے ہیں لیکن مغربی تہذیب کے دلدادہ زیادہ تر سینٹ کے استعمال کو پسند کرتے ہیں تقسیم ہند سے قبل عطر کے لئے اصغر علی محمد علی کا کارخانہ عطر لکھنو اور خوشبویات کے لئے بھائیوں کی دکان لاہور بڑی مشہور تھی۔ اور ان کی مصنوعات بطور تحفہ دور دراز تک جاتی تھیں۔

خوشبو دار تیلوں میں دھنیاں کا تیل سرفہرست ہے یہ ملتان کے ہندوؤں کی ایجاد ہے۔ یہ توریہ، سرسوں، دھنیا اور دیگر مصالحہ جات کے ذریعہ کولھو میں نکالا جاتا ہے۔ اسکی تاثیر سرد ہوتی ہے اس لئے ملتان جیسی گرم آب و ہوا میں اس کا استعمال زیادہ مفید ہوتا ہے۔ یہ دماغ کے لئے طاقت بخش اور بالوں کیلئے بے ضرر ہوتا ہے۔ بعد میں یہ تیل بھی مصنوعی طریقوں وائٹ آئل یا کسی دیگر سستے

تیل میں سینٹ کی آمیزش سے تیار کیا جانے لگا۔ جو اصل تیل کے مقابلہ میں سستا ہوتا ہے۔ دماغ اور بالوں کے لئے مفید نہیں ہوتا۔ بلکہ سینٹ کی ملاوٹ کیوجہ سے یہ بالوں کے لئے مضر ہوتا ہے۔

پاکستان بننے سے قبل ملتان میں خوشبویات کی صرف تین دکانیں تھیں۔ اور تینوں ہندوؤں کی تھیں۔ ایک دکان مسجد علی محمد خان کے عقبی چوک میں صرافہ بازار کے آخری شمال مغربی کونہ پر تھی جو بعد میں ظفر پرفیومری کے نام موسوم ہوئی دو دکانیں حرم دروازہ کے اندر تھیں جو بعد ازاں اقبال پرفیومری اور میاں محمد پرفیومری کہلائیں۔ میاں محمد پرفیومری والی دکان تقسیم سے قبل اُتم پرکاش ڈھینگرہ کی تھی۔ اسی دکان پر حاجی محمد یوسف دہلوی کا صاحبزادہ امیر حسن صدیقی ۶ سال تک کام کرتا رہا۔ اُس نے وہاں عطریات و خوشبویات تیار کرنے کی مہارت حاصل کرنے کے بعد لاہور کے دو بھائیوں کی دکان کی طرز پر ملتان میں الحرم ہوٹل مارکیٹ میں اپنا کاروبار عطریات و خوشبویات "دو بھائیوں کی دکان" کے نام سے شروع کیا۔ اور خالص عطر و تیل دھنیاں تیار کرنے کی وجہ سے لاہور کے "بھائیوں کی دکان" کا قائم مقام بن گیا اور صفِ اوّل کے پرفیومروں میں شمار ہونے لگا۔ اسکی دیکھا دیکھی اب ملتان کے ہر بازار میں ایسی دکانیں کھل گئی ہیں۔ امیر حسن صدیقی چونکہ ایک مذہبی اور سیاسی ذہن رکھتا ہے۔ تحریکِ پاکستان اور مسلم لیگ کی نیشنل گارڈ میں کام کرنے اور جمعیتہ علماء پاکستان کی شاخ ملتان کا خزانچی ہونے کی وجہ سے دوسرے پرفیومروں کے مقابلہ میں زیادہ معروف ہے۔

ایکسلیشر بیکرز

انگریزوں کی آمد سے قبل متحدہ ہندوستان میں کیک پیسٹری وغیرہ بنانے اور استعمال کرنے کا کوئی رواج نہ تھا۔ نہ کوئی ان کے بنانے کا طریقہ جانتا تھا۔ انگریزوں نے جب سرزمین ہند پر قدم رکھا تو وہ چونکہ ڈبل روٹی، کیک، پیسٹری وغیرہ کھانے کے عادی تھے اس لئے اُن کے بنانے والے انگریز اپنے ہمراہ لائے جنہوں نے اُن کی تیاری کے سلسلے میں یہاں کے لوگوں کو بطور معین یعنی Helper اپنی بیکری میں ملازم رکھا اور اس طرح انہوں نے کیک پیسٹری بنانے کا طریقہ سیکھا۔ ہندوستان میں انگریزوں کا تسلط قائم ہونے کے بعد عوامی سطح پر اس صنعت کو فروغ دینے کیلئے دہلی میں وینگر، ڈویکو، نینی تال میں شفلز، بریلی میں اسٹنگر کی دکانوں نے کیک، پیسٹری کے کاروبار کو متعارف کرایا اور وہاں سے یہ کام عام ہوا۔ لاہور میں یہ کاروبار سٹینڈرڈ ہوٹل نے اور لائل پور اور ملتان چھاؤنی میں گرینڈ ہوٹل نے شروع کیا۔ یہ گرینڈ ہوٹل رام لعل ہرونت سنگھ کی ملکیت تھا اور اس مقام پر واقع تھا جہاں آج کل چھاؤنی میں یونائیٹڈ بنک کی شاندار عمارت بن چکی ہے۔

ان بیکریوں اور ہوٹلوں میں کیمبل پور کے ملک حاجی بڈھے خان اعوان نے اس صنعت کی ماہرانہ فنی قابلیت حاصل کر کے شہرت پائی اور جہاں بھی بسکٹ ساز فیکٹری یا ہوٹل کھلتا وہ ہر قیمت پر انہیں اپنے ساتھ لے جاتے۔ اور اپنا کاروبار چمکاتے۔ جب ملتان میں گرینڈ ہوٹل کھلا تو انہیں ملتان لایا گیا۔ جہاں اُنہوں نے

EXCELSIOR
Excelsior
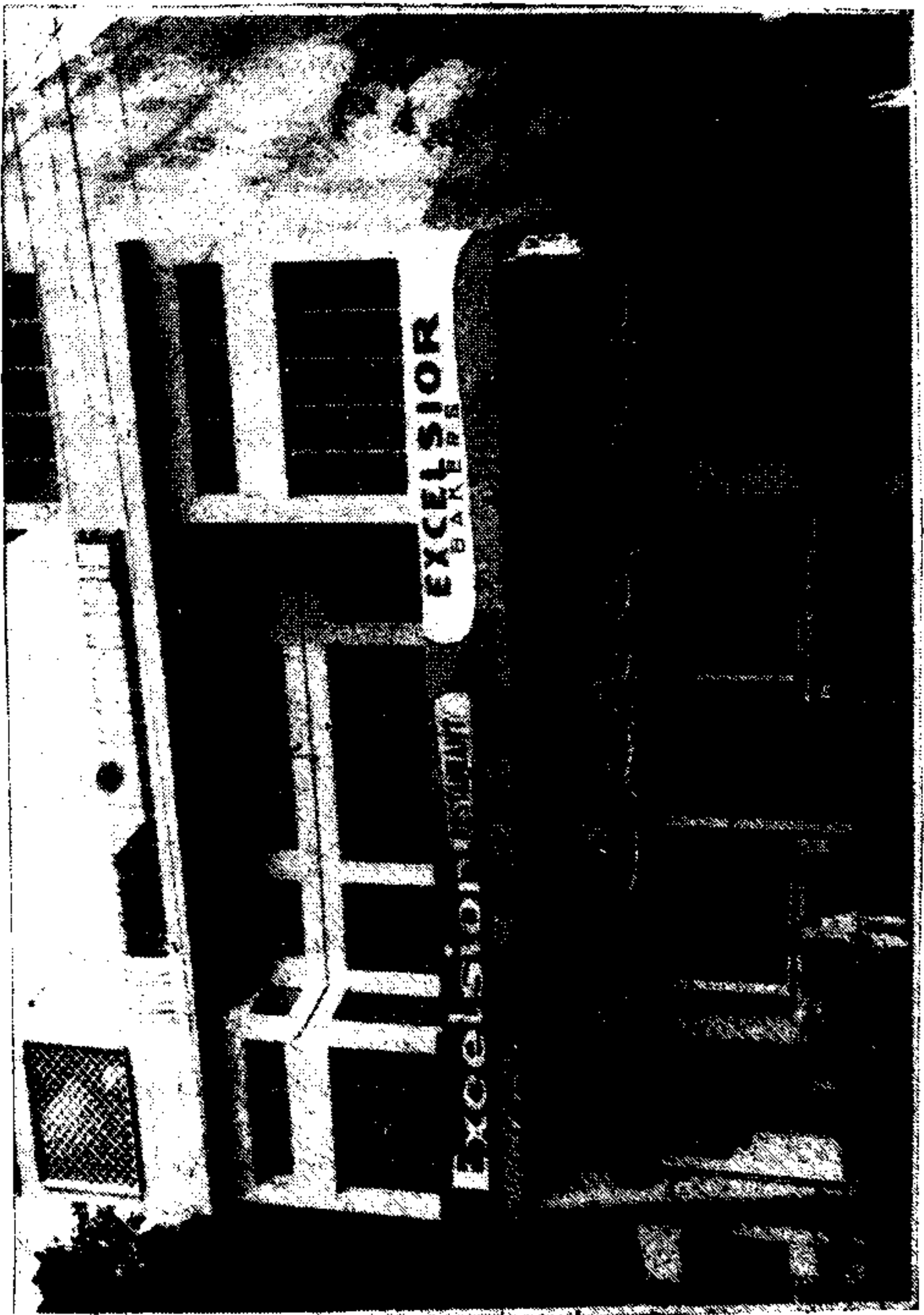
اپنی فنی قابلیت کے جوہر دکھائے اور ملتان کے امراء و روسا کو ان انگریزی چیزوں سے روشناس کرا کر انہیں ان کے استعمال کا عادی بنایا۔

پاکستان بننے کے بعد سروَنت سنگھ وغیرہ ترک سکونت کر کے ہندوستان چلے گئے اور ملک حاجی بڈھے خان نے اس متروکہ گرینڈ ہوٹل پر قابض رہنے کی بجائے محکمہ انہار کے بالمقابل بہاولپور روڈ پر اپنی ایکسلشیئر بیکری قائم کی اور ملتان میں پہلی بار اس کاروبار کا آغاز کیا۔ حسنِ معاملت، خالص اور معیاری اشیاء تیار کرنے کی وجہ سے یہ بیکری اتنی مشہور ہوئی کہ اس کی مصنوعات بہاولپور، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازیخان، میانوالی اور ساہیوال تک اونچے درجہ کی پارٹیوں کیلئے منگائی جانے لگیں۔ حاجی بڈھے خان کا زیادہ وقت سیاسی دلچسپیوں، مچھلی کے شکار یا اللہ اللہ میں گزرنے لگا۔ اور ان کے اکلوتے بیٹے ملک بشیر احمد اعوان نے تمام کاروبار سنبھالا اور اسے اتنی ترقی دی کہ یہ بیکری "ایکسلشیئر بیکرز اینڈ ریسٹورنٹ" میں تبدیل ہو گئی جس کا افتتاح سید حامد رضا شاہ گیلانی پارلیمنٹری سیکرٹری قومی اسمبلی نے کیا۔

عصری تقاضوں کے پیشِ نظر حال ہی میں کراچی اور راولپنڈی میں جدید سائنٹیفک طریق پر آئس کریم بنانے کے دو پلانٹ لگائے گئے ہیں۔ پاکستان میں اس کا تیسرا پلانٹ ملک حاجی بڈھے خان نے اپنی اس بیکری میں لگوایا ہے۔ جو اس کی مزید شہرت کا باعث بنا ہے۔ یہ بیکری گنجان علاقوں کی بجائے چونکہ برلبِ سڑک ایک کھلی جگہ پر واقع ہے۔ اس لئے شہر سے دور واقع ہونے کے باوجود باذوق حضرات خریداری کیلئے وہاں پہنچتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی ملتان میں بعد ازاں متعدد بیکریاں قائم ہوئیں ان کی وجہ سے اب بسکٹ، کیک، پیسٹری کا استعمال عام ہو رہا ہے۔

خُداداد نرسری

آموں کے قدیم باغوں میں سب سے پُرانا باغ گریوالہ ہے۔ جس میں تین قسم کے پیوندی آم فجری لنگڑا اور مالدا پائے جاتے ہیں۔ مگر ان کا پیوند دینا ممنوع تھا۔ اس باغ کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ جس طرح حکیم اپنے خاص نسخے دُوسروں کو نہیں بتاتے اور اُنہیں سینہ میں دفن کر کے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح اس باغ کے مالکان ان آموں کا پیوند تو بجائے خود رہا۔ آم بھی کسی کو اپنی صحیح اور اصلی حالت میں نہ دیتے تھے۔ بلکہ آم دیتے وقت اس میں سُوا چبھو کر اس کی گٹھلی کو ناکارہ کر دیتے تھے تاکہ کوئی یہ ورائٹی اگا نہ سکے۔

اس زمانہ میں ملتان میں کوئی ایسی نرسری نہ تھی۔ جس سے پیوندی پودے مل سکتے۔ اس کمی کو پُورا کرنے اور مذکورہ بالا باغ کے مالکان کے بخل اور اجارہ داری کو ختم کرنے کے لئے خُداداد خان بابر ہیڈ کلرک دفتر ڈپٹی کمشنر ملتان نے ۱۹۳۵ء میں اپنے ایک مالی غلام سرور کو پیوند کاری کا کام سیکھنے کے لئے ضلع میرٹھ کے قصبہ رٹول کی شہرہ آفاق نرسری میں بھیجا۔ غلام سرور وہاں پیوند کاری کی تربیت حاصل کرنے کے بعد جب واپس آیا تو ہیڈ کلرک موصوف نے اپنے نام پر ملتان میں پہلی پیوندی آموں کی "خداداد نرسری" پولیس لائن کے قریب قائم کی جو، ابگیمہ پر پھیلی ہوئی تھی اور اس میں پیوندی آموں کی طرح طرح کی اقسام تیار کرنی شروع کیں۔ اور پیوندی پودوں کی فروخت شروع کر کے لوگوں میں پیوندی آموں کے باغ لگانے کا شوق پیدا کیا۔

اس کے بعد اس نرسری میں کام کرنے والے مالیوں نے ملتان اور اسکے مضافات میں نرسریوں اور پیوند کاریوں کا کاروبار شروع کیا۔

خُداداد نرسری کی شہرت نے اس کے کاروبار کو اتنا فروغ دیا کہ خداداد خان مرحُوم نے مُلتان کے قصبہ ٹاٹے پور میں اپنا خداداد فروٹ فارم نصف مربعہ اراضی میں قائم کیا۔ اُنہوں نے بڑی محنتِ شاقہ سے اپنی نرسری اور فارم میں آموں کی دو سو اقسام تیار کیں اور اس کا عمدہ اور سستا مال پورے مغربی پاکستان میں خیبر سے کراچی تک سپلائی ہونے لگا۔

آموں کے پودوں کے علاوہ اب اِس نرسری میں کینو، فیوٹرارلی، ولکنگ، کیون، الیچی، ڈیرہ دون، جاپانی فروٹ پرسی من کے پیوندی پودے، پھولوں کی پنیریاں بیج، سرو، مورپنکھ، اور پام کے پودے بھی دستیاب ہوتے ہیں۔ نرسری کے بانی خداداد خان کی وفات کے بعد اب اُن کے لڑکے غلام حسین خان المعُروف گامی خان، کاروبار کو وُسعت دے رہے ہیں۔ اور اسے ہندوستان بھر کے قلمی آموں کا بہت بڑا ذخیرہ بنادیا ہے۔ جس میں سالانہ قریباً پندرہ ہزار پودے پیوند کئے جاتے ہیں یہ نرسری ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۰ء تک متواتر لائلپور، ملتان اور لاہور کی آموں کی نمائشوں میں انعامات حاصل کرتی رہی ہے۔

حقِ اشاعت

قرآن کریم کے مطالعہ اور بزرگانِ دین کی صحبت سے راقم الحروف نے جو دینی شعور و بصیرت حاصل کی، اسے عام کرنے کے لئے مندرجہ ذیل کتب تصنیف کیں۔

۱۔ تعارفِ قرآنی۔ ۲۔ بصائرِ قرآنی۔ ۳۔ احکامِ قرآنی۔ ۴۔ داستانِ عمل۔ ۵۔ فتنۂ پرویز اور حقیقتِ حدیث۔ ۶۔ اخلاق و آداب۔ ۷۔ مشاہدات و واردات۔ ۸۔ تعمیر پاکستان و علمائے ربانی۔ ۹۔ حقائق و معارف۔ ۱۰۔ خضر و مسیحا۔ ۱۱۔ انسانیت حیوانیت کی راہ۔ ۱۲۔ سیرۃ مولانا اشرف علی تھانوی۔ ۱۳۔ اقبال اور مُلّا۔ ۱۴۔ عورت انسانیت کے آئینہ میں۔ ۱۵۔ حدیثِ دل۔ ۱۶۔ بازارِ رشوت قرآن و حدیث کی روشنی میں۔

اِن کے علاوہ حکیم الامت مولانا اشرف علی کے خطبات جمع کر کے ان کی موضوع وار بیس جلدیں مرتب کیں۔ ان کی ہر جلد قریباً ۔۔۸ صفحات کی ہے ان میں سے اِس وقت تک مندرجہ ذیل ۱۱ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ بقیہ زیر اشاعت ہیں۔ ۱۷۔ دُنیا و آخرت۔ ۱۸۔ علم و عمل۔ ۱۹۔ دین و دُنیا۔ ۲۰۔ میلاد النبی۔ ۲۱۔ حقوق و فرائض۔ ۲۲۔ نظامِ شریعت۔ ۲۳۔ حقیقتِ عبادت۔ ۲۴۔ حقیقتِ مال و جاہ۔ ۲۵۔ فضائلِ صبر و شکر۔ ۲۶۔ فضائلِ صوم و صلوٰۃ۔ ۲۷۔ حقیقتِ تصوّف و تقویٰ۔

مذکورہ بالا کتب میں سے نمبر ۱ تا ۳ بہاولپور میں آٹھویں، نویں اور دسویں جماعت کے نصاب میں داخل تھیں۔ نمبر ۱ تا ۷۔ ایم۔ اے اسلامیات کے اضافی کورس

میں شامل ہیں۔ نمبر ۵ علی گڑھ یونیورسٹی کے نصاب کے لئے پسند کی گئی۔ ان سے ہر مکتب فکر نے استفادہ کیا۔ اور ان کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ چونکہ یہ کتابیں خدمت خلق و دین کی غرض سے لکھی گئی تھیں۔ اس لئے راقم الحروف نے ان کو حق تصنیف کی پابندی سے مستثنےٰ کر کے فری آف رائیلٹی قرار دے دیا تاکہ جو ناشر چاہے انہیں آزادی سے شائع کر کے دنیا و آخرت کا نفع کمائے۔ ان میں سے کتب نمبر ۱ تا ۷ لائبریوں کے لئے بھی منظور شدہ ہیں۔

بین الاقوامی شہرت کے مالک اور دنیا کے نامور ماہر اقتصادیات و عمرانیات ڈاکٹر گنر مائرڈال (gunnar myrdal) نے غربت اقوام پر تین ضخیم جلدوں میں ایشین ڈرامہ کے نام سے ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے۔ جو ۱۹۶۸ء میں لاکھوں کی تعداد میں امریکہ آسٹریلیا کینیڈا اور برطانیہ میں شائع ہوئی ہے۔ اس تصنیف کے دوران انہوں نے راقم کی چند تصانیف سے استفادہ کیا اور تائیداً ان کے چند اقتباسات میرے نام سے اس میں نقل کئے۔ جس سے راقم کی قلمی کاوشوں کی اہمیت و افادیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

پاکستان بھر میں یہ شرف صرف ملتان کو حاصل ہے کہ اسکے اس ناچیز و حقیر مصنف کی مذکورہ بالا کتب پر کوئی رائیلٹی نہیں کیونکہ میں نے اپنے علم کو اپنے روزگار کا ذریعہ نہیں بنایا۔ شاید اسی لئے وہ زیادہ مؤثر و مقبول ثابت ہو رہی ہیں۔

تاریخی جائزہ

• ملتان اس مملکتِ خداداد کا ایک قدیم اور تاریخی شہر ہے جو لاالٰہ الا اللہ کی بنیادوں پر قائم ہوئی اور جسے ایک مثالی اسلامی سلطنت بننا تھا مگر پچیس سال بیت جانے کے باوجود نہ اسے اسلامی سانچہ میں ڈھالا گیا اور نہ اس کا کوئی مستقل آئین بن سکا۔

• جس نظریہ پاکستان کی بنا پر یہ مملکت معرضِ وجود میں آئی تھی۔ اس نظریہ کی بقاء و تحفظ کا نہ انتظام کیا گیا اور نہ نسلِ نو کو اس کے پس منظر اور تقاضوں سے آگاہ کیا گیا۔ یہ تمام عرصہ جنگِ اقتدار میں گزار دیا گیا اور اس نئی مملکت اور ملت کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔

• یک صد سالہ انگریزی دور میں مغربی تہذیب و تمدن، لادینی اقدار اور اشتراکی نظریات کو یہاں وہ فروغ حاصل نہ ہوا۔ جو مغرب زدہ حکمرانوں کی سرپرستی میں انہیں پاکستان میں نصیب ہوا۔ اور جن کی وجہ سے آج ملک و ملت گوناگوں مصائب و مشکلات میں گرفتار ہے۔

• مغربیت، لادینیت اور دہریت کا سیلاب اگرچہ ملتان کی در و دیوار سے بھی ٹکرا تا رہا اور کالجوں کے راستے شہر میں بھی آتا رہا مگر ابھی تک ملتان کی اکثریت اس کے تباہ کن اثرات سے محفوظ ہے اور یہاں مشرق کی مایۂ ناز تہذیب و تمدن کا دور دورہ ہے۔

• ملتان میں ابھی تک پردہ کا حصار قائم ہے۔ پرانے رسم و رواج جاری ہیں کچھ شرم و حیا اور بزرگوں کا ادب باقی ہے۔ اخلاقی قدروں کے آثار موجود ہیں دین و دانش کی شمعیں روشن ہیں، بلحاظ آبادی مغرب زدہ طبقہ آٹے میں نمک کے برابر بھی موجود نہیں ہے لیکن وہ دوسروں کو متاثر کرنے کے لئے کافی ہے۔

• آبادی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ سڑکوں کے لئے روز افزوں ٹریفک کا دباؤ ناقابل برداشت ہو رہا ہے۔ ٹریفک کا ہجوم دیکھ کر ملتان پر لاہور اور کراچی کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ ملتان کی سڑکیں اب وسعت چاہتی ہیں اور شعور شہریت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

• ملتان میں دولت کی کمی نہیں اور جائز و ناجائز ذرائع سے اس میں روز بروز اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ مگر یہ جائز مصرف میں بہت کم آتی ہے۔ زرعی اور صنعتی ترقی تو اطمینان بخش ہے لیکن صنعتکاروں اور مزدوروں، زمینداروں اور مزارعوں کے تعلقات اطمینان بخش نہیں۔

• نسل نو گھر اور مدرسہ سے کم لٹریچر، سینما، ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے زیادہ عملی تعلیم و تربیت حاصل کر رہی ہے۔ ان جدید ذرائع تعلیم نے نہ صرف اُستاد کے مقام و مستقبل کو مخدوش بنا دیا ہے بلکہ خود نسل نو کے مستقبل کو بھی خطرہ میں ڈال دیا۔ ان چار چیزوں کے کردار کی اصلاح قوم کی صلاح و فلاح کی ضامن بن سکتی ہے۔

وما علینا الا البلاغ

حرفِ آخر

کتابیں پڑھنی جتنی آسان ہوتی ہیں۔ کتابیں لکھنی اتنی مشکل ہوتی ہیں، قارئین کرام اس بات کا قطعاً اندازہ ہی نہیں لگا سکتے کہ ایک مصنف کو تاریخ لکھنے کیلئے کتنی، ورق گردانی، تحقیق و تفتیش اور دماغ سوزی کرنی پڑتی ہے، ماضی کی تاریخ لکھنا اتنا مشکل کام نہیں جتنا حال کے متعلق کچھ لکھنا مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض حقائق کا اظہار بعض موجود طبائع پر ناگوار گزرتا ہے۔ اس لئے ایک مصنف کے لئے خواہ وہ کسی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتا ہو سب کے نظریات و معتقدات پر پورا اُترنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ اور ہر کتاب سب کے لئے قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ اختلاف کی گنجائش ہر کتاب میں موجود ہوتی ہے۔ اس قاعدہ کلیہ سے یہ کتاب بھی مستثنےٰ نہیں ہو سکتی۔

اس کتاب کے لکھنے کا پہلے سے کوئی ارادہ نہ تھا۔ نہ اس مسئلہ پر کبھی سوچا تھا۔ نہ اس کے متعلق کوئی تیاری کی تھی اور نہ کوئی مواد جمع کیا تھا۔ راقم اپنے "نقوشِ زندگی" قلم بند کرنے میں مصروف تھا۔ نصف کے قریب کام مکمل کر چکا تھا کہ کاتبِ تقدیر نے قلم اس طرف موڑ دیا اور غیر اختیاری طور پر "آئینۂ ملتان" زیرِ قلم آگیا۔ اہلِ علم و فضل کی موجودگی میں چونکہ مولا کریم نے یہ کام مجھ ایسے نااہل سے لینا تھا۔ اس لئے اس کی توفیق رفیق ہوئی اور تین ماہ کے قلیل عرصہ میں بفضلہ تعالیٰ یہ کام مکمل ہو گیا۔ طوالت کے خوف سے میں تفصیلات میں نہیں جا سکا اور تعارف کی حد تک کام مکمل کر دیا ہے۔ تفصیلات میں جانے کے لئے علیحدہ دفتر اور فرصت کی ضرورت ہے۔

مختلف موضوعات پر اس وقت تک میری ۳۰ کے قریب کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے صرف "مشاہدات و واردات" اور "تعمیر پاکستان و علمائے ربانی" میں ملتان کا ضمناً ذکر آیا ہے۔ مگر اس پر کوئی مستقل کتاب لکھنے کی ابھی تک نوبت نہ آئی تھی۔ اس لئے اس سلسلہ میں ملتان کا بھی مجھ پر ایک حق باقی تھا جس کی ادائیگی کے لئے بفضلہ تعالیٰ یہ کتاب منصۂ شہود پر آ گئی ہے۔ اس میں قدیم و جدید ملتان کو دور وار پہلو بہ پہلو دکھایا گیا ہے۔ اور فکر و نظر کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کا تذکرہ ان اوراق میں نہ آیا ہو۔ اسے زیادہ سے زیادہ معلومات افزا بنانے کے لئے حتی الوسع ٹھوس حقائق تک محدود رکھا گیا ہے۔ تاکہ ان کی روشنی میں آپ خود نتائج کی منزل تک پہنچ سکیں۔ اس کی تیاری میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کی فہرست بھی آخیر میں شامل کر دی ہے تاکہ بشرط ضرورت آپ براہ راست ان سے بھی استفادہ کر سکیں۔ یہ حقیر سی خدمت، محنت اور جستجو ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

کتابیات

آئینہ ملتان کی تکمیل کیلئے مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا۔

۱۔ اخبار الاخیار — شاہ عبدالحق دہلوی
۲۔ مرۃ الممالک — سید علی
۳۔ آئین اکبری — ابوالفضل
۴۔ تاریخ سندھ — مولانا ابوظفر ندوی، اعجاز الحق قدوسی
۵ تذکرۃ الواصلین — مولانا رضی الدین بسمل
۶۔ مسلمان حکمران — رشید اختر ندوی
۷۔ ہندوستانی مسلمان — سید ابوالحسن علی ندوی
۸۔ تلاش ہند — پنڈت جواہر لعل نہرو
۹۔ چچ نامہ — مترجمہ اختر رضوی
۱۰۔ نفحات الانس — مولانا جامی
۱۱۔ سفینۃ الاولیاء — شہزادہ دارا شکوہ
۱۲۔ فتوح البلدان — بلاذری
۱۳۔ ماللہند — البیرونی
۱۴۔ فوائد الفواد — امیر حسن سنجری
۱۵۔ تاریخ فیروز شاہی — ضیاء الدین برنی
۱۶۔ آب کوثر — شیخ محمد اکرام ایم۔ اے

۱۷۔ میوٹنی رپورٹ — جلد ہشتم حصہ دوم

۱۸۔ ۱۸۵۷ء — میاں محمد شفیع پی۔ سی۔ ایس

۱۹۔ سیر العارفین — شیخ جمالی

۲۰۔ اولیاء ملتان — سید محمد اولاد علی شاہ

۲۱۔ گلشن ابرار — خواجہ امام بخش

۲۲۔ مسلم ثقافت ہندوستان میں — مولانا عبدالمجید سالک

۲۳۔ تاریخ فرشتہ — محمد قاسم ہندو شاہ

۲۴۔ تذکرۃ الاصفیا — شیخ بری لکھنوی

۲۵۔ بزم صوفیہ — سید صباح الدین عبدالرحمٰن

۲۶۔ منتخب التواریخ — ملاں عبدالقادر بدایونی

۲۷۔ نزہتہ الخواطر — مولوی حکیم عبدالحی

۲۸۔ تزک بابری — ظہیر الدین بابر

۲۹۔ طبقات اکبری — نظام الدین ہروی

۳۰۔ تاریخ پاک و ہند — محمد عبداللہ ملک ایم اے

۳۱۔ تاریخ پاک و ہند — صاحبزادہ عبدالرسول

۳۲۔ صحافت پاک و ہند میں — ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

۳۳۔ ملتانی زبان — ڈاکٹر مہر عبدالحق

۳۴۔ ماہنامہ معارف — جلد نمبر ۸۶، شمارہ نمبر ۱ و جلد نمبر ۸۷، شمارہ نمبر ۲، جلد نمبر ۸۹ شمارہ ۵

۳۵۔ نقوشش لاہور نمبر	محمد طفیل
۳۶۔ ملتان قدیم و جدید	ارشد حسین ارشد
۳۷۔ المعارف لاہور	اگست ۱۹۷۰ء
۳۸۔ متاعِ کارواں	نبی بخش بھٹی
۳۹۔ نئے زاویے	ڈسٹرکٹ کونسل
۴۰۔ اکنامک پرابلمز آف پاکستان	ایس عنایت حسین
۴۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا	ایڈیشن ۱۴
۴۲۔ فیملی پلاننگ	ڈاکٹر ستیبا رتی
۴۳۔ ضبطِ ولادت	محمد تقی عثمان
۴۴۔ شعلۂ نوا	ادبی محاذ ملتان
۴۵۔ ڈسٹرکٹ گزٹیر ملتان	مسٹر ایمرسن
۴۶۔ امپیریل گزٹیر	کننگھم
۴۷۔ مرقع ملتان	سیدا ولاد علی شاہ
۴۸۔ ماہنامہ برہان	اگست ۱۹۶۲ء
۴۹۔ ہندو سیاست کے داؤ پیچ	مہاشہ فضل حسین
۵۰۔ راشٹریہ سیوم سیوک سنگھ	گورنمنٹ پبلیکیشن
۵۱۔ سکھوں کا منصوبہ	"
۵۲۔ ہندوستان میں اجنبی راج	مسٹر ای۔ پی۔ مون
۵۳۔ حیات امیر خسرو	نقی محمد خان خورجوی

۵۴- اسلامی کتب خانے — محمد زبیر

۵۵- لباب الالباب — علامہ عوفی

۵۶- ہندوستان عربوں کی نظر میں — مولوی مسعود علی ندوی

۵۷- سیر المتاخرین — غلام حسین طباطبائی

۵۸- پٹھان — اولف کیرو

۵۹- تاریخ تمدن ہند — محمد مجیب بی۔اے

۶۰- تاریخ ہندوستان — خواجہ محمد اشرف خان

۶۱- تاریخ پاکستان و ہند — چوہدری ہدایت اللہ خان

۶۲- ہسٹری آف انڈیا — جے۔بی۔ پوویل پرائس

۶۳- تاریخ ایران — پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی

۶۴- پاکستانی کلچر — جمیل جالبی۔

۶۵- تاریخ ادبیات مغربی پاکستان — پنجاب یونیورسٹی

مغربی تہذیب کا بہترین جائزہ

انسانیت حیوانیت کی راہ پر

از منشی عبدالرحمن خان

اس نئے شاہکار میں فاضل مصنف نے دانایان فرنگ کے پیش کردہ اعداد و اسناد کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ اسلامی تہذیب کے مقابلہ میں مغرب کی خود ساختہ اور اخلاق باختہ ۔ عریان تہذیب، انسانیت کی کوئی تعمیر یا خدمت نہیں کرسکی ۔ اور وہ اپنی زندگی کے ابھی دوسال بھی پورے نہیں کرنے پائی کہ اس کے ہولناک نتائج سے خود مغرب کے مدبرین اور مفکرین بھی تھرآ اٹھے ہیں ۔ اور اس کے مراکز میں ایک زلزلہ آگیا ہے ۔ جو اس وقت معاشی جاگیر داری ۔ فسق نوازی ۔ فحش نگاری ۔ غارت گری ۔ مجرم سازی ۔ عشوہ طرازی ۔ مہذب بیسوائی ۔ جنسی عیاشی ۔ شہوانی انارکی ۔ زنا پروری، لواطت افزائی ۔ حسن نمائی ۔ شہوت انگیزی ۔ ہیجان خیزی ۔ جگرسوزی، بے راہ روی ۔ شائستہ درندگی ۔ اقتدار کوشی ۔ ہلاکت باری میں نہ صرف خود گرفتار ہے ۔ بلکہ بڑی تیزی سے مشرقی تہذیب و تمدن کو بھی متاثر کرکے وہاں اپنے متعدی جراثیم پھیلا رہی ہے ۔ فاضل مصنف نے بیشمار اور حیرت انگیز معلومات کو سمیٹتے ہوئے متذکرہ بالا موضوعات کو ایسے موثر اور مدلل انداز میں پیش کیا ہے ۔ کہ وہ گہرے طلسمی حجابات جو عیار مغرب کی افسوں گری نے دنیا کے سامنے حائل کر رکھے ہیں ۔ یکے بعد دیگرے اٹھتے چلے گئے ہیں اور پڑھنے والا بے ساختہ پکار اٹھتا ہے ۔ کہ واقعی انسانیت حیونیت کی راہ پر گامزن ہے ۔

دیدہ زیب کتابت و طباعت حجم ۳۶۸ صفحات ۔ قیمت چار روپے

مکتبہ اشرف المعارف چہلیک ملتان شہر

سبق آموز اور بصیرت افروز مکاتیب کا نادر مجموعہ

انداز سخن

یہ کتاب علامہ شبیر احمد عثمانی ۔ علامہ سید سلیمان ندوی ۔ مولانا مناظر احسن گیلانی ۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی ۔ مولانا قاری محمد طیب مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان ۔ مولانا ظفر احمد عثمانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ۔ نواب سعید احمد خان چھتاری نواب محمد اسماعیل خان ۔ قائد اعظم کے یار غار نواب جمشید علیخان جسٹس ایس ۔ اے ۔ رحمٰن ۔ مسٹر قدرت اللہ شہاب ۔ علامہ علاؤالدین صدیقی مولانا غلام رسول مہر ۔ مسٹر مختار مسعود ۔ حمید نظامی اور اسد ملتانی یسے کل ۳۶ مشاہیر علماء ۔صلحاء ۔ فضلاء ۔ ادباء کے دینی ۔ علمی ۔ ادبی صلاحی ۔ سیاسی اور تاریخی خطوط پر مشتمل ہے ۔ جو وہ وقتاً فوقتاً منشی عبدالرحمٰن خان مہتمم عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ملتان کو مختلف مسائل زندگی پر لکھتے رہے ۔

دین و دانش کے اس مرقع میں زندگی کی ان راہوں پر روشنی الی گئی ہے ۔ جن پر چل کر انسان سکون و اطمینان حاصل کرتا ہے ۔ ور فوز و فلاح کی اس منزل تک پہنچ جاتا ہے ۔ جسکے بعد اسے دنیا کے پیچھے نہیں دوڑنا پڑتا ۔ دنیا خود بخود اسکے پیچھے دوڑتی رہتی ہے ۔ ان خطوط کے ذریعہ وہ شخصیات بھی منظر عام پر آگئی ہیں ۔جن سے قائد اعظم نے دینی بصیرت حاصل کی ۔ اور وہ حقائق بھی پہلی دفعہ سامنے آئے جو قائداعظم نے ان سے بیان فرمائے ۔ جس صاحب فراست سے ائد اعظم زیادہ متاثر ہوئے اور جنھوں نے انہیں تن تنہا لحد میں تارا تھا ۔ پاکستان کے متعلق ان کی ۱۹۴۷ء - ۴۸ میں کی ہوئی پیش وئیاں بھی ان کے خطوط میں بہت بڑی اہمیت کی حامل ہیں ۔ کیونکہ ن کی جملہ پیشگوئیاں صحیح ثابت ہو رہی ہیں ۔ حسین سرورق آفسٹ ں دیدہ زیب طباعت ۔

حجم تقریباً ۳۵۰ صفحات سائز 20 × 26 قیمت دس روپے

خلیق مرکز ۔۳۳ ۔ اے ۔ شاہ عالم مارکیٹ ۔ لاہور

خیابان سرسید
علامہ
منشی

خیابان
خیابان جمیل الدین عالی
خیابان اکبر الہ آبادی
خیابان مولانا ظفر علی خان
خیابان مولوی عبدالحق
خیابان قدرت اللہ شہاب
خیابان شرر